یزید کا مقدمہ

سعید الرحمٰن علوی

سن الطبع:

(باراوّل ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۹ء)



ہر منصف مزاج مسلم وغیر مسلم کے نام

فہرست

عرض مؤلف

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم،
وعلی ازواجه و اولاده و اصحابه اجمعین-

یزید بن معاویہ چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ کا ایک ایسا منفرد کردار ہے جس کی سیرت و شخصیت اور دور حکومت کے حوالہ سے بالعموم ہر منفی قول و رائے بلا تحقیق و ثبوت نہ صرف تسلیم کرلی جاتی ہے۔ بلکہ اس کی نشر و اشاعت کو بھی کار ثواب سمجھ لیا جاتا ہے۔ اگر یہ طرز عمل صرف عامۃ الناس تک محدود رہتا تو کسی حد تک قابل برداشت تھا کیونکہ عوام میں جذباتی افراط و تفریط کی فراوانی اور ذوق مطالعہ و تحقیق سے محرومی تسلیم شدہ امر ہے۔ مگر جب محترم و مکرم علماء و متصوفین کی اچھی خاصی تعداد بھی اپنی تمام تر انصاف پسندی اور اعتدال و توازن کو نظر انداز کرکے یزید کے بارے میں "اذا جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا" (جب تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو) اور "ان بعض الظن اثم" (یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) جیسے احکام قرآن کو نظر انداز کردے نیز "النصح لکل مسلم" (ہر مسلمان کی خیر خواہی)، "البینۃ علی المدعی و الیمین علی من انکر" (ثبوت مدعی کے ذمہ ہے اور انکار کرنے والے کے ذمہ قسم کھانا ہے) اور "خذ ما صفا ودع ماکدر" (جو صاف ہے اسے تھام لو اور جو گدلا ہے اسے چھوڑ دو) جیسی احادیث واقوال کو پس پشت ڈال دے۔ اور مدعیان علم و بصیرت بلا مطالعہ و حوالہ نیز بلا تحقیق و تنقید روایات۔ یزید کی شخصیت و سیرت و کردار و اقدامات کے بارے میں مختلف الزامات عائد کریں اور اس سلسلہ میں عدل و انصاف کے تمام تر یا اکثر تقاضے نظر انداز کردیں۔ جبکہ ان کی حالت یہ ہو کہ وہ نہ تو یزید کی ولادت و وفات، تعلیم و تربیت اور پدری و مادری حسب و نسب کی تفصیلات سے واقف ہوں نہ انہیں یزید پر عائد شدہ الزامات کی صفائی دینے والے اکابر امت کے اسماء و اقوال کا علم ہو اور نہ ہی انہیں وفات یزید ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ اور عمر

بنو امیہ کے بعد عباسی وما بعد ادوار میں یزید دشمنی کے تناظر میں مرتب شدہ کتب تاریخ میں موجود متضاد و غیر مربوط اور بلا سند و ثبوت یا جعلی و مشکوک اسناد پر مشتمل روایات اور ان کے پس منظر جسے کما حقہ آگہی حاصل ہو، تو پھر ایسی کتب کا تصنیف کرنا ناگزیر قرار پاتا ہے جو اختصار و جامعیت کی حامل ہوں اور علماء و جدید تعلیم یافتہ افراد کے ساتھ ساتھ عام پڑھے لکھے افراد حتیٰ کہ پڑھنے لکھنے کی صلاحیت سے محروم مگر کسی کتاب کا متن پڑھوا کر سننے کے بعد تجزیہ و تبصرہ کے شعور و وجدان کے حامل کروڑوں عامتہ المسلمین کو بھی حقائق سے روشناس کرا سکیں۔ اور اسی سلسلہ کی ایک کوشش موجودہ کتاب ہے۔ جس میں ماضی میں حسین و یزید، کربلا و حرہ، امامت و خلافت نیز دیگر متعلقہ مباحث کے حوالہ سے تصنیف شدہ مختلف و متضاد کتب سے بھی استفادہ کرتے ہوئے حتی الامکان علمی و تحقیقی حوالہ جات کے ہمراہ معلومات کو مرتب و مربوط انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور حتی الامکان نقل اقوال و اقتباسات کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ نیز چونکہ یزید کو مجرم ثابت کرنے کے لئے صدیوں سے پورے عالم اسلام بالخصوص برصغیر پاک و ہند و بلاد عجم میں مختلف الزامات عائد کئے جاتے رہے ہیں، لہذا اس کتاب کی حیثیت اکابر امت اور عامتہ المسلمین کی عدالت میں ایک مقدمہ کی سی ہے۔

اس سلسلہ میں باب اول میں ملزم یزید کے مختصر احوال بیان کئے گئے ہیں تاکہ ملزم کے انفرادی و خاندانی پس منظر اور عام چال چلن کا اندازہ کیا جاسکے۔

۲۔ باب ثانی میں ملزم پر عائد شدہ اہم تر الزامات جو زیادہ تر مشہور و معروف ہیں، یکجا کر دیئے گئے ہیں اور وکلائے صفائی (امام ابن حزم ظاہری، امام غزالی، قاضی ابوبکر ابن العربی، شیخ عبدالمغیث بن زہیر حربی، امام ابن تیمیہ، علامہ ابن خلدون وغیرہ) کے بیانات بھی نقل کر دیئے گئے ہیں۔

۳۔ باب سوئم بیعت صحابہ کرامؓ بحق خلافت یزید کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

۴۔ باب چہارم و ما بعدہ میں صدر اسلام سے عصر جدید تک مختلف زمان و مکان سے تعلق رکھنے والے اکابر امت کے اقوال بسلسلہ یزید درج کئے گئے ہیں۔

یہ کتاب یزید کے چودہ صدیاں پرانے مقدمہ کو ملزم کے حالات، اس پر عائد شدہ الزامات، وکلائے صفائی کے بیانات اور ملزم کے حق میں اکابر امت کے مثبت اقوال و

آراء کو مربوط و مرتب انداز میں پیش کرنے میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے اور اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد یزید کا مقدمہ کتاب کے ناقدین و مؤیدین یعنی مزید وکلائے استغاثہ و صفائی کی روشنی میں کیا صورت اختیار کرتا ہے اور وہ یزید کے مقدمہ کے فیصلہ کے سلسلہ میں کتاب زیر بحث کو کس حد تک مفید یا قابلِ تردید پاتے ہیں، اس کا فیصلہ علماء کرام، مشائخ عظام، جدید اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقات اور عامۃ المسلمین ہی بہتر کر سکیں گے۔ نیز یہ کتاب نہ تو اس سلسلہ کی کتاب اول ہے، نہ اس کے مندرجات حرف آخر ہیں۔ نہ یہ کتاب محفوظ عن الخطاء ہے، نہ قارئین کی آراء و تبصرہ جات کی روشنی میں رجوع و نظر ثانی مواد کی احتیاج سے ماوراء۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود کیا عجب کہ یہ کتاب مقدمہ یزید کے سلسلہ میں چودہ صدیوں سے امت مسلمہ کی نوے فیصد سے زائد اکثریت پر مشتمل اہل سنت والجماعت کے علماء واکابر بر صغیر پاک و ہند میں بالخصوص فکر و عمل کی نئی راہیں وا کردے اور جذباتی وسطحی طرز فکر و عمل کے بجائے علمی و تحقیقی اور عقلی و منطقی موقف اختیار کرنے والے اہل علم و فضل و عامۃ الناس کی تعداد میں عظیم الشان و فیصلہ کن اضافہ کا باعث بن جائے۔ نیز مسلم اقلیتی فرقوں کے باشعور افراد بھی اس کتاب کے مطالعہ سے اعتدال و توازن کی نئی راہیں اختیار کر سکیں۔

و باللہ التوفیق وھو المستعان وانہ علی کل شئی قدیر۔

(سعید الرحمٰن)

باب اول

مختصر احوال یزید

۱- مختصر احوال یزید

یزید بن معاویہ کے حامیان و مخالفین بالعموم اس کے ذاتی حالات کے سلسلہ میں بنیادی معلومات سے بے خبر ہیں۔ لہذا حتی الامکان مستند مصادر سے بعض ضروری معلومات درج کی جارہی ہیں۔

یزید کا نام و نسب اور ذاتی حالات

یزید کے دادا سیدنا ابوسفیان اموی قریشی، دادی سیدہ ھند، تایا یزید، والد معاویہ اور پھوپھی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ (رملہ) تمام کے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم یزید کے پھوپھا ہیں۔

سیدنا ابوسفیان فتح مکہ سے چند روز پہلے مسلمان ہوئے اور ان کے گھر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر دارالامان قرار دیا۔ سیدہ ھند زوجہ ابوسفیان بھی اسی دوران میں مسلمان ہوئیں اور سیدنا حمزہ کی شہادت کے بعد ان کا کلیجہ چبانے پر بھی ان کی توبہ نبی ﷺ نے قبول فرمائی اور بیعت نبوی سے سرفراز ہوئیں۔

سیدنا ابوسفیان کی ایک آنکھ غزوہ طائف میں اور دوسری جنگ یرموک میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئی۔ آپ کی زوجہ ھند، بیٹے اور خاندان رومی عیسائیوں کے خلاف جنگ میں موجود تھے۔ جبکہ غزوہ حنین میں بھی سیدنا ابوسفیان اور انکا خاندان شریک تھے۔ غزوہ یرموک میں اپنی پرجوش تقریروں سے سیدنا ابوسفیان مجاہدین کی ہمت افزائی کرتے ہوئے فرماتے جاتے تھے:-

هذا يوم من ايام الله فانصروا دين الله ينصركم الله-

(یہ اللہ کے ایام جہاد میں سے ایک ہے پس اللہ کے دین کی مدد کرو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا)۔

یزید کے تایا سیدنا یزید بن ابی سفیان شام پر حملہ کرنے والے صحابی فاتحین اور سپہ سالاروں میں سے ایک تھے۔ جنہیں سیدنا عمر فاروق نے امیر دمشق مقرر کیا تھا۔ اور

انہی کے نام پر یزید بن معاویہ کا نام رکھا گیا۔ جبکہ سیدنا معاویہ جو اپنے والد سے پہلے مسلمان ہوئے تھے، کاتب وحی اور غزوہ طائف و حنین و تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک جہاد تھے اور سیدنا علی و حسن کے بعد بیس برس تک آخری صحابی امام و خلیفہ کے طور پر امور ریاست سرانجام دیتے رہے۔

غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سیدنا معاویہ کی بیس سالہ عظیم الشان امامت و خلافت کو شرعاً درست قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"و اما خلافة معاوية فثابته صحيحة بعد موت علي و بعد خلع الحسن بن علي رضي الله تعالىٰ عنهما نفسه عن الخلافة و تسليمها الى معاوية"-
(غنیۃ الطالبین، ص ۱۷۲)

ترجمہ: حضرت علیؓ کی وفات اور حضرت حسن بن علیؓ کے خلافت سے دستبردار ہو کر اسے حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دینے کے بعد حضرت معاویہ کی خلافت درست اور ثابت شدہ ہے۔

یزید کی پھوپھی سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین ہیں جو ہجرت حبشہ سے پہلے مکہ میں مسلمان ہو کر اپنے شوہر کے ہمراہ حکم نبوی کے مطابق حبشہ ہجرت فرما گئی تھیں۔ حبشہ میں ان کا شوہر عیسائی ہو گیا اور اس بناء پر علیحدگی عمل میں آئی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھجوایا اور شاہ حبشہ نجاشی نے نکاح پڑھا کر تحفے تحائف کے ساتھ بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مدینہ منورہ روانہ کیا۔ یہی وہ سیدہ ہیں جنہوں نے امام و خلیفہ ثالث شہید مظلوم سیدنا عثمان غنیؓ کے چالیس روزہ محاصرہ کے دوران میں اپنی جان خطرہ میں ڈال کر سیدنا عثمانؓ کو پانی اور سامانِ خورد و نوش پہنچانے کی کوشش فرمائی مگر بلوائیوں نے یہ کوشش ناکام بنا کر واجب الاحترام پردہ دار اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنینؓ کی توہین کی۔ پس ام المومنین ام حبیبہ کے تعلق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوسفیان و سیدہ ہندہ کے داماد، سیدنا یزید و معاویہ کے بہنوئی اور یزید بن معاویہ کے پھوپھا ہیں۔ دیگر باہم اموی و ہاشمی قرابتیں علاوہ ازیں ہیں۔

یزید کی والدہ سیدہ میسون یمنی عربوں کی مشہور شاخ بنو کلب کے سردار بحدل

بن انیف الکلبی کی صاحبزادی تھیں۔ ابن کثیر اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وکانت (میسون) حازمة عظیمة الشان جمالاً و ریاسة و عقلاً و دیناً۔

(ابن کثیر، البدایة و النهایة، ج ۸، ص ۱۴۵)

ترجمہ:- وہ (میسون) عقل و دانش، حسن و جمال، سرداری و دینداری کے لحاظ سے عظیم المرتبت تھیں۔

یزید کی ولادت ایک روایت کے مطابق ۲۲ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۲۵ھ میں ہوئی۔ پہلی روایت صحیح تر ہے۔ علامہ ابن کثیر سن ۲۲ھ کے حالات میں لکھتے ہیں:-

"وفیها ولد یزید بن معاویة و عبدالملک بن مروان"- (البدایة، ج ۷، ص ۱۲۵)

ترجمہ:- "اور اسی سال (۲۲ھ) میں یزید بن معاویہ اور عبدالملک بن مروان کی ولادت ہوئی۔"

یزید کا نام اپنے تایا اور جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم یکے از فاتحین شام و امیر دمشق سیدنا یزید بن ابی سفیان کے نام پر رکھا گیا۔

سیدہ میسون کے بطن سے سیدنا معاویہ کی دو بیٹیاں امۃ المشارق اور رملہ بھی پیدا ہوئیں۔ جن میں سے پہلی چھوٹی عمر میں وفات پا گئیں اور دوسری سیدہ رملہ کی شادی سیدنا عثمان غنی کے بیٹے عمرو بن عثمان سے ہوئی۔ اوران رملہ کی بہو سکینہ بنت حسین تھیں جو یزید بن عمرو بن عثمان کی زوجیت میں آئیں۔ (ابن قتیبہ، کتاب المعارف، مطبوعہ مصر، ۱۳۰۳ھ، ص ۹۴)۔

تعلیم و تربیت

یزید کا زمانہ رضاعت اپنے ننھیالی قبیلہ کی دایہ کے خیمہ میں سادات قریش کے اموی و ہاشمی گھرانوں کے دستور کے مطابق بسر ہوا۔ بعد ازاں دستور زمانہ کے مطابق قرآن و حدیث، عربی زبان و ادب، علم الانساب، شعر و خطابت، شہ سواری، فنون حرب وغیرہ ضروری علوم و فنون سے کماحقہ واقفیت حاصل کی۔

اساتذہ میں حجر بن حنظلہ، الشیبانی الذہلی نمایاں تھے جو علم الانساب سے خصوصی

دلچسپی کی بناء پر دغفل النسابہ کے نام سے معروف تھے۔ بصرہ سے دمشق آ کر اقامت اختیار کی تھی اور ابن حجر کی تصریح کے مطابق صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

"يقال له صحبة وقال نوح بن حبيب الفرمسى: فيمن نزل البصرة من الصحابة دغفل النسابة "-

(ابن حجرالعسقلانی، الاصابة فی تمییزالصحابة، ج ۱، ص ۴۷۵)-

کہا جاتا ہے کہ وہ صحابی تھے نوح بن حبیب فرسی کا قول ہے کہ جو صحابہ بصرہ میں مقیم ہوئے ان میں دغفل النسابہ بھی تھے۔

علاوہ ازیں دارالخلافہ دمشق میں موجود اور وہاں تشریف لانے والے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات و استفادہ کے مواقع میسر تھے۔ سیدنا عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم جو رشتے میں نبی علیہ السلام کے چچازاد و صحابی بن صحابی تھے۔ اور خلافت فاروقی میں مدینہ سے دمشق آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ یزید سے شفقت کا خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ حتّٰی کہ وفات کے وقت یزید کے حق میں ذاتی وصیت فرما گئے۔ ابن حزم لکھتے ہیں:-

"عبدالمطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبدالمطلب بن هاشم صحابى انتقل الى دمشق وله بهادار- فلمامات أوصى الى يزيد بن معاوية وهو امير المؤمنين و قبل وصيته"- (جمهرة الانساب، ابن حزم، ص ٦٣)

ترجمہ: حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم صحابی تھے وہ دمشق منتقل ہو گئے تھے اور وہاں ان کا مکان بھی تھا۔ وفات کے وقت یزید بن معاویہ کو جو اس وقت امیر المؤمنین تھے اپنا وصی و وارث بنا گئے اور یزید نے ان کی وصیت کو قبول کر لیا۔

حلیہ و صفات یزید

جسمانی لحاظ سے یزید بلند قامت اور گورے رنگ کا خوبصورت جوان تھا۔

"وكان ابيض حسن اللحية خفيفها"- (البلاذری، انساب الاشراف، ج ۴، ص ۳)

ترجمہ:- وہ (یزید) گورے رنگ کا اور ہلکی خوبصورت ڈاڑھی والا تھا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں:-

"وكان كثير اللحم عظيم الجسم كثير الشعر جميلاً طويلاً"-

(ابن كثیر، البداية والنهاية، ج ٨، ص ٢٢٤)-

ترجمہ:- وہ (یزید) لحیم شحیم، عظیم الجثہ، گھنے بالوں والا، خوبصورت اور دراز قد تھا-

علامہ ابن کثیر یزید کی شخصیت و تعلیم و تربیت کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم و الحلم و الفصاحة و الشعر و الشجاعة و حسن الرأى فى الملك- وكان ذا جمال حسن المعاشرة"

(البداية و النهاية لابن كثیر، ج ٨، ص ٢٢٠ و تاريخ الاسلام للذهبي، ج ٣، ص ٩٣)-

ترجمہ: یزید میں حلم و کرم، فصاحت و شاعری، شجاعت اور امور مملکت میں اصابت رائے جیسی قابلِ تعریف صفات پائی جاتی تھیں نیز وہ خوبصورت اور عمدہ آداب معاشرت کا حامل تھا-

شیعہ مصنف ابن ابی الحدید شارح "نہج البلاغہ" لکھتے ہیں:-

"كان يزيد بن معاوية خطيباً شاعراً و كان اعرابى اللسان بدوى اللهجة"-

(ابن ابی الحدید، شرح نهج البلاغة، ج ٢، ص ٨٢٣-٨٢٥)۔

ترجمہ: یزید بن معاویہ خطیب و شاعر تھا اور اس کا لب ولہجہ بدوؤں کی طرح فصیح و عمدہ تھا-

عالمی شہرت یافتہ ترک عالم و مؤرخ حاجی خلیفہ، دیوان یزید بن معاویہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"اول من جمعه ابوعبدالله محمد بن عمران المر زبانى البغدادى، وهو صغير الحجم فى ثلاث كراريس- وقد جمعه من بعده جماعة و زادوا فيه أشياءليست له- وشعر يزيد مع قلته فى نهاية الحسن و ميزت الأبيات التى له من الأبيات التى ليست له، و ظفرت بكل صاحب البيت"-

(حاجی خلیفه، کشف الظنون، طبع القسطنطينية، ١٣٦٠ھ، ص ٨٢٠)-

ترجمہ:- سب سے پہلے اس (دیوان یزید) کو ابو عبداللہ محمد بن عمران المرزبانی البغدادی نے جمع کیا جو کہ چھوٹے حجم کا اور تین اوراق پر مشتمل تھا- ان کے بعد ایک جماعت نے اسے جمع کیا اور اس میں ایسے اشعار کا اضافہ کر دیا جو یزید کے نہیں ہیں- اور یزید کی شاعری قلیل ہونے کے باوجود انتہائی عمدہ ہے- میں یزید کے اشعار اور ان اشعار کو جو اس کے نہیں ہیں، علیحدہ علیحدہ کر چکا ہوں اور (یزید سے غلط طور پر منسوب) ہر شعر کے

اصل شاعر کا پتہ چلانے میں بھی کامیاب ہو گیا ہوں۔

یزید کی سیرت و کردار کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم و سیدنا علیؓ کے چچازاد بھائی اور جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:-

"وان ابنه يزيد لمن صالحی اهله"-

(البلاذری، انساب الاشراف، طبع یروشلم، الجزء الرابع والقسم الثانی، ص ۴، والامامة والسياسة، طبع ۱۹۳۷، ص ۲۱۳)-

ترجمہ:- اور ان (معاویہؓ) کا بیٹا یزید ان کے خاندان کے صالح افراد میں سے ہے۔

سیدنا حسنؓ و حسینؓ کے چچازاد اور بہنوئی، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ (م ۵۷ھ) یزید کی مہمان نوازی اور سخاوت کے ذاتی تجربہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"قال ابن جعفر:- تلو موننی علی حسن الرأی فی هذا يعنی يزيد" (ابن كثير، البداية والنهاية، ج ۸، ص ۲۲۰)

ترجمہ:- ابن جعفر نے فرمایا:- تم اس شخص (یعنی یزید) کے بارے میں میری عمدہ رائے پر مجھے کیونکر ملامت کرسکتے ہو۔

سیدنا حسنؓ و حسینؓ کے بھائی، پیکر علم و شجاعت، سیدنا محمد بن علی ابن الحنفیہؒ (م ۸۱ھ) سیرت یزید کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

"وقد حضرته وأقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلاة، متحرياً للخير، يسأل عن الفقه، ملازماً للسنة"- (ابن كثير، البداية والنهاية، ج ۸، ص ۲۳۳)۔

ترجمہ:- میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور اس کے پاس مقیم رہا ہوں۔ پس میں نے اسے نماز کا پابند، کار خیر میں سرگرم، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا ہے۔

روایت حدیث

ابن کثیر نے روایت کیا ہے کہ یزید صحابہ سے متصل اعلی طبقہ تابعین میں سے ہے۔

"وقد ذكره ابو زرعة الدمشقی فی الطبقة التی تلی الصحابة وهی العلياء و قال له احاديث"- (ابن كثير، البداية والنهاية، ج ۸، ص ۲۲۶)۔

ابو زرعہ دمشقی نے یزید کا ذکر صحابہ سے متصل بلند مرتبہ طبقہ تابعین میں کیا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ اس سے احادیث مروی ہیں۔

۱- یزید نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کی سند سے روایت کیا ہے کہ:-

"ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین"- (البدایۃ، ج ۸، ص ۲۲۶)۔

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا کر دیتا ہے۔

۲- یزید نے سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"من مات ولا یشرک باللّٰہ شیئاً جعلہ اللّٰہ فی الجنۃ"-

(ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج ۸، ص ۵۹)-

ترجمہ:- جو شخص اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے بغیر وفات پا جائے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

حج و زیارت حرمین

یزید نے تین سال (سن ۵۱ھ، ۵۲ھ اور ۵۳ھ) میں امیر الحج کی حیثیت سے حج کیا۔

"حج بالناس یزید بن معاویۃ فی سنۃ احدی وخمسین و ثنتین وخمسین و ثلاث وخمسین-" (ابن کثیر، البدایۃ و النھایۃ، ج ۸، ص ۲۲۹)-

ترجمہ: یزید بن معاویہ نے سن اکیاون، باون اور ترپن (ہجری) میں لوگوں کو (بحیثیت امیر) حج کرایا۔

ازواج و اولاد

یزید کی پہلی بیوی والدہ معاویہ ثانی بنو کلب میں سے تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد درج ذیل چار خواتین سے مختلف اوقات میں شادیاں کیں جن میں ۵۳ھ میں سیدنا حسینؓ کے چچا زاد اور بہنوئی (شوہر سیدہ زینبؓ) سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی بیٹی سیدہ ام محمد سے شادی بھی شامل ہے۔ (جمھرۃ الانساب لابن حزم، ص ۶۲)۔ اس طرح کل پانچ شادیاں

درج ذیل خواتین سے کیں۔
۱- والدہ معاویہ ثانی (جو بنو کلب سے تھیں اور باقی شادیاں ان کی وفات کے بعد کیں)
۲- سیدہ فاختہ (حبہ) بنت ابی ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ
۳- سیدہ ام کلثوم بنت عبداللہ بن عامر، امویہ قرشیہ۔
۴- سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار، ھاشمیہ قرشیہ
۵- سیدہ ام مسکین بنت عاصم بن عمر فاروق عدویہ قرشیہ (خالہ عمر بن عبدالعزیز)
(راجع الذهبي، ميزان الاعتدال في نقد الرجال، ج ۳، ص ۴۰۰، بذيل الكنى للنسوة)

علاوہ ازیں سیدہ آمنہ زوجہ سیدنا حسینؓ و والدہ علی اکبر (عمر) سیدہ میمونہ بنت ابی سفیان کی بیٹی اور یزید کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ (جمهرة الانساب لابن حزم، ص ۲۵۵)

اولادِ یزید

یزید کے تیرہ بیٹوں اور چھ بیٹیوں کے نام کتب تاریخ میں ملتے ہیں:-

فرزندانِ یزید

۱- معاویہ ثانی (انتہائی متقی اور سب سے بڑے فرزند تھے۔ والد کے بعد چند ماہ خلیفہ رہ کر سیدنا حسنؓ کی طرح رضاکارانہ طور پر خلافت سے دستبردار ہو گئے)۔
۲- خالد (مشہور کیمیا دان) ۳- عبداللہ الاکبر ۴- ابوسفیان ۵- عبداللہ (لقب اصغر- الاسوار)
۶- محمد ۷- ابوبکر ۸- عمر ۹- عثمان ۱۰- عبدالرحمن
۱۱- عتبہ ۱۲- یزید ۱۳- عبداللہ (اصغر الاصاغر یعنی سب سے چھوٹے مشہور تھے)۔

دخترانِ یزید

۱- عاتکہ، زوجہ خلیفہ عبدالملک بن مروان۔
۲- ام یزید، زوجہ الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان۔
۳- رملہ، زوجہ عباد بن زیاد۔
۴- ام عبدالرحمن، زوجہ عباد بن زیاد (بعد وفات سیدہ رملہ)

۵- ام محمد، زوجہ عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان-

٦- ام عثمان، زوجہ عثمان بن محمد بن اَبی سفیان-

معاویہ ثانی بن یزید کی تعریف میں مؤرخ اسلام شاہ معین الدین ندوی کا درج ذیل بیان ملاحظہ ہو:-

"یزید کی موت کے بعد ربیع الاول ٦٤ھ میں اس کا نوجوان لڑکا تخت نشین ہوا- اس وقت اس کی عمر کل اکیس سال کی تھی- لیکن بڑا دیندار اور صالح تھا- یزید کے زمانہ میں جو حوادث و واقعات پیش آئے انہیں دیکھ کر معاویہ کا دل سلطنت و حکومت سے بھر گیا تھا- (۱) اس لئے تین مہینے کے بعد خلافت سے دستبردار ہو گیا اور مسلمانوں کے سامنے تقریر کی :-

مجھ میں حکومت کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں ہے- میں نے چاہا تھا کہ ابو بکرؓ کی طرح کسی کو اپنا جانشین بنا دوں یا عمرؓ کی طرح چھ آدمیوں کو نامزد کر کے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دوں- لیکن نہ عمر جیسا کوئی نظر آیا اور نہ ویسے چھ آدمی ملے- اس لئے میں اس منصب سے دستبردار ہوتا ہوں تم لوگ جسے چاہو اپنا خلیفہ بنا لو- (۲)

حکومت سے دستبرداری کے بعد معاویہ خانہ نشین ہو گیا اور چند مہینوں کے بعد انتقال کر گیا- اس کی سیرت دستبرداری کے واقعہ سے ظاہر ہے- حضرت امام حسنؓ کے بعد دست برداری کی یہ دوسری مثال تھی"-

(شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، نصف اول (حصہ اول و دوم)) مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور، ص ۳۷۷ بحوالہ (۱) یعقوبی، ج ۲، ص ۳۰۲، (۲) طبری، ج ۷، ص ۴٦٨)-

مشہور کیمیا دان علامہ خالد بن یزید (م ۸۴/۹۰ھ) کے بارے میں البیرونی، ابو الفرج اصفہانی، فلپ کے حتی، کلیمنٹ هوارٹ اور دیگر متعدد اہل علم کے بیانات میں سے صرف بطور اشارہ ابن خلکان کا بیان ملاحظہ ہو:-

"كان اول من اشتهر فى الطب بين الاسلام خالد بن يزيد بن معاوية الاموى- كان اعلم القريش بفنون العلم وله كلام فى صنعة الكيمياء و الطب و رسائله فيهما دالة على معرفته و براعته-"

(ابن خلكان، وفيات الاعيان، ص ۲۱۱، وضاحة العرب فى تقدمات العرب)-

ترجمہ:- زمانہ اسلام میں سب سے پہلے طب میں جو شخص مشہور ہوا- وہ خالد بن یزید بن معاویہ اموی تھا- جو قوم قریش میں فنون علمیہ (سائنس) کا سب سے بڑا عالم تھا- کیمیا اور طب پر اس نے کلام کیا ہے اور ان دونوں علوم میں اس کے رسائل اس کی علمی معرفت اور ذکاوت ذہنی پر دلالت کرتے ہیں-

نمونہ کلام یزید

۱- سیدنا حسن بن علیؓ کی وفات (۵۰ھ) پر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ (نبی ؐ و علیؓ کے چچا زاد) سے تعزیت کرتے ہوئے یزید یوں ہمکلام ہوا:-

"رحم الله ابا محمد و أوسع له الرحمة و أفسحها و اعظم الله اجرک و احسن عزاک و عوضک من مصابک ماهو خيرلک ثواباً و خير عقبى".

(ابن کثیر، البدایۃو النہایۃ، ج ۸، ص ۳۰۸)-

ترجمہ:- "اللہ ابو محمد (حسن بن علی) پر رحم فرمائے اور ان کے لئے اپنی رحمت کو وسیع و عریض فرمائے- آپ کو حسن عزاء سے نوازے اور اس مصیبت پر ایسا اجر دے جو آپ کے لئے ثواب اور عاقبت کے لحاظ سے بہترین ہو"-

۲- محاصرہ قسطنطنیہ کے دوران میں سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کا انتقال ہوا اور یزید نے وصیت کے مطابق نماز جنازہ کے بعد قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب تدفین شروع کی تو قیصر روم نے قلعہ کے اندر سے سوال کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو- یزید نے جواب دیا-

"صاحب نبينا وقد سئالنا ان نقدمه فى بلادک و نحن منفذون وصيته أو تلحق ارواحنا بالله." (ابن عبد ربہ، العقدالفرید، ج۳، ص ۱۳۳)-

ترجمہ: یہ ہمارے نبی ؐ کے صحابی ہیں اور انہوں نے ہمیں وصیت فرمائی ہے کہ ہم انہیں تمہارے ملک میں آگے تک لے جا کر دفن کریں- ہم ان کی وصیت نافذ کر کے رہیں گے چاہے اس کام مین ہماری ارواح پرواز کر کے خدا سے جا ملیں-

اس پر قیصر روم نے مسلمانوں کا محاصرہ ختم ہوجانے کے بعد سیدنا ابو ایوبؓ کا جسد مبارک قبر سے باہر نکال پھینکنے کی دھمکی دی جس کے جواب میں امیر لشکر، یزید نے "ناسخ التواریخ" کے شیعہ مؤلف کے مطابق قیصر کو مخاطب کر کے کہا:-

"يا اهل قسطنطينية! هذا رجل من اكابر اصحاب محمد نبينا، وقد دفناه حيث ترون والله لئن تعرضم له لأهدمن كل كنسية فى ارض الاسلام ولا

یضرب ناقوس بأرض العرب ابداً "۔
(محمد تقی سپہر کاشانی، ناسخ التواریخ، جلد دوم، کتاب دوم، ص ٦٦)۔

ترجمہ:- اے اہل قسطنطنیہ یہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ میں سے ایک ہستی ہیں۔ ہم نے انہیں اس جگہ دفن کیا ہے جو تمہیں نظر آ رہی ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے ان کی قبر کی بے حرمتی کی تو میں عالم اسلام کے تمام گرجے منہدم کروا دوں گا اور سرزمین عرب میں تاقیامت گرجوں کی گھنٹیاں نہ بج پائیں گی"۔

اس پر قیصر نے معذرت کی اور قبر کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ ابن سعد لکھتے ہیں:-

"توفی ابو ایوب عام غزا یزید بن معاویة القسطنطینیة فی خلافة أبیه سنة ٥٢هـ. وصلی علیه یزید بن معاویة و قبره بأصل حصن القسطنطینیة بأرض الروم- ان الروم یتعاهدون قبره و یزورونه و یستسقون به اذا قحطوا"۔
(طبقات ابن سعد، ص ٢١٥)۔

ترجمہ:- حضرت ابو ایوب انصاری کا انتقال اس سال ہوا جب یزید بن معاویہ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ ان کی نماز جنازہ یزید نے پڑھائی اور ان کا مزار ارض روم میں قسطنطنیہ کی فصیل تلے ہے۔ رومی (عیسائی) آپ کے مزار پر باہم معاہدے کرنے آتے ہیں، قبر کی زیارت کرتے ہیں اور قحط کے زمانے میں آپ کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگتے ہیں۔

٣- ایک روایت کے مطابق سیدنا معاویہؓ کی نماز جنازہ (رجب ٦٠ھ میں) یزید نے پڑھائی۔ چنانچہ محمد بن اسحاق اور امام شافعی کی روایت کے مطابق ایسا ہی ہوا۔

"فصلی علیه ابنه یزید"- (ابن کثیر، البدایة والنهایة، ج ٨، ص ١٤٣)۔

ترجمہ:- پس آپ کی نماز جنازہ آپ کے بیٹے یزید نے پڑھائی۔

سیدنا معاویہؓ کی تجہیز و تکفین ان کی وصیت کے مطابق عمل میں آئی۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ:-

"ان یکفن فی ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم الذی کساه ایاه وکان مدخراً عنده لهذا الیوم- وان یجعل ما عنده من شعره و قلامة اظفاره فی فمه و أنفه و عینیه و أذنیه" (البدایة، ج ٨، ص ١)۔

ترجمہ: حضرت معاویہ نے وصیت فرمائی کہ انہیں اس کپڑے میں کفنایا جائے جو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہنایا تھا اور جو اس روز کے لئے انہوں نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بال اور ناخن مبارک ان کے پاس محفوظ ہیں، وہ ان (معاویہ) کے منہ، ناک، آنکھوں اور کانوں میں رکھ دیئے جائیں۔

دوسری روایت کے مطابق سیدنا معاویہؓ کے انتقال (بروایت اصح ۲۲ رجب ۶۰ھ) کی خبر سن کر یزید حوارین سے دمشق پہنچا، قبر پر نماز جنازہ ادا کی، شہر آ کر "الصلاۃ جامعہ" کا اعلان کرایا، اپنی اقامت گاہ خضراء میں غسل کیا، لباس سفر بدلا اور پھر باہر آ کر خطبہ دیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:-

"ثم خرج فخطب النّاس اول خطبة وهو امير المؤمنين فقال بعد حمد الله و الثناء عليه:-

ايها الناس! ان معاوية كان عبداً من عبيد الله، انعم الله عليه ثم قبضه اليه- وهو خير ممن دونه و دون من قبله- ولا ازكيه على الله عز و جل، فانه اعلم به، ان عفا عنه فبرحمته و ان عاقبه فبذنبه، وقد وليت الأمر من بعده" (البداية، ج ۸، ص ۱۴۳)-

ترجمہ:- پھر (یزید) باہر آیا اور امیر المؤمنین کی حیثیت سے لوگوں کو پہلا خطبہ دیا۔ پس حمد و ثنائے خداوند کے بعد کہنے لگا:-

لوگو! معاویہ بندگان خدا میں سے ایک بندے تھے۔ اللہ نے ان پر انعام فرمایا پھر انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ وہ اپنے بعد والوں سے بہتر اور اپنے سابقین (ابوبکر و عمر و عثمان و علی) سے کمتر مقام کے حامل تھے۔ لیکن میں یہ بات اللہ عز و جل کے سامنے ان کی صفائی پیش کرنے کے لئے نہیں کہہ رہا۔ یقیناً اللہ ان کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ اگر وہ ان سے در گزر فرمائے تو یہ اس کی رحمت ہے اور اگر وہ گرفت فرمائے تو یہ ان کی خطاؤں کی وجہ سے ہو گا۔ اور اب ان کے بعد خلافت کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے۔

خطبات یزید بحیثیت خلیفہ، بمناسبت جمعہ و عیدین وغیرہ

امام شہاب الدین المعروف بہ ابن عبدربہ الاندلسی (م ۳۲۸ھ) نے اپنی مشہور کتاب "العقد الفرید" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد سیدنا ابوبکر و عمر و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم کے بعض خطبات درج کئے ہیں۔ ان کے ساتھ یزید کے

بحیثیت خلیفہ چند خطبات بھی درج ہیں جن میں سے یزید کے علم و خطابت اور اسلوب بیان کی نشاندہی کے لیے ایک خطبہ درج ذیل ہے:-

"الحمد الله أحمده و أستعينه و أومن به و أتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له- وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريک له وأن محمداً عبده ورسوله- اصطفاه لوحيه و اختاره لرسالته و كتابه و فضله و أعزه و أكرمه و نصره و حفظه- ضرب فيه الامثال و حلل فيه الحلال، و حرم فيه الحرام و شرع فيه الدين اعذاراً و انذاراً، لئلا يكون للناس حجة بعد الرسل و يكون بلاغاً لقوم عابدين-

أوصيكم عباد الله بتقوى الله العظيم الذى ابتدأ الامور بعلمه، واليه يصير معارها، وانقطاع مدتها و تصرم دارها-

ثم انى احذركم الدنيا فانها حلوة خضرة، حفت بالشهوات و راقت بالقليل، واينعت بالفانى، و تحببت بالعاجل، لايدوم نعيمها، ولا يؤمن فجيعها، أكالة غوالة غرارة لا تبقى على حال، ولا يبقى لها حال، لن تعدوا الدنيا، اذا تناهت الى أمنية اهل الرغبة فيها، والرضا بها ان تكون كما قال الله عز و جل:.

واضرب لهم مثل الحيوة الدنيا كماء انزلناه من السماء فاختلط به نبات الارض فأصبح هشيماً تذروه الرياح وكان الله على كل شئى مقتدراً-

ونسأل ربنا والهنا و خالقنا و مولانا ان يجعلنا واياكم من فزع يومئذ آمنين-

ان احسن الحديث وابلغ الموعظة كتاب الله يقول الله به:

واذا قرى القرآن فاستمعوا له و انصتوا لعلكم ترحمون-

اعوذ بالله من الشيطن الرجيم- بسم الله الرحمن الرحيم -

لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ماعنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف رحيم- فان تولوا فقل حسبى الله لا اله الا هو عليه توكلت وهو رب العرش العظيم"-

(ابن عبدربه، العقد الفريد، ج ۲، ص ۳۲۸، مطبوعه مصر، ۱۳۵۳ھ)

ترجمہ:- سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں- میں اسی کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں- اسی پر ایمان رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں- اور ہم اپنے نفسوں کی

شرارت اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ نیز میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ جنہیں اس نے اپنی وحی کے لیے منتخب فرمایا اور اپنی رسالت، اپنی کتاب اور اپنے فضل کے لئے انہیں اختیار کیا۔ انہیں عزت و کرامت بخشی، انکی مدد و حفاظت فرمائی اور قرآن میں مثالیں بیان کیں۔ اس میں حلال کو حلال اور حرام کو حرام ٹھہرایا، شرائع دین بیان کئے، اعذار و انذار کئے تاکہ پیغمبروں کے آجانے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ کے خلاف حجت قائم کرنے کا موقع نہ رہے۔ اور اہل عبادت تک یہ پیغام پہنچ جائے۔

میں تمہیں خدائے بزرگ و برتر کا تقوی اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں جس نے اپنے علم سے امور کی ابتداء فرمائی اور عاقبت امور، انتہائے مدت و اختتام زمانہ اسی کی طرف راجع ہے۔

اس کے بعد میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں جو سرسبز و شیریں ہے۔ جسے خواہشات نفسانی سے گھیر دیا گیا ہے۔ تھوڑے پر قناعت نہیں کرتی۔ اور فانی چیزوں سے انس اور جلد بازی سے محبت رکھتی ہے۔ جس کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہتیں جس کے حوادث سے امان نہیں۔ یہ ہڑپ کر جانے والی، ست و ہلاک کرنے والی دھوکا باز ہے، نہ تو اسے کبھی ایک حالت پر قرار ہے اور نہ اس کے لئے کوئی حالت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ دنیا خواہ اپنی آخری حد تک پہنچ جائے، وہ دنیا کی رضا و رغبت رکھنے والوں کی خواہشات کو پورا نہیں کر سکتی۔ اس کی صورتحال ویسی ہی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:-

اے پیغمبر! ان کے لئے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کر دیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی، پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اسے ہوا اڑانے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالی ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ (الکھف: ۴۵)

ہم اپنے رب و مولی اور الہ و خالق سے التجا کرتے ہیں کہ وہ روز قیامت کی پریشانی

سے محفوظ رکھے۔

یقیناً بہترین کلام اور بلیغ ترین وعظ و نصیحت اللہ کی کتاب ہے:۔ جس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ:۔ "جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ اور خاموشی سے سنو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الاعراف:۲۰۴)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

بے شک تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر آگیا ہے۔ جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے۔ جو تمہاری بھلائی کی حرص رکھتے ہیں۔ مومنین کے لئے نہایت مہربان و رحمدل ہیں۔ پس اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ میرے لئے کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی الہ نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ (التوبہ:۱۲۸-۱۲۹)

یزید کے آخری حالات اور وفات

یزید (۲۲-۶۴ھ) نے تقریباً انیس سال کی عمر سے انتالیس (۳۹) سال کی عمر تک بیس سال اپنے والد سیدنا معاویہؓ کی خلافت (۴۱-۶۰ھ) میں گزارے اور بحیثیت خلیفہ زادہ وولی عہد امور سلطنت سر انجام دیئے۔ ۲۲ رجب ۶۰ھ کو سیدنا معاویہ کی وفات کے بعد پونے چار سال تک (رجب ۶۰ھ تا ربیع الاول ۶۴ھ) تقریباً چھپن لاکھ مربع میل پر محیط اسلامی سلطنت کے امور خلافت سر انجام دیئے۔ اور ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو وفات پائی۔

یزید کا انتقال صحیح تر روایت کے مطابق ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو عارضہ نقرس کی وجہ سے حوارین میں ہوا۔ جو تدمر اور دمشق کے درمیان ایک پر فضا مقام ہے۔ بڑے بیٹے معاویہ ثانیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور واقدی کی روایت کے مطابق دمشق لاکر والد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

"وقال الواقدی: دفن یزید بدمشق فی مقبرة باب الصغیر. و مات بحوارین، فحمل علی ایدی الرجال الیها و فیها دفن ابوه معاویه"۔

(انساب الأشرف للبلاذری، ج۴، ص ۶۰)۔

ترجمہ: واقدی کا کہنا ہے کہ یزید کو دمشق کے قبرستان "باب الصغیر" میں دفن کیا گیا

جہاں اس کے والد حضرت معاویہ کو بھی دفن کیا گیا تھا۔ اس کی وفات حوارین میں ہوئی تھی چنانچہ لوگوں نے کندھوں پر جنازہ قبرستان تک پہنچایا۔

تاہم ابوبکر بن حنظلہ کے مرثیہ یزید سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدفن دمشق نہیں حوارین ہے۔ مگر پہلی روایت صحیح تر قرار دی جاتی ہے کیونکہ اس مرثیہ کے شعر میں بھی حوارین میں صرف وفات پانے کا ذکر ہے، تدفین کا نہیں۔

یایها المیت بحوارینا - أصبحت خیرالناس أجمعینا

اے حوارین میں وفات پانے والے تو تمام انسانوں سے بہتر قرار پایا۔

احادیث تابعیت و مغفرت و خلافت یزید

حامیان یزید کی جانب سے یزید کی تابعیت و مغفرت و خلافت کے سلسلہ میں درج ذیل احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

۱- یزید بحیثیت تابعی

سیدنا عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم-

(صحیح البخاری، کتاب الشهادة و صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة)-

بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں پھر جو ان سے متصل ہیں پھر جو ان کے بعد ہیں۔

حضرت زرارہ بن اوفی فرماتے ہیں:-

"القرن عشرون و مائة سنة فبعث رسول الله صلی الله علیه وسلم فی قرن، و کان آخره موت یزید بن معاویة"-

(طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۲۹۰، و البدایة و النهایة لابن کثیر، ج ۸، ص ۹)-

''قرن ایک سو بیس برس تک ہوتا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قرن میں مبعوث ہوئے اس کی آخری مدت یزید بن معاویہ کی وفات پر پوری ہوتی ہے۔''

و عن عمران بن حصین قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم-
(متفق علیه، مشکٰوة المصابیح، باب مناقب الصحابة)-

"حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں- پھر جو ان کے بعد ہیں، پھر جو ان سے متصل ہیں"-

اس حدیث کی رو سے عصر نبوی کے لوگ (صحابہ کرامؓ) امت کا بہترین طبقہ ہیں- پھر صحابہ کرام سے متصل (تابعین) اور پھر تابعین کے بعد کی نسل (تبع التابعین) امت کے بہترین لوگ ہیں- اور یزید کا تعلق اپنے دور زندگی (۲۲-۶۴ھ) کے لحاظ سے عصر صحابہؓ اور طبقہ تابعینؒ سے ہے جو صحابہ کرام کے بعد امت کے بہترین لوگ قرار دیئے گئے ہیں-

علامہ ابن کثیر جلیل القدر محدث وعالم امام ابوزرعہ دمشقی کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں:-

"وقد ذکره ابو زرعة الدمشقی فی الطبقة التی تلی الصحابة وهی العلیاء، و قال له احادیث"- (ابن کثیر، البدایة و النهایة، ج ۸، ص ۲۲۷)۔

"حضرت ابوزرعہ دمشقی نے یزید کا ذکر صحابہ سے متصل بلند مرتبہ طبقہ تابعین میں کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ اس سے احادیث مروی ہیں"-

امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کے شاگرد قاضی ابوبکر ابن العربی (م ۵۴۶ھ) کے زمانہ تک امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کی "کتاب الزهد" میں صحابہؓ کے بعد اور دیگر تابعین سے پہلے یزید کا ذکر اس زمرہ میں موجود تھا جہاں زہاد امت کے زہد و تقوی کے بارے میں اقوال درج ہیں- اس حوالہ سے قاضی ابن العربی یزید پر فسق و فجور کے الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہوئے اس کے زہد و تقوی کی تائید میں لکھتے ہیں:-

"و هذا یدل علی عظیم منزلته (ای یزید) عنده حتی یدخله فی جملة الزهاد من الصحابة و التابعین الذین یقتدی بقولهم و یرعوی من وعظهم- و نعم وما ادخله الافی جملة الصحابة قبل أن یخرج الی ذکر التابعین- فاین هذا من ذکر المؤرخین له فی الخمر و انواع الفجور الا تستحیون؟"
(قاضی ابوبکر ابن العربی، العواصم من القواصم، ص ۲۳۳)-

"اور یہ امام احمد کے نزدیک یزید کی عظیم قدر و منزلت کی دلیل ہے کہ انہوں نے یزید کو ان زہاد صحابہؓ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے۔ اور جن کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

اور ہاں انہوں نے یزید کا ذکر صحابہ کے ساتھ (باقی) تابعین کا ذکر کرنے سے پہلے کیا ہے۔ پس کہاں یہ مقام اور کہاں مؤرخین کا اس کی نسبت سے شراب اور طرح طرح کے فسق و فجور کے الزامات کا ذکر کرنا۔ کیا ان لوگوں کو شرم نہیں آتی؟"

امام احمد کی "کتاب الزھد" میں قاضی ابن العربی (م ۵۴۶ھ) کے زمانہ تک موجود تذکرہ و تعریف یزید موجودہ "کتاب الزھد" میں محذوف ہے۔ اس تذکرہ کو حذف کرنے والوں کے بارے میں اہل دین و تاریخ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کن لوگوں کی کارستانی ہے۔ کیا یہ وہی لوگ نہیں جنہیں امام احمد کے ہمعصر سیدنا بایزید بسطامی (م ۲۶۱/۲۶۴ھ) جیسے عظیم المرتبت عالم و صوفی سے بھی شکایت ہے کہ انہوں نے یزید کے نام پر اپنی کنیت کیوں رکھی۔

۲- حدیث مغفرت یزید

صحیح بخاری (کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم) میں سیدہ ام حرام زوجہ سیدنا عبادہ بن صامتؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"أول جيش من امتي يغزون البحر قد أوجبوا---
أول جيش من امتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم-"

(صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب ما قيل في قتال الروم)-

ترجمہ:- میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا ان لوگوں کے لئے مغفرت واجب ہو گئی۔

میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر جہاد کرے گا وہ سب مغفرت یافتہ ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری" شرح البخاری میں فرماتے ہیں:-

"قال المهلب : في هذا الحديث منقبة لمعاوية لانه اول من غزا

البحر- و منقبة لولده لانه اول من غزا مدينة قيصر." (حاشية صحيح البخاري، ج ۱، ص ۴۰)-

"مھلب کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں حضرت معاویہ کی تعریف ہے کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے بحری جہاد کیا- نیز اس میں ان کے بیٹے کی تعریف ہے کیونکہ سب سے پہلے اسی نے شہر قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا-"

سیدنا معاویہؓ کی قیادت میں قبرص پر ۲۸ھ میں پہلا بحری حملہ کیا گیا اور سب سے پہلا بحری بیڑہ تیار کرانے کا شرف بھی سیدنا معاویہ ہی کو حاصل ہے- نیز ۵۲ھ میں یزید کی قیادت میں قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کیا گیا-

شارح بخاری علامہ قسطلانی نے "مدینہ قیصر" کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے رومی نصرانیت کا صدر مقام قسطنطنیہ مراد ہے- پھر اسی حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:-

"كان اول من غزا مدينة قيصر يزيد بن معاوية و معه جماعة من سادات الصحابة كابن عمر و ابن عباس و ابن الزبير و ابى ايوب الانصارى رضى الله عنهم-"

(صحیح البخاری، جلد اول، ص ۴۱۰، مطبوعه اصح المطابع، دهلی، ۱۳۵۷ھ)-

ترجمہ:- شہر قیصر (قسطنطنیہ) پر پہلا جہاد یزید بن معاویہ نے کیا جس کے ہمراہ سادات صحابہ کی ایک جماعت بھی تھی مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم-

علامہ ابن کثیر کے بیان کے مطابق سیدنا حسینؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے:-

"كان الحسين يفد الى معاوية فى كل عام فيعطيه و يكرمه وكان فى الجيش الذين غزوا قسطنطينية مع ابن معاوية يزيد."

(ابن کثیر، البداية و النهاية، ج ۸، ص ۱۵۱)-

ترجمہ: حضرت حسینؓ ہر سال حضرت معاویہؓ کے پاس تشریف لاتے تھے وہ ان کی عزت افزائی فرماتے اور انعام و اکرام سے نوازتے نیز وہ (حسین) اس لشکر میں بھی شامل تھے جس نے حضرت معاویہ کے بیٹے یزید کے ہمراہ قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا-

شیخ الاسلام ابن تیمیہ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"وأول جيش غزاها (اى قسطنطينية) كان اميرهم يزيد و الجيش عدد معين لا مطلق- وشمول المغفرة لأحاد هذا الجيش اقوى- ويقال ان يزيد انما غزا القسطنطينية لأجل هذا الحديث-"

(منهاج السنة لابن تيمية، جلد ثانی، ص ۲۵۲).

ترجمہ:- پہلا لشکر جس نے اس شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا اس کا امیر لشکر یزید تھا- اور جیش (لشکر) ایک مقررہ تعداد ہے غیر معین نہیں- اور اس لشکر کے ہر ہر شخص کا (بشارت) مغفرت میں شامل ہونا قوی تر ہے- کہا جاتا ہے کہ یزید نے اسی حدیث (مغفرت) کی وجہ سے قسطنطنیہ پر جہاد میں حصہ لیا-

روایت ہے کہ میزبان رسول ؐ سیدنا ابو ایوب انصاریؓ نے اسی سال سے زائد عمر میں اسی حدیث کی وجہ سے جہاد کی صعوبت برداشت فرمائی اور محاصرہ قسطنطنیہ کے دوران ہی میں انتقال کر گئے- ابن سعد لکھتے ہیں:-

"توفی ابو ایوب عام غزا یزید بن معاویة القسطنطینية فی خلافة ابيه سنة ۵۲ھ، و صلى عليه يزيد بن معاوية، و قبره باصل حصن القسطنطينية بأرض الروم- ان الروم يتعاهدون قبره و يزورونه و يستسقون به اذا قحطوا-" (ابن سعد، الطبقات الكبرى، ص ۲۱۵)-

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری کا انتقال اس سال ہوا جب یزید بن معاویہ نے ۵۲ھ میں اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا- آپ کی نماز جنازہ یزید نے پڑھائی، اور آپ کا مزار ارض روم میں قسطنطنیہ کی فصیل تلے ہے- رومی (عیسائی) آپ کے مزار پر باہم معاہدے کرنے آتے ہیں، قبر کی زیارت کرتے ہیں اور قحط کے زمانے میں آپ کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگتے ہیں-

۳- حدیث بسلسلہ خلافت یزید

وعن جابر بن سمرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:

لايزال الاسلام عزيزاً الى اثنى عشر خليفة كلهم من قريش-

وفی رواية: لايزال امر الناس ماضياً ما وليهم اثنا عشر رجلاً كلهم من قريش-

وفی رواية: لا يزال الدين قائماً حتى تقوم الساعة أو يكون عليهم اثنا

عشر خليفة كلهم من قريش– (متفق عليه مشكاة المصابيح، باب مناقب قريش)–

جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ: اسلام بارہ خلفاء تک غالب و قوی رہے گا جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے: لوگوں کا کام بخیریت چلتا رہے گا جب تک ان پر بارہ آدمی حکمران رہیں گے جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

ایک اور روایت کے مطابق:- دین تاقیامت قائم و دائم رہے گا۔ یا جب تک ان لوگوں پر بارہ خلفاء حاکم رہیں گے جو سب کے سب قریشی ہوں گے۔

صحیح بخاری (کتاب الاحکام، باب الاستخلاف و صحیح مسلم، کتاب الامارۃ باختلاف اللفظ) میں حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے:-

"سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: یکون اثنا عشر امیراً فقال کلمة لم أسمعها، فقال أبی انه قال: کلهم من قریش–

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بارہ امیر ہوں گے۔ پھر آپ نے ایک جملہ بولا جو میں نہ سن پایا تو میرے والد نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔

ب- سفیان بن عیینہ کی روایت کے مطابق:-

"لا یزال امر الناس ماضیاً ما ولیهم اثنا عشر رجلاً–"

لوگوں کے معاملات اس وقت تک چلتے رہیں گے جب تک ان پر بارہ آدمی حکمران رہیں گے۔

ج- ابو داؤد کی روایت کے مطابق:-

"ولا یزال هذا الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلهم تجتمع علیهم الأمة–

یہ دین قائم و دائم رہے گا۔ جب تک تم پر بارہ ایسے خلفاء کی حکومت رہے گی جن کے معاملے میں امت جمع رہے گی۔

د- وطبرانی بلفظ:- لا یضرهم عداوة من عاداهم–

ان کو دشمنی رکھنے والوں کی دشمنی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

ہ۔ وحاکم از ابی جحیفہ:۔

لا یزال أمر أمتی صالحاً حتی یمضی اثنا عشر خلیفة- کلهم من قریش-

اس امت کا معاملہ درست رہے گا جب تک بارہ خلفاء کا دور رہے گا۔ جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

علامہ علی بن سلطان المعروف بہ ملا علی قاری حنفی اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

" فالاثنی عشر هم الخلفاء الراشدون الأربعة و معاویة و ابنه یزید و عبدالملک بن مروان و أولاده الاربعة و بنیهم عمر بن عبد العزیز-"
(ملا علی قاری، شرح الفقه الاکبر، طبع مجتبائی، ص ۸۳)

ترجمہ:۔ پس بارہ خلفاء سے مراد ہیں چاروں خلفاء راشدین، معاویہ، ان کا بیٹا یزید، عبدالملک بن مروان اور اس کے چاروں بیٹے۔ نیز انہی میں عمر بن عبدالعزیز ہیں۔

اس سلسلہ میں سید سلیمان ندوی، قاضی عیاض کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

"علمائے اھل سنت میں سے قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔ حافظ ابن حجر، ابو داؤد کے الفاظ کی بناء پر خلفائے راشدین اور بنو امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا۔ یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی، ھشام"۔ (سلیمان ندوی، سیرت النبی، جلد سوئم، ص ۶۰۴)۔

دوسری حدیث:۔ (الخلافة فی امتی ثلاثون سنة- سنن الترمذی، ابواب الفتن بروایت سفینة) میری امت میں خلافت تیس برس رہے گی، کے بارے میں شارحین کی واضح تعداد کا کہنا ہے کہ اس سے مراد خلافت خاصہ ہے، مطلقاً اختتام خلافت مراد نہیں۔

اس سلسلہ میں پیر طریقت سید مہر علی شاہؒ فرماتے ہیں:۔

"در حدیث: الخلافة من بعدی ثلاثون سنة- خلافت خاصه کامله مراد

است نه مطلقه- (ملفوظات مهریه،ص ۱۱۳)

ترجمہ:-حدیث نبوی: (خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی) میں خصوصی خلافت کاملہ مراد ہے، مطلقاً اختتام خلافت مراد نہیں۔

یزید کی تابعیت و مغفرت و خلافت کے حوالہ سے ماضی و حال و مستقبل کا علم رکھنے والے عالم الغیب و رب کائنات کے آخری پیغمبر (ص) کی یہ تینوں احادیث، اکابر اہل سنت کے نزدیک بڑی قوی اور مستند ہیں۔ اور امام غزالی مؤلف "احیاء علوم الدین" (م ۵۰۵ھ) قاضی ابوبکر بن العربی مؤلف "العواصم من القواصم" (م ۵۴۶ھ) شیخ عبدالمغیث حربی حنبلی مؤلف کتاب "فضل یزید" (م ۵۸۳ھ)، امام ابن تیمیہ مؤلف "منہاج السنۃ" وغیرہ (م ۷۲۸ھ) جیسے اکابر اہل سنت یزید کے بارے میں مثبت آراء و افکار کے حامل ہیں۔ نیز ان سب سے متقدم عالم و صوفی سیدنا بایزید بسطامی (طیفور بن عیسی بن سروشان م ۲۶۱/۲۶۴ھ) نے اپنی کنیت ابو یزید رکھی۔ مگر ان تمام دلائل و شواہد کے باوجود علمائے اہل سنت کا ایک اہم طبقہ ان احادیث کی تشریح کرتے ہوئے یزید کو واقعہ کربلا کے حوالہ سے قسطنطینیہ والی حدیث مغفرت سے خارج قرار دیتا ہے اور بارہ قریشی خلفاء کو بھی بالترتیب کی بجائے یزید کو خارج کر کے بلا ترتیب مراد لیتا ہے۔ یا یزید سمیت بارہ خلفاء کے دور میں اسلام کی شان و شوکت کے اعتراف کے باوجود سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن رضی اللہ عنہم پر تیس سالہ خلافت راشدہ کو ختم قرار دیتا ہے، جبکہ اس حدیث کی رو سے متعدد اکابر امت کے نزدیک خلافت خاصہ کا اختتام تیس سال کے بعد ہے، (الخلافہ من بعدی ثلاثون سنہ) مطلقاً اختتام خلافت مراد نہیں (فیض احمد، ملفوظات مہریہ، ص ۱۱۳) اور خلافت خاصہ کے بعد آیت: اولئک ھم الراشدون۔ (یعنی صحابہ سب کے سب راشد و ہدایت یافتہ ہیں) کی رو سے سیدنا معاویہ (م ۶۰ھ) بھی بطور صحابی خلیفہ راشد ہیں۔ مگر ان کو خلیفہ راشد تسلیم کرنے کی بجائے تیس سال کے بعد خلافت راشدہ کو ختم قرار دینے والے ان کے نصف صدی بعد خلیفہ بننے والے غیر صحابی عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) کو چھٹا خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں۔ نیز بلحاظ زمانہ یزید کے تابعی و صحابی زادہ ہونے کے باوجود واقعہ کربلا وغیرہ کے حوالہ سے اسے مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ جواز لعن یزید کے قائل ان اکابر اہل سنت میں قاضی ابو

یعلی حنبلی (م ۴۵۸ھ)، ابن الجوزی حنبلی (م ۵۹۶ھ)، سعد الدین تفتازانی (م تقریباً ۷۹۱ھ) اور جلال الدین سیوطی شافعی (م ۹۱۱ھ) نمایاں تر ہیں، جبکہ امام ابن تیمیہ اپنے جد امجد مشہور محدث و عالم ابو عبداللہ ابن تیمیہ (م ۶۳۰ھ) کا یہ قول نقل کرتے ہیں:-

"وبلغني ايضاً ان جدنا ابا عبدالله ابن تيمية سئل عن يزيد فقال: لاتنقص ولا تزيد- وهذا اعدل الأقوال فيه و في امثاله واحسنها"-

(فتاوی ابن تیمیة، ج ۴، ص ۴۸۳)-

ترجمہ:- اور مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ ہمارے جد امجد ابو عبداللہ ابن تیمیہ سے یزید کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ:- (اس کا مقام) نہ گھٹاؤ اور نہ بڑھاؤ۔

اور یہ (میرے نزدیک) یزید اور ان جیسے دوسرے حضرات کے بارے میں سب سے بہتر اور معتدل و متوازن قول ہے۔

پیر طریقت سید مہر علی شاہ گولڑوی چشتیؒ (م ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء) ایک سوال کے جواب میں جواز و عدم جواز لعن یزید کے سلسلہ میں اختلاف علماء کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"بعض اہل علم نے اس میں تامل کیا ہے اور کہا ہے کہ آخرت کا حال معلوم نہیں ممکن ہے یزید نے توبہ کی ہو۔

علامہ تفتازانی نے اس کے رد میں کیا خوب فرمایا ہے کہ قتل ذریت طیبہ اور اہانت بطور یقین امر مشہود ہے اور توبہ امر محتمل۔ پس احتمال و ظن یقین سے کیا نسبت رکھتے ہیں؟ اور بہت سے دوسرے محققین بھی لعن کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

"ہاں جواز اور لزوم میں فرق ہے۔ لعن کو عادت بنانا ضروری اور لازم نہیں۔ بہتر ہے بحکم فرمودہ حق تعالیٰ "فلعنۃ اللہ علی الظالمین" پر کفایت کی جائے۔ بجائے لعن کے اللہ اللہ کرنا اولین و آخرین کے حق میں میں بہتر کام ہے"۔

(فیض احمد، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، بار دوم، جولائی ۱۹۷۴، ص ۱۲۴)-

مگر علامہ سعد الدین تفتازانی (م تقریباً ۷۹۱ھ) سے پہلے امام غزالی (م ۵۰۵ھ) اور امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) جیسے اکابر اہل سنت نہ تو یزید کو قتل و توہین اولاد سیدہ فاطمہ کا مرتکب قرار دیتے ہیں اور نہ ہی یزید کو قابل لعن سمجھتے ہیں، بلکہ ملا علی قاری حنفی

(م ۱۰۱۴ھ) جیسے اکابر اہل سنت کا قول ہے کہ علامہ تفتازانی میں رافضیت کی بو ہے۔ (فیہ رائحۃ من الرفض)۔ لہذا علامہ تفتازانی کے تمام تر احترام کے باوجود ان کی نسبت پیر سید مہر علی شاہؒ کی رائے اعلیٰ وارفع ہے جس کے مطابق لعن کے بجائے اللہ اللہ کرنا اولین و آخرین کے حق میں بہتر قرار دیا گیا ہے۔

برصغیر کے جلیل القدر عالم و مصنف مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۹۰۵ء) یزید کے بارے میں اختلاف علماء کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے، اگر وہ شخص قابل لعن کا ہے تو لعن اس پر پڑتی ہے ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے، پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا محقق نہ ہو جائے اس پر لعنت کرنا نہیں چاہیے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے، لہذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جس کو محقق اخبار اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی و خوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدون توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یوں ہی ہے۔ اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا اس کے بعد ان افعال کا وہ مستحق تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا، تحقیق نہیں ہوا، پس بدون تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ لہذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔ پس جواز لعن اور عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے، اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے، کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت، نہ مستحب، محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم"

(فتاویٰ رشیدیہ کتاب "ایمان اور کفر کے مسائل" ص ۳۴۹ تا ۳۵۰)۔

اس حوالہ سے مولانا عتیق الرحمن سنبھلی لکھتے ہیں:-

''خود ہمارے ہی بزرگوں میں ''حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے یزید ہی کے معاملے میں سوال کیا گیا کہ کچھ علماء لعنت جائز رکھتے ہیں اور کچھ منع کرتے ہیں۔ آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے اس اختلاف کے پیچھے تاریخی روایات کے رد و قبول میں علماء کے اختلاف کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

پس جواز لعن وعدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے۔

یعنی جس کے نزدیک یزید سے ایسے افعال ثابت ہیں کہ ان کی وجہ سے لعنت جائز ہو، وہ جواز کا فیصلہ کرتے ہیں جن کے نزدیک ثبوت نہیں ہے، وہ منع کرتے ہیں۔

الغرض یہ لعنت و عدم لعنت کا معاملہ ہو یا فسق و فجور کا اس میں کسی کو کسی کی رائے کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ متضاد روایتوں کی وجہ سے تاریخی ثبوت میں رایوں کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی اگر ایمانداری سے اس بات پر مطمئن ہے کہ فلاں شخص کے بارے میں فاسقانہ اعمال کی روایتیں صحیح نہیں ہیں یا قوی نہیں ہیں تو اس کے لئے بظاہر شرعاً بھی گنجائش نہیں کہ وہ محض اپنے بزرگوں یا دوسرے اکابر علماء کی پیروی میں اس شخص کے فسق و فجور کا قائل ہو جائے"۔

(اقتباس از مقالہ مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، بعنوان "یہ ملامت زہے نصیب" مطبوعہ "الفرقان" لکھنؤ، نومبر دسمبر ۱۹۹۲، وراجع واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، میسون پبلی کیشنز، ملتان، حصہ دوم، ص ۳۶۳)۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (م ۱۹۷۹ء) جواز و عدم جواز لعن یزید کے قائلین کے نام لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"میرا اپنا میلان اس طرف ہے کہ صفحات ملعونہ کے حاملین پر جامع طریقہ سے تو لعنت کی جا سکتی ہے (مثلاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ظالموں پر خدا کی لعنت)، مگر کسی شخص خاص پر متعین طریقہ سے لعنت کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بعد میں توبہ کی توفیق عطاء فرما دے۔ اور اگر مر چکا ہو تو ہم نہیں جانتے کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہوا ہے۔ اس لئے ہمیں ایسے لوگوں کے غلط کاموں کو غلط کہنے پر اکتفا کرنا چاہئے اور لعنت سے پرہیز ہی کرنا اولیٰ ہے"۔

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ص ۱۸۳، حاشیہ ۳۶، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۸۰ء)۔

جواز و عدم جواز لعن یزید کے حوالہ سے مختلف اقوال و آراء کو دیکھتے ہوئے بہت سے اکابر اہلسنت کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص جواز لعن کا قائل ہو تو اسے درج ذیل طریقے پر بغیر نام لئے لعنت بھیجنا چاہیے تاکہ صحابہ دشمن فرقوں سے مشابہت سے بچا جا سکے:۔

لعنة الله علی قاتل عمر و عثمان و طلحة و الزبیر و علی والحسین،
لعنة الله علی الظالمین، اعداء الصحابة واھل البیت اجمعین-

حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ یزید کے حوالہ سے مختلف احادیث و روایات کا جائزہ لیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں بڑی متوازن اور قیمتی تفصیلات درج فرماتے ہیں:-

سوال:- یزید کو لعنت بھیجنا چاہیئے یا نہیں، اگر بھیجنا چاہیئے تو کس وجہ سے، اور اگر نہ بھیجنا چاہیئے تو کس وجہ سے؟ بینوا توجروا-

جواب:- یزید کے بارے میں علماء قدیماً وحدیثاً مختلف رہے ہیں بعض نے تو اس کو مغفور کہا ہے، بدلیل حدیث صحیح بخاری-

ثم قال النبی صلی الله علیه وسلم:- اول جبیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم (مختصراً من حدیث طویل بروایة ام حرام)-

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں پہلا وہ لشکر جو مدینہ قیصر (روم) پر لشکر کشی کرے گا، بخشا ہوا ہو گا-

(یہ حضرت ام حرام کی روایت کردہ طویل حدیث کا اختصار ہے)-

قال القسطلانی:- کان اول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة و معه جماعة من سادات الصحابة کا بن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر وابی ایوب الانصاری، و توفی بھا ابو ایوب سنة اثنتین و خمسین من الھجرة- کذا قاله فی خیر الجاری-

چنانچہ قسطلانی (شارح بخاری) فرماتے ہیں کہ مدینہ قیصر پر پہلی لشکر کشی کرنے والا یزید بن معاویہ ہے اور اس کے ساتھ کبار صحابہ کی جماعت تھی جیسے ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم- اور حضرت ابو ایوب انصاری کا تو اسی مقام پر ۵۲ھ میں وصال ہوا-

اسی طرح "خیر جاری" میں ہے-

وفی الفتح قال المھلب:- فی ھذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر و منقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر-

اور فتح الباری میں ہے:- مہلب کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت معاویہؓ کی

منقبت ہے، کیونکہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے بحری جنگ کی، اور ان کے بیٹے کی بھی منقبت ہے اس لئے کہ وہی ہے جس نے پہلے پہل مدینہ قیصر پر لشکر کشی کی۔

اور بعضوں نے اس کو ملعون لکھا ہے۔ (لقولہ تعالیٰ) کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فهل عسيتم ان توليتم أن تفسدوا فى الارض و تقطعوا ارحامكم اولئك الذين لعنهم الله فاصمهم وأعمى أبصارهم (الاية)-

پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں، یہ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں۔ (پارہ ۲۶، سورہ محمد، آیت ۲۳)۔

فى التفسير المظهرى:- قال ابن الجوزى روى القاضى ابويعلى فى كتابه (معتمد الا صول) بسنده عن صالح بن احمد بن حنبل انه قال قلت لأبى يا ابت يزعم بعض الناس أنا نحب يزيد بن معاوية فقال احمد يا بنى هل يسوغ لمن يؤمن بالله أن يحب يزيد؟ ولم لا يلعن رجل لعنه الله فى كتابه؟ قلت يا ابت اين لعن الله يزيد فى كتابه قال حيث قال فهل عسيتم- الاية- اه

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے کہ ابن جوزیؒ نے فرمایا کہ قاضی ابو یعلی نے اپنی کتاب "معتمد الاصول" میں اپنی سند کے ساتھ جو صالح بن احمد بن حنبل سے ہے، روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ اباجان بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت کرتے ہیں، امام احمد نے فرمایا کہ بیٹے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ یزید بن معاویہ سے دوستی رکھے؟ اور ایسے شخص پر کیونکر لعنت نہ کی جائے جس پر خود حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت فرمائی ہے، میں نے کہا اباجان اللہ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے؟ فرمایا: اس موقع پر جہاں یہ ارشاد ہے۔ فھل عسیتم الخ۔

مگر تحقیق یہ ہے کہ چونکہ معنی لعنت کے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے دور ہونا اور یہ ایک امر غیبی ہے، جب کہ شارع بیان نہ فرمائے کہ فلاں قسم کے لوگ یا فلاں شخص خدا کی رحمت سے دور ہے، کیونکر معلوم ہو سکتا ہے؟ اور تتبع کلام شارع سے معلوم ہوا،

نوع ظالمین وقاتلین پر تو لعنت وارد ہوئی ہے کما قال تعالیٰ:-

ألا لعنة الله على الظالمين- (هود، پ ١٢)-

سن لو پھٹکار ہے اللہ کی ناانصاف لوگوں پر۔

ومن يقتل مئومنا متعمداً فجزائه جهنم خالداً فيها و غضب الله عليه ولعنه وأعد له عذاباً عظيماً- (النساء، پ ٥)-

(اور فرمایا) جو کوئی قتل کرے کسی مسلمان کو جان کر اس کی سزا دوزخ ہے، پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔

پس اس کی تو ہم کو بھی اجازت ہے، اور یہ علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کون نوع میں داخل ہے اور کون خارج؟ اور خاص یزید کے باب میں کوئی اجازت منصوصہ ہی نہیں، پس بلا دلیل اگر دعویٰ کریں کہ وہ خدا کی رحمت سے دور ہے، اس میں خطر عظیم ہے۔ البتہ اگر نص ہوتی تو مثل فرعون، ہامان وقارون وغیرہم کے لعنت جائز ہوتی، واذلیس فلیس (جب نص نہیں تو لعنت نہیں) اگر کوئی کہے کہ جیسے کسی شخص معین کا ملعون ہونا معلوم نہیں تو کسی خاص شخص کا مرحوم ہونا بھی تو معلوم نہیں، پس صلحاء مظلومین کے واسطے رحمتہ اللہ علیہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ یہ بھی اخبار عن الغیب بلا دلیل ہے۔

جواب یہ ہے کہ رحمتہ اللہ علیہ سے اخبار مقصود نہیں بلکہ دعا مقصود ہے اور دعا کا مسلمانوں کے لئے حکم ہے۔ اور لعن اللہ میں یہ نہیں کہہ سکتے، اس واسطے کہ وہ بد دعا ہے اور اس کی اجازت نہیں۔ فافہم۔

اور آیت مذکورہ میں نوع مفسدین وقاطعین پر لعنت آئی ہے، اس سے لعن یزید پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے؟ اور امام احمد بن حنبل نے جو استدلال فرمایا ہے اس میں تاویل کی جائے گی، یعنی ان کان منہم (اگر یزید ان میں سے ہو) یا مثل اس کے لحسن الظن بالمجتہد۔ البتہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قاتل و آمر و راضی بقتل حسین پر، وہ لعنت بھی مطلق نہیں بلکہ ایک قید کے ساتھ یعنی اگر بلا توبہ مرا ہو۔ اس لئے کہ ممکن ہے ان سب لوگوں کا قصور قیامت میں معاف ہو جائے، کیونکہ ان لوگوں نے کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کے ضائع کئے اور کچھ ان بندگان مقبول کے، اللہ تعالیٰ تو تواب اور رحیم ہے ہی، یہ لوگ بھی

بڑے اہل ہمت اور اولوالعزم تھے، کیا عجب کہ بالکل معاف کر دیں بقول مشہور ع: صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم ۔ پس جب یہ احتمال قائم ہے تو ایک خطر عظیم میں پڑنا کیا ضرور؟ اھ۔

اسی طرح اس کو مغفور کہنا بھی سخت نادانی ہے،
کیوں کہ اس میں بھی کوئی نص صریح نہیں۔

رہا استدلال حدیث مذکور سے تو وہ بالکل ضعیف ہے، کیونکہ وہ مشروط ہے بشرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور وہ امر مجہول ہے۔ چنانچہ قسطلانی میں بعد نقل مہلب کے لکھا ہے:-

وتعقبه ابن التين وابن المنير بما حاصله انه لا يلزم من دخوله في ذلك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذلا يختلف اهل العلم ان قوله عليه السلام مغفور لهم مشروط بأن يكونوا من اهل المغفرة حتى لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذلك لم يدخل في ذلك العموم اتفاقاً فدل على ان المراد مغفور لهم لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم-

(حاشیہ بخاری ج ۱، ص ۴۱۰، مطبع احمدی)۔

اور ابن التین اور ابن المنیر نے مہلب کے بیان پر اعتراض کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی خاص دلیل کی بناء پر وہ اس عموم سے خارج نہ ہو۔ اب اہل علم کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ حدیث پاک میں جو مغفرت کا وعدہ ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل بھی ہوں، چنانچہ ظاہر ہے کہ اس غزوہ میں شریک ہونے والا اگر کوئی شخص اس کے بعد مرتد ہو گیا تو وہ بالاتفاق اس مغفرت کے عموم میں داخل نہ ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ مغفرت کی شرط موجود ہو (اور جس میں شرط مفقود ہو وہ اس مغفرت میں داخل نہ ہوگا)۔

پس توسط اس میں یہ ہے کہ اس کے حال کو مفوض بعلم الٰہی کرے اور خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہے لأن فیہ خطراً (کیونکہ اس میں خطرہ ہے) اور کوئی اس کی نسبت کچھ کہے تو اس سے کچھ تعرض نہ کرے لأن فیہ نصراً (کیونکہ اس میں یزید کی حمایت ہے)

اس واسطے خلاصہ میں لکھا ہے:-

انه لا ينبغي اللعن عليه ولا على الحجاج لأن النبي عليه السلام نهى عن لعن المصلين و من كان من اهل القبلة و ما نقل من النبي عليه السلام من اللعن لبعض من اهل القبلة فلما انه يعلم من احوال الناس مالا يعلمه غيره- اھ

یزید اور حجاج پر لعنت مناسب نہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے نمازیوں اور اہل قبلہ پر لعن کرنے سے روکا ہے، اور جو نبی علیہ السلام سے بعض اہل قبلہ پر لعن منقول ہے وہ تو محض اس وجہ سے ہے کہ آپ لوگوں کے حالات کے ایسے جاننے والے تھے جو دوسرے نہیں جانتے- اھ

اور احیاء العلوم ج ثالث باب آفتہ اللسان ثامنہ میں لعنت کی خوب تحقیق لکھی ہے- خوف تطویل سے عبارت نقل نہیں کی گئی- من شاء فلیراجع الیہ-

اللهم ارحمنا و من مات و من يموت على الايمان،
واحفظنا من آفات القلب و اللسان يارحيم يارحمن"-

(امداد الفتاوی جلد خامس، ص ۳۲۵ تا ۳۲۷ وراجع ایضاً یزید اکابر علماء اہل سنت دیوبند کی نظر میں، ترتیب و حواشی قاری محمد ضیاء الحق، ص ۱۸-۲۰، مکتبہ اہل سنت و جماعت، کراچی، ۱۹۹۳ء)-

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۹۴۳ء) کے تفصیلی جواب میں قاضی ابو یعلی حنبلی (م ۴۵۸ھ) کی صالح بن احمد بن حنبل سے روایت بہت سے علماء کے نزدیک نہ صرف منقطع قرار دی جاتی ہے، بلکہ اس کے علاوہ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کے شاگرد خاص ابوبکر ابن العربی (م ۵۴۶ھ) نے "العواصم من القواصم" میں یہ تذکرہ کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نے اپنی "کتاب الزھد" میں یزید کو بھی زاہد و متقی حضرات تابعین میں شمار کیا تھا- بعد ازاں "کتاب الزھد" سے نہ صرف یہ تذکرہ نکال دیا گیا اور منقصت یزید کی روایات کا اضافہ کرنے کی کوشش کی گئی، بلکہ قاضی ابویعلی کی منقطع روایت کو امام احمد کی جانب سے مخالفت یزید کے حق میں بطور سند پیش کیا جانے لگا- جسے علماء کی معتد بہ تعداد معتبر و مستند نہیں جانتی، بلکہ قاضی ابوبکر ابن العربی جیسے عالم و فقیہ و مؤرخ کی شہادت کی بناء پر امام احمد کے نزدیک یزید کے زاہد و متقی ہونے کی قائل ہے اور مولانا تھانوی نے بھی امام احمد کے مبینہ قول کی

مثبت تاویل فرمائی ہے۔

مولانا مودودی، امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد کی لعن یزید کے حق میں "فھل عسیتم---- لعنھم اللہ" (محمد: ۲۲-۲۳) سے استدلال (بحوالہ "الصواعق المحرقہ" لابن حجر الھیثمی و "الاشاعہ فی اشراط الساعہ" لمحمد بن عبدالرسول البرزنجی) نقل کرنے کے بعد امام ہی کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"مگر علامہ سفارینی اور امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ زیادہ معتبر روایات کی رو سے امام احمد یزید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے"۔

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت وملوکیت، ص ۱۸۳، حاشیہ ۳۶، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اپریل ۱۹۸۰ء)

پس اگر واقعی لعن یزید امام احمد کے نزدیک قرآن مجید سے ثابت تھا تو اس کے بعد اسے ناپسند کرنا چہ معنی دارد؟

امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے حمایت و مخالفت یزید کے سلسلہ میں قاضی ابویعلیٰ (م ۴۵۸ھ) و قاضی ابوبکر ابن العربی (م ۵۴۶ھ) سے مروی مذکورہ دو مختلف و متضاد روایتوں کے علاوہ اموی خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) کے بارے میں بھی دو مختلف و متضاد روایتیں مروی ہیں:-

۱۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے "امیرالمؤمنین یزید" کے الفاظ استعمال کئے تو سخت ناراض ہو کر انہوں نے فرمایا:- تو یزید کو امیرالمومنین کہتا ہے؟ اور اسے بیس کوڑے لگوائے۔

(ابن حجر، تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص ۳۶۱)۔

۲۔ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن شوزب کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ پر "رحمۃ اللہ علیہ" کہتے ہوئے سنا ہے"

(ابن حجر، لسان المیزان، ج ۶، ص ۲۹۴)۔

بہر حال ان ہر دو دو مختلف و متضاد روایات کی موجودگی میں کم از کم مذکورہ منفی روایات کو مثبت روایات پر ترجیح دینے کا کوئی تاریخی و اخلاقی جواز فراہم کرنا مشکل ہے۔

علاوہ ازیں صحیح بخاری، کتاب الجہاد کی حدیث مغفرت یزید و جملہ مجاہدین

قسطنطینیہ کے برخلاف مذمت یزید میں بھی بعض احادیث بڑی شدومد سے پیش کی جاتی ہے۔ مثلاً:-

قال صلی اللہ علیہ وسلم:- من اخاف اھل المدینہ اخافہ اللہ و علیہ لعنۃ اللہ و الملائکۃ والناس اجمعین- رواہ مسلم-

ترجمہ:- جس نے اہل مدینہ پر ظلم کیا اور انہیں خوفزدہ کیا، اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور پوری نوع بشری کی لعنت ہو گی۔

مگر یزید کا دفاع کرنے والے علماء محققین کا کہنا ہے کہ مسلم و طبرانی وغیرہ کی اس قسم کی احادیث بخاری والی روایت کے برعکس عمومی ہیں۔ واقعہ حرہ کے حوالہ سے انہیں یزید پر منطبق کرنا غلط ہے، کیونکہ اگر لشکر یزید، باغیان مدینہ کے خلاف صحابی رسول مسلمؓ بن عقبہ کی زیر قیادت کارروائی میں حق بجانب نہ ہوتا تو تمام آل عبدالمطلب و ابوطالب نیز عبداللہ بن عمرؓ سمیت اکابر قریش و بنی ہاشم کی غالب اکثریت بیعت یزید کو برقرار نہ رکھتی اور باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار نہ کرتی۔ نیز اگر واقعہ حرہ کے موقع پر باغیوں پر قابو پانے کے بعد ان کی ایک ہزار عورتوں کی بے حرمتی و عصمت دری کی روایت میں ذرہ برابر بھی صداقت ہوتی تو اکابر قریش و بنی ہاشم واہل بیت نبوت یزید کی بیعت برقرار نہ رکھتے اور مذکورہ حدیث کا اطلاق یزید پر کرکے حمایت یزید کی بجائے لعن یزید اور حمایت باغیان پر متفق ہو جاتے۔ وعلی ھذا القیاس۔

اور جہاں تک امیر لشکر، یزید سمیت شہر قیصر یعنی قسطنطینیہ پر جہاد کرنے والے اولین لشکر اسلام کے تمام مجاہدین کے لئے مغفرت کی بشارت والی حدیث بخاری (کتاب الجہاد) کا تعلق ہے، وہ مہلب اور ابن تیمیہ و دیگر بہت سے ائمہ محدثین کے نزدیک واضح و متعین ہے۔ البتہ ابن التینؒ وغیرہ کی یہ دلیل کہ بشارت مشروط ہے وفات علی الایمان کے ساتھ، تو اس کے حوالہ سے برصغیر کے جلیل القدر عالم و مصنف مولانا عامر عثمانی فرماتے ہیں:-

"ہم کہتے ہیں کہ اصولاً اگرچہ یہ بات درست ہے کہ مرتد کی مغفرت نہیں ہو سکتی لیکن ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ؐ کے ذریعہ کسی فرد یا مخصوص افراد کی مغفرت کا اعلان فرما دیں تو آپ سے آپ طے ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ مومن ہی مریں

گے، مرتد نہ ہوں گے۔ آخر اللہ کے علم میں تو ہے ہی کون کیا کرے گا، کس انجام کو پہنچے گا، وہ اگر کسی مقدمہ میں ارتداد تقدیر فرما دیں تو ناممکن ہے کہ اس کی مغفرت کی بشارت بھی دیں۔ مغفرت کی بشارت اسی تقدیر پر دی جا سکتی ہے کہ مبشر افراد کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو انصاف کیجئے کہ جن اسلاف نے بخاری والی بشارت صریحہ کے ذیل میں مرتد کی مغفرت نہ ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، انہوں نے کہاں تک برمحل بات کہی ہے؟ آخر کیا جوڑ ہے اس بشارت سے ارتداد کی نکتہ آفرینی کا؟ جبکہ یہ حضرات خود بھی یزید کو مرتد نہیں کہتے۔ سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ شیعی پروپیگنڈے کے تحت یزید کو فاسق وفاجر اور قاتل حسینؓ یقین کر لینے کے بعد ان لوگوں کا جی کسی طرح نہیں چاہتا کہ یزید کی مغفرت کا فیصلہ خداوندی ٹھنڈے دل سے تسلیم کر لیں۔ پس کوئی نہ کوئی فی نکالتے ہیں، چاہے بات بنے یا نہ بنے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ پہلے غزوہ قسطنطنیہ کے مجاہدین میں سے ایک بھی مرتد نہیں ہوا۔ ہوتا کیسے؟ جن لوگوں کے لئے خود عالم الغیب والشہادہ نے ہی مغفرت طے کر دی ہو، وہ کیوں کر مشرک و کافر ہو کر دنیا سے جا سکتے ہیں۔ اللہ کو پورا علم تھا کہ اس گروہ مومنین میں کوئی مرتد ہونے والا نہیں۔ اگر ہونے والا ہوتا تو ضرور وہ رسول کی زبانی دی ہوئی بشارت صریحہ میں کوئی ایسا لفظ لکھوا دیتے جو استثناء کی گنجائش دیتا۔ پھر آخر لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہر مومن کے لئے چاہے وہ کتنا ہی بڑا گناہ گار ہو، امکان مغفرت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود وہ رسول اللہ کی بشارت سے یزید کو نکالنے کی زبردستی کر رہے ہیں، اور انمل بے جوڑ طریقے پر ارتداد کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔ جرات ہے تو کہہ دو، یزید مرتد تھا، تب بے شک بشارت رسول ؐ کے ذیل میں ارتداد کی بحث کھڑی کرنا۔ یہ کیا بوالفضولی ہے کہ یزید کو مرتد بھی نہیں کہتے اور ارتداد کی بحث بھی کھڑی کرنا۔ یہ کیا بوالفضولی ہے کہ یزید کو مرتد بھی نہیں کہتے اور ارتداد کی بحث بھی بیچ میں لاتے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یزید کی حد تک تم نے خوارج و معتزلہ کا عقیدہ اختیار کر لیا ہو کہ معصیت کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے"۔

(مولانا عامر عثمانی، مضمون یزید جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا، مطبوعہ ماہنامہ تجلی، دیوبند، جولائی ۱۹۶۰، وراجع تحقیق مزید عباسی، ص ۳۵۱، انجمن پریس کراچی، جون ۱۹۶۱)۔

مولانا عامر عثمانی اسی سلسلہ میں کلام میں آگے چل کر فرماتے ہیں:-

''جتنی بھی روایتوں میں رسول اللہ کی زبان سے صراحتاً یزید کا فسق و فجور دکھلایا گیا ہے، وہ سب بلا استثناء جھوٹی اور گندی ہیں۔ ان کے بعض راوی ائمہ فن کی تصریحات کے مطابق اتنے لئیم ہیں کہ ان کے نفس کی گراوٹ شاید یزید کی شہرت یافتہ گراوٹوں سے بھی بڑھ کر ہو۔ اس شخص کی پستی کا کیا ٹھکانا ہو گا جو رسول اللہ پر بہتان باندھے، اور اپنے دل کی گھڑی ہوئی بات ان کی طرف منسوب کرے۔

رہیں وہ روایتیں جن سے صراحتاً نہیں بلکہ اجتہاداً ''اور اشارتاً'' یزید کا فسق و فجور ظاہر ہوتا ہے تو وہ بھی اپنے متن اور اسلوب کے اعتبار سے اس کی گنجائش رکھتی ہیں کہ یزید ان کی زد میں نہ آئے۔ تاہم چلئے ساری روایتیں تسلیم اور یزید کا فسق و فجور بجا لیکن جب فسق و فجور آدمی کو کافر نہیں بناتے اور اللہ ہر گناہ سوائے شرک و کفر کے معاف کر سکتا ہے تو ان ذکاوت حس کے مریضوں کا کیا حشر ہو گا جو اللہ کے رسول سے بے بنیاد معارضہ کریں اور بے محابا کہیں کہ یزید کو ہم نہیں بخشنے دیں گے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشاد صریح کو مجروح کرنے کی کوشش فرمائیں۔ ہزار بار پناہ اس بہادری سے اور لاکھ بار توبہ اس بے دانشی سے کہ پرائے شگون میں آدمی اپنی ہی ناک کاٹ لے''۔

(مولانا عامر عثمانی، یزید جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا، مطبوعہ ماہنامہ تجلی دیوبند، جولائی ۱۹۶۰ء و تحقیق مزید ص ۳۵۹-۳۶۰)۔

واقعہ کربلا کے حوالہ سے ضمناً یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ سیدہ زینب بنت علیؓ کا مزار مبارک دمشق میں ہے جس سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے جسے بالعموم قبول عام حاصل نہیں کہ واقعہ کربلا کے بعد سیدہ زینب نے مدینہ کے بجائے بالآخر دمشق میں زوجہ یزید، سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار کے پاس مستقل قیام اختیار فرما لیا تھا، اور وہیں آپ کا انتقال و تدفین ہوئی۔ چنانچہ سیدہ زینب کا یزید و بنوامیہ کے گڑھ دمشق میں مزار بھی بہت سی ان منفی روایات کی عملاً تردید کرتا ہے جو بنوہاشم و امیہ کی باہم دشمنی کے حوالہ سے زبان زد عام ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا عامر عثمانی حدیث مغفرت مجاہدین قسطنطنیہ کے حوالہ سے مزید فرماتے

ہیں :-

"لعنت بھیجو گالیاں دو جو چاہے کرو، اللہ کا رسول تو کہہ چکا کہ (اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم)- اور اللہ کا رسول اٹکل پچو نہیں کہتا، اللہ کی طرف سے کہتا ہے- سارا عالم مل کر زور لگا لو، اللہ کی مشیت اٹل ہے- وان یردک بخیر فلاراد لفضلہ- اور اگر اللہ ارادہ کرے تیرے لئے خیر کا تو کوئی اس کے فضل کو لوٹا نہیں سکتا-

نصیبہ ور تھے وہ لوگ جنہیں قسطنطینیہ کے غزوہ اولی کی شرکت نصیب ہوئی اور اللہ نے انہیں بخش دیا- کمال ہے بدعتی حضرات جو رسول اللہ کا درجہ دینے کے لئے انہیں عالم الغیب اور حاضر و ناظر اور نہ جانے کیا کیا کہا کرتے ہیں، وہ بھی یزید دشمنی میں اتنے ڈھیٹ ہو گئے ہیں کہ رسول اللہ کا فرمودہ تاویل کی خراد پر چڑھ جائے تو چڑھ جائے مگر یزید جنت میں نہ جانے پائے-

مبارک ہو شیعوں کو کہ انہوں نے خود تو حضرت حسینؓ کو کوفے بلایا اور بدترین بزدلی اور عہد شکنی کے مرتکب ہو کر ان کی مظلومانہ موت کو دعوت دی، لیکن الزام سارا ڈال دیا یزید کے سر، اور حب حسین کا ڈھونگ رچا کر بغض یزید کی وہ ڈفلی بجائی کہ اہل سنت بھی رقص کر گئے- کتنا کامیاب فریب ہے کہ اصلی قاتل تو سرخرو ہوئے، اور سیاہی ملی گئی اس یزید کے منہ پر جو اپنی حکومت کی حفاظت کرنے میں اسی طرح حق بجانب تھا جس طرح دنیا کا کوئی بھی حکمران ہوتا ہے-

ہم انسانی تاریخ میں کسی ایسے حکمران کو نہیں جانتے جس نے بوقت ضرورت اپنے تحفظ کے لئے ممکنہ تدابیر سے کام نہ لیا ہو- یزید ہی نے حضرت حسینؓ کو باز رکھنے کے لئے افسروں کو اقدام و انصرام کا حکم دیا تو یہ کوئی انوکھا فعل نہ تھا- ہاں اس نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ انہیں مار ڈالنا- جو کچھ پیش آیا، بہت برا سہی مگر یزید قاتل نہ تھا، نہ قتل کا آرڈر دینے والا- پھر بھی قتل کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہو تو اس میں سے کچھ حصہ، بہت بڑا حصہ ان بدنہاد کوفیوں کو بھی تو دو جنہوں نے خطوں کے پلندے بھیج بھیج کر حضرت حسین کو بلایا اور وقت آیا تو رسول اللہ کے نواسے کو ہجوم آفات میں چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے-

یہ سب شیعہ تھے، پرلے سرے کے بولفضول اور عہد شکن- انہوں نے

حضرت علیؓ کو بھی ناکوں چنے چبوائے۔ میدان وفا میں ہیچ بن گئے۔ اسد اللہ کی خیبر شکن تلوار کو کند کر کے رکھ دیا، اور پھر انہی کے عالی مقام بیٹے حسینؓ کو سبز باغ دکھا کر مروا دیا۔ آج یہ ناٹک کھیلتے ہیں کہ ہم حسین کے فدائی ہیں اور اسی ناٹک میں کتنے ہی سنی حضرات بطور آرکسٹرا شامل ہو گئے ہیں۔ واہ رے کمال فن! ہو سکے تو یزید دشمنی میں حد سے آگے جانے والے اہل سنت غور کریں کہ وہ کس معصومیت سے دھوکا کھا گئے ہیں۔ کیسا جادو کا ڈنڈا ان کے سر پر پھیرا گیا ہے اور صحابہ کے دشمنوں نے کس طرح یزید کی آڑ میں نہ صرف حضرت معاویہؓ بلکہ یزید کی بیعت کرنے والے متعدد جلیل القدر صحابہؓ کو سب و شتم کرنے کا راستہ نکالا ہے"۔

(مولانا عامر عثمانی، یزید جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا، مطبوعہ ماہنامہ "تجلی، دیوبند، جولائی ۱۹۶۰ء، بسلسلہ نقد و تبصرہ کتاب "شہید کربلا اور یزید" از قاری محمد طیبؒ، و راجع ایضاً "تحقیق مزید" عباسی، ص ۳۶۸-۳۶۹)۔

باب دوئم

یزید پر عائد شدہ الزامات
اور
وکلائے صفائی کے جوابات

۲- یزید پر عائد شدہ الزامات اور وکلائے صفائی کے جوابات

یزید پر عائد شدہ سنگین الزامات و اعتراضات درج ذیل ہیں۔ جن کے مختلف اکابر امت نے مدلل و مفصل جوابات دے کر یزید کے وکلائے صفائی کا کردار ادا کیا ہے:-

۱- خلیفہ کی جانب سے اپنے جانشین کا تقرر بالخصوص اس منصب کے لئے بیٹے کی نامزدگی شرعاً غلط ہے۔ لہذا یزید کی امامت و خلافت شرعی لحاظ سے درست نہیں۔
۲- یزید سے افضل و برتر صحابہؓ و تابعینؒ کی موجودگی میں یزید کو امام و خلیفہ مقرر کرنا درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔
۳- یزید فاسق و فاجر ہونے کی بناء پر شرعاً منصب امامت و خلافت کا اہل نہیں تھا۔
۴- یزید قتل حسینؓ کا ذمہ دار ہے۔
۵- یزید مدینہ کی بے حرمتی (واقعہ حرہ) کا ذمہ دار ہے۔
۶- لشکر یزید نے حصار ابن زبیرؓ کے دوران میں کعبہ پر سنگباری کی۔

اب ان الزامات کی تردید میں یزید کے وکلائے صفائی کی حیثیت سے مختلف اکابر امت کے جوابات بالترتیب ملاحظہ ہوں:-

۱- خلیفہ کی جانب سے اپنے جانشین کا تقرر بالخصوص اس منصب کے لیے بیٹے کی نامزدگی شرعاً غلط ہے۔ لہذا یزید کی امامت و خلافت شرعی لحاظ سے درست نہیں؟

اس الزام کے جواب میں جلیل القدر محدث و مؤرخ اور ادیب و مصنف علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی (م ۴۵٦ھ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی اثنین سیدنا ابو بکرؓ کو امام نماز مقرر کر کے ان کی امامت و خلافت کا اشارہ دینے اور اقدام ابو بکرؓ و عمرؓ کے حوالہ سے

فرماتے ہیں:-

"خلافت کا انعقاد کئی صورتوں میں صحیح ہو سکتا ہے۔ اس میں سب سے اول و افضل اور صحیح ترین صورت یہ ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی پسند سے کسی کو ولی عہد نامزد کر دے۔ چاہے یہ نامزدگی حالت صحت میں ہو، بیماری کی حالت میں ہو یا عین مرنے کے وقت ہو، اس کے عدم جواز پر نہ کوئی نص ہے نہ اجماع۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو اور ابوبکرؓ نے عمرؓ کو اور جس طرح سلیمان بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز کو نامزد کیا۔

یہ صورت ہمارے نزدیک ممتاز و پسندیدہ ہے اور اس کے علاوہ دوسری صورتیں ناپسندیدہ ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں امت کا اتحاد اور امور اسلام کا انتظام قائم رہتا ہے۔ نیز اختلاف اور شور شرابے کا خوف نہیں رہتا۔

اس کے برعکس دوسری صورتوں میں یہ متوقع ہے کہ ایک خلیفہ کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد امت میں انارکی اور امور شریعت میں انتشار پیدا ہو جائے اور حصول خلافت کی کوشش لوگوں کے اندر طمع کے جذبات پیدا کر دے"۔

(ابن حزم اندلسی، کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل، ج ۴، ص ۶۹)۔

امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی کے پوتے مولانا عبدالعلی فاروقی، ناظم دارالعلوم فاروقیہ کاکوری و مدیر ماہنامہ "البدر" امام ابن حزم کے اس بیان پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"علامہ ابن حزم کی اس تشریح سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنا ولی عہد مقرر کر کے "اسلامی قانون" کی خلاف ورزی نہیں کی۔ بلکہ انتخاب امیر کے سلسلہ میں سب سے افضل اور صحیح ترین طریقہ اپنایا۔ کیونکہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اشارتاً اور خلفائے راشدین میں سے خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کی صراحتاً سنت ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی بھی یہی سنت ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنے بعد امارت و خلافت کے لئے چھ آدمیوں کو نامزد کر دیا تھا کہ بس ان ہی میں سے کوئی ایک خلیفہ ہو گا۔ البتہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے اس طریقہ کو نہیں اپنایا یا نہ اپنا سکے تو اس کا نتیجہ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کی خلافت کے بارے میں

اختلاف و انتشار کی صورت میں ظاہر ہو کر رہا"۔

(مولانا عبد العلی فاروقی، تاریخ کی مظلوم شخصیتیں، اقتباس از باب حضرت معاویہؓ۔ نیز ملاحظہ ہو واقعہ کربلا، اور اس کا پس منظر، مطبوعہ میسون پبلی کیشنز، ملتان۔ ج ۲، ص ۲۶۴-۲۶۵)۔

معترضین کے نزدیک سیدنا معاویہؓ نے چونکہ اپنے بیٹے کو جانشین نامزد کر کے اس کی ولایت عہد و آئندہ خلافت کی بیعت لی، لہذا یہ کاروائی قابل اعتراض قرار پاتی ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں عالمی شہرت یافتہ فقیہ و مورخ اہل سنت علامہ محمد بن عبدالرحمن ابن خلدون المالکی المغربی (م ۸۰۸ھ) اپنے شہرہ آفاق مقدمہ "تاریخ العبر" میں لکھتے ہیں۔ (واضح رہے کہ روز نتھال کے انگریزی ترجمہ سمیت مقدمہ ابن خلدون اپنی اہمیت کی بناء پر کئی مغربی زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے)۔

"امامت و خلافت کے معنی اصل میں امت کی دینی و دنیاوی مصالح کی نگرانی اور حفاظت کے ہیں۔ پس امام لوگوں کی مصالح کا امین اور ان کی بہبود کا ذمہ دار ہے۔ اور جب وہ اپنی زندگی میں اس کا ذمہ دار ہے اور اسے مسلمانوں کی فلاح و بہبود عزیز ہے تو قدرتی طور پر اس کی خواہش بھی ہونی چاہیے اور اس کا فریضہ بھی ہے کہ اپنی موت کے بعد کے لئے بھی ان کی بھلائی کی فکر کرے۔ اور کسی ایسے آدمی کو قائمقام کر جائے جو اس کی طرح ان کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا ہو۔ اور لوگ اس سے مطمئن رہیں۔ جیسے اس کے پیشرو سے مطمئن تھے۔ (اسی کا نام ولایت عہد ہے) اور یہ شرعاً بالکل جائز ہے۔ کیونکہ اس کے جواز پر اور اس طرح امامت کے انعقاد پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔

ابو بکرؓ نے صحابہ کی موجودگی میں عمر کو اسی طرح اپنا قائمقام بنایا، جس کو صحابہؓ نے جائز ٹھہرایا اور عمرؓ کی اطاعت اپنے اوپر لازم کر لی۔ بعد ازاں جب حضرت عمر کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنا بار عشرہ مبشرہ کے باقی ماندہ چھ اصحاب کو سونپ دیا کہ وہ مشورہ کر کے خلافت کسی ایک کے سپرد کر دیں۔ پھر ان میں سے بھی بعض بعض پر فیصلہ چھوڑتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ عبدالرحمن بن عوفؓ کو اختیار کلی دے دیا گیا۔ پس انہوں نے بہتر سے بہتر کوشش کی اور عام مسلمانوں کے خیالات کا جائزہ لیا تو عثمانؓ اور علیؓ پر سب کو متفق پایا۔ اب ان دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا تو انہوں نے عثمان کی بیعت کو ترجیح دی کیونکہ وہ نہایت سختی کے ساتھ شیخین (ابو بکر و عمر)

کی اقتداء پسند کرتے تھے۔ اور اس باب میں عبدالرحمنؓ کے ہم خیال تھے کہ ہر ایک موقع پر اپنی رائے کے بجائے شیخین کی اقتداء کرنی چاہیے۔ چنانچہ عثمانؓ کی خلافت منعقد ہو گئی اور سب نے ان کی اطاعت اپنے اوپر لازم کر لی۔

ان دونوں موقعوں پر صحابہ کرامؓ کی کافی تعداد موجود تھی مگر کسی ایک نے بھی اس بات پر انکار و اعتراض نہیں کیا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہ ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے۔ اور اجماع جیسا کہ معلوم ہے کہ حجت شرعی ہے۔ پس امام کو اس معاملے میں الزام نہیں دیا جاسکتا اگرچہ وہ یہ کاروائی اپنے باپ یا بیٹے ہی کے حق میں کیوں نہ کرے۔ اس لئے کہ جب اس کی خیر اندیشی پر اس کی زندگی میں اعتماد ہے تو اس کی موت کے بعد تو بدرجہ اولی اس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہیے۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ باپ اور بیٹے کو ولی عہد بنانے میں امام کی نیت پر شبہ کیا جاسکتا ہے۔ اور بعض صرف بیٹے کے حق میں یہ رائے رکھتے ہیں۔ مگر ہمیں ان دونوں سے اختلاف ہے۔ ہماری رائے میں کسی صورت میں بھی امام سے بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ خاص کر ایسے مواقع پر کہ جب ضرورت اس کی داعی ہو۔ مثلاً کسی مصلحت کا تحفظ یا کسی مفسدہ کا ازالہ اس میں مضمر ہو تو کسی طرح کے سوء ظن کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ جیسے کہ حضرت معاویہؓ کا اپنے فرزند کو ولی عہد بنانے کا واقعہ ہے۔

اولاً تو حضرت معاویہ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے۔ اور پھر انہیں متہم یوں بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے پیش نظر یزید کو ترجیح دینے سے بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ امت میں اتحاد و اتفاق قائم رہے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اہل حل و عقد میں اتفاق ہو۔ اور اہل حل و عقد صرف یزید ہی کو ولی عہد بنانے پر متفق ہوسکتے تھے کیونکہ وہ عموماً بنی امیہ میں سے تھے اور بنی امیہ اس وقت اپنے میں سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہوسکتے تھے۔ اس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقتور گروہ انہی کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی۔ ان نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولی عہدی کے لئے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس کے زیادہ مستحق سمجھے جاسکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا۔ تاکہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق رہے۔ جس کی شارع کے

نزدیک بڑی اہمیت ہے۔

قطع نظر اس کے کہ حضرت معاویہ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جا سکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔ آپ کے اس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہ کا موجود ہونا اور اس پر ان کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امر میں حضرت معاویہ کی نیت مشکوک نہیں تھی۔ کیونکہ صحابہ کرام حق کے معاملے میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہ ہی ایسے تھے کہ قبول حق میں حب جاہ ان کے آڑے آ جاتی۔ یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً مانع ہے"۔

(مقدمہ ابن خلدون، طبع مصر، ص ۱۷۵-۱۷۶)۔

ابن خلدون خلفاء اربعہؓ کے بعد بدلے ہوئے حالات میں سیدنا معاویہؓ کے اقدام نامزدگی یزید کو درست قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"پس اگر معاویہ کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا جاتے جس کو بنوامیہ کی عصبیت نہ چاہتی ہوتی (خواہ دین اسے کتنا ہی پسند کرتا) تو ان کی یہ کارروائی یقیناً الٹ دی جاتی۔ نظم خلافت درہم برہم ہو جاتا اور امت کا شیرازہ بکھر جاتا۔ تم نہیں دیکھتے کہ مامون الرشید (عباسی خلیفہ) نے زمانے کی تبدیلی کا یہ حکم نظر انداز کر کے علی بن موسیٰ بن جعفر الصادق کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا، تو کیا نتیجہ ہوا۔ عباسی خاندان نے پورے معنی میں بغاوت کر دی۔ نظام خلافت درہم برہم ہونے لگا، اور مامون کو خراسان سے بغداد پہنچ کر معاملات کو قابو کرنا پڑا"۔

(مقدمہ ابنا خلدون، طبع مصر، ص ۱۷۶)۔

مشہور مفسر و محدث و مؤرخ علامہ ابن کثیر دمشقی (م ۷۷۴ھ) جن کی تاریخ ایک اہم اور بنیادی ماخذ تاریخ اسلام ہے نیز مؤرخ اسلام ذھبی نے (تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر و الاعلام، ص ۹۲ میں) اور دیگر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ نے یزید کی ولایت عہد کی بیعت مکمل ہو جانے پر یہ دعا مانگی:-

"اللھم ان کنت تعلم انی و لیته لانه فیما اراه اهل لذلک فاتمم له ما ولیته- و ان کنت و لیته لأنی أحبه فلاتتم له ما ولیته"-

(ابن کثیر، البدایة و النہایہ، ج ۸، ص ۸۰)۔

ترجمہ: اے اللہ اگر تیرے علم کے مطابق میں نے اس (یزید) کو اس لئے ولی عہد قرار دیا ہے کہ وہ میری رائے کے مطابق اس کی اہلیت رکھتا ہے تو اس کی ولایت عہد کو پایہ تکمیل تک پہنچا دے۔ اور اگر میں نے اسے محض اس لئے ولایت عہد دی ہے کہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو میری جانب سے اس کی ولی عہد خلافت بنانے کی کاروائی کو پایہ تکمیل تک پہنچنے سے روک دے۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی کے پوتے مولانا عبدالعلی فاروقی باپ کے بعد بیٹے کی امارت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"باپ کے بعد بیٹے کی امارت قائم ہونے یا باپ کے اپنے بیٹے کو امارت کے لئے نامزد کرنے کی کہیں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور کسی گری پڑی روایت سے بھی اس ممانعت کا ثبوت نہیں فراہم کیا جا سکتا۔ پھر حضرت معاویہؓ اور یزید سے پہلے حضرت علیؓ اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسنؓ کی خلافت قائم ہونا اور اس پر کسی بھی حلقہ کی طرف سے یہ اعتراض نہ ہونا کہ "باپ کے بعد بیٹے کی امارت اسلامی قانون کے لحاظ سے غلط ہے، امت کے اس اجماع کو ثابت کرتا ہے کہ باپ کے بعد بیٹے کا امیر ہونا کوئی جرم نہیں۔

علاوہ ازیں جب حضرت علیؓ سے ان کے آخر وقت میں یہ دریافت کیا گیا کہ کیا ہم آپ کے بعد آپ کے فرزند حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ تو اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا:- میں نہ تم کو اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں تم لوگ خود اچھی طرح دیکھ سکتے ہو۔ (البدایہ والنھایہ، ج ۷، ص ۳۲۷)۔

حضرت علیؓ کے اس جواب سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ بھی باپ کے بعد بیٹے کی امارت و خلافت میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے ورنہ وہ یہ جواب نہ دے کر یہ کہتے کہ "یہ طریقہ اسلامی قانون کے لحاظ سے غلط ہے اس لئے تم لوگ ایسا نہ کرنا۔" یا کم سے کم یہ کہتے کہ "میرنے لئے اپنے بیٹے کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد ... اسلامی قانون کے لحاظ سے جرم ہے اس لئے میں یہ کام نہیں کر سکتا"۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ حضرت علیؓ سے یہ دریافت کرنے والے ایک

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جندب بن عبداللہ تھے، اگر باپ کا اپنے بیٹے کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کرنا اسلامی قانون کے خلاف ہوتا تو حضرت جندبؓ خود ہی اس سلسلہ میں حضرت علیؓ سے استفسار نہ کرتے"۔

(مولانا عبدالعلی فاروقی، تاریخ کی مظلوم شخصیتیں، باب حضرت معاویہ، نیز ملاحظہ ہو واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، میسون پبلکیشنز، ملتان، جلد دوم، ص ۲٦۵)۔

برصغیر کے معروف عالم و مصنف و مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی کے تلمیذ جناب خالد مسعود مدیر ماہنامہ "تدبر" لاہور اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"حکومت میں باپ کے بعد بیٹے کا جانشین ہونا خلاف شرع نہیں۔ سیدنا عمرؓ نے اپنی جانشینی کا فیصلہ کرنے والی کمیٹی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی رکن نامزد کیا تھا۔ وہ مشورہ میں شریک تھے لیکن حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق خلیفہ نہیں ہوسکتے تھے۔ یہ اس لئے نہیں کہ ایسا کرنا خلاف شرع ہوتا بلکہ اس لئے کہ حضرت عمرؓ کے بقول بارِ خلافت کی جوابدہی کے لئے خاندانِ بنی عدی میں سے تنہا حضرت عمرؓ ہی کافی تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کی جانشینی کے لئے ان کے صاحبزادے حضرت حسنؓ کا انتخاب کیا گیا حالانکہ ان سے اہل تر اور زیادہ تجربہ کار معمر صحابہؓ بڑی تعداد میں موجود تھے۔"

(اقتباس از مقالہ خالد مسعود، صدر اول کی تاریخ کے لئے چند رہنما نکات، ماہنامہ "تدبر" لاہور، اگست ۱۹۹۲ء)۔

یزید پر باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کے حوالہ سے اہل تشیع بھی اعتراض نہیں کرسکتے کیونکہ شیعہ عقیدہ کی رو سے تو ہر امام کے لئے لازم ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق اپنی اولاد ہی میں سے کسی کو منصب امامت و خلافت پر اپنے بعد کے لئے مقرر کردے اور شیعہ اثنا عشریہ کے ہاں تو اولاد سیدنا حسنؓ بھی اس حق سے محروم رکھی گئی ہے اور سیدنا علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کے بعد بقیہ نو امام صرف اولاد حسینؓ میں سے باپ کے بعد بیٹے کی امامت کے اصول کے مطابق مقرر شدہ ہیں۔

علاوہ ازیں دنیائے روحانیت و سلاسل تصوف میں اس بات کو ترجیح دی جاتی ہے کہ باپ کے بعد بیٹا ہی مسند نشین ہو۔ حتیٰ کہ اگر اس سے بہتر لوگ موجود ہوں تب بھی اس خاندانی مرکز روحانیت کا تسلسل برقرار رکھنے کے لئے نیز دیگر مصالح کے پیش

نظر بالعموم صاحبزادہ ہی جانشین و گدی نشین قرار پاتا ہے اور اگر اس کا عمل و تقویٰ کمزور ہو تب بھی بالعموم مسند نشین ہو کر احساسِ ذمہ داری کے تحت اس کی بہت سی خامیاں اور لاپرواہیاں یکسر ختم ہو جانے کی امید کی جاتی ہے۔

۲- یزید سے افضل و برتر صحابہؓ وتابعینؒ کی موجودگی میں یزید کو امام وخلیفہ مقرر کرنا درست قرار نہیں دیا جاسکتا؟

یزید سے بدرجہا افضل و برتر صحابہ و تابعین کی موجودگی میں یزید کو ولی عہد اور آئندہ خلیفہ نامزد کرنے کو ترجیح کیوں دی گئی؟ اس کا جواب بھی ابن خلدون کے بیان میں موجود ہے:-

''اولاً تو حضرت معاویہ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے۔ اور پھر انہیں متہم یوں بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے پیش نظر یزید کو ترجیح دینے سے بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ امت میں اتحاد و اتفاق قائم رہے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اہل حل و عقد میں اتفاق ہو۔ اور اہل حل و عقد صرف یزید ہی کو ولی عہد بنانے پر متفق ہو سکتے تھے۔ کیونکہ وہ عموماً بنی اُمیہ میں سے تھے اور بنی اُمیہ اس وقت اپنے میں سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقتور گروہ انہی کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی۔ ان نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولی عہدی کے لئے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس کے زیادہ مستحق سمجھے جاسکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا۔ تاکہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق قائم رہے۔ جس کی شارع کے نزدیک بڑی اہمیت ہے۔''

(مقدمہ ابن خلدون، طبع مصر، ص ۱۷۵-۱۷۶)۔

یزید کے غیر افضل ہونے کے اعتراض کے جواب میں مولانا عبدالعلی فاروقی فرماتے ہیں:-

"یہ بات بھی محض حضرت معاویہؓ پر اعتراض جڑنے کے لئے اٹھائی گئی ہے۔ ورنہ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کے لئے امارت و خلافت کی اہلیت تو شرط ہے۔ لیکن اس کا اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل ہونا ضروری نہیں۔ نہ ہی عملاً اس کا اہتمام ہوسکتا ہے۔ کیونکہ فضیلت کا کوئی ایک مقرر پیمانہ نہیں ہے جس کی بناء پر کسی شخص کو من کل الوجوہ افضل قرار دیا جاسکے۔

یہ صحیح ہے کہ یزید کی ولی عہدی اور پھر امارت کے وقت اکابر صحابہؓ اور بہت سے ایسے تابعین موجود تھے جن کو ہر طرح یزید پر فضیلت حاصل تھی۔ لیکن کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خود حضرت معاویہؓ اپنے دور کے تمام اصحاب سے افضل تھے۔ اور پھر ان سے پہلے حضرت حسنؓ کی خلافت کے وقت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سعید بن زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے بہت سے اکابر صحابہؓ موجود تھے جن کو علم و فضل میں حضرت حسن پر برتری حاصل تھی اس کے باوجود حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ ہی خلیفہ مقرر ہوئے۔ ایسی صورت میں یزید کی ولی عہدی یا خلافت پر افضل و مفضول کی بحث چھیڑنا "بغض معاویہ" کے ایک حسین عنوان سے زیادہ کوئی قیمت نہیں رکھتا۔"

(مولانا عبدالعلی فاروقی، تاریخ کی مظلوم شخصیت، باب حضرت معاویہ۔ نیز ملاحظہ ہو واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، حصہ دوم، میسون پبلیکیشنز، ملتان، ص ۲۶۵-۲۶۶)۔

شیعہ زیدیہ بھی افضل کی موجودگی میں غیر افضل کی امامت و خلافت کو شرعاً درست قرار دیتے ہیں۔ مولانا مودودی اہل تشیع کا عقیدہ امامت و خلافت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"ان میں سب سے زیادہ نرم مسلک زیدیہ کا تھا جو زید بن علی بن حسینؓ (متوفی ۱۲۲ھ / ۷۴۰ء) کے پیرو تھے۔ وہ حضرت علیؓ کو افضل مانتے تھے۔ مگر ان کے نزدیک افضل کی موجودگی میں غیر افضل کا امام ہونا جائز تھا۔ نیز ان کے نزدیک حضرت علیؓ کے حق میں شخصاً و صراحتاً رسول اللہ ﷺ کی نص نہ تھی۔ اس وجہ سے وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت تسلیم کرتے تھے۔ تاہم ان کی رائے یہ تھی کہ امام اولادِ فاطمہ میں سے کوئی اہل شخص ہونا چاہیے۔ بشرطیکہ وہ سلاطین کے مقابلے میں امامت کا دعویٰ لے کر اٹھے اور

اس کا مطالبہ کرے۔"

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اپریل ۱۹۸۰ء ص ۲۱۳، بحوالہ الأشعری ۱۳۹/۱، و مقدمہ ابن خلدون، ص ۱۹۷ - ۱۹۸ و الشہرستانی ۱۱۵/۱ - ۱۱۷)۔

۳- یزید فاسق و فاجر ہونے کی بناء پر شرعاً منصب امامت و خلافت کا اہل نہیں تھا؟

یزید پر فاسق و فاجر ہونے کا الزام درج ذیل دلائل کی بناء پر غلط قرار پاتا ہے:-

۱- صحابہ کرامؓ کی بیعت و اقوال بحق یزید

ابن کثیر چھپن لاکھ مربع میل سے زائد علاقہ پر پھیلے ہوئے عالم اسلام کے بارے مین ۵۶ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

و فيها دعا معاوية الناس الى البيعة ليزيد ولده ان يكون ولى عهده من بعده- فبايع له الناس فى سائر الأقاليم الاعبدالرحمن بن ابى بكر و عبدالله بن عمر و الحسين بن على و عبدالله بن الزبير و ابن عباس"-
(البداية والنهاية ، ج ۸ ، ص ۸٦)-

ترجمہ:- اور اسی سال (۵۶ھ) میں حضرت معاویہ نے لوگوں کو اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی دعوت دی- پس تمام اقالیم سلطنت کے باشندوں نے اس کی بیعت کر لی سوائے عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس کے۔

چھپن لاکھ سے زائد مربع میل پر پھیلے ہوئے عالم اسلام میں سے جن پانچ نمایاں اصحاب نے بیعت یزید نہیں کی تھی، ان میں سے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ایک روایت کے مطابق ۵۶ھ سے پہلے انتقال کر چکے تھے- اور بہر حال خلافت یزید (رجب ۶۰ھ) منعقد ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے- رجب ۶۰ھ میں یزید کے خلیفہ بن جانے کے بعد سیدنا عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ کی بیعت یزید اور اقوال بحق بیعت یزید کی معتبر روایات موجود ہیں- اہل کوفہ کی غداری کے بعد سیدنا حسینؓ نے بھی آخری

وقت میں یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سمیت تین شرطیں پیش فرمادی تھیں۔ البتہ نبیؐ و علیؓ کے پھوپھی زاد سیدنا زبیر کے فرزند اور نواسہ ابوبکرؓ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے وفات یزید (۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ) تک یزید کی بیعت نہیں کی۔ اور وفات یزید کے بعد اپنی خلافت قائم فرمائی۔

علامہ سید محمود احمد عباسی سیدنا حسینؓ و عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ تمام صحابہؓ کی بیعت یزید کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"جن صحابہ کرامؓ نے امیر المؤمنین یزید کی ولایت عہد اور پھر دس برس بعد ان کی خلافت پر اجماع کیا، وہ کون تھے؟ سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، سیدنا جابر بن عبداللہ، سیدنا انس بن مالک رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سینکڑوں دیگر صحابہؓ جن کے تذکرے اور ترجمے راقم الحروف کی مبسوط کتاب میں درج ہیں۔ ان سب نے امیر المؤمنین یزید کی ولایت عہد کی منظوری دی اور جو ان کی خلافت کے وقت زندہ تھے انہوں نے ان کی خلافت و امامت کی تائید و توثیق کی۔ صرف دو حضرات ان کے خلاف کھڑے ہوئے۔ صحابہ کرامؓ نے ان حضرات کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے اقدامات کو درست نہیں سمجھا۔"

(محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۳۶-۳۷)۔

محمود عباسی اس زمانہ میں بقید حیات دو سو سے زائد صحابہ کرامؓ کی بیعت یزید کے حوالہ سے مزید فرماتے ہیں:-

"ان میں سے وہ متعدد حضرات بھی تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات اور آپ کے بعد جہادوں میں شریک ہو کر باطل قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لاسکتے تھے۔ مگر ان میں سے ایک صحابی نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسینؓ کا ساتھ کسی طرح نہیں دیا۔

مؤلف "اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء" لکھتے ہیں:-

و قدکان فی ذلک العصر کثیر من الصحابة بالحجاز و الشام و

البصرة والكوفة و مصر و كلهم لم يخرج على يزيد و لا وحده و لا مع الحسين- (ص ۱۲)-

(اس زمانے میں حجاز، شام، بصرہ، کوفہ اور مصر میں صحابہ کی کثیر تعداد موجود تھی- مگر ان میں سے کسی نے بھی نہ تو اپنے طور پر اور نہ حضرت حسین کے ساتھ مل کر یزید کے خلاف خروج کیا)-

صحابہ کرامؓ کے اس موقف سے بالبداہت ثابت ہے کہ نظام خلافت یا کردارِ خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے"۔

(محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۱۲۹ - ۱۳۰)-

برادر حسنینؓ امام محمد بن علیؓ، ابن الحنفیہ الهاشمی القرشی بحق یزید

واقعہ کربلا (محرم ۶۱ھ) کے بعد اواخر ۶۳ھ میں اہل مدینہ کے ایک طبقہ نے اکابر قریش و بنی ہاشم کے برعکس یزید کی بیعت توڑ دی اور واقعہ حرہ پیش آیا- اس موقع پر ابن کثیر کے بیان کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے داعی حضرت عبداللہ بن المطیعؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت محمد بن علیؓ بن ابی طالب کے پاس گئے اور درخواست کی کہ آپ (یزید کی) بیعت توڑ دیں- لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا- ابن المطیع نے کہا کہ یزید شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا ہے اور کتاب اللہ کے احکام کی اسے پرواہ نہیں ہے- محمدؒ نے فرمایا کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں دیکھی- میں یزید سے ملا ہوں، ان کے ساتھ رہا ہوں میں نے ان کو نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، فقہ کا سائل اور سنت کا متبع پایا ہے---- الخ (البدایہ والنہایہ ج۸، ص ۲۳۳)-

امام محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) کے اصل عربی الفاظ یوں ہیں:-

"وقد حضرته و اقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلاة متحرياً للخير يسئال عن الفقه ملازماً للسنة"- (ابن كثير، البداية والنهاية، ج۸، ص ۲۳۳)-

ترجمہ: "میں یزید کے پاس گیا ہوں اور مقیم بھی رہا ہوں پس میں نے تو اسے نماز کا پابند، خیر کے لئے سرگرم عمل، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا ہے-"

مولانا عبدالعلی فاروقی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

"حضرت علیؓ کے فرزند حضرت محمدؒ نے یزید سے اپنی ذاتی واقفیت کی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن المطیع کے اس بیان کی تردید کی کہ یزید شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا اور کتاب اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا۔ پھر ان کی اس تاویل پر کہ یزید نے نماز کی پابندی وغیرہ جیسے نیک عمل آپ کو دکھانے کے لئے کئے ہوں گے، جواباً عبداللہ بن المطیع سے جب یہ استفسار کیا کہ کیا تم نے خود یزید کو شراب پیتے دیکھا ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ:- اگرچہ میں نے خود نہیں دیکھا مگر میرے نزدیک یہ بات سچی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات تو واضح ہوتی ہے کہ یزید کے ہمعصروں میں بھی اس کے فسق و فجور کا چرچا تھا جس کی بنیاد پر حضرت ابن المطیعؓ جیسے بزرگوں کو یزید کے فسق کا یقین ہو گیا تھا۔ لیکن حضرت محمد بن الحنفیہ جیسے بزرگوں کا اپنے ذاتی علم و واقفیت کی بنیاد پر یزید کو اس الزام سے بری قرار دیتے ہوئے اس کی نمازوں کی پابندی، خیر کی تلاش اور سنت کی اتباع کی گواہی دینا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یزید دشمنوں کی طرف سے اس کی شراب نوشی و دیگر مسکرات میں ملوث ہونے کا پروپیگنڈہ اور بات ہے لیکن اس کے لئے کوئی معتبر عینی گواہ نہ تھا۔"

(مولانا عبدالعلی فاروقی، تاریخ کی مظلوم شخصیتیں، باب حضرت معاویہ، نیز ملاحظہ ہو واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، بیسون پبلیکیشنز ملتان، ج ۲، ص ۲۶۷)۔

عمزاد نبیؐ و علیؓ سیدنا عبداللہ بن عباس الھاشمی القرشیؓ

بلاذری کی "انساب الاشراف" میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے افقہ و اعلم صحابی کی یزید کے بارے میں یہ شہادت موجود ہے کہ وفات معاویہؓ کی خبر سنکر دعائیہ کلمات کے بعد آپ نے فرمایا:-

"ان ابنه یزید لمن صالحی اهله فالزموا مجالسکم و اعطوا طاعتکم و بیعتکم"۔ (البلاذری "انساب الاشراف، مطبوعه یروشلم، الجزء الرابع، القسم الثانی، ص ۴)۔

"بے شک معاویہؓ کا بیٹا یزید ان کے گھرانے کے نیک لوگوں میں سے ہے، پس تم لوگ اپنی اپنی جگہ لگے رہو اور اس کی بیعت و اطاعت کرو۔"

شوہر سیدہ زینبؓ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار ہاشمی، قرشیؓ

سیدہ زینب بنت علی کے شوہر اور سیدنا حسن و حسین کے بہنوئی و چچازاد سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار نہ صرف کربلا نہیں گئے۔ بلکہ آپ نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام محمد کی شادی یزید سے کی۔ (تقریباً ۵۳ھ میں، راجع جمہرۃ الانساب لابن حزم ص ۶۲)۔

یزید کی امامت و خلافت کی بیعت بھی آپ نے ابتداء ہی میں کرلی اور مدینہ میں مقیم رہے۔ بلکہ سیدنا حسینؓ کو بھی اہل کوفہ کی سابقہ غداریوں وغیرہ کے حوالہ سے کربلا جانے سے منع فرمایا۔

یہ تمام شواہد اس بات کا ثبوت ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ نہ تو یزید کے خلاف فسق و فجور کے پروپیگنڈہ کو کوئی اہمیت دیتے تھے اور نہ ہی اس کی امامت و خلافت کو غلط سمجھتے تھے۔ جبکہ اس سے پہلے آپ کے اور حسینؓ کے چچا عقیلؓ بن ابی طالب خود شیعی روایات کے مطابق خلافت علوی میں سیدنا معاویہؓ سے جا ملے تھے۔

(جمال الدین عنبہ، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، طبع لکھنؤ، ص ۱۵)۔

بلاذری جیسے قدیم و ثقہ مورخ نے یہ روایت نقل کی ہے:-

"دخل عبداللّٰه بن جعفر علی یزید فقال: کم کان ابی یعطیک فی کل سنة ؟ قال الف الف- قال فانی قد اضعفتهالک- فقال ابن جعفر:- فداک ابی و امی- و واللّٰه ما قلتها لاحد قبلک- فقال فقد اضعفتهالک-- فقیل: أتعطیه اربعة آلاف الف؟ فقال: نعم انه یفرق ماله فاعطائی ایاه اعطای أهل المدینة-" (البلا ذری، انساب الاشراف، طبع یروشلم، الجزء الرابع والقسم الثانی، ص ۳)۔

ترجمہ: عبداللہ بن جعفر (طیار) یزید کے پاس آئے تو اس نے پوچھا کہ میرے والد آپ کو سالانہ کیا دیا کرتے تھے؟ ابن جعفر نے فرمایا:- دس لاکھ۔ یزید کہنے لگا:- میں نے اس کو دوگنا کیا۔ تو ابن جعفر نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اور بخدا میں نے یہ قول آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کہا۔ یزید بولا: میں نے اس (دوگنا) کو بھی دوگنا کیا۔ عرض کیا گیا کہ آپ ان کو چالیس لاکھ سالانہ دیں گے؟ یزید بولا: ہاں کیونکہ یہ اپنا مال تقسیم کردیتے ہیں۔ میرا ان کو عطا کرنا گویا تمام اہل مدینہ کو عطا کرنا ہے۔

چنانچہ نہ صرف اس روایت کے مطابق سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ طیار نے خلیفہ یزید کے لئے "فداک ابی وامی"- میرے ماں باپ تجھ پر قربان- کے الفاظ کہے بلکہ ایک

دوسری طویل روایت کے مطابق حج و سفر شام کے لئے یزید کی جانب سے عمدہ اونٹ پیش خدمت کئے جانے پر یزید کی شخصیت و فیاضی کے حوالہ سے معترضین کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:-

"قال ابن جعفر:- تلومونني في حسن الرأي في هذا يعني يزيد"-

(ابن كثير، البداية والنهاية، ج ٨، ص ٢٢٠)-

ترجمہ:- ابن جعفر نے فرمایا: تم اس شخص (یزید) کے بارے میں میری عمدہ رائے پر مجھے کیونکر ملامت کر سکتے ہو۔

سیدنا علی بن الحسینؓ (زین العابدین) الھاشمی القرشیؒ

آپ واقعہ کربلا کے بعد نہ صرف وفات یزید تک اس کی بیعت پر قائم رہے بلکہ سن ۶۳ھ میں جب ابن زبیرؓ کے حامیوں نے مدینہ پر قبضہ کر کے یزید کی بیعت توڑ دینے کی اہلِ مدینہ کو ترغیب دی تو ابن الحنفیہ و ابن عمرؓ وغیرہ کی طرح آپ نے بھی یزید کے فسق و فجور کا پروپیگنڈہ کرنے والوں اور بیعت توڑنے کا مشورہ دینے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ بلکہ یزید کو اپنی جانب سے حمایت کا خط بھی لکھا۔ حتیٰ کہ واقعہ حرہ کے موقع پر جب یزیدی لشکر نے باغیان مدینہ کے خلاف کارروائی کی تو یزید کی جانب سے امیر عسکر مسلم بن عقبہ کو سیدنا علی زین العابدین سے حسنِ سلوک کی خصوصی ہدایت تھی۔

"و انظر علي بن الحسين فاكفف عنه و استوص به خيراً فانه لم يدخل مع الناس وانه قد اتاني كتابه"(الكامل لابن الاثير، ج ٣، ص ٣٥)-

ترجمہ:- اور علی بن حسین کا خیال رکھنا ان سے ہاتھ روک کر رکھنا اور ان کے ساتھ عمدہ طریق پر پیش آنا کیوں کہ وہ ان (باغیوں) کے ساتھ شریک نہیں ہیں اور ان کا خط میرے پاس آچکا ہے۔

چنانچہ امیر لشکر یزید، معمر رسیدہ صحابی رسول ؐ مسلم بن عقبہؓ کے بتلانے پر کہ امیرالمومنین یزید نے انہیں علی بن حسینؓ سے حسن سلوک کی خصوصی تلقین کی ہے، علی زین العابدین نے فرمایا:- اللہ امیرالمومنین پر رحمت فرمائے۔

"وصل الله اميرالمومنين." (طبقات ابن سعد والامامة والسياسة، ج١٠

ص ۲۳۰).

برادر حفصہؓ ام المومنین سیدنا عبداللہ بن عمر عدوی قرشیؓ

آپ کی بھتیجی سیدہ ام مسکین بنت عاصم بن عمر فاروقؓ فسق و فجور کے ملزم یزید کی زوجہ تھیں۔ اور آپ وفات یزید تک اس کی بیعت پر قائم رہے۔ بخاری کی ایک روایت سے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واضح طور پر یہ موقف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی قیادت میں اہل مدینہ کی یزید کے خلاف چھیڑی جانے والی مہم (واقعہ حرہ) کو بغاوت تصور کرتے تھے اور انہوں نے اپنے خاندان والوں کو سختی کے ساتھ اس سے منع کیا تھا۔ الفاظ روایت یہ ہیں:۔

عن نافع قال: لما خلع اہل المدینة یزید بن معاویة جمع ابن عمر حشمه و ولده فقال: انی سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: ینصب لکل غادر لواء یوم القیامة– وانا قد بایعنا هذا الرجل علی بیع الله و رسوله، وانی لا اعلم غدراً اعظم من أن یبایع رجل علی بیع الله و رسوله ثم ینصب له القتال، و انی لا اعلم احداً منکم خلعه ولا تابع فی هذا الامر الا کانت الفیصل بینی و بینه–" (بخاری کتاب الفتن، ج ۲، ص ۱۰۵۲)–

ترجمہ:- نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر نے اپنی اولاد و مخصوصین کو جمع کیا اور کہنے لگے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:- قیامت کے روز ہر عہد شکن کے لئے ایک علامتی جھنڈا نصب کیا جائے گا۔

اور ہم نے اس شخص (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول ؐ کے نام پر کی ہے اور میں اس سے بڑی غداری کوئی نہیں جانتا کہ کسی شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے۔ پھر اس کے مقابلے میں قتال کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ پس میرے علم میں یہ بات نہ آنے پائے کہ تم میں سے کسی نے یزید کی بیعت توڑی اور اس معاملہ (بغاوت) میں کوئی حصہ لیا ہے، ورنہ میرے اور ایسا کرنے والے کے درمیان کوئی تعلق باقی نہ رہے گا۔

حضرت ابن عمر کا یزید کی بیعت پر قائم رہنے کے لئے یہ اصرار، اپنے متعلقین و

اولاد کو اہتمام کے ساتھ جمع کر کے بیعت کے پابند رہنے اور خلاف ورزی کی صورت میں ان سے ترک تعلق کر لینے کی دھمکی دینا، اور یزید کے خلاف قتال کو غدر سے تعبیر کرنا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یا تو ان کو "فسق یزید" کے پراپیگنڈہ کا علم نہ تھا۔ یا وہ اس پروپیگنڈے پر اعتماد نہ کر کے اس کو امارت و خلافت کے منصب کے لیے موزوں گردانتے تھے اور اس سلسلہ میں اہل مدینہ کی مخالفانہ کاروائیوں کو خلاف حق اور غداری سمجھتے تھے۔

مولانا عبدالطلی فاروقی سیدنا ابن عباسؓ وابن عمرؓ وابن الحنفیہؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"یزید کے ہمعصروں میں سے یہ وہ چند نام ہیں جن کی عظمت و جلالت پر ہر مسلمان کو کامل اعتماد ہے۔ اور جنہوں نے اپنے اقوال و اعمال کے ذریعہ یزید کی شراب نوشی اور دوسری فسق و فجور کی داستانوں کی تغلیط کی ہے۔ اب اگر ان کے مقابلے میں کچھ ہمعصر ایسے ہوں بھی جو یزید کو شراب نوش و ناکارہ اور فاسق و فاجر گردانتے ہوں تو اولاً تو ان کی بات ان اکابر صحابہؓ کے مقابلہ میں اہمیت نہیں رکھتی پھر اگر وہ بہت ہی قابل لحاظ واحترام شخصیات ہوں تو بھی یہی سمجھا جائے گا کہ وہ لوگ یزید مخالف پروپیگنڈہ سے اسی طرح متاثر ہو گئے جس طرح حضرت عبداللہ بن المطیع متاثر ہو گئے کیونکہ کسی بھی معتبر معاصر نے یہ گواہی نہیں دی ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے یزید کو فسق و فجور میں مبتلا دیکھا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ یزید کے معائب اور فسق و فجور پر کیونکر مطلع ہوں گے۔"

(عبدالطلی فاروقی "تاریخ کی مظلوم شخصیتیں" باب حضرت معاویہ، ودراجع واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، طبع ملتان، ص ۲۶۸-۲۶۹)۔

علامہ محمود احمد عباسی یزید کے فاسق و فاجر ہونے کی روایات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"امیر یزید کے کردار کے بارے میں یہ جتنے بہتان زبان زد خاص و عام ہیں، سبائی راویوں کے تراشیدہ اور بیان کردہ ہیں۔ مؤرخین نے جن لوگوں کی سند سے یہ باتیں بیان کی ہیں ان میں سے اکثر کو ائمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔ مثلاً مؤرخ بلاذری

نے جن راویوں کے سلسلہ روایت سے مے نوشی سے مدہوش ہو کر نماز ترک کر دینے، گانے بجانے والی چھوکریوں کو رکھنے، شکاری کتوں، باز و بندروں کو پالنے وغیرہ کی روایتیں درج کی ہیں ذرا ان کی کیفیت ملاحظہ ہو:-

حدثنی العمری عن الهیثم بن عدی عن ابن عیاش و عوانة عن هشام بن الکلبی عن ابیه و ابی مخنف وغیرهما-"

(انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم، ص ۱، ج۴)-

"العمری نے مجھ سے بیان کیا ان سے الهیثم بن عدی نے، ان سے ابن عیاش و عوانہ نے، ان سے ہشام کلبی نے، ان سے ان کے باپ نے اور (اسی طرح) ابو مخنف وغیرہ (نے بھی بیان کیا ہے)-

ابو مخنف کو تو آپ جانتے ہیں آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے- مندرجہ بالا راویوں میں سے پہلا راوی ہشام کا باپ محمد بن السائب کلبی، ابو النصر کوفی غالی سبائی اس خیال و عقیدہ کا تھا کہ جبریل فرشتہ وحی الہی غلطی سے حضرت علیؓ کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا- اس کو بھی ائمہ رجال کذاب کہتے ہیں-

(ص ۶۲، ج ۳، میزان الاعتدال، علامہ ذہبی)-

دوسرا پہلے راوی کا بیٹا ہشام متوفی ۲۰۴ھ ہے جس کو ابن عساکر نے رافضی ناقابل اعتماد کہا ہے- اور دار قطنی نے متروک الحدیث- (ص ۲۵۶، جلد ۳، ایضاً)-

تیسرے راوی ابن عیاش کو بھی اسی طرح منکر الحدیث بتایا ہے-

چوتھا راوی الهیثم بن عدی ہے جس کو امام بخاری نے ناقابلِ اعتماد اور کذاب کہا ہے نیز ابوداؤد نے بھی جھوٹا بتایا ہے- (ص ۲۶۵، جلد ۳، ایضاً)-

پانچویں العمری راوی متوفی ۲۲۹ھ کو بھی آئمہ رجال ضعیف الحدیث کہتے ہیں-

(ص ۲۵۴، ج ۳، ایضاً)-

ان کے علاوہ اور دو ایک اسی قماش کے راوی ہیں جن کی زبانی یہ خرافات مشتہر ہوئیں- لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی امیر یزید کا زمانہ نہیں پایا- کوئی سو برس بعد کا ہے کوئی ڈیڑھ سو برس، کوئی دو سو برس بعد کا- کسی عینی شاہد کی کوئی روایت بیان نہیں کی گئی"-

(محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۲ء، طبع چہارم، ص ۳۱۰-۳۱۱)۔

اسی سلسلہ کلام میں سیدنا ابن عباس و ابن جعفر و ابن حنفیہ و ابن حسین رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"اس کے برخلاف جو بزرگ امیر موصوف سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے، ان کے پاس مقیم رہتے تھے اور شب و روز کے معمولات کے شاہد عینی تھے، یعنی حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن جعفر طیار، حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) وغیرھم سب امیر المومنین یزید کی نیکو کاری صوم وصلاۃ کی پابندی، پرہیزگاری اور علم و فضل کے معترف رہے۔ اور مے نوشی وغیرہ کے جو بہتان سیاسی مخالفت میں ان پر عائد کئے گئے ان کی پرزور تردیدیں کیں۔

یہ سب بزرگ ان کی بیعت پر مستقیم رہے اور باغیوں کی حرکات سے متنفر۔

بایں ہمہ ایک طبقے نے ان خرافات کا پروپیگنڈہ اس شد و مد سے مسلسل اور متواتر کیا کہ اس کذب و دروغ گوئی کو بھی لوگ سچ سمجھنے لگے۔ نازی پارٹی کے ڈائریکٹر نشر و اشاعت گوبلس نے جھوٹ کو سچ کر دکھانے کے سلسلے میں بتایا تھا کہ کیسا ہی سفید یا سیاہ جھوٹ بولو، بے دھڑک شد و مد سے بولو۔ اور مسلسل و متواتر بولو، اور پروپیگنڈا کرو تو بالآخر لوگ جھوٹ کو سچ سمجھنے لگیں گے۔ یہی حالت و کیفیت ان بہتانوں کے پروپیگنڈے کی ہوئی۔ طرح طرح کے قصے اور حکایتیں تراشی گئیں۔"

(محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۳۱۱)۔

اس سلسلہ میں ایک اہم دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا تو جلیل القدر عالم و صوفی سیدنا بایزید بسطامی (م ۲۶۱/۲۶۴ھ) جیسے اکابر امت اپنی کنیت یزید کے نام پر نہ رکھتے۔

محسن اہل سنت مولانا منظور نعمانی کے فرزند مولانا عتیق الرحمن سنبھلی فسق یزید کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"یہ بات قطعی جھوٹ اور افتراء ہے کہ یزید کے بارے میں کسی فسق و فجور کا مسئلہ بھی اٹھایا جاتا تھا۔ یہ مسئلہ اگر اٹھا ہے تو حضرت حسینؓ کی شہادت کے تین سال بعد کچھ اہل مدینہ کی طرف سے اٹھا ہے۔ اور اسے رد کرنے والے اسی مدینے میں حضرت حسنؓ و

حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ بن حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایسے حضرات بھی تھے جن کے رد کا وزن نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مطبوعہ بیسون پبلیکیشنز، ملتان، ص ۱۲۹-۱۳۰)۔

اسی حوالہ سے مزید فرماتے ہیں:-

"جب حضرت معاویہ کے انتقال پر یزید نے خلافت سنبھالی اور حضرت حسین نے اس کے خلاف کھڑے ہونے کا فیصلہ فرمایا تب بھی یزید کے ذاتی فسق و فجور کی بات آپ کی زبان پر کبھی نہیں آئی حتی کہ کوفہ کا سفر اور شہادت ساری منزلیں گزر گئیں کہیں یہ بات "زانی ہے شرابی ہے" آپ کی زبان پر نہیں آئی بات صرف اتنی ہی تھی کہ باپ کی طرف سے بیٹے کی ولی عہدی ان حضرات کے نزدیک اسلامی اصول خلافت کی رو سے صحیح نہیں تھی یا مصلحت نہیں تھی۔ مزید براں اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو وہ یہ ہے (جس کے واضح شواہد و قرائن موجود ہیں) کہ یہ سب حضرات وہ تھے جو دراصل حضرت معاویہ ہی کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے تھے اور حالات کی پیدا کردہ ایک مجبوری کے طور پر انہیں گوارا کرتے رہے تھے۔"

(واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۱۲۷)۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ممتاز استاد ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری کا بیان بھی فسق یزید کی تردید میں بڑا مدلل اور جامع ہے۔ (البتہ قسطنطنیہ پر حملہ کا سن ان کے بیان کردہ سال کے برخلاف صحیح تر روایت کے مطابق سن ۵۲ھ ہی ہے۔ بحوالہ طبقات ابن سعد وغیرہ)۔

"جناب یزید کی زندگی میں فتح قسطنطنیہ (۴۸ھ-۶۶۹ء) کا واقعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس زمانہ میں عام طور پر یہ بات مشہور تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:- "پہلا لشکر میری امت کا جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہو گا وہ مغفرت یافتہ ہے۔"

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت حسین بن علی اور حضرت ابو ایوب انصاری رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ جلیل القدر صحابہ نے اس وعدہ مغفرت کے شوق میں بڑے جوش و خروش سے

حضرت امیر معاویہ کے تشکیل دیئے ہوئے لشکر میں شرکت فرمائی اور میدان جنگ میں داد شجاعت دی۔ اس لشکر کے سپہ سالار سفیان بن عوف تھے۔ اور آپ کے ماتحت لشکر کے ایک حصہ کے سردار جناب یزید تھے۔

آپ نے اس جہاد میں جس بہادری، دلیری اور عسکری صلاحیت کا ثبوت دیا اس پر ہمارے مؤرخین رطب اللسان ہیں۔ اس جنگ میں آپ نے ثابت کر دیا تھا کہ اس لشکر میں آپ کو جو امتیازی حیثیت دی گئی تھی وہ محض ولی عہدی کے طفیل نہیں ملی تھی۔ بلکہ غیر معمولی عسکری صلاحیت اور فقید المثال شجاعت کے سبب حاصل ہوئی تھی۔ کیا ان کی برأت کے لئے یہی ایک واقعہ کافی نہیں ہے؟

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ حضور کا ارشاد گرامی غیر مشروط ہے۔ کیا یہ بشارت کسی ایسے شخص کے لئے ہو سکتی تھی جو بعد میں فاسق و فاجر ہو جائے، تارک صلاۃ ہو جائے، لہو و لعب میں پڑ جائے، تمام اخلاقی حدود کو پار کر جائے، انسانیت کو بالائے طاق رکھ دے، سبط رسول ؐ کی نعش کی بے حرمتی کرے۔ یا کسی بھی درجے میں تقوی کی راہ سے ہٹ جائے۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں اور جناب یزید میں اس قسم کے نقائص تلاش کرتے ہیں وہ اس بشارت کی توہین کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ دو اتنے سنگین عیب یزید میں پائے جاتے اور اس کی ولی عہدی سے شدید اختلاف کرنے والے حضرات ان کی طرف اشارہ نہ کرتے۔ جب کہ یہ کوئی چھپے رہنے والے عیب نہیں تھے۔ اور نہ ہی حقیقت میں یہ ہو سکتا تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ ایسے فرزند کو جو ترک نماز اور اماتت صلاۃ کا عادی ہو اس امت پر خلیفہ بنا کر مسلط کر دیں جس کی سب سے بڑی پہچان اقامت صلاۃ ہے۔ اس سے حضرت امیر معاویہ اور جناب یزید دونوں کی پوزیشن بالکل واضح ہو جاتی ہے۔"

(مکتوب ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری، بنام مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، مورخہ ۲۲ جون، ۱۹۹۲ء، بحوالہ واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ملتان. حصہ دوم، ص ۵۳۰-۵۳۱)۔

مولانا عبد العلی فاروقی امامت و خلافت یزید اور تردید فسق یزید کے دلائل کے بعد بطور خلاصہ و نتیجہ لکھتے ہیں:۔

"بیعت کرنے والوں میں اکابر صحابہؓ بھی تھے اور تابعین عظام بھی۔ یہ اصحاب

کرام میں اصحاب بدر بھی تھے، اصحاب بیعت الرضوان بھی، اور اصحاب بیعت عقبہ اولی بھی، چنانچہ بیعت کرنے والے ممتاز اصحاب رسول میں سے چند یہ تھے:-

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو سعید خدری، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت کعب بن عمر، حضرت صہیب بن سنان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عمر بن ابی سلمہ، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت عوف بن مالک، حضرت ابو امامہ باہلی، حضرت ضحاک بن قیس، حضرت مالک بن حویرث، حضرت عمرو بن امیہ، حضرت عقبہ بن نافع، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت مقدام بن معدیکرب، حضرت ثابت بن ضحاک وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

یہ اور ان سے زائد دیگر اصحاب رسول، تابعین عظام اور صلحائے امت کے یزید کی امارت کو تسلیم کر کے اس کی بیعت کر لینے سے درج ذیل نتائج بدیہی طور پر سامنے آتے ہیں۔

۱- حضرت معاویہ نے یزید کی بیعت جبراً نہیں لی تھی، ورنہ اتنی بڑی تعداد میں خیرالقرون کے افراد اس بیعت پر اتفاق نہ کرتے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت معاویہ اتنے بڑے زور دست تھے کہ ان کے سامنے کسی کا بس نہ چل سکا تو ان کی وفات کے بعد ان سب ہی کو یا کم از کم ان کی بڑی تعداد کو یزید کی بیعت توڑ دینا چاہیے تھی۔

۲- حضرت معاویہ کا یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا کوئی غیر شرعی یا غیر اخلاقی کام نہ تھا۔ بلکہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے امت کے مفاد کا یہی بہترین تقاضا تھا اور اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو صحابہ کرام جیسی پاک باز جماعت کی ایک بڑی تعداد کو حق سے منحرف اور مداہنت کار تسلیم کرنا پڑے گا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

۳- یزید بن معاویہ اونچے درجے کا متقی و پرہیزگار شخص نہ سہی، لیکن سبائی پروپیگنڈے اور من گھڑت روایتوں کے ذریعہ یزید کے فسق و فجور اور حدود اللہ سے تجاوز کی جو کہانیاں بیان کی جاتی ہیں اور جس طرح اسلام کی "قانونی خلافت و امارت" کے لئے اسے نااہل گردانا جاتا ہے، یزید کے ہم عصر صحابہ اور تابعین کی غالب اکثریت اسے

غلط اور بے اصل سمجھتی تھی۔ ورنہ یہ ماننا ہو گا کہ یہ "اخیار امت" حمیت دینی اور شعور ملی سے محروم تھے اس لئے انہوں نے ایک "فاسق و نااہل" فرد کے ہاتھ پر بیعت قبول کی تھی۔

۴۔ حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنی "خواہش نفس" کی تکمیل کے لئے ولی عہد نہیں مقرر کیا تھا نہ ہی ان کے دل میں اس کا داعیہ پیدا ہوا اور نہ ہی اس سلسلہ میں انہوں نے کسی زور زبردستی سے کام لیا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک صحابی رسول حضرت مغیرہ بن شعبہ کی تحریک اور بصرہ، مدینہ اور کوفہ وغیرہ کے اکثر اہل الرائے اصحاب کے مشورے اور پرجوش حمایت پر انہوں نے یزید کو ولی عہد مقرر کیا اور چند اصحاب کے سوا باقی تمام لوگوں نے برضا و رغبت پہلے یزید کی ولی عہدی کی اور پھر امارت کی بیعت کی۔"

(عبدالعلی فاروقی، تاریخ کی مظلوم شخصیتیں، باب حضرت معاویہ، نیز ملاحظہ ہو، واقعہ کربلا اور اس پس منظر، ملتان، ج ۲۔ ص ۲۶۹-۲۷۰)۔

۴۔ یزید قتل حسینؓ کا ذمہ دار ہے؟

سیدنا حسینؓ اور سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی غالب اکثریت نے یزید کی امامت و خلافت کی بیعت کر لی تھی۔ جب کہ سیدنا حسین و ابن زبیر نے یزید کے خلاف کوئی مشترکہ اقدام بسلسلہ اسلامی خلافت کے قیام کی خاطر کرنے کے بجائے الگ الگ موقف اختیار کئے۔ عبداللہ بن زبیر نے مکہ کو مرکز بنا کر اپنی قیادت میں یزید کے متوازی خلافت کے قیام کی کوشش فرمائی اور وفات یزید و رضاکارانہ دستبرداری معاویہ ثانی (۶۴ھ) کے بعد عراق و حجاز وغیرہ عالم اسلام کے مختلف حصوں پر آپ کی شہادت (جمادی الثانی ۷۳ھ) تک خلافت ابن زبیر قائم رہی۔

سیدنا حسینؓ نے رجب ۶۰ھ میں مدینہ سے نکل کر مکہ معظمہ میں چار ماہ سے زائد عرصہ (شعبان۔ ذوالحجہ ۶۰ھ) خلافت یزید میں بلا بیعت اس طرح گزارا کہ نہ تو خلیفہ یا والی حرمین کی جانب سے آپ پر کوئی خاص پابندی عائد کی گئی اور نہ ہی بیعت یزید پر مجبور کیا گیا۔ اور نہ ہی آپ کا حکومت سے کوئی تصادم ہوا۔ اسی دوران میں سیدنا حسینؓ نے جب اہل کوفہ و عراق کے ہزاروں خطوط و وفود نیز مسلم بن عقیلؓ کی تصدیق کے بعد

کوفہ کو مرکز بنا کر یزید و ابن زبیرؓ کے متوازی اپنی سربراہی میں بہتر خلافت کے قیام کا موقع محسوس کیا تو سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور اپنے عزیز و قوی بھائی محمد بن علیؒ (ابن الحنفیہ) وغیرہ اکابر قریش و بنی ہاشم کے منع کرنے کے باوجود مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔ جب کہ دیگر حضرات یزید کی امامت و خلافت کی بیعت کر چکے تھے اور اہل کوفہ کو سیدنا علیؓ و حسنؓ کے ساتھ ان کی سابقہ غداریوں کی بناء پر ناقابل اعتبار بھی سمجھتے تھے۔ بہرحال اگر سیدنا حسین عراق میں اپنی خلافت قائم فرما سکتے تو عملاً عالم اسلام میں عراق پر حسینی خلافت، حجاز پر خلافت آل زبیرؓ اور شام وغیرہ پر یزیدی خلافت قائم ہو جاتی اور اس کے بعد ہر سہ فریق پورے عالم اسلام پر اپنی خلافت قائم کرنے کے لئے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کرتے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے مدمقابل آل مروانؓ نے کئے۔ اس کے عالم اسلام پر کیا اثرات و نتائج مرتب ہوتے، یہ سوال اہل دین و تاریخ کے لئے غور و فکر کی نئی راہیں وا کر سکتا ہے۔

جب سیدنا حسینؓ، مسلم بن عقیل کی تصدیق کے بعد اپنی خلافت کی بیعت لینے کے لئے روانہ ہوئے تو کوفہ سے کچھ فاصلے پر انہیں شہادت مسلم اور غداری اہل کوفہ کی خبر ملی اور نئے حالات کی روشنی میں انہوں نے کوفہ جانے اور بیعت خلافت لینے کا ارادہ ترک فرما دیا اور بالآخر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیش کش کر کے عملاً یزید کی امامت و خلافت کو تسلیم کر لیا۔ اس طرح فسق و فجور کے اس تمام پروپیگنڈہ کی بھی نفی فرما دی جو یزید سے منسوب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کے سفر کوفہ کی منطقی صورتحال یہی بنی کہ یزید سے بہتر خلافت حسینی کے قیام کا موقع دیکھا تو اس کی کوشش فرمائی مگر جب شیعان کوفہ کی غداری کی وجہ سے یہ کوشش ناکام ہوتی نظر آئی تو یزید کی خلافت کو کمتر سمجھنے کے باوجود اسے تسلیم کرنے کی پیش کش فرما دی۔

آیت اللہ العظمی السید علم الہدی شریف مرتضی (م ۴۳۶ھ) جو شیعہ اثنا عشریہ کے عالمی شہرت یافتہ مجتہد و مصنف ہیں اور جن کے بارے میں امام خمینی فرماتے ہیں:-

"کتاب شافی سید مرتضی علم الہدی متوفی در سال (۴۳۶ھ) کہ بہترین کتب و

مشہور ترین مصنفات دریں باب است۔"

(امام خمینی، کشف اسرار، ص ۲۰۳، مطبوعہ ایران، ۱۵، ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ)۔

ترجمہ: سید مرتضیٰ علم الھدیٰ متوفی سال (۴۳۶ھ) کی کتاب شافی اس موضوع (امامت) کے سلسلہ میں تصنیف شدہ کتب میں سے بہترین اور مشہور ترین کتاب ہے۔

انہی سید شریف مرتضیٰ علم الھدیٰ نے سیدنا حسینؓ کے سفر کوفہ اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی اس پیش کش پر تفصیلی اظہار خیال فرمایا ہے۔ جو طبری، الکامل لابن الاثیر اور ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ نیز دیگر کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ طبری وغیرہ کی روایت کردہ اس متفق علیہ سہ نقاطی پیش کش کے حوالہ سے شریف مرتضیٰ فرماتے ہیں:-

"وقد هم ابو عبدالله عليه السلام لماعرف مقتل مسلم و اشير عليه بالعود- فوثب اليه بنو عقيل فقالوا والله لا ننصرف حتى ندرک ثأرنا- او نذوق ما ذاق اخونا- فقال عليه السلام : لاخير فى العيش بعد هؤلاء-

ثم لحق الحر بن يزيد ومن معه من الرجال الذين ألقنهم ابن زياد و منعه من الانصراف و سامه ان يقدم على ابن زياد نازلاً على حكمه فامتنع-

ولما رأى ان لا سبيل الى العود ولا الى دخول الكوفة سلک طريق الشام نحو يزيد بن معاوية لعلمه عليه السلام انه على ما به أراف من ابن زياد و أصحابه- فسار حتى قدم عليه ابن سعد فى العسكر العظيم فكان من امره ما قد ذكر و سطر-

فكيف يقال انه القى بيده الى التهلكة- وقد روى أنه عليه السلام قال لعمر بن سعد:-

اختاروا مني:- اما الرجوع الى المكان الذى اتيت منه-

أو ان أضع يدى فى يد يزيد فهو ابن عمى يرى فى رأيه-

و اما أن تسيروني الى ثغر من ثغور المسلمين فأ كون رجلاً من اهله لى مالهم و على ما عليهم-

و أن عمر كتب الى عبيد الله بن زياد بما سأل فأبى عليه وكاتب بالناجزة-

(السيد على نقى النقوى، السبطان فى موقفيهما، اظهار سنز، لاہور، ص ۱۰۳ - ۱۰۴- بحواله تنزيه الانبياء، سيد شريف مرتضى، ص ۱۷۹ - ۱۸۲ و تلخيص الشافى ج ۳، ص ۱۸۲ - ۱۸۸ لابى جعفر

الطوسی (م ۴۶۰ھ)-

ترجمہ:- ابو عبداللہ علیہ السلام کو جب قتل مسلم کی خبر ملی تو مشورہ کے بعد انہوں نے واپسی کا ارادہ فرمایا مگر بنو عقیل اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے بخدا ہم واپس نہیں جائیں گے جب تک اپنا انتقام نہ لے لیں- یا (موت کا) جو ذائقہ ہمارے بھائی نے چکھا ہے ہم بھی نہ چکھ لیں- اس پر حسین علیہ السلام نے فرمایا: ان لوگوں کے بعد تو زندگی کا کوئی فائدہ نہیں-

پھر حر بن یزید اپنے ان آدمیوں کے ہمراہ آ گیا جنہیں ابن زیاد نے متعین کیا تھا اور حسین کو واپسی سے روک دیا- اور ابن زیاد کے پاس جا کر اس کا فیصلہ مان لینے کا مشورہ دیا مگر حسین نے انکار کر دیا-

جب حسین نے دیکھا کہ نہ تو واپسی کا کوئی راستہ ہے اور نہ کوفہ میں داخل ہونے کی کوئی سبیل ہے تو یزید کے پاس جانے کے لئے شام کی راہ پر چل پڑے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کی نسبت ان کے لئے زیادہ مہربان اور نرم خو ہے- پس آپ سفر کرتے رہے یہاں تک کہ ابن سعد ایک عظیم لشکر کے ساتھ آ پہنچا اور اس کا معاملہ وہی ہوا جو پہلے لکھا اور ذکر کیا جا چکا ہے-

پس یہ بات کیونکر کہی جا سکتی ہے کہ حسین نے خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا جبکہ آپ علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے عمر بن سعد سے فرمایا:-

"میری کوئی ایک بات مان لو:-

یا تو جس مقام سے میں آیا ہوں وہاں واپس لوٹ جاؤں-

یا میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ دوں- پس وہ میرا چچازاد ہے میرے بارے میں جو رائے مناسب سمجھے گا اختیار کر لے گا-

یا مجھے مسلمانوں کے سرحدی علاقوں میں سے کسی سرحد کی طرف جانے دو تاکہ میں وہاں کے باشندوں میں سے ایک بن جاؤں، جو ان کا حق ہے میرا بھی ہو اور جو ان کی ذمہ داری ہے میری بھی وہی ہو-

روایت کیا گیا ہے کہ جو کچھ حسین نے مطالبہ کیا تھا، عمر نے عبیداللہ بن زیاد کو لکھ بھیجا مگر اس نے انکار کر دیا اور لڑائی کا حکم دیا-

سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ سے صلح کر لینے اور سیدنا حسینؓ کے یزید کے مقابلہ میں پہلے خروج اور بعد ازاں صلح کی پیش کش میں بظاہر تضاد کی وضاحت کرتے ہوئے شریف مرتضیٰ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:-

"و أما الجمع بين فعله و فعل اخيه الحسن فواضح لان اخاه عليه السلام سلم كفاً للفتنة و خوفاً على نفسه و اهله و شيعته و احساساً بالغدر من أصحابه-

و الحسين لما قوى فى ظنه النصرة ممن كاتبوه، و وثق له فرأى من اسباب قوة نصار الحق و ضعف نصار الباطل ما وجب معه عليه الطلب و الخروج-

فلما انعكس ذلک وظهرت امارات الغدر فيه وسوء الاتفاق رام الصلح و المكافة والتسليم كما فعل اخوه عليه السلام فمنع من ذلک وحيل بينه و بينه-

فالحالان متفقان الا ان التسليم و المكافة عند ظهور اسباب الخوف لم يقبل منه عليه السلام و لم يجب الى الموادعة و طلب نفسه فمنع منه بجهد حتى مضىٰ الى جنة الله و رضوانه-

(على نقى النقوى، السبطان فى موقفهما، ص ١٠٦-١٠٤، تفصیلی بحث بحوالہ تنزيه الانبياء و تلخيص الشافى، ج ۴، ص ۱۸۲ - ۱۸۸)-

ترجمہ:- آپ کے اور آپ کے بھائی حسن کے فعل میں مطابقت واضح ہے۔ کیونکہ آپ کے بھائی نے فتنہ کو ختم کرنے، اپنی ذات و اہل و عیال اور اپنے شیعوں کے بارے میں خوف (ہلاکت) اور اپنے ساتھیوں کی جانب سے غداری کے احساس کی بناء پر (حضرت معاویہ سے) صلح کی۔

اور حسین کے خیال میں جب خطوط لکھنے والوں کی جانب سے نصرت و حمایت کا قوی امکان ہوا اور اس کی توثیق بھی ہو گئی تو آپ کو حق کے مددگاروں کی قوت اور باطل کے مددگاروں کی کمزوری کے ایسے اسباب نظر آئے جن کی بناء پر آپ کے لئے طلب و خروج واجب ٹھہرے۔

پھر جب معاملہ برعکس ہو گیا اور سوئے اتفاق و غداری کی علامات ظاہر ہو گئیں تو آپ نے صلح و مفاہمت اور سپردگی کا ارادہ فرمایا جیسا کہ آپ کے بھائی علیہ السلام نے کیا تھا، مگر آپ کو ایسا نہ کرنے دیا گیا اور آپ کے اور صلح کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر

دی گئی۔

پس دونوں کی صورتحال ایک جیسی ہے مگر فرق یہ ہے کہ اسباب خوف ظاہر ہونے کے وقت صلح و سپردگی کو حسین علیہ السلام سے قبول نہ کیا گیا اور آپ کی مصالحت کی پیشکش کو قبول نہیں کیا گیا بلکہ اس میں سخت رکاوٹ پیدا کردی گئی، یہاں تک کہ آپ اللہ کی جنت ورضوان میں چلے گئے۔

اس سوال کے حوالہ سے کہ سیدنا علیؓ و حسنؓ کے ساتھ شیعان کوفہ کی سابقہ غداریوں اور بے وفائیوں کا علم رکھنے اور سیدنا عبداللہ بن جعفر و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و محمد بن حنفیہ وغیرہ کے منع کرنے کے باوجود حسین کوفہ کیوں گئے، پہلے فرماتے ہیں:-

"تری أن جماعة من أصحاب الاراء كعبدالله بن جعفر و عبدالله بن عباس و محمد بن الحنفيه قد اشاروا على الحسين فى مبادئ نهضته بما يرونه من الخصال الصالحة كالخروج الى اليمن و البقا مكة-"

(على نقى النقوى، السبطان فى موقفهما، ص ٤٥ بحواله سابقه تنزيه الانبياء وتلخيص الشافى)-

ترجمہ:- تمہیں معلوم ہے کہ عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس محمد بن حنفیہ جیسے اصحاب رائے نے اپنی اپنی رائے کے مطابق حسین کو مناسب تدبیر اختیار کرنے کا مشورہ دیا مثلاً یمن کی جانب سفر یا مکہ میں مقیم رہنا۔

مگر ان سب کے برعکس سیدنا حسینؓ کو کوفیوں کے بارے میں خوش فہمی کیوں تھی؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:-

"اما مخالفة ظنه لظن جميع من اشاروا عليها من النصحاء كابن عباس وغيره فالظنون قد تغلب بحسب الامارات- وقد تقوى عند واحد و تضعف عند آخر- و لعل ابن عباس لم يقف على ما كوتب عليه السلام من الكوفة و ما تردد فى ذلک من المكاتبات و المراسلات و العهود و المواثيق-

و هذه امور تختلف احوال الناس فيها- ولا يمكن الاشارة الى جملها دون تفصيلها-

(على نقى النقوى، السبطان فى موقفهما، ص ١٠٥، بحواله سابقه تنزيه الانبياء و تلخيص الشافى)-

ترجمہ:- جہاں تک حسین کی رائے ابن عباس وغیرہ جیسے تمام ناصحین کے خیال کے

برخلاف ہونے کا تعلق ہے۔ تو ظن و رائے کا غلبہ علامات کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ جو کسی کے نزدیک قوی اور کسی کے نزدیک کمزور قرار پاتی ہیں۔

اور ہو سکتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی جانب کوفہ سے لکھی گئی تحریروں اور اس سلسلہ میں خطوط و پیغامات اور عہد و پیمان کی صورت میں جو کچھ پہنچا، ابن عباسؓ ان سے واقف نہ ہوں۔

اور یہ ایسے معاملات ہیں جن میں مختلف لوگوں کی صورتحال مختلف ہوتی ہے۔ ان کی طرف تفصیل میں جائے بغیر مختصراً اشارہ ممکن نہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا حسینؓ کو کوفہ جانے سے روکتے ہوئے فرمایا تھا:-

"واللہ انی لأ ظنک ستقتل غداً بین نسائک و بناتک کما قتل عثمان بن نسائه و بناته-" (البدایة و النهایة، ج ۸، ص ۱۶۴)-

ترجمہ:- بخدا میرا گمان ہے کہ کل کو آپ بھی اپنی عورتوں اور بیٹیوں کے درمیان اسی طرح قتل کر دیئے جائیں گے جس طرح عثمان کو ان کی عورتوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں قتل کر دیا گیا تھا۔

بہرحال تاریخ طبری و ابن الاثیر و ابن کثیر سے سیوطی کی "تاریخ الخلفاء" اور ابن حجر العسقلانی کی "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" تک تمام کتب میں دست در دست یزید کی حسینی پیشکش سمیت مذکورہ تینوں شرطیں موجود ہیں:-

شیعہ مؤرخین و مؤلفین نے خصوصاً مؤلف "ناسخ التواریخ" وغیرہ نے بھی یہی شرطیں لکھی ہیں اور امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کا وہ مکتوب بھی درج کیا ہے جو ابن زیاد کو ان شرائط کے متعلق تحریر کیا گیا، جس میں آخری شرط کے یہ الفاظ لکھے تھے:

"أو یاتی امیر المؤمنین یزید فیضع یده فی یده فیری رأیه فیما بینه و بینه و فی هذا لک رضی و للامة صلاح"- (سپهر کاشانی، ناسخ التواریخ، ج ۶، ص ۲۳۷)

ترجمہ:- یا حسین امیر المؤمنین یزید کے پاس چلے جائیں اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ

دیں پس وہ اپنے اور ان کے مابین اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کر دیں۔ اور اس (پیشکش) میں تمہاری (ابن زیاد کی) رضامندی اور امت کی بھلائی کی صورت موجود ہے۔

مشہور اثنا عشری شیعہ مؤرخ و مصنف جسٹس سید امیر علی نے بھی سپرٹ آف اسلام میں یزید سے صلح سمیت سہ گانہ پیشکش کا ذکر کرنے کے بعد حاشیہ میں اپنی جانب سے یوں تائیدی تبصرہ فرمایا ہے:-

"صاحب "روضۃ الصفا" یہ شرائط بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ خدام حسین میں سے ایک شخص نے جو مقتل کربلا سے اتفاقاً بچ نکلا، اس دعوی کو غلط بتایا کہ امام حسین نے اموی سردار کے سامنے کسی قسم کی شرائط صلح پیش کیں۔

ممکن ہے اس خادم نے یہ انکار یہ ظاہر کرنے کی خاطر کیا ہو کہ امام حسین نے صلح کی تجویز پیش کر کے اپنے آپ کو دشمن کے سامنے ذلیل نہیں کیا، لیکن میرے نزدیک صلح کی تجویز سے حضرت حسین کی سیرت عالیہ کی کسی طرح کسر شان نہیں ہوتی۔" (روح اسلام، اردو ترجمہ سپرٹ آف اسلام، از محمد ہادی حسین، اسلامک بک سنٹر دھلی، ص ۴۵۸)۔

ان بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شیعان کوفہ کی غداری و بیعت ابن زیاد کے بعد سیدنا حسین بھی صحابہ و تابعین کی غالب ترین اکثریت کی طرح بیعت یزید پر تیار ہو گئے تھے اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھنے (دست در دست یزید) نیز اپنا فیصلہ اس کے سپرد کرنے کی حسینی پیشکش اس بات کا واضح اور بین ثبوت ہے کہ آپ یزید کی امامت و خلافت کو عملاً تسلیم کر چکے تھے۔ اور یقیناً اسی حسینی پیشکش کی روشنی میں سیدنا علی زین العابدین اور دیگر اعزہ و پس ماندگان حسینؓ نے واقعہ کربلا (۶۱ھ) اور واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) یعنی اہل مدینہ کی بغاوت کے بعد بھی بیعت یزید کو برقرار رکھا اور باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

اس حسینی پیشکش کے بعد یزید کی امامت و خلافت کو باپ کے بعد بیٹے کی خلافت، یا افضل کی موجودگی میں غیر افضل کی خلافت، یا فاسق و فاجر کی خلافت قرار دیتے ہوئے شرعاً غلط ثابت کرنے کے تمام دلائل و اعتراضات خود بخود باطل قرار پاتے ہیں۔

البتہ ابتداء میں سیدنا حسینؓ کا مسلم بن عقیلؒ کی تصدیق کے بعد سفر کوفہ اختیار

کرنا ان کی اس رائے کی بناء پر تھا کہ وہ اپنی قیادت میں اور اہل کوفہ و عراق کی مدد سے یزید کی نسبت بہتر خلافت قائم کر سکتے ہیں۔ مگر مسلم بن عقیل کی شہادت اور اہل کوفہ کی غداری و بیعت یزید و ابن زیاد کے بعد یہ امکان معدوم پا کر سیدنا حسینؓ نے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیشکش فرما دی مگر امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کے مشورہ کے برعکس اور یزید کو اطلاع دیئے بغیر ابن زیاد نے یہ پیش کش مسترد کر دی اور پہلے اپنی بیعت کی شرط رکھ دی جو سیدنا حسین کے لئے ناقابل قبول تھی۔ کیونکہ وہ مسلم بن عقیل کا انجام دیکھ چکے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا مودودی فرماتے ہیں:-

"حضرت حسینؓ نے آخری وقت میں جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ یا تو مجھے واپس جانے دو، یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو یا مجھ کو یزید کے پاس لے چلو۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہ مانی گئی اور اصرار کیا گیا کہ آپ کو عبیداللہ بن زیاد (کوفہ کے گورنر) ہی کے پاس چلنا ہو گا۔ حضرت حسینؓ اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے کیونکہ مسلم بن عقیل کے ساتھ جو کچھ وہ کر چکا تھا وہ انہیں معلوم تھا۔"

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اپریل ۱۹۸۰، ص ۱۸۰)۔

اس سلسلہ میں جناب خالد مسعود مدیر ماہنامہ "تدبر" لاہور و تلمیذ مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:-

"۷- خاص واقعہ کربلا میں اس امر پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت حسینؓ کے کوفہ جانے کے فیصلہ سے متعدد صحابہؓ نے اختلاف کیا۔ اس لئے نہیں کہ وہ خدانخواستہ اسلام کے بہی خواہ نہ تھے بلکہ دین کے ان وفادار و جانثار خادموں کی نگاہ میں حقائق وہ نہیں تھے جو حضرت حسین کو بتائے گئے تھے۔

۸- اصل صورتحال سے مطلع ہو کر حضرت حسینؓ کا تین شرائط پیش کرنا بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس اقدام کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اقدام کو کفر و اسلام کے معرکہ کی حیثیت نہیں دے رہے تھے بلکہ اب وہ اس غلط فہمی سے نکل آئے تھے جس میں مبتلا کئے گئے تھے۔ ورنہ کفر کے مقابل میں اسلام کے حق میں اٹھایا ہوا اقدم واپس لینے کے کیا معنی؟

۹- جس دور میں واقعہ کربلا پیش آیا اس زمانہ کے لوگوں نے اس کو کبھی کفر و

اسلام کی آویزش کے رنگ میں نہیں دکھایا بلکہ اس کو ایک افسوسناک حادثہ کی حیثیت دی۔ اس حیثیت کا تعین کرنے والوں میں بڑے جلیل القدر صحابہؓ شامل تھے"۔

(مقالہ خالد مسعود، صدر اول کی تاریخ کیلئے چند رہنما نکات، ماہنامہ "تدبر" لاہور، اگست ۱۹۹۳ء)۔

امام الہند مفسر قرآن مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) سیدنا حسینؓ کے ابتدائی و آخری موقف کے حوالہ سے فرماتے ہیں :-

"یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت امام حسینؓ اس حالت میں لڑے، جبکہ وہ یزید کی حکومت کے مقابلے میں خود مدعی امامت و طالب خلافت تھے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں، انہوں نے واقعہ کربلا کا دقت نظر کے ساتھ مطالعہ نہیں کیا۔ حالات میں اچانک ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اس غلط فہمی کا پیدا ہو جانا عجیب نہیں۔ حضرت امام جب مدینہ سے چلے تو ان کی حیثیت دوسری تھی۔ جب کربلا میں حق پرستانہ لڑ کر شہید ہوئے تو ان کی حیثیت دوسری تھی۔ دونوں حالتیں مختلف ہیں، اس لئے دونوں کا حکم بھی شرعاً مختلف ہے۔

جب وہ مدینہ سے چلے ہیں تو حالت یہ تھی کہ نہ تو ابھی یزید کی حکومت قائم ہوئی تھی نہ اہم مقامات و مراکز نے اس کو خلیفہ تسلیم کیا تھا۔ نہ اہل حل و عقد کا اس پر اجماع ہوا تھا۔ ابتداء سے معاملہ خلافت میں سب سے پہلی آواز اہل مدینہ کی رہی ہے۔ پھر حضرت علیؓ کے زمانہ میں مدینہ کی جگہ کوفہ دارالخلافہ بنا۔ اہل مدینہ اس وقت تک متفق نہیں ہوئے تھے۔ کوفہ کا یہ حال تھا کہ تمام آبادی یک قلم مخالف تھی۔ اور حضرت امام حسینؓ سے بیعت کرنے کے لیے پیہم اصرار و الحاح کر رہی تھی۔ انہوں نے خود خلافت کی حرص نہ کی بلکہ ایک ایسے زمانے میں جب تخت حکومت سابق حکمران سے خالی ہو چکا تھا اور نئے حکمران کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، ایک بہت بڑی مرکزی و مؤثر آبادی (یعنی کوفہ و عراق) کے طلب و سوال کو منظور کر لیا۔"

(ابوالکلام آزاد، مسئلہ خلافت، ص ۱۳۸-۱۳۹، داتا پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۸ء)۔

بعد ازاں یزید کی ولی عہدی کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اصلی شرط خلافت کی، انعقاد حکومت ہے۔ یزید کو گو ولی عہد مقرر کر دیا ہو لیکن

جب تک اس کی خلافت بالفعل قائم نہ ہو جاتی صرف یہ بات کوئی حجت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب یزید کی ولی عہدی کے لئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بیعت طلب کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا: "لا ابایع لأمیرین" میں دو امیروں سے بیک وقت بیعت نہ کروں گا۔ یعنی خلیفہ کا اپنی زندگی میں ولی عہدی کے لئے بیعت لینا ایک وقت میں دو امیروں کی بیعت ہے جس کی شرعاً کوئی اصل نہیں۔ (رواہ ابن حبان و نقلہ فی الفتح)"۔

(ابوالکلام آزاد، مسئلہ خلافت، ص ۱۳۹)۔

اس کے بعد سیدنا حسینؓ کے طلب خلافت سے دستبردار ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"لیکن جب وہ کوفہ پہنچے تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے۔ تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کر چکے ہیں۔ اور سر زمین عراق کی وہ بے وفائی و غداری جو حضرت امیرؓ کے عہد میں بارہا ظاہر ہو چکی تھی، بدستور کام کر رہی ہے۔ یہ حال دیکھ کر وہ معاملہ خلافت سے دستبردار ہو گئے اور فیصلہ کیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں۔ لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کر لیا اور مع اہل و عیال کے قید کرنا چاہا۔ وہ اس پر بھی آمادہ ہو گئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہ راست یزید سے اپنے معاملہ کا فیصلہ کر لیں۔ مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا۔

اب امام کے سامنے صرف دو راہیں تھیں۔ یا اپنے تئیں مع اہل و عیال قید کرا دیں یا مردانہ وار لڑ کر شہید ہوں۔ شریعت نے کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ناحق ظالموں کے ہاتھ اپنے تئیں قید کرا دے۔ پس انہوں نے دوسری راہ کمال عزیمت و دعوت اختیار کی اور خود فروشانہ لڑ کر حالت مظلومی و مجبوری میں شہید ہوئے۔

پس جس وقت کربلا میں میدان کارزار گرم ہوا ہے اس وقت حضرت امام حسینؓ مدعی خلافت و امامت نہ تھے، نہ اس حیثیت سے لڑ رہے تھے۔ ان کی حیثیت محض ایک مقدس اور پاک مظلوم کی تھی۔" (مسئلہ خلافت، ص ۱۳۹-۱۴۰)۔

ابوالکلام آزاد آخر میں لکھتے ہیں:-

"جس کو مفصل اور محققانہ بحث دیکھنی ہو وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ

جلد دوم کا مطالعہ کرتے۔" (مسئلہ خلافت، ص ۱۴۰)۔

تاریخ الطبری (۲۴۳/۶) والکامل لابن الاثیر (۲۴/۴) اور ابن کثیر کی "البدایہ والنھایہ" (۱۶۰/۸) جیسے قدیم و بنیادی مصادر تاریخ میں مذکور دست در دست یزید سمیت سہ نقاطی حسینی پیشکش متعدد شیعہ کتب میں بھی صراحتاً مذکور ہے۔ اس حوالہ سے علامہ محمد النعمانی الفاروقی لکھتے ہیں:-

"شیعہ علماء و مجتہدین نے بھی صاف لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے جناب عمر بن سعد سے فرمایا کہ:-

أوبسیرنی الی یزید فأضع یدی فی یده فیحکم بمایرید-

یا پھر آپ مجھے یزید کے پاس جانے دیں تاکہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دوں، پھر وہ جس طرح چاہیں فیصلہ کر دیں"۔

(محمد النعمانی الفاروقی، مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، مرکز تحقیق حزب الاسلام، لاہور، ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ، ص ۳۳)۔

اس سلسلہ میں علامہ فاروقی نے درج ذیل کتب شیعہ کے نام درج کئے ہیں:-

۱- شیخ مفید (م ۴۱۳ھ)- کتاب الارشاد، ص ۲۱۰، مطبوعہ ۱۳۶۴ھ-

۲- سید شریف مرتضی (م ۴۳۶ھ)- تنزیہ الأنبیاء، ص ۱۷۷، مطبوعہ ۱۳۵۰ھ-

۳- ابوجعفر الطوسی (م ۴۶۰ھ)- تلخیص الشافی، ص ۱۷۴، مطبوعہ ۱۳۰۱ھ-

۴- شیخ محمد فتال نیشاپوری (م ۵۰۸ھ)- روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۸۲، مطبوعہ ۱۳۸۵ھ-

۵- فضل بن حسن الطبرسی (م ۵۴۸ھ)- اعلام الوری بأعلام الھدی، ص ۲۳۳، مطبوعہ ۱۳۳۸ھ-

۶- ملا باقر مجلسی (م ۱۱۱۱ھ)- بحار الأنوار، ج ۱۰، ص ۳۴۶، مطبوعہ ۱۳۵۵ھ-

(محمد النعمانی الفاروقی، مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، ص ۳۳)۔

محسن اہل سنت مولانا منظور نعمانی کے فرزند اور معروف عالم و محقق مولانا عتیق الرحمن سنبھلی یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی حسینی پیشکش کے حوالہ سے یزید کو واقعہ کربلا و شہادت حسینؓ سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"تاریخی شہادتوں کا جو ذخیرہ ہمارے سامنے ہے وہ کسی طرح بھی اسکی اجازت نہیں دیتا کہ اس خونِ ناحق کی ذمہ داری یزید پر ڈالی جائے۔ یزید نے بے شک ابن زیاد کے سپرد یہ بھی کیا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے نپٹے، اور کوفے میں ان کو آزادانہ داخل نہ ہونے دے۔ اس کے بعد اگر یہ بات پیش نہ آگئی ہوتی کہ حضرت حسین نے اس مہم سے قطعی دستبرداری ظاہر کر کے جس کے لئے وہ مکے سے نکلے تھے، یزید کے پاس جانے اور اپنا فیصلہ [illegible] ہاتھ میں رکھ دینے کی پیشکش کر دی، تب بے شک ابن زیاد کے حکم سے کی جانے والی جنگی کارروائی کی اصل ذمہ داری یزید پر ہی آتی۔ مگر اس کامل طور پر تبدیل شدہ صورتحال میں ابن زیاد نے یزید سے رجوع کئے بغیر، کارروائی کے افسر اعلیٰ عمر بن سعد کے مشورے کے بھی برخلاف جو قتل و قتال کی کارروائی کرائی، اس کی ذمہ داری یزید پر ڈالنا تو ایک زیادتی کی بات ہو گی۔ ہاں اگر وہ اس کارروائی سے اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کرتا تو پھر ضرور حق تھا کہ اسی کو اصل ذمہ دار قرار دیا جائے۔ مگر اس بارے میں ہم گزشتہ باب میں مختلف روایتوں کا جائزہ لے کر دیکھ چکے ہیں کہ ذمہ داری کے ساتھ ایسی بات یزید کی طرف منسوب کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ متعدد قرائن و شواہد کی روشنی میں پلڑا ان روایتوں کا بھاری نظر آتا ہے جو اس واقعہ پر یزید کی نارضامندی اور ناخوشی ظاہر کرتی ہیں۔ اور اسی بناء پر اس باب (نمبر ۱۲) کے پچھلے صفحات میں ابھی ہم لکھ کر آئے ہیں کہ:-

یزید کے پاس آپ کا اس درجہ لچک کے ساتھ جانا کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیں، اسکا نتیجہ وقت کے تمام دستیاب شواہد و قرائن کی روشنی میں سوائے اس کے کچھ نہیں ہونا تھا کہ یزید آپکا اکرام کرتا۔--- اور حضرت معاویہ کی وصیت کے مطابق انہی کے نقش قدم پر "صلح حسن" جیسا کوئی باب یزید اور حضرت حسین کے درمیان بھی ضرور رقم ہوتا۔

پس ہمارے خیال کے مطابق اس کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا تھا کہ اگر حضرت حسین کی پیشکش کے بارے میں یزید سے رجوع کیا جاتا تو وہ ابن زیاد کو اس رویے اور اس کارروائی کی اجازت دیتا جو کربلا میں ابن زیاد کے حکم سے ہوئی"۔

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۲۴۹-۲۵۰)۔

"احیاء علوم الدین" اور دیگر عظیم کتب کے مؤلف ایرانی الوطن امام ابو حامد غزالیؒ (م ۵۰۵ ھ) جو آئمہ اربعہؒ کے بعد آئمہ اہل سنت والجماعت میں سر فہرست تسلیم کئے جاتے ہیں، یزید کے شہادت حسینؓ کا ذمہ دار ہونے کی تردید کرتے ہیں اور اسے صحیح الاسلام قرار دیتے ہوئے اس کے نام پر "رحمة الله علیه" کہنا جائز بلکہ مستحب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ان کا تفصیلی فتویٰ جو انہوں نے شافعی فقیہ عماد الدین ابوالحسن علی الکیاہراسی (م ۵۰۳ ھ) کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا، درج ذیل ہے:-

"و یزید صح اسلامه و ماصح قتله الحسین ولا رضی به و مهمالا یصح ذلک منه لا بجوز ان یظن ذلک به- فان الظن بالمسلم ایضاً حرام- وقد قال تعالیٰ:- (اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم)- وقال النبی صلی الله علیه وسلم:-

ان الله حرم من المسلم دمه و ماله و عرضه و ان یظن به ظن السوء-

و من زعم أن یزید أمر بقتل الحسینؓ أو رضی به فینبغی ان یعلم به غایة الحماقة، فان من قتل من الاکابر و الوزراء و السلاطین فی عصره لو اراد ان یعلم حقیقته و من الذی امر بقتله و من الذی رضی به و من الذی کرهه لم یقدر علی ذلک. وان کان الذی قد قتل فی جواره و زمانه وهو یشاهده، فکیف لو کان فی بلد بعید و زمن قدیم قد انقضی علیه قریب من اربعمائة سنة فی مکان بعید وقد تطرق التعصب فی الواقعة فکثرت فیها الأحادیث من الجوانب- فهذا الامر لا یعلم حقیقته اصلاً- و اذا لم یعرف وجب احسان الظن بکل مسلم یمکن الظن به-

وأما الترحم علیه فجائز بل مستحب بل هو داخل فی قولنا فی کل صلاة:- اللهم اغفر للمؤمنین والمؤمنات فانه کان مؤمناً-
والله اعلم- کتبه الغزالی"-

(ابن خلکان، وفیات الأعیان، جلد اول، ص ۳۶۵، طبع مصر)-

ترجمہ:- یزید کا اسلام صحیح ہے اور یہ درست نہیں کہ اس نے حضرت حسین کو قتل کرایا یا اس کا حکم دیا، یا اس پر راضی ہوا- پس جب یہ قتل اس کی جانب پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا تو پھر اس کے ساتھ بدگمانی رکھنا جائز نہیں- کیونکہ کسی مسلمان کے بارے

میں بدگمانی رکھنا بھی حرام ہے۔

اور اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ :- بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض گمان، گناہ ہوتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:- مسلمان کا مال، اس کی جان اس کی آبرو اور اس کے ساتھ بدگمانی کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

اور جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا یا اس پر رضا مندی کا اظہار کیا، تو جان لینا چاہیئے کہ وہ شخص پرلے درجے کا احمق ہے۔ کیونکہ جو لوگ بھی اکابر اور وزراء و سلاطین میں سے اپنے اپنے زمانے میں قتل ہوئے، اگر کوئی شخص ان کے بارے میں یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا، کون اس پر راضی ہوا اور کس نے اس کو ناپسند کیا، تو وہ شخص اس پر قادر نہ ہو گا کہ وہ اس کی تہ تک پہنچ سکے، اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس، اس کے زمانے اور اس کی موجودگی میں ہی کیوں نہ ہوا ہو۔

تو پھر اس واقعہ کی حقیقت تک کیوں کر رسائی ہو سکتی ہے جو دور کے شہر اور قدیم زمانہ میں گزرا ہے۔ پس کیونکر اس واقعہ کی صحیح حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے جس پر چار سو برس کی طویل مدت ایک دور دراز مقام پر گزر چکی ہے۔ اور پھر امر واقعہ یہ بھی ہو کہ اس کے بارے میں تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہو۔ جس کی وجہ سے متعدد فرقوں کی طرف سے اس کے بارے میں بکثرت روایتیں مروی ہوں۔ پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی صحیح حقیقت کا ہر گز پتہ نہیں چل سکتا۔ اور جب حقیقت تعصب کے پردوں میں روپوش ہے، تو پھر مسلمانوں کے ساتھ جہاں تک ممکن ہو حسن ظن رکھنا لازم ہے۔

اور جہاں تک یزید کو "رحمة الله عليه" کہنے کا تعلق ہے تو یہ جائز بلکہ مستحب ہے۔ بلکہ وہ تو ہماری ہر نماز کے اس قول میں داخل ہے کہ:- (اے اللہ مومنین اور مومنات کی مغفرت فرما)۔ کیونکہ وہ صاحب ایمان تھا۔

واللہ اعلم۔ اس فتویٰ کو غزالی نے تحریر کیا۔

علامہ ابن کثیر نے بھی فقیہ عماد الدین الکیاہراسی کے استفتاء اور امام غزالی کے

جوابی فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"ومنع من شتمه ولعنه لأنه مسلم- ولم يثبت بأنه رضى بقتل الحسين- واما الترحم عليه فجائز بل مستحب بل نحن نترحم عليه فى جملة المسلمين والمؤمنين عموماً فى الصلاة-" (ابن كثير، البداية والنهاية، جلد ١٢، ص ١٧٣)۔

ترجمہ:- اور امام غزالی نے یزید کو برا کہنے اور لعن طعن کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھا اور یہ بات ثابت شدہ نہیں کہ وہ قتل حسینؓ پر راضی تھا- اور جہاں تک اس کے لئے دعائے رحمت (رحمۃ اللہ علیہ) کا تعلق ہے تو یہ جائز بلکہ پسندیدہ ہے- بلکہ ہم تو اس کے لئے عمومی لحاظ سے تمام مسلمانوں اور مومنین کے ہمراہ رحمت کی دعا کرتے ہیں- (یعنی نماز کے آخر میں اللهم اغفرللمؤمنين و المؤمنات یا ربنا اغفرلی ولوالدی و للمؤمنین کہہ کر، اور ظاہر ہے وہ مومنین میں شامل ہے)-

اس سلسلہ میں امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کے تفصیلی کلام کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

"یزید کے سلسلے میں لوگوں کے تین گروہ ہیں:-

ایک کا اعتقاد یہ ہے کہ یزید صحابی بلکہ خلفائے راشدین میں سے ہے بلکہ انبیائے کرام کے قبیل سے تھا- اس کے برعکس ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ کافر اور بد باطن منافق تھا- اس کے دل میں بنو ہاشم اور اہل مدینہ سے اپنے ان کافر اعزہ و اقارب کا بدلہ لینے کا جذبہ تھا جو جنگ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے- چنانچہ یہ لوگ کچھ اشعار اس کی دلیل میں اس کی طرف منسوب کرتے ہیں- لیکن یہ دونوں قول ایسے غلط اور بے بنیاد ہیں کہ ہر سمجھدار اس کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے-

یزید حقیقت میں ایک مسلمان فرمانروا اور بادشاہانہ خلافت والے خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا- نہ وہ صحابی یا نبی تھا اور نہ کافر و منافق-

(ابن تیمیہ، منہاج السنۃ، ص ۳۲۱)-

امام ابن تیمیہ سیدنا حسین و یزید کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"ایک مجہول السند روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر یزید کے

سامنے لا کر رکھا گیا اور اس نے آپ کے دندان کو اپنی چھڑی سے ٹھوکا دیا۔ یہ روایت نہ صرف یہ کہ از روئے سند ثابت نہیں بلکہ اس مضمون ہی میں اس کے جھوٹ ہونے کا ثبوت ہے۔ اس میں جن صحابہ کی موجودگی اس وقت یزید کے پاس بتائی گئی ہے (کہ انہوں نے اس کی اس حرکت پر ٹوکا تھا) وہ شام میں نہیں عراق میں رہتے تھے۔

اور اس روایت کے برعکس متعدد لوگوں کی روایت ہے کہ یزید نے نہ قتل حسین کا حکم دیا نہ اس کا یہ مقصود تھا۔ بلکہ وہ تو اپنے والد حضرت معاویہ کی وصیت کے مطابق آپ کا اعزاز و اکرام ہی پسند کرتا تھا۔ البتہ اس کی خواہش یہ تھی کہ آپ اس کی حکومت کے خلاف اقدام کے ارادے سے باز آجائیں۔

اور چونکہ آخر میں یہی ہوا کہ کوفے کے قریب پہنچ کر آپ نے اپنا ارادہ ختم کر دیا اور یزید کے پاس جانے یا واپس ہو جانے یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے کی پیش کش کی، اس لئے جب یزید اور اس کے گھر والوں کو آپ کی شہادت کی خبر پہنچی تو ان کے لئے یہ نہایت تکلیف دہ ہوئی۔

یزید نے اس وقت یہاں تک کہا کہ:- خدا کی لعنت ہو ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر۔ اس کی حسین سے رشتہ داری ہوتی تو وہ کبھی ایسی حرکت نہ کرتا۔

پھر اس نے آپ کے اہل خاندان کے لئے نہایت اچھا واپسی کا سامان کیا اور ان کو مدینے پہنچوایا اور اس سے پہلے یہ پیش کش بھی کی تھی کہ وہ چاہیں تو دمشق ہی میں اس کے پاس رہیں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اس نے حسین کے قاتلوں سے بدلہ نہیں لیا۔

اور یہ جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حضرت حسینؓ کے گھرانے کی خواتین کو قیدی اور باندی بنا کر شہر شہر گھمایا تو اللہ کا شکر ہے مسلمانوں نے کبھی کسی ہاشمی خاتون کو باندی نہیں بنایا۔ عام امت مسلمہ تو کیا خود بنی امیہ میں ہاشمی خواتین کی تعظیم کا یہ حال تھا کہ حجاج بن یوسف نے (جو قریشی نہیں ثقفی تھا) عبداللہ بن جعفر کی بیٹی سے شادی کر لی تھی تو خاندان بنی امیہ اس قدر برہم ہوا کہ دونوں کی علیحدگی کرائے بغیر نہ رہا۔"

(انتخاب و تلخیص، از منہاج السنۃ لابن تیمیہ، ص ۲۲۱ تا ۲۲۵ و راجع واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، از مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، ص ۲۳۹-۲۴۰، بیسون پبلیکیشنز ملتان، ۱۹۹۴ء)۔

اس حوالہ سے خود مولانا عتیق الرحمن سنبھلی فرزند مولانا منظور نعمانی بعض مثبت روایات طبری وغیرہ نقل کر کے فرماتے ہیں :۔

''خواتین خانوادہ نبوت کے ساتھ اور صاحبزادہ علی بن الحسینؓ کے ساتھ رنج رسانی اور سخت کلامی وغیرہ کی روایتیں جو طبری میں بھی آتی ہیں اور دوسری کتابوں میں بھی ہیں، ان سب کے بارے میں ہم اپنے آپ کو یہ کہنے کے لئے مجبور پاتے ہیں۔ کہ جب ان روایتوں سے بالکل مختلف صورت بتانے والی روایتیں بھی موجود ہیں جو ابھی آپ کے سامنے گزریں تو کوئی جواز نہیں کہ برائی اور بدسلوکی کا معاملہ دکھانے والی روایتیں قبول کرلی جائیں۔

اور یہ تو مانا ہی ہوا ہے کہ یزید نے اس قافلے کو بہت کچھ دے دلا کر نہایت احترام کے ساتھ ایسے لوگوں کی معیت میں مدینے روانہ کیا تھا جن کے احترام اور حفظ مرتبت کے رویہ سے اہل قافلہ نہایت خوشنود اور شکر گزار ہوئے۔ اور پھر مدت العمر اس خاندان کے ساتھ غیر معمولی مراعات اور حسن سلوک کا رویہ رہا جس کی تفصیل میں جانے کی شاید ضرورت نہیں اور پھر ایسا ہی رویہ اس خانوادۂ نبوت کا بھی بنوامیہ کے ساتھ رہا۔''

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۲۳۸)۔

اصل قاتلین حسینؓ

مؤرخ اسلام شاہ معین الدین احمد ندوی واقعہ کربلا کے حوالہ سے اہل عراق بالخصوص حسین بن نمر، زرعہ بن شریک تمیمی اور سنان بن انس کو قاتلین حسینؓ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

''باری باری سے حضرت علی اکبر، عبداللہ بن مسلم، جعفر طیار کے پوتے عدی، عقیل کے فرزند عبدالرحمن، ان کے بھائی حضرت حسنؓ کے صاحبزادے قاسم اور ابوبکر وغیرہ میدان میں آئے اور شہید ہوئے۔

ان کے بعد حضرت امام حسینؓ نکلے۔ عراقیوں نے ہر طرف سے یورش کردی۔ آپ کے بھائی عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان آپ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور

چاروں نے شہادت حاصل کی۔

اب امام حسینؓ بالکل خستہ اور نڈھال ہو چکے تھے، پیاس کا غلبہ تھا، فرات کی طرف بڑھے۔ پانی لے کر پینا چاہتے تھے کہ حسین بن نمر نے تیر چلایا، چہرہ مبارک زخمی ہوا۔ آپ فرات سے لوٹ آئے۔ آپ میں کوئی سکت باقی نہ تھی۔ عراقیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔

زرعہ بن شریک تمیمی نے ہاتھ اور گردن پر وار کئے۔ سنان بن انس نے تیر چلایا اور آپ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ آپ کے گرنے کے بعد سنان بن انس نے سر اقدس تن سے جدا کر دیا۔

یہ حادثہ عظمیٰ ۱۰ محرم، ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ء میں پیش آیا۔

۔ اس معرکہ میں بہتر (۷۲) آدمی شریک ہوئے جس میں بیس خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ شہادت کے دوسرے دن غاغریہ والوں نے شہداء کی لاشیں دفن کیں۔ امام حسینؓ کا جسد مبارک بغیر سر کے دفن کیا گیا۔ سر ابن زیاد کے ملاحظہ کے لئے کوفہ بھیج دیا گیا۔"

(شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، حصہ اول (جلد دوم) ص ۳۶۷، ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور)۔

ان واقعات کے شیعہ سنی ماخذ تاریخ بیان کرتے ہوئے ندوی حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

: یہ واقعات طبری، "الاخبار الطوال" دینوری، یعقوبی، اور ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔"

(شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، حصہ اول، حاشیہ ۱، ص ۳۶۷)۔

طبری کے بیان کے مطابق یزید، واقعہ کربلا اور شہادت حسینؓ کا تذکرہ سن کر رونے لگا اور اس نے ابن زیاد پر لعنت بھیجی۔

"قد معت عین یزید و قال:- قد کنت أرضی بطاعتکم بدون قتل الحسین- لعن اللہ ابن سمیة- اما واللہ لوأنی صاحبه لعفوت عنه فرحم اللہ الحسین-" (تاریخ الطبری، ج ۷، ص ۳۷۵)

ترجمہ:- پس یزید کی آنکھیں بھر آئیں اور کہنے لگا:- میں تو قتل حسین کے بغیر

ہی تم لوگوں کی اطاعت سے راضی تھا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو۔ بخدا اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو حسین سے در گزر کرتا۔ اللہ حسین پر رحمت فرمائے۔

خود شیعہ کتب میں بھی کربلا میں زندہ بچنے والوں نے ہر مقام پر بنیادی طور پر کوفیوں کو ہی حضرت حسینؓ کا قاتل قرار دیا ہے۔ اور یہ بات بالخصوص ان سنی حضرات کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو حضرت حسینؓ کا قاتل یزید کو گردانتے ہوئے تھکتے نہیں۔

اب حضرت زین العابدین کی زبانی اصل مجرمین کی نشاندہی ملاحظہ فرمائیں:۔

۱- لما أتی علی بن الحسین بالنسوة من کربلاء و کان مریضاً و اذا نساء اهل الکوفة ینتدبن مشققات الجیوب، و الرجال معهن یبکون- فقال زین العابدین بصوت ضئیل فقد نهکته العلة:- ان هؤلاء یبکون فمن قتلنا غیرهم؟" (کتاب الاحتجاج للطبرسی، ص ۱۵۸)

ترجمہ: جب علی بن حسینؓ عورتوں کے ہمراہ کربلاء سے چلے اور مرض کی حالت میں تھے تو دیکھا کہ اہل کوفہ کی عورتیں گریبان چاک کئے ہوئے بین کر رہی ہیں اور مرد بھی ان کے ساتھ رو رہے ہیں تو امام زین العابدین نے جنہیں بیماری نے کمزور بنا دیا تھا، نحیف آواز میں فرمایا:- "یہ لوگ ہم پر رو رہے ہیں مگر کیا ان کے علاوہ کسی اور نے ہمیں قتل کیا ہے؟

کوفی و عراقی قاتلین حسین و رفقائے حسین کے حوالہ سے شیعی روایت نقل کرتے ہوئے پیر طریقت علامہ محمد قمر الدین سیالویؒ بانی صدر جمعیت علمائے پاکستان فرماتے ہیں:-

"اب تھوڑا سا غور اس بات پر بھی کرلیں کہ امام عالی مقام سیدنا حسینؓ بن علیؓ کو کن لوگوں نے شہید کیا۔ اور وہ لوگ کون تھے جنہوں نے مکر و فریب کے ساتھ لاتعداد دعوت نامے لکھے تھے۔"

(احتجاج طبرسی. ص ۵۷)

حضرت سیدنا امام زین العابدینؒ کوفیوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ:-

تم نہیں جانتے کہ تم ہی لوگوں نے میرے والد ماجد کی طرف خط لکھے، اور تم ہی نے ان سے دھوکہ کیا، اور تم ہی لوگوں نے اپنی طرف سے عہد و پیمان باندھے، بیعت کی۔ اور تم ہی لوگوں نے ان کو شہید کیا اور ان کو تکلیفیں دیں۔ پس جو ظلم تم نے کمائے ہیں ان کی وجہ سے ہلاکت ہے، تمہارے لئے اور تمہارے برے ارداوں کے لیے۔ تم رسول اللہ ﷺ کی طرف کس آنکھ سے دیکھو گے جب آنحضرت ﷺ فرمائیں گے:-

تم نے میری آل کو قتل کیا اور میرے خاندان کو تکلیفیں پہنچائیں۔ پس تم میری امت میں سے نہیں ہو۔"

(علامہ محمد قمر الدین سیالوی، مذہب شیعہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۷ھ، ص ۹۷)۔

عالمی شہرت یافتہ شیعہ مجتہد اعظم ملا باقر مجلسی (م ۱۱۱۱ھ) مؤلف شیعہ انسائیکلوپیڈیا "بحار الانوار" و دیگر کتب نے اپنی مشہور فارسی تصنیف "جلاء العیون" میں سیدہ زینب و ام کلثوم دختران علیؓ اور دیگر خواتین کے خطبات نقل فرمائے ہیں، جن میں انہوں نے شیعان کوفہ کو شہادت حسینؓ وواقعہ کربلا کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے ان کی شدید مذمت فرمائی ہے۔

نواسی رسول ﷺ سیدہ زینبؓ بنت علیؓ

ایک لاکھ سے زائد شیعان کوفہ سیدنا حسینؓ کو دعوت بیعت دینے کے بعد انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر امامت و خلافت یزید کی بیعت کر گئے، چنانچہ شہادت حسین و رفقائے حسین کے بعد شیعان کوفہ کو اس تمام تر صورت حال کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے اپنے خطاب میں سیدہ زینبؓ فرماتی ہیں:-

"بشیر بن حریم اسدی گفت: دریں وقت زینب خاتون دختر امیر المؤمنین اشارہ کرد بسوئے مردم کہ خاموش شوید- و بآں شدت و اضطراب چناں سخن میگفت کہ گویا از زبان امیرالمؤمنین سخن میگوئد- پس بعد از محامد الہیٰ و درود حضرت رسالت پناہی و صلوات بر اہل بیت اخیار و عترت اطہار گفت:-

اما بعد اے اہل کوفہ اہل غدر و مکر و حیلہ آیا شما بر ما میگریید و بنوز آب دیدہ ما از جور شما نہ ایستادہ و نالہ ما از ستم شما ساکن نگردیدہ- مثل شما مثل آں زن است کہ رشتہ خود رامحکم می تابید و باز میکشود- و شما نیز رشتہ ایمان خودرا شکستید و کفر خود بر گشتید- و نیست درمیان شما مگر دعویٰ بے اصل و سخنِ باطل و تملق فرزند کنیزان و عیب جوئی دشمنان- وزیستید مگر مانند گیاہی کہ در فرنبہ روید یا نقرہ کہ آرائش قبر کردہ باشد- بد توشہ خود با آخرت فرستادید- و خود را مخلد در جہنم گردانیدید- اما شما برما گریہ و نالہ بکنید؟ خود مارا کشتہ اید و برما میگریید؟ بلے واللہ باید کہ بسیار بگریید و کم خندہ بکنید-"

(باقر مجلسی، جلاء العیون، جلد دوم، ص ۵۹۳، مطبوعہ تہران جدید، خطبہ حضرت زینب خاتون)-

ترجمہ:- بشیر بن حریم اسدی کہتا ہے کہ اس وقت حضرت زینب دختر امیر المؤمنین نے اشارتاً کہا کہ خاموش رہو- اس حالت اضطراب و شدت میں اس طرح کلام کرتی تھیں، گویا امیر المؤمنین کلام فرماتے ہیں- پس بعد ادائے حمد الہٰی و درود بر حضرت رسالت پناہ و اہل بیت اخیار و عترت اطہار فرمایا:-

اما بعد! اے اہل کوفہ اے اہل مکر و غدر و حیلہ! تم ہم پر گریہ کرتے ہو جب کہ تم نے ہی ہمیں قتل کیا ہے- ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا رونا موقوف نہیں ہوا اور تمہارے ستم سے ہمارا نالہ و فریاد ساکن نہیں ہوئے- اور تمہاری مثال اس عورت کی ہے جو اپنی رسی کو مضبوط بٹتی اور کھول ڈالتی تھی- تم نے بھی اپنی رسی ایمان کو توڑا اور اپنے کفر کی طرف پھر گئے- تمہارا دعویٰ مگر سراسر بے اصل اور ایک سخن باطل ہے- اور خوشامد فرزند کنیزاں و عیب جوئی دشمنان ہے- اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے گھاس گھورے پر اگی ہو- قبر سیاہ و تیرہ و تار پر آرائش نقرہ کار کی گئی ہو- تم نے اپنے لئے آخرت میں ذخیرہ بہت خراب بھیجا اور اپنے کو ابد الاباد تک سزاوار جہنم کیا ہے- تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو؟ جب کہ تم نے ہی ہمیں قتل کیا اور خود ہی روتے ہو- ہاں بخدا تمہیں ہنسنا کم اور رونا زیادہ ہی چاہئے-

نواسی رسول ؐ سیدہ ام کلثوم ؓ بنت علیؓ

سیدنا حسینؓ کو ہزاروں خطوط کے ذریعے دعوت بیعت دے کر غداری کرنے والے شیعان کوفہ کی مذمت میں واقعہ کربلا کے بعد نواسی رسول ؐ سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ کا خطاب شیعہ مجتہد اعظم علامہ باقر مجلسی نے یوں نقل فرمایا ہے:-

"پس ام کلثوم دختر دیگر حضرت سیدة النساء صدا بگریه بلند کرد و از ہودج محترم ندا کرد حاصر افراد که:-

اے اہل کوفه بدبحال شما و ناخوش باد اولیائی شما- بچه سبب برادرم حسین را خواندید و یاری او نکردید- و او را بقتل آوردید و اموال او را غارت کردید و پردگیان حرم سرائے او را اسیر کردید- وائے بر شما و لعنت بر اولیائے شما- مگر نمیدانید که چه کار کردید- فرچه گناہان اوزار بریشت خود بار کردید- وچه خونہائے محترم ریختید وچه دختران محترم مکرم را نالاں کردید-"

(باقر مجلسی، جلاء العیون، جلدم دوم، ص ۵۹۵ تا ۵۹۶، مطبوعه ایران جدید، خطبه حضرت ام کلثوم در کوفه)-

ترجمہ:- بعد اس کے ام کلثوم دوسری دختر جناب فاطمہ نے صدائے گریہ و زاری بلند کی اور رو رو کر آواز دی کہ اے کوفہ والو تمہارا حال برا ہو اور تمہارے ساتھی ناخوش ہوں، تم نے کس سبب سے میرے بھائی حسین کو بلایا اور ان کی مدد نہ کی، اور انہیں قتل کر کے مال و اسباب ان کا لوٹ لیا، اور ان کے پردگیان عصمت و طہارت کو اسیر کیا- وائے ہو تم پر اور لعنت ہو تمہارے ساتھیوں پر- کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے کیا ظلم و ستم ڈھایا ہے، اور کن گناہوں کا اپنی پشت پر انبار کیا ہے اور کیسے خونہائے محترم کو بہایا، دختران محترم کو نالاں کیا ہے۔

طبری ہی کی روایت کے مطابق کوفیوں کے ہاتھوں شہادت حسین سے پہلے سیدہ زینب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد عمر بن سعد بن ابی وقاص کو جو امیر لشکر ہونے کے باوجود قتال کو ٹالتے ہوئے ابن زیاد کے برعکس صلح و مفاہمت کے خواہاں تھے، مخاطب کر کے فرمایا:-

"یا عمر بن سعد! أیقتل ابو عبدالله و انت تنظر الیه-" (طبری، ج۶، ص

(بے بسی سے) دیکھتے رہ جاؤ گے۔

طبری کی بیان کردہ شیعی المذہب ابو مخنف کی روایت کے مطابق ابن سعد پر شہادت حسین سے ایسا رنج وصدمہ طاری ہوا کہ زار وقطار رونے لگے۔

"قال: فکانی انظر دموع عمر (بن سعد) وھی تسیل علی خدیه، و لحیته-" (طبری، ج٦، ص ٢٥٩)

ترجمہ:- (راوی نے بیان کیا) گویا میں عمر (بن سعد) کے آنسوان کے گالوں اور داڑھی پر بہتے سامنے دیکھ رہا ہوں۔

ابن سعد کے خواتین حسینی کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں درج ذیل روایت قابل توجہ ہے:-

"وامر عمر بن سعد بحمل نساء الحسین و اخواته و جواریه و حشمه فی المحامل المستورة علی الابل-" (ابو حنیفه الدینوری، الاخبار الطوال، ص ٢٤٠)-

ترجمہ:- اور عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسین کی بیبیوں، بہنوں، کنیزوں اور خاندان کی عورتوں کو پردہ دار محملوں میں اونٹوں پر سوار کیا جائے۔

اختلاف تعداد رفقائے حسینؓ

قاتلین شہدائے کربلا کے تعین سے قطع نظر مقتولین لشکر حسینی کی کل تعداد کا مسئلہ بھی خود اہل تشیع کے ہاں اختلافی ہے جو دیگر تفصیلات کو بھی مشکوک تر بنا دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں مشہور اثنا عشری عالم ومصنف الحاج سید علی نقی نقوی مجتهد العصر (نقن میاں لکھنؤ والے) سابق صدر شعبہ شیعہ دینیات علیگڑھ یونیورسٹی کا بیان ملاحظہ ہو:-

"ایک تاریخی صراحت کے مطابق یہ بتیس سوار اور چالیس پیادہ سے زیادہ نہیں تھے۔ اور اسی لئے شہدائے کربلا کے لئے بہتر (۷۲) کا لفظ زبان زد خاص وعام ہے۔ مگر کربلا کے حالات جنگ اور مجاہدین کے ناموں کی تفصیل اور دوسرے متعلقہ واقعات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ تعداد سو سے زیادہ اور دو سو سے کم تھی۔"

(مولانا سید علی نقی نقوی، شہید انسانیت، ص ۳۷۰-۳۷۱)۔

قافلہ حسینی کا سفر کوفہ و شام و مدینہ

شاہ معین الدین ندوی واقعہ کربلا کے بعد کے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

''اہل بیت کا سفر شام اور یزید کا تاثر

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اہل بیت کا قافلہ ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجا گیا۔ اس نے معائنہ کے بعد شام بھجوا دیا۔ یہ حادثہ عظمیٰ یزید کی لاعلمی میں اور بغیر اس کے حکم کے پیش آیا تھا۔ کیونکہ اس نے صرف بیعت لینے کا حکم دیا تھا۔ لڑنے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس لئے جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو اس کے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا:-

اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ ابن سمیہ پر خدا کی لعنت ہو۔ اگر میں موجود ہوتا تو خدا کی قسم حسین کو معاف کر دیتا۔ خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ (طبری، ج ۷، ص ۳۷۵ و الاخبار الطوال، ص ۳۷۲)۔

اس کے بعد جب اہل بیت کا قافلہ شام پہنچا تو یزید ان کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور ان سے کہا:-

خدا ابن مرجانہ کا برا کرے۔ اگر اس کے اور تمہارے درمیان قرابت ہوتی تو وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا۔ اور اس طرح تم کو نہ بھیجتا۔

فاطمہؓ بنت علیؓ کا بیان ہے کہ:- جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے تو ہماری حالت دیکھ کر اس پر رقت طاری ہو گئی۔ ہمارے ساتھ بڑی نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا، اور ہمارے متعلق احکام دیئے۔ (طبری، ج ۷، ص ۳۷۷)۔

(شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، حصہ اول (جلد دوم) ص ۳۶۸)۔

معین ندوی مزید لکھتے ہیں:-

یزید کے گھر میں ماتم

یزید کا پورا کنبہ اہل بیت نبوی کا عزیز تھا۔ اس لئے انہیں حرم سرائے شاہی میں ٹھہرایا گیا۔ جیسے ہی مخدرات عصمت مآب زنانخانہ میں داخل ہوئیں، یزید کے گھر میں

کہرام مچ گیا اور تین دن تک ماتم بپا رہا۔ یزید امام زین العابدین کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلاتا تھا۔

(تاریخ اسلام، معین الدین ندوی، حصہ اول (جلد دوم) ص ۳۶۸ - ۳۶۹، بحوالہ طبری ج ۷، ص ۳۷۸)۔

نقصان کی تلافی

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اموی فوج کے وحشی سپاہیوں نے اہل بیت کا کل سامان لوٹ لیا تھا۔ یزید نے پوچھ پوچھ کر جتنا مال لٹا تھا، اس کا دونا دلوا دیا۔ سکینہ بنت حسینؓ کا شریف اور منت پذیر دل اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوا۔"

(معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، حصہ اول، ص ۳۶۹، بحوالہ طبری ج ۷، ص ۳۳۵)۔

اہل بیتؓ کی واپسی اور یزید کا شریفانہ برتاؤ

چند دن ٹھہرانے کے بعد جب اہل بیت کرام کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انہیں بڑے اہتمام کے ساتھ رخصت کیا۔ امام زین العابدین کو بلا کر ان سے کہا:۔

ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو، اگر میں ہوتا تو خواہ میری اولاد ہی کیوں نہ کام آ جاتی، میں حسین کی جان بچا لیتا۔ لیکن اب قضائے الہیٰ پوری ہو چکی۔ آئندہ تم کو جس قسم کی بھی ضرورت پیش آئے، مجھے لکھنا۔" (طبری، ج ۷، ص ۳۷۹)

اس کے بعد بڑی حفاظت اور اہتمام کے ساتھ قافلہ کو روانہ کیا۔ چند دیانت دار اور نیک آدمیوں کو حفاظت کے لئے ساتھ کیا، ان لوگوں نے بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچایا۔ ان کے شریفانہ سلوک سے اہل بیت کی خواتین اتنی متاثر ہوئیں کہ فاطمہؓ اور زینبؓ نے اپنے زیور اتار کر ان کے پاس بھیجے۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم نے دنیاوی منفعت کے خیال سے نہیں بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ اور قرابت نبوی کے خیال سے یہ خدمت انجام دی، اس لئے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (طبری، ج ۷، ص ۳۷۸)۔

(شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ناشران قرآن لمیٹڈ، لاہور، حصہ اول (جلد دوم) ص ۳۶۹)

روایات واقعات کربلا پر شیعہ مؤلف شاکر حسین نقوی کا تبصرہ

طبری و ابن اثیر وغیرہ جیسے بنیادی ماخذ کے حوالہ سے بیان کردہ ان تفصیلات

کے ساتھ ایک معروف شیعہ مصنف کا درج ذیل بیان بھی قتل حسینؓ اور واقعہ کربلا کے سلسلے میں حقائق کو سمجھنے میں اہل بصیرت کے لئے ممد و معاون ہو سکتا ہے۔ اثنا عشری شیعہ مؤلف جناب شاکر حسین نقوی امروہوی مؤلف "مجاہد اعظم" فرماتے ہیں:۔

"صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی۔ رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ سچ سے جھوٹ کو، جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا۔ ابو مخنف لوط بن یحیی ازدی کربلا میں خود موجود نہ تھے۔ اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے سماعی لکھے ہیں۔ لہذا "مقتل ابو مخنف" پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھر لطف یہ کہ "مقتل ابو مخنف" کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں۔ اور ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں، بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ شہادت امام حسین کے مشہور و زبان زد عام واقعات ابتداء سے انتہاء تک اس قدر اختلافات سے پر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں۔

اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، جناب زینب کے صاحبزادوں کا نو دس برس کی عمر میں شہادت پانا، فاطمہ کبری کا عقد روز عاشورہ قاسم بن حسن کے ساتھ ہونا، عباس علمدار کا اس قدر جسیم اور بلند قامت ہونا کہ باوجود سواری اسپ ورکابہ آپ کے پاؤں زمین تک پہنچتے تھے۔ جناب سید الشہداء کی شہادت کے موقع پر آپ کی خواہر گرامی جناب زینب بنت امیر المؤمنین کا سروپا برہنہ خیمہ سے نکل کر مجمع عام میں چلا آنا، شمر کا سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کو لکد کوب سم اسپاں کیا جانا، سرادقات اہل بیت کی غارتگری اور نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا، شمر کا سکینہ بنت حسین کے منہ پر طمانچہ مارنا، سکینہ کی عمر تین سال کی ہونا، روانگی اہل بیت کے وقت جناب زینب کی پشت پر درے لگائے جانا، اہل بیت رسالت کو بے مقنع و چادر ننگے اونٹوں پر سوار کرنا، سید الساجدین کو طوق و زنجیر پہنا کر سار بانی کی خدمت دیا جانا، محبس دمشق میں عرصہ دراز تک نبی زادیوں کا قید رہنا، ہندہ زوجہ یزید کا

قید خانہ میں آنحضرت کا اہل بیت کی روبکاری کے وقت محل سرائے شاہی سے سر دربار نکل آنا، سکینہ کا قید خانہ ہی میں رحلت پانا، سید الساجدین کا سرہائے شہداء لے کر اربعین (۲۰ صفر) کو کربلا واپس آ جانا اور چالیسویں روز سرہائے شہداء کو سپرد خاک کرنا، وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص وعام ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔"

(شاکر حسین امروہوی نقوی، مجاہد اعظم، ص ۱۷۷-۱۷۸)۔

کربلا میں بندش آب

یاقوت حموی کی "معجم البلدان" میں ارض الطف یعنی کربلا کے حوالہ سے درج ہے کہ دریائے فرات کے کنارے کی یہ زمین نرم ہونے کی وجہ سے "کربلاء" کہلائی۔ اور کربلاء "کربلة" سے مشتق ہے۔

"ان تکون أرض هذه الموضع (کربلاء) رخوة فسمیت بذلک-"

(یاقوت الحموی، معجم البلدان، ج۷، ص ۲۲۹)۔

ترجمہ:۔ اس مقام (کربلاء) کی زمین چونکہ نرم و ملائم تھی اس لئے اسے "کربلاء" کا نام دیا گیا۔

ناسخ التواریخ کے شیعہ مؤلف بیان فرماتے ہیں:۔

آنحضرت تبرے، برگرفت و از بیرون خیمہ زنان نوزدہ گام بجانب قبلہ برفت آنگاہ زمین را باتیر لختے حفر کرد- ناگاہ آب زلال و گوارا بجوشیدہ، اصحاب آنحضرت بنو شیدند و مشکہا پر آب کردند-"

(سپہر کاشانی، ناسخ التواریخ، کتاب دوم، جلد ۶، ص ۲۳۵، مطبوعہ ایران، ۱۳۰۹ھ)۔

ترجمہ:۔ آنحضرت (حسینؓ) نے ایک کدال اٹھالی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر کی طرف انیس قدم قبلہ کی جانب چل کر گئے اور زمین کو تھوڑا سا کھودا۔ اچانک آب زلال و گوارا زور سے نکل پڑا آپ کے ساتھیوں نے نوش فرمایا اور مشکیں بھی پانی سے بھر لیں۔

شیعہ عالم عباس قمی، ابن زیاد کی جانب سے ابن سعد کے نام خط میں مذکور اس حکم پر کہ آب فرات اور حسینؓ واصحاب حسین کے درمیان اسی طرح رکاوٹ بن جاؤ جس طرح لوگ محاصرہ عثمانؓ کے روز ان کے اور پانی کے درمیان حائل ہو گئے تھے، تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :- (حاشیہ ا،ص ۳۳۵،ج ا، منتھی الآمال)-

"مکشوف باد کہ عثمان بن عفان را مصریان در مدینہ محاصرہ کردند و منع آب ازوی نمودند- خبر با میر المؤمنین علیہ السلام کہ رسید، آنجناب متغیر شدند واز برای او آب فرستادند-

وشرح قضیہ اودر تواریخ مسطور است- لکن بنی امیہ ایں وقعہ را دست آویز دیرینہ خود قرار دادند و ہمردم اظہار روا شتند کہ عثمان کشتہ شدہ بحال تشنگی باید تلافی نمود- وبگمان مردم دادند کہ شورش مردم بر عثمان بہ صوابدید حضرت امیر علیہ السلام بودہ- ودرایں باب اہل فتنہ وبغی ونواصب خونریزیہا از مسلمانان کردند تا وقعہ کربلا رسید-

اول حکم کہ ابن زیاد نمود، منع آب از عترت پیغمبر شد- واز زمانی کہ حکم منع آب شد، عمر بن سعد درصدد اجرای ایں حکم بر آمد، وبہمراہان ولشکر خود سپرد کہ بگذارید اصحاب امام حسین از شریعہ فرات آب بردارند- اگرچہ شط فرات طویل وعریض بود، لکن اصحاب حضرت در محاصرہ بودند- ومکرر ابن زیاد در منع آب تاکید کرد- عمر بن سعد، عمرو بن حجاج زبیدی را با پانصد سوار مأمور کرد کہ مواظب شرائع فرات باشند- وتشنگی سخت شد در اصحاب حضرت-

واز "مناقب" نقل شدہ کہ سہ شبانہ روز ممنوع بودند- گاہی چشمہ حسفر کردند وآں جماعت ملی حیا پر کردند- گاہی چاہ کندند برای استعمال آب غیر شرب- وگاہی شبانگاہ حضرت ابوالفضل علیہ السلام تشریف برد وآبی آورد-

و در روایت امالی از حضرت سجاد علیہ السلام مرویست کہ در شب عاشوراء جناب علی اکبر علیہ السلام با پنجاہ نفر رفت در شریعہ وآب آورد- وحضرت سید الشہداء علیہ السلام باصحاب فرمود :-

برخیزید واز ایں آب بیاشامید- وایں آخر توشہ شماست از دنیا- وضو بگیرید و

غسل کنید، وجامه ہای خودرا بشوئید تاکفن باشد برای شما۔

واز صبح عاشوراء دیگر میسر نشد آلی بحرم رسول خدا برسد۔و معلوم است کہ ہوای گرمسیر دریک ساعت تشنگی چہ اندازہ کار سخت میشود۔وقدر معلوم از تواریخ واخبار آنست کہ کشتہ شدند ذریہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ بالب تشنہ۔پس چقدر شائستہ باشد کہ دوستان آنحضرت دروقت آشامیدن آب یادی از تشنگی سید مظلومان نمایند۔

واز مصباح کفعمی منقول است کہ ہنگامیکہ جناب سکینہ در مقتل پدربزرگوار خود آمد، جسد آنحضرت را درآغوش گرفت، واز کثرت گریستن مدہوش شد، واین شعر از پدربزرگوار خود درعالم اغماء شنید:۔

شیعتی ماإن شربتم ری عذب فاذکرو نی

أو سمعتم بغریب أو شہید فاندبونی

وظاہر این است بقیہ اشعاری کہ باین ردیف اہل مراثی میخوانند، از ملحقات شعراء باشد، نہ از خود حضرت۔ ونیکو ارداف نمودہ اند۔

(عباس قمی، منتہی الآمال، ج ا، حاشیہ ا، ص ۳۳۵ و بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۳۶و ۳۳۷، ایران، سازمان چاپ و انتشارات جاویدان، ۱۳۸۸ھ)۔

ترجمہ:۔ واضح رہے کہ مدینہ میں مصریوں نے عثمان بن عفان کا محاصرہ کرلیا تھا اوران کا پانی بند کردیا تھا۔جب امیر المومنین علیہ السلام کو اطلاع ملی تو آپ کا رنگ متغیر ہوگیا اور آپ نے ان کے لئے پانی بھجوایا۔ان کے قضیہ کی تفصیل تاریخوں میں لکھی ہوئی ہے۔

لیکن بنی امیہ اس واقعہ کو اپنا بہانہ دیرینہ قرار دیتے ہوئے لوگوں پر اس بات کا اظہار کرتے رہے کہ عثمان کو تشنگی کی حالت میں قتل کیا گیا جس کی تلافی لازم ہے۔نیز لوگوں کو یہ باور کراتے رہے کہ عثمان کے خلاف لوگوں کی شورش کو حضرت امیر علیہ السلام کی تائید حاصل تھی۔اور اس سلسلہ میں اہل فتنہ وبغاوت نیز ناصبیوں نے مسلمانوں کے ساتھ خونریز لڑائیاں لڑیں یہاںتک کہ بالآخر واقعہ کربلا رونما ہوا۔

پہلا حکم جو ابن زیاد نے دیا، وہ عترت پیغمبر سے پانی روک لینے کا تھا۔اوراس

وقت سے کہ بندش آب کا حکم صادر ہوا' عمر بن سعد اس حکم پر عملدرآمد کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ اور اپنے ساتھیوں اور لشکریوں کے سپرد یہ کام کیا کہ امام حسین کے رفقاء کو فرات کے گھاٹ سے پانی نہ لینے دیں۔ اگرچہ دریائے فرات کا علاقہ طویل و عریض تھا لیکن حضرت کے ساتھی محاصرہ کی حالت میں تھے۔ دوسری بات یہ کہ عمر بن سعد نے عمرو بن حجاج زبیدی کو پانچ سو سواروں کے ہمراہ اس کام پر مامور کیا تھا کہ فرات کے گھاٹوں کی نگرانی کریں۔ چنانچہ حضرت کے ساتھیوں کی پیاس شدت اختیار کر گئی۔

اور "مناقب" سے منقول ہے کہ تین دن رات تک ان کے لئے پانی بند رکھا گیا۔ پس کبھی وہ چشمہ کھودتے اور وہ بے شرم گروہ اسے مٹی سے بھر دیتا۔ کبھی وہ لوگ پینے کے علاوہ دیگر ضروریات میں استعمال کرنے کے لئے گڑھے کھودتے۔ اور کبھی رات کے وقت ابوالفضل علیہ السلام تشریف لیجا کر پانی لے آتے۔

اور "امالی" کی روایت میں حضرت سجاد علیہ السلام سے مروی ہے کہ عاشورا کی رات جناب علی اکبر علیہ السلام پچاس افراد کے ساتھ گھاٹ پر گئے اور پانی لے آئے۔ حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا :-

اٹھو اور اس پانی کو پی لو۔ یہ تمہارا اس دنیا سے آخری زاد راہ ہے۔ نیز وضو اور غسل کرو اور اپنے کپڑے بھی دھو لو تاکہ وہ تمہارے لئے کفن کا کام دیں۔

اور عاشورا کی صبح سے مزید پانی میسر نہ تھا کہ حرم رسول خدا تک پہنچ پائے۔ جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ گرم آب و ہوا میں ایک گھنٹہ کی پیاس بھی کتنی شدت اختیار کر جاتی ہے۔ اور اخبار و تواریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کی اولاد تشنہ لب مقتول ہوئی۔ پس کس قدر مناسب ہوگا کہ آنحضرت (حسینؑ) کے چاہنے والے پانی پیتے وقت اس سردار مظلوماں کی پیاس کو یاد کر لیا کریں۔

اور کفعمی کی "مصباح" سے منقول ہے کہ اس وقت جبکہ سکینہ اپنے والد بزرگوار کے مقتل میں آئیں اور آنحضرت کے جسد کو اپنی آغوش میں لیکر شدت گریہ سے بے ہوش ہو گئیں ' تو بے ہوشی کے عالم میں انہوں نے اپنے والد بزرگوار کو یہ شعر پڑھتے سنا :- اے میرے شیعو! جب تم میٹھے پانی سے سیراب ہوا کرو تو مجھے یاد رکھو۔

اور جب کسی غریب الدیار یا شہید کے بارے میں سنو تو میرا نوحہ و بین کیا کرو-

بظاہر اس ردیف میں دیگر اشعار جو اہل مرثیہ پڑھتے ہیں 'شعراء کے الحاقی اشعار ہیں ' نہ کہ خود حضرت (حسینؓ) کے- بہر حال یہ ردیفیں بڑی عمدہ نظر آتی ہیں-

علامہ عباسی ایک روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"ان ہی غالی مؤلفین کی روایتوں میں پانی کے موجود ہونے اور باافراط ہونے کا ذکر آیا ہے- مثلاً امالی صدوق کی ایک روایت میں شب عاشورہ میں علی اکبر کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنا پانی بھر لانا مذکور ہے جس سے کپڑے بھی دھولئے گئے اور غسل بھی کئے گئے- آدمیوں اور جانوروں کے پینے اور دیگر ضروریات کے بھی کام آیا-

خود طبری نے ابو مخنف کی یہ روایت بھی درج کی ہے کہ اسی دسویں محرم کو لڑائی شروع کرنے سے پہلے حضرت حسین نے حکم دیا کہ بڑا خیمہ نصب کیا جائے، جب خیمہ نصب کر دیا گیا تو آپ نے یہ حکم دیا کہ بڑے کاسہ میں مشک گھولا جائے (ثم امر بمسک فیمثت فی جفنة عظیمة)-

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، جون ۱۹۶۲ء، کراچی، ص ۲۱۱ - ۲۱۲)-

اس سلسلہ میں مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کا "بندش آب" کے زیر عنوان جامع بیان من و عن نقل کئے جانے کے لائق ہے:-

"داستانِ کربلا کا ایک اور اہم جزو ابن زیاد کی طرف سے قافلہ حسینی پر پانی کی بندش ہے- دوسرے اجزاء پر گفتگو نے اتنا وقت لے لیا کہ اب جی چاہتا ہے یہ گفتگو ختم ہو- مگر اس بندش آب والے جزو کی اہمیت اجازت نہیں دیتی کہ اس سے اغماض کر لیا جائے- یہ بندش ۷، محرم سے بتائی گئی ہے- اور اہل قافلہ کا پیاس سے خاص کر خود حضرت حسینؓ کا وہ برا حال سنایا جاتا ہے کہ سخت حالت جنگ میں بھی دشمن کو نقصان پہنچانے یا اس سے اپنا دفاع کرنے سے بھی بڑھ کر پانی کا حصول ایک مسئلہ بن گیا تھا- حالانکہ اسی یوم عاشورہ کی روایتوں میں ایک روایت یہ بھی موجود ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں نے یکے بعد دیگرے غسل کیا جس میں نورے کا استعمال کیا گیا تھا- اور ایک بڑے برتن میں مشک گھول کر تیار کیا گیا تھا جو ان حضرات نے لگایا- اس کے علاوہ کربلا کا میدان جس کے بارے میں

روایتوں نے یہ تاثر دیا ہے کہ وہ ایک بے آب و گیاہ ریگستان تھا، اس کی تردید کے لئے حضرت محمد الباقرؑ والی وہ روایت کافی ہے جس کا کچھ حصہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ جس کے مطابق کربلا ایک ایسی زمین تھی جس میں نرکل اور بانس کا جنگل یا جھاڑیاں موجود تھیں اور یہ ریگستان میں نہیں ہوا کرتیں۔ یہ مسلم ہے کہ یہ دریائے فرات یا اس سے نکلنے والی کسی نہر کا کنارہ تھا۔ یہاں پانی زمین کی سطح سے اتنا قریب تھا کہ تھوڑی سی زمین کھودو اور پانی لے لو۔ معجم البلدان میں کربلا کے ذیل میں صراحت ہے کہ یہاں کی زمین میں نرمی (رخوۃ) ہے۔ اور یاد آتا ہے کہ طبری ہی میں یہ روایت موجود ہے کہ اصحاب حسینؓ کو بھی زیر زمین کا یہ تجربہ ہوا تھا کہ ذرا سا کھودنے پر پانی نکل آیا۔ بہرحال یہ "تاریخی حقیقت" کے نام پر خالص ایک پروپیگنڈہ ہے کہ کربلا میں پانی نایاب یا کمیاب تھا۔ اور اس سے ۷، محرم سے بندش آب کے افسانے کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔

معاملے کے کچھ اور پہلو

کربلا جیسی لب دریا سرزمین میں اس بات کو ممکن سمجھ لینا کہ وہاں ڈیڑھ دو سو ایسے مسلح انسانوں پر جن میں تیس بتیس سوار بھی تھے، مسلسل تین دن تک پانی کی مکمل بندش کی جا سکتی تھی، یہ بات عقل و خرد سے مکمل رخصت لئے بغیر تو ممکن نہیں۔ ہاں اگر یہ بات کہی جائے کہ پانی کا گھاٹ --- یعنی اس جگہ کا جو قریبی گھاٹ تھا وہ --- روکا گیا تھا۔ تاکہ حسینی قافلہ بسہولت پانی نہ لے سکے، تو یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ پانی کے گھاٹ سے پانی حاصل کرنے اور جانوروں کو پلانے میں جو آسانی ہوتی ہے وہ ظاہر ہے گھاٹ سے ہٹ کر دوسری جگہ نہیں ہو سکتی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ روایت میں گھاٹ روکنے ہی کا ذکر ہے۔

لیکن اس میں بھی ۷، تاریخ سے شروعات کی جو بات کہی جاتی ہے اور وہ بندش آب والی روایت میں آئی ہے، وہ بھی ایسی ہی ناقابل فہم ہے جیسی مکمل بندش والی بات۔ اس کے برخلاف جو بات واقعاتی لحاظ سے قابل فہم ہے، وہ یہ ہے کہ ۱۰، تاریخ کو جب لڑائی چھڑی تو دشمن نے اپنی جلد از جلد کامیابی کے لئے جہاں دوسرے ذرائع اور

ہتھیار استعمال کئے وہاں ایک تدبیر یہ بھی اختیار کی جو جنگ میں عام طور پر کی جاتی ہے
کہ فریق مخالف کے لئے پانی کا حصول مشکل بنا دیا جائے۔ اس سے قدرتی طور پر مخالف
فریق کی قوت مدافعت گھٹتی ہے۔ پس اگر یہ دعویٰ کیا جائے یا یوں کہئے کہ روایت میں
اس طرح کی بات کہی گئی ہو، تو یہ ایک قابلِ فہم بات ہے۔ اور اس پر کسی کو کلام
کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو گی۔ نیز واقعے کے تمام پہلوؤں کی روایات کے چوکھٹے
میں اس کا فٹ ہونا بھی دقت طلب نہ ہو گا۔ جب کہ اس کے برعکس ۷، تاریخ والی
روایت جو بعض دوسری روایتوں کے ساتھ جوڑ نہیں کھا سکتی، بالکل ایک تضاد کا درجہ
لئے ہوئے نظر آئے گی۔ آیئے اس پہلو سے روایت کا جائزہ لیجئے۔

ہم نے اگرچہ تفصیل اور ترتیب کے ساتھ وہ روایات اس کتاب میں جمع نہیں
کی ہیں جن میں ابن سعد اور حضرت حسینؓ کے درمیان نامہ و پیام اور ملاقاتوں کا بیان
ہے۔ اور پھر اس کے نتیجے میں ابن سعد اور ابن زیاد کے درمیان ہونے والی خط و کتابت
کا بیان آتا ہے۔ تاہم کچھ نہ کچھ ذکر ان سب چیزوں کا اسی باب کے اوپر کے صفحات
میں آ چکا ہے، اور یوں بھی یہ باتیں واقعہ کربلا کے سلسلے میں بہت مشہور و معروف ہیں۔
اس لئے قارئین اس بات سے بے خبر نہیں ہوسکتے کہ جس وقت سے ابن سعد نے کربلا
میں قدم رکھا اسی وقت سے اس کے اور حضرت حسین کے درمیان نامہ و پیام اور پھر
ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور پھر اس کا نتیجہ ابن سعد اور ابن زیاد کے درمیان خط و
کتابت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ ابن سعد حضرت حسین کے ساتھ کیا
رویہ اختیار کرے؟ اس سلسلے میں کئی ایک روایات ہیں جن کا مجموعی تاثر یہ بنتا ہے کہ
طرفین کی یہ سلسلہ جنبانی بالکل آخر وقت تک قائم رہی۔ اور دو روایتیں تو صراحت کے
ساتھ بتاتی ہیں کہ ۹، تاریخ کی شام کو یہ سلسلہ بند ہوا۔ ان دونوں کا ذکر اوپر اسی باب میں
آ چکا ہے۔ اور طبری جلد ۶ میں ان میں سے ایک روایت ص ۲۲۲ پر سعد بن عبیدہ کے
حوالے سے ہے۔ دوسری ص ۷-۲۳۶ پر عبداللہ بن شریک عامری کے حوالے
سے۔

معاملات کے اس پس منظر میں ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ ۷، تاریخ سے
بندش آب کا نہ صرف حکم بلکہ اس کا نفاذ بھی بتانے والی روایت کو ماننے کی گنجائش

کہاں سے نکل سکتی ہے؟ وہ بات الگ رہی جو اس گفتگو کے شروع میں عرض کی گئی ہے کہ قتل و قتال کی حالت میں تو، جو ۱۰، تاریخ کو ہوا، بندشِ آب کی کارروائی کچھ موثر اور بامعنی ہو سکتی تھی۔ بغیر قتل و قتال کی حالت کے، یہ ایک فضول سی، محض بدنامی مول لینے والی بات تھی۔ اور پھر کیا یہ ممکن ہے کہ ۷، تاریخ سے ایسا ہوا ہوتا تو ۱۰، تاریخ سے پہلے کہیں کسی طرح بھی اس کی شکایت کی کوئی روایت نہ پائی جاتی؟ تمام شکایتی بیانات ۱۰، تاریخ ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ اُس سے پہلے کا کوئی بیان نہیں ملتا۔

روایت کی اندرونی شہادت

روایت میں اس بات کی صراحت تو ہے ہی، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، کہ بندشِ آب کی صورت صرف یہ تھی کہ گھاٹ روکا گیا تھا:۔

"---- پس عمر بن سعد نے عمرو بن الحجاج کو پانچ سو سواروں کا دستہ دے کر بھیجا اور وہ گھاٹ پر جا اترے اور حسین اور ان کے ساتھیوں اور پانی کے بیچ میں حائل ہو گئے ----"

(روایت کے اصل الفاظ ہیں: "فنزلوا علی الشریعۃ" (طبری ج ۶، ص ۲۳۴) "شریعۃ" کے معنی گھاٹ یا گھاٹ کا راستہ۔)

اس کے علاوہ اس بات کی بھی علامت روایت کے اندر پائی جاتی ہے کہ یہ کاروائی ۱۰، تاریخ ہی کو عمل میں آئی جو جنگ کا دن تھا، کیونکہ روایت میں اگرچہ مذکورہ بالاالفاظ کے بعد "وذلک قبل قتل الحسین بثلاث" (اور یہ شہادت حسین سے تین دن پہلے کی بات ہے) کے الفاظ آتے ہیں۔ مگر پھر فوراً ۱۰، تاریخ ہی کا قصہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے کی کوئی بات نہیں۔

قال:- و نازله، عبدالله بن ابی الحصین الازدی و عداده فی بجیلة، فقال:- یا حسین ألاتنظر الی الماء کأنه کبد السماء، والله لا تذوق منه قطرة حتی تموت عطشاً- (طبری، ج ۶، ص ۲۳۴)-

حمید کہتا ہے کہ عبداللہ بن ابی الحصین ازدی، جس کا شمار بجیلہ میں کیا گیا ہے، حضرت حسین کے مقابلے پر آیا اور کہا کہ حسین تم پانی کو دیکھ رہے ہو کیسا آسمان کی طرح شفاف ہے۔ قسم خدا کی تم اس سب سے ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکو گے حتیٰ کہ

پیاس سے (معاذ اللہ) دم نکل جائے۔

سچ بات یہ ہے کہ بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں یہ بے تکے طور پر "شہادت سے تین دن پہلے" کے الفاظ روایت میں درج کئے گئے ہیں۔ حضرت حسین سے کسی کا مقابلہ ۱۰، تاریخ سے پہلے کہیں مروی نہیں اور پانی کی کوئی شکایت بھی ۱۰، تاریخ سے پہلے کہیں بیان نہیں کی گئی۔"

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مطبوعہ ملتان، ص ۲۱۶-۲۲۰)۔

"راوی کے اوصاف

اس روایت پر غور و فکر کے سلسلے میں اس کے راوی حمید بن مسلم کے کردار پر بھی نظر ضروری ہے۔ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں اس کی روایات بے شمار ہیں جن میں اس بات کے نہایت واضح قرائن ہیں کہ اس کی روایتیں ہی جعلی اور خانہ ساز نہیں بلکہ یہ خود بھی شاید ایک جعلی شخصیت ہے۔ ورنہ ایک نہایت موقع پرست اور کوفیوں کے امتیازی (Typical) اوصاف کا مجسمہ ہے۔ ویسے تو یہ اپنے آپ کو ابن سعد کی فوج میں شامل بتاتا ہے۔ اور جب تک واقعہ شہادت ہو نہیں جاتا یہ کوئی ذرا سا بھی اپنا ہمدردانہ کردار اہل بیت کے ساتھ نہیں دکھاتا۔ مگر جیسے ہی یہ واقعہ ہو لیتا ہے نہ صرف اس سے بڑھ کر اہل بیت کا کوئی ہمدرد کربلا کے میدان نظر نہیں آتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صف اعداء کا نہیں صف حسینی کا آدمی تھا، جنگ کے وقت میں حضرت حسین نے دشمنوں کی جارحیت اور سفاکی پر جو جو رد عمل اللہ سے دعا یا بددعا کی صورت میں یا اظہار رنج والم کی صورت میں ظاہر فرمایا، اس کا ایک ایک لفظ آپ اس شخص کی زبان سے سن لیجئے جیسے کوئی ہمزاد ہو۔

ایسا لگتا ہے کہ واقعہ کربلا کے تین چار سال بعد یزید کی موت کے ساتھ ہی جب وقت بدلا اور ایک طرف حضرت عبداللہ بن زبیر اور دوسری طرف مختار ثقفی نے ہمدردان بنی امیہ اور قاتلان حسین کے لئے زمین تنگ کردی تو بہت سے لوگوں نے عافیت طلبی کے لئے چولا بدلا، حمید بن مسلم اگر واقعی اس زمانے کا کوئی شخص تھا تو یقیناً یہی چولا بدلنے والوں میں سے ایک تھا۔ اہل بیت کی ہمدردی میں طرح طرح کے غم

انگیز افسانے تراشتا ہے۔ یہاں تک کہ اس معاملے میں اپنے آپ کو شمر جیسے آدمی سے بھی لڑتا جھگڑتا اور اسے مغلوب کر لیتا ہوا دکھاتا ہے۔ (حاشیہ ا، از سنبھلی بر ص ۲۲۱: - طبری، ج ٦، ص ۲٦۰ پر اس کی روایت میں دکھایا گیا ہے کہ حضرت علی (زین العابدینؒ) جو قتل و قتال کی زد سے بچ رہے تھے انہیں بعد میں شمر کی زد سے بچانے کا کارنامہ اسی فدوی کا ہے ا۔ جو کہ روایات کی روشنی میں حادثۂ کربلا کا سب سے بڑا ذمہ دار ہے۔ اور جس کی آمد کے بعد ابن سعد کو بھی اس قتل و قتال پر مجبور ہونا پڑا تھا جسے کو وہ برابر ٹالنے کی کوشش میں لگا تھا، ان افسانوں سے جن میں سے ایک یہ بندشِ آب والا افسانہ بھی ہے، وہ ایک طرف اپنے آپ کو محبانِ اہل بیت میں شمار کرا رہا تھا، دوسری طرف نظر آتا ہے کہ وہ اس موقع سے ذاتی اور خاندانی رنجشیں یا رقابتیں بھی چکا رہا تھا۔ ورنہ جب یہ خود یزیدی لشکر میں تھا تو اس کے لئے کوئی جواز نہ تھا کہ مظالم کی روایتوں میں افراد کو بھی نامزد کرتا جیسا کہ اوپر کے اقتباس میں عبداللہ بن ابی الحصین کا نام اس نے دیا ہے۔ اس کی روایتوں میں یہی تنہا ایک نامزد رپورٹ نہیں ہے۔ بار بار وہ یہی کام کرتا نظر آتا ہے۔ حضرت حسین کے جسد مبارک کو گھوڑوں کے سم سے روندے جانے والی روایت میں (جس پر آگے کلام آئے گا) یہ اس میں سے دو آدمیوں کا ذکر نام کے ساتھ کرتا ہے۔ اس طرح کا معاملہ اس کی اور روایتوں میں بھی ہے، بلکہ اس شخص کے اسی کردار کی بنا پر یہ بھی خیال ہونے لگتا ہے کہ کہیں شمر کی بدنامی میں بھی اس کی اپنی واقعی بداعمالیوں کے ساتھ حمید بن مسلم کی "مہربانیوں" کا بھی تو کافی دخل نہیں ہے؟ اس لئے کہ اس کی روایتوں میں شمر کا ذکر بار بار آجاتا ہے۔ اور اس ذکر میں اس کی برائیاں الم نشرح کرنے سے حمید کی بہت ہی خصوصی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔"

(مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مطبوعہ ملتان، ص ۲۲۰ - ۲۲۲)۔

"خلاصہ کلام

یوم عاشورہ کے واقعات کی روایتوں کے سلسلے میں جن مختلف پہلوؤں کو اوپر کے صفحات میں اجاگر کیا گیا ان کے پیش نظر اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ یہ روایتیں بالعموم ناقابل اعتبار بلکہ بیشتر بالبداہت (Evidently) قابل رد ہیں، اس لئے عقل اور نقل، قانونِ شریعت اور تقاضائے دیانت ہر ایک کے ماتحت

ان روایتوں کی فراہم کی ہوئی تفصیلات کو کم از کم ناقابلِ اعتبار ضرور قرار دیا جانا چاہیے اور اس سے زیادہ کچھ کہنے کی گنجائش نہیں سمجھی جانا چاہیے۔ جتنا ایسی روایتوں میں آتا ہے، جیسی روایت حضرت محمد الباقر کے حوالے سے اوپر نقل کی گئی:-

"جب حضرت کربلا میں ٹھہرنے پر مجبور ہو گئے (اور کوفیوں کی غداری لشکر عمر بن سعد کی شکل میں عملاً سامنے آ گئی) تو آپ نے (اس نئی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے) تین شکلیں ابن سعد کے سامنے رکھیں۔ میں حجاز واپس چلا جاؤں۔ یزید کے پاس چلا جاؤں۔ یا کسی سرحد پر نکل جاؤں (یعنی ملک چھوڑ دوں) ابن سعد نے تجویز پسند کی اور ابن زیاد کے پاس بھیجد دی۔ وہاں سے نامنظور ہوئی اور اس کی جگہ یہ حکم آیا کہ وہ (کسی اور بات سے پہلے) ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کریں (پھر ان کی کسی بات پر غور کیا جائے گا) اس شرط کو حضرت حسینؓ نے قطعی طور سے رد کر دیا۔ نتیجہ میں ابن سعد نے (جیسا کہ اس کو حکم تھا) طاقت استعمال کی۔ اور اس میں حضرت حسین کے تمام ساتھی شہید ہوئے۔ ان میں آپ کے گھرانے کے بھی تقریباً ۱۵ - ۲۰ جوان تھے۔ آپ کا چھوٹا بچہ بھی ایک تیر آ کر لگنے سے شہید ہوا۔ اس کے بعد آپ نے بھی تلوار اٹھائی اور قتال کرتے ہوئے شہید ہو گئے"۔

(طبری، ج ٦، ص ۲۲۰، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۲۲۲ - ۲۲۳)

یزید کے پاس جانے کی پیش کش

اس عنوان کے تحت مولانا سنبھلی فرماتے ہیں:-

"واقعہ کربلا کے بیان میں شیعہ نقطۂ نظر کو براہ راست جاننے کی غرض سے جو چند کتابیں مجھے دیکھنے کا موقع ملا اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت محمد الباقر کی یہ روایت ان حضرات کے یہاں ذکر میں نہیں لائی جاتی۔ حالانکہ سند کے اعتبار سے ان حضرات کے یہاں اس کی بے حد وقعت ہونی چاہئے تھی۔ ہاں اس کا آخری حصہ جو دربار یزید میں حضرت حسین کا سر لے جائے جانے سے متعلق ہے، جس کا ذکر ہم آگے کریں گے، اس کا تذکرہ یہ حضرات کر دیتے ہیں۔ وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس روایت میں یزید کے پاس جانے کی پیش کش بھی پائی جاتی ہے۔ اور یہ پیش کش باوجود "حسینؓ کی

پیش کش" ہونے کے ایسی ناخوشگوار شئ گردانی گئی ہے کہ یوم عاشورہ کی جن روایتوں کا بڑے ذوق و شوق سے بیان کیا جاتا ہے، ان میں بھی جہاں کہیں اس پیش کش کی بات صراحتاً یا اشارۃً آ گئی ہے، وہاں اس روایت کا بیان اسی جگہ ختم کر دیا گیا ہے، یا یہ جزو حذف ہے۔ کئی ایک مثالوں میں سے بس ایک مثال کے طور پر حضرت حسین کے رفیق زہیر بن قین کی وہ تقریر لے لیجئے جو اسی باب میں اوپر گزر چکی ہے۔ اس میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ:-

"اے اللہ کے بندو فاطمہ رضوان اللہ علیہا کی اولاد بہ نسبت ابن سمیہ (ابن زیاد) کے تمہاری محبت اور نصرت کی زیادہ مستحق ہے۔ لیکن اگر تم ان کی مدد نہیں بھی کرتے تو ان کے قتل کے در پے ہونے سے تو باز آؤ، اور اس آدمی (حضرت حسینؓ) کے اور اس کے چچازاد یزید بن معاویہؓ کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ میری جان کی قسم یزید کو تم سے راضی کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ تم حسینؓ کو قتل کرو۔" (طبری، ج ٦، ص ٢٤٣)۔

لیکن "شہید انسانیت" کے مصنف اس تقریر کو اس سے پہلے جملے پر ہی ختم کر گئے ہیں۔ (ص ٣٨٠ - ٣٨١)۔ بعد کے جملے بھی ان کے قارئین تک پہنچ جائیں اس کو انہوں نے پسند نہیں فرمایا، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ یزید کے پاس جانا چاہتے تھے۔" (٣)

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ٢٢٣-٢٢٤)۔

(حاشیہ: ٣، سنبھلی بر ص ٢٢٤:- حر بن یزید تمیمی کی تقریر اور اس سے متعلق قصے میں بھی بار بار حضرت حسین کے پیش کردہ شرائط کے الفاظ آتے ہیں۔ وہ روایت جس میں شمر، ابن زیاد کو یہ شرائط قبول کرنے سے روکتا ہے، اس کا تقریباً ہر مصنف کے یہاں تذکرہ ہوتا ہے، اسی روایت میں وہ شرائط پوری تفصیل سے موجود ہیں۔ مگر ان کی طرف سے تجاہل برتا جاتا ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ اس مسئلے پر اختلافی بیانات اور راویوں کی روایتیں طبری نے ص ٢٣٥ پر درج کر دی ہیں، ان کا یکجائی مطالعہ بھی صاف طور سے اسی نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ بیان شرائط والی روایتیں ہی مضبوط ہیں اور خود طبری نے گویا یہی تاثر دیا ہے)۔

اس کے بعد سنبھلی مزید فرماتے ہیں:-

"اور شیعہ حضرات کو کیا کہیں۔ خود اہل سنت حضرت حسینؓ سے متعلق شیعی تصورات سے اس درجہ متاثر ہوئے ہیں کہ ان کے یہاں بھی واقعے کے اس جزو کو جو حتمی طور پر ثابت ہے تاریکی ہی میں رکھنا عام طور پر پسند کیا گیا۔ ۳۷ سال پہلے کا "واقعۂ کربلا" نامی راقم کا مضمون جس پر "نظر ثانی" اس کتاب کی شکل اختیار کر گئی جو آپ پڑھ رہے ہیں، اس مضمون میں راقم نے اس حقیقت سے بے خبری کے عالم میں کہ حضرت حسین نے جو سہ رخی پیش کش کربلا میں کی تھی جس کا ایک جز یزید کے پاس جانا اور اکثر روایتوں کے مطابق بیعت کے لئے جانا تھا۔(۱)۔ اس کا یہ جزو مکمل تاریکی میں ہے، اس جزو کو بھی روشنی دکھانے کی غلطی کر دی اور بس یہ "غلطی" قیامت خیز ہو گئی۔ بہت بہت پڑھے لکھے سنی حضرات جن میں میرے بعض بڑے محترم اور مشفق بھی شامل تھے، ان کے لئے حضرت حسین کی طرف اس بات کی نسبت ناقابلِ برداشت ہو گئی اور معاملہ اس وقت ٹھنڈا ہوا جب "الفرقان" کی اگلی اشاعت میں تاریخ طبری اور ابن کثیر وغیرہ کے پانچ چھ حوالوں سے اصل عربی عبارتوں میں وہ پیش کش نقل کر دی گئی۔ اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اس پیش کش کی بات کوئی افتراء اور بہتان یا کسی کمزور ذریعے (Source) کی بات نہیں تھی۔

بہرحال یہ بات پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ سامنے آ جانی چاہیے کہ حضرت حسینؓ نے کربلا میں یہ دیکھ کر کہ حالات کا رخ اس خیال وگمان کے بالکل برعکس ہے، جس گمان اور اطمینان کے ساتھ کوفے کی طرف سفر شروع کیا گیا تھا، ابن زیاد کے نائب عمر بن سعد کو وہ پیش کش کی جو حضرت محمد الباقر کی روایت میں بیان ہوئی ہے اور جس کی تائید واقعہ کربلا سے متعلق چند در چند روایات میں صراحتًہ یا اشارۃً پائی جاتی ہے۔ یہ حضرت حسین کے ورودِ کربلا کے ساتھ جڑی ہوئی ایسی حقیقت ہے کہ جب تک آپ کے ورودِ کربلا اور عمر بن سعد کے وہاں آنے سے انکار نہ کر دیا جائے، اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا ہے۔"

(مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ملتان، ص ۲۲۴، ۲۲۵)۔

حاشیہ ۱، از سنبھلی، ص ۲۲۵:-

"ان روایتوں کے الفاظ ہیں: حتی اضع یدی فی یدہ-
جس کا لفظی ترجمہ ہے:- (تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں)-
کوئی اس عبارت کا ترجمہ "بیعت" سے نہ بھی کرنا چاہے تو "سپردگی" سے تو بھی کرنا ہوگا، اور پھر کیا فرق رہا؟"

یزید نے ابن زیاد کو سانحہ کربلا کا ذمہ دار ہونے کی بناء پر سزا کیوں نہ دی؟

یزید کے ابن زیاد کو سزا نہ دینے کا سوال اٹھاتے ہوئے مولانا مودودی فرماتے ہیں:-

"دمشق کے دربار میں جو کچھ ہوا اس کے متعلق روایات مختلف ہیں، لیکن ان سب روایتوں کو چھوڑ کر ہم یہی روایت صحیح مان لیتے ہیں کہ وہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے سر دیکھ کر آبدیدہ ہوگیا اور اس نے کہا:-
(میں حسینؓ کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی طاعت سے راضی تھا، اللہ کی لعنت ہو ابن زیاد پر، خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسین کو معاف کر دیتا)-
اور یہ کہ:-
(خدا کی قسم اے حسین! میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو تمہیں قتل نہ کرتا)-
پھر بھی یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم عظیم پر اس نے اپنے سر پھرے گورنر کو کیا سزا دی؟ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس نے ابن زیاد کو نہ کوئی سزا دی، نہ اسے معزول کیا، نہ ہی اسے ملامت کا کوئی خط لکھا-"

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۱۸۱، بحوالہ طبری ج ۴، ص ۳۵۲ و الکامل لابن الاثیر ج ۳، ص ۲۹۸-۲۹۹، والبدایۃ والنھایۃ، ج ۸، ص ۲۰۳)-

امام ابن تیمیہ نے یزید کے دربار میں سیدنا حسینؓ اور رفقائے حسین کے سر لیجائے جانے والی روایت کو مجہول السند بتایا ہے- نیز یہ دلیل بھی دی ہے کہ جن صحابہ کرامؓ کی موجودگی اس وقت دربار یزید میں بیان کی جاتی ہے وہ شام میں نہیں عراق میں مقیم تھے- لہذا یزید کے بجائے ابن زیاد کے سامنے کوفہ میں سر لے جائے جانے کی

روایت زیادہ قرین قیاس اور اقرب الی الصواب ہے۔ جبکہ دمشق والی روایت بعید از قیاس ہے۔ (ملاحظہ ہو منہاج السنۃ، ج ۲، ص ۳۲۱ الخ)۔

مگر اس بحث سے قطع نظر سزا نہ دینے کے سوال کے جواب سے پہلے ابن کثیر کے جن الفاظ کا مولانا مودودی نے حوالہ دیا ہے وہ ملاحظہ ہوں:۔

"و قد لعن ابن زیاد علی فعلہ و شتمہ فیما یظھر ویبدو ولکن لم یعزلہ علی ذلک ولا اعقبہ و لا ارسل احداً یعیب علیہ ذلک. واللہ اعلم."
(البدایۃ و النھایۃ، ج ۸، ص ۲۰۳)۔

ترجمہ: بظاہر یزید نے ابن زیاد پر لعنت تو کی اور اسے برا بھلا بھی کہا۔ لیکن نہ تو اس حرکت پر اسے معزول کیا اور نہ سزا دی اور نہ اس کی طرف کسی کو بھیجا جو اس کے اس شرمناک فعل کا اسے احساس دلائے۔ واللہ اعلم۔

دارالعلوم دیوبند کے ایک معروف و ممتاز عالم کے بحوالہ ابن کثیر اسی نوعیت کے اعتراض کے جواب میں مولانا عامر عثمانی، مدیر ماہنامہ "تجلی" دیوبند فرماتے ہیں:۔

"مولانا نے ابن کثیر کی یہ عبارت اپنے قیاسی مقصد کی تائید کے لئے نقل تو فرما دی مگر اس عبارت کا آخری فقرہ جو کام کا تھا، اسے بالکل نظر انداز فرما گئے۔ حتی کہ ترجمہ میں بھی اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ یعنی حافظ ابن کثیر کو بھی سبائی روایتوں کے پیش نظر جب یہی الجھن پیش آئی جو ہمارے مولانا کو پریشان کئے ہوئے ہے تو انہوں نے اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لئے آخر میں "واللہ اعلم" بھی کہہ دیا۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ یہ سب ایسی متضاد اور غیر معقول باتیں ہیں جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ ان کا حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے۔"

(راجع مولانا عامر عثمانی، ماہنامہ "تجلی" دیوبند، شمارہ اگست ۱۹۶۰، وما بعد تبصرہ بر کتاب شہید کربلا اور یزید از قاری محمد طیبؒ، و راجع تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، ص ۴۲۳ مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۱)۔

مزید برآں بہت سے علماء و مصنفین کی رائے میں ابن کثیر کے اس بیان میں یزید کا قتل حسینؓ سے اپنی برأت کا اعلان اور اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے بھرے دربار میں ابن زیاد پر برسر عام لعنت بھیجنا، جس کی اطلاع ابن زیاد سمیت پورے عالم اسلام تک پہنچی، خط ملامت لکھنے سے عظیم تر اقدام ہے۔ جو یزید مخالف سبائی روایات کے باوجود کتب تاریخ میں انہی روایات کے درمیان موجود ہے۔

بہر حال یزید کے ابن زیاد کو سزا نہ دینے کے سوال کے حوالے سے ممتاز عالم و مؤرخ مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، فرزند مولانا منظور نعمانی فرماتے ہیں:-

"یہ سوال جب کسی عام آدمی کی طرف سے سامنے آئے تو کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ مگر جب پڑھے لکھے لوگ بھی یہ سوال اٹھاتے ہیں تو پھر حیرت ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ اس لئے کہ نارضامندی اور جواب دہی کا کوئی ایسا لازمی تعلق نہیں ہے کہ ایک حاکم نے اپنے ماتحت کی کسی بات کو ناپسند کیا ہو تو وہ اسے سزا بھی ضرور دے۔ بہت سی دفعہ ناخوشی کا اظہار بھی اس آدمی پر کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اور اس کی کیسی قابل لحاظ مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ حضرت علیؓ کی فوج میں بلکہ ان کے نہایت خاص معتمدین میں وہ لوگ شامل تھے جو قاتلانِ عثمانؓ کے سرگروہ شمار کئے جاتے تھے۔ اور خود حضرت علیؓ کو اس الزام سے انکار نہ تھا۔ مگر اس مطالبے کے جواب میں کہ ان کو سزا دی جائے یا ورثائے عثمانؓ کے سپرد کیا جائے، حضرت علی کو ہمیشہ یہی کہنا پڑا کہ حالات اجازت نہیں دیتے۔ یعنی سزا کا مطالبہ کرنے والے بھی موجود تھے، اصولاً حضرت علی کو مطالبے سے اتفاق بھی تھا، پھر بھی مصلح وقت کا مسئلہ ایسا تھا کہ آپ اس پر عملدر آمد نہیں کر سکتے تھے۔"

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مطبوعہ ملتان، ص ۲۵۰-۲۵۱)۔

غیر صحابی خلیفۃ المسلمین یزید پہلے سے مقرر شدہ کوفہ کے گورنر ابن زیاد کو معزول نہ کر پایا جس طرح خلیفہ راشد سیدنا علیؓ نہ صرف قاتلین عثمانؓ (مالک الاشتر و محمد بن ابی بکر وغیرہ) کو سزا نہ دے پائے، بلکہ بعض مصلح کی بناء پر انہیں مصر وغیرہ کی گورنری کا عظیم الشان منصب عطا فرمایا۔ خود مولانا مودودی فرماتے ہیں:-

"مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا، جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔ اسی بناء پر میں نے اس کی مدافعت سے اپنی معذوری ظاہر کر دی ہے۔"

(ابوالاعلی مودودی، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اپریل ۱۹۸۰، ص ۳۴۸، ضمیمہ سوالات و اعتراضات بسلسلہ بحث خلافت)۔

تاریخی لحاظ سے یہ بھی واضح رہے کہ محمد بن ابی بکر نے بچپن ہی سے سیدنا علیؓ کے

زیر سایہ پرورش پائی تھی۔ کیونکہ سیدنا ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ سیدہ اسماء بنت عمیس (والدہ محمد بن ابی بکر) سے سیدنا علیؓ نے شادی کرلی تھی۔

مزید براں تاریخی روایات کے مطابق لشکر علیؓ میں شامل ہزاروں لوگ حامیان قاتلین عثمانؓ تھے۔ مورخ اسلام شاہ معین الدین ندوی قدیم کتب تاریخ کے حوالہ سے سیدنا علیؓ و معاویہؓ کے مابین اختلاف قصاص عثمانؓ کے مسئلہ پر جنگ صفین (۳۷ھ) کے سلسلہ میں، جس میں ستر ہزار سے زائد مسلمان مقتول ہوئے، لکھتے ہیں کہ جمادی الاولی ۳۷ھ میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی، رجب میں ماہ حرام کی وجہ سے ملتوی ہو گئی:-

"التوائے جنگ کے بعد خیر خواہاں امت نے پھر صلح کی کوششیں شروع کر دیں کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رک جائے اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر برباد نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابودرداؓ اور حضرت ابوامامہ باہلیؓ، امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں، پھر تم ان سے کیوں جنگ کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا:- عثمانؓ کے خون ناحق کے لئے۔ ابوامامہؓ نے کہا کہ کیا علی نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے؟ امیر معاویہؓ نے جواب دیا:- اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلوں کو پناہ دی ہے۔ اگر وہ انہیں ہمارے حوالے کر دیں، تو میں سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔

ان دونوں بزرگوں نے واپس جا کر حضرت علیؓ کو معاویہؓ کا مطالبہ سنایا۔ اسے سن کر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل پڑے اور نعرہ لگایا کہ :- ہم سب قاتلین عثمان ہیں۔ یہ رنگ دیکھ کر دونوں بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا"۔

(معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، نصف اول، ص ۲۶۸-۲۶۹، لاہور "الاخبار الطوال" لابی حنیفہ الدینوری، ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور)۔

تاریخی لحاظ سے یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ خود شیعہ روایات کے مطابق بھی سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی اور صحابی رسول سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب خلافت علیؓ میں سیدنا علیؓ سے ناراض ہو کر سیدنا معاویہؓ سے جا ملے تھے اور جنگ صفین میں لشکر علی کے

بجائے لشکر معاویہؓ میں شامل تھے:-

"وفارق (عقیل) أخاہ علیاً امیر المؤمنین فی ایام خلافتہ وھرب الی معاویۃ،وشھد الصفین معہ."

(جمال الدین عنبہ، عمدۃ الطالب فی انساب آل آبی طالب، مطبع جعفری، لکھنو، ص ۱۵)-

ترجمہ:- اور آپ (عقیلؓ) اپنے بھائی امیر المؤمنین علیؓ سے ان کی خلافت کے زمانہ میں علیحدہ ہو گئے۔ اور بھاگ کر معاویہ کے پاس چلے گئے پھر جنگ صفین میں ان (معاویہؓ) کے ہمراہ شریک ہوئے۔

(اگرچہ سیدنا عقیلؓ کی سیدنا علیؓ سے علیحدگی کا ایک اہم سبب بالعموم روایات میں علیؓ کا انہیں بیت المال سے ان کے حسب منشا حصہ نہ دینا قرار دیا جاتا ہے، مگر ان جلیل القدر صحابی رسول ؐ پر ایسا توہین آمیز الزام بہت سے علماء و محققین کے نزدیک ناقابل یقین ہے۔ اور ان کے نزدیک تاریخی حقیقت یہی ہے کہ وہ خلافت علوی میں قاتلین عثمانؓ کے غلبہ سے دل برداشتہ اور قصاص عثمانؓ کے مطالبہ کے سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ کے ہمنوا تھے)۔

قصاص عثمانؓ جنگ صفین اور خلیفہ راشد سیدنا علیؓ کی مجبوریوں کے حوالہ سے ان چند اشارات سے یزید و کربلا اور ابن زیاد کو یزید کے سزا نہ دینے کے سلسلہ میں اصل تاریخی حقائق کو سمجھنے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ فمن شاء ذکرہ۔

اب سنی و شیعی مصادر تاریخ (طبری، دینوری، ابن الاثیر، یعقوبی وغیرہ) کے حوالہ سے مؤرخ اسلام شاہ معین الدین ندوی کے الفاظ میں قاتلان حسینؓ کے مذکورہ سابقہ نام ملاحظہ ہوں۔ رفقائے حسینؓ کی شہادت کے آخری منظر کا ذکر کر کے سیدنا حسین کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

"حسین بن نمر نے تیر چلایا، چہرہ مبارک زخمی ہوا۔ آپ فرات سے لوٹ آئے۔ اب آپ میں کوئی سکت باقی نہ تھی۔ عراقیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے ہاتھ اور گردن پر وار کئے۔ سنان بن انس نے تیر چلایا اور آپ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ آپ کے گرنے کے بعد سنان بن انس نے سر اقدس تن سے جدا کر دیا۔"

(تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی، حصہ اول (جلد دوم) ص ۳۶۷، ناشران قرآن لیمٹڈ، لاہور۔ واقعات بحوالہ تاریخ الطبری، الکامل لابن الاثیر، الاخبار الطوال للدینوری و تاریخ الیعقوبی)۔

اس تاریخی تفصیل کے باوجود واضح رہے کہ ابن الاثیر و ابن کثیر و دیگر مؤرخین کا ماخذ تاریخ طبری ہے اور طبری:- "رو بنا کما روی الینا" (جس طرح ہم تک روایت پہنچی ہم نے آگے بیان کر دی) کے اصول کے مطابق بلا تحقیق متضاد روایات نقل فرما کر تحقیق و تجزیہ کا معاملہ محققین و قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں۔ طبری کا بنیادی ماخذ ابو مخنف (م ۱۵۷/ ۱۷۰ھ) کے رسائل و روایات ہیں جو واقعہ کربلا کے بعد پیدا ہوا۔ لہذا قاتلین حسینؓ و رفقائے حسین کا تعین مذکورہ و غیر مذکورہ روایات کے باوجود آسان نہیں۔ مزید برآں یہ کہ بقول مولانا عبدالعلی فاروقی:۔

"معرکہ کربلا کی "بکائی تفصیلات" کی بنیاد ہی دروغ خالص اور افتراء محض پر رکھی گئی۔ میدان کربلا کے مناظر کی روایت کرنے والے نہ علیؓ (زین العابدین) اور زینب علیا ہیں، نہ ہی عمر بن سعد اور ابن زیاد۔ بلکہ ان مناظر کو (چشم دید راوی کے انداز میں) بیان کرنے والا تو ابو مخنف لوط بن یحیی ہے جو معرکہ کربلا کے وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ اور پھر تیسری صدی ہجری کی "تاریخ طبری" سے لے کر پندرھویں صدی ہجری تک ان "بکائی تفصیلات کو مالہ و ماعلیہ کے اضافوں کے ساتھ اتنی مرتبہ بیان کیا گیا کہ ابو مخنف کو خود بخود "اعتبار و تقدس کا مقام حاصل ہو گیا۔"

(مولانا عبدالعلی فاروقی، تبصرہ بر کتاب واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر در ماہنامہ "البدر" کاکوری، اپریل، مئی، ۱۹۹۱ء)۔

اس تمام پس منظر میں یہ بات مختلف فیہ ہو جاتی ہے کہ قتل حسینؓ و رفقائے حسین نیز واقعہ کربلا کی ذمہ داری حسین بن نمر، زرعہ بن شریک تمیمی، سنان بن انس، اهل کوفہ و عراق اور ابن زیاد پر کتنی کتنی عائد ہوتی ہے؟ اور اگر ابن زیاد کو سزا دی جاتی تو ورثائے حسینؓ کے مطالبے پر ساتھ ہی ان ہزاروں شیعان کوفہ کو بھی سزا ملتی جو سیدنا حسین کو دعوت دے کر غداری کے مرتکب قرار پائے تھے اور اصل مجرم تھے۔ اور اس تمام کاروائی کے نتیجہ میں یزید پر مزید یہ الزام عائد کیا جاتا کہ انتقام حسینؓ کے نام پر واقعہ کربلا کے بعد اس نے شیعان کوفہ کے ظالمانہ قتل عام سے درپردہ اپنے سیاسی

مخالفین یعنی شیعان کوفہ و عراق سے ذاتی انتقام لیا۔ اور اگر اس انتقام سے بچنے کے لئے ابن زیاد اور اہل کوفہ مل کر یزید کے خلاف بغاوت کر دیتے تو ایک اور مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ اور مزید انارکی پھیل جاتی۔

واقعہ کربلا کے حوالہ سے ابن زیاد کو سزا نہ دینے اور یزید پر دیگر الزام تراشیوں کے رد میں مولانا عامر عثمانی (جن کا غالباً بمبئی کے ایک نعتیہ مشاعرے میں شرکت کے دوران انتقال ہوا) کا یہ بیان بطور حاصل کلام قابل توجہ ہے:۔

"مبارک ہو شیعوں کو کہ انہوں نے خود تو حضرت حسینؓ کو کوفے بلایا اور بد ترین بزدلی اور عہد شکنی کے مرتکب ہو کر ان کی مظلومانہ موت کو دعوت دی لیکن الزام سارا ڈال دیا یزید کے سر اور حب حسینؓ کا ڈھونگ رچا کر بغض یزید کی وہ ڈفلی بجائی کہ اہل سنت بھی رقص کر گئے۔ کتنا کامیاب فریب ہے کہ اصلی قاتل تو سرخرو ہوئے۔ اور سیاہی مل گئی اس یزید کے منہ پر جو اپنی حکومت کی حفاظت کرنے میں اسی طرح حق بجانب تھا جس طرح دنیا کا کوئی بھی حکمران ہوتا ہے۔ ہم انسانی تاریخ میں کسی ایسے حکمران کو نہیں جانتے جس نے بوقت ضرورت اپنے تحفظ کے لئے ممکنہ تدابیر سے کام نہ لیا ہو۔ یزید ہی نے حضرت حسینؓ کو باز رکھنے کے لئے افسروں کو اقدام و انصرام کا حکم دیا تو یہ کوئی انوکھا فعل نہ تھا۔ ہاں اس نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ انہیں مار ڈالنا۔ جو کچھ پیش آیا بہت برا سہی مگر یزید قاتل نہ تھا نہ قتل کا آرڈر دینے والا۔ پھر بھی قتل کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہو تو اس میں سے کچھ حصہ بہت بڑا حصہ ان بدنہاد کوفیوں کو بھی تو دو جنہوں نے خطوں کے پلندے بھیج بھیج کر حضرت حسینؓ کو بلایا اور وقت آیا تو رسول اللہ کے نواسے کو ہجوم آفات میں چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ یہ سب شیعہ تھے پرلے سرے کے بوالفضول اور عہد شکن۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو بھی ناکوں چنے چبوائے۔ میدان وفا میں ہیچ بن گئے۔ اسد اللہ کی خیبر شکن تلوار کو کند کر کے رکھ دیا۔ اور پھر انہی کے عالی مقام بیٹے حسینؓ کو سبز باغ دکھا کر مروا دیا۔ آج یہ ناٹک کھیلتے ہیں کہ ہم حسین کے فدائی ہیں اور اس ناٹک میں کتنے ہی سنی حضرات بھی بطور آرکسٹرا شامل ہو گئے ہیں۔ واہ رے کمال فن! ہو سکے تو یزید دشمنی میں حد سے آگے جانے والے اہل سنت غور کریں کہ وہ کس معصومیت سے دھوکا کھا

گئے ہیں۔ کیسا جادو کا ڈنڈا ان کے سر پر پھیرا گیا ہے اور صحابہؓ کے دشمنوں نے کس طرح یزید کی آڑ میں نہ صرف حضرت معاویہؓ بلکہ یزید کی بیعت کرنے والے متعدد جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو سب و شتم کرنے کا راستہ نکالا ہے"۔

(عامر عثمانی، ماہنامہ تجلی، دیوبند، جولائی ۱۹۶۰ء، مضمون "یزید جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا")۔

جلیل القدر عالم دین مولانا مطلوب الرحمن ندوی نگرامی نصف صدی سے زائد عرصہ پہلے قتل حسینؓ کی ذمہ داری کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"علامہ ابن تیمیہ نے اپنی تصنیف "حسین و یزید" میں تفصیلی طور پر علماء حق کے طرز عمل کو واضح کیا ہے جہاں کسی افراط و تفریط کی گنجائش نہیں رکھی ہے۔ میں اس وقت قصداً حادثہ کربلا کی تفصیلات میں نہیں پڑنا چاہتا کہ بارہا اس واقعہ کی تفصیلات مسلمانوں کے سامنے آ چکی ہیں۔ اور یہ امر پایہ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ حضرت حسینؓ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں بڑا دخل خود ان کے معاونین شیعان علی کو تھا۔"

(مولانا مطلوب الرحمن نگرامی، تصویر کا دوسرا رخ، دوبارہ مطبوعہ در ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ، ستمبر - اکتوبر ۱۹۹۳ء، نیز ملاحظہ ہو واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، بیسوں پبلی کیشنز، ملتان، حصہ دوم، ص ۲۷۴)۔

اسی سلسلہ کلام میں مولانا نگرامی فرماتے ہیں:۔

"شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رسالہ "حسین و یزید" میں لکھتے ہیں کہ بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جو فوج لڑے گی اس کی بخشش ہو گی۔

اور معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ یزید نے یہ حدیث سن کر ہی فوج کشی کی ہو گی۔ بسا ممکن ہے، لیکن اس سے اس کے اس فعل پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی۔

ان حالات میں یزید کے معاملہ میں زبان و قلم پر پورا قابو رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔"

(حوالہ سابقہ، الفرقان، لکھنؤ، ستمبر، اکتوبر، ۱۹۹۳ء، نیز واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ملتان، حصہ دوم، ص ۲۸۲)

واقعہ کربلا اور شہادت حسینؓ کے سلسلہ میں غلط اور جھوٹی روایات و مبالغہ آرائی کے حوالہ سے امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

والذین نقلوا مصرع الحسین زادوا اشیاء من الکذب کما زادوا فی قتل عثمان و کما زادوا فیما یراد تعظیمه من الحوادث- و کما زادوا فی المغازی و الفتوحات وغیر ذلک- والمصنفون فی اخبار قتل الحسین، منهم من هو من اهل العلم کالبغوی و ابن أبی الدنیا و غیرهما، و مع ذلک فیما یروونه آثار منقطعة و امور باطلة - و ما یرویه المصنفون فی المصرع بلا اسناد فالکذب فیه کثیر- (ابن تیمیة، منهاج السنة، ج ۲، ص ۲۴۸).

ترجمہ:- جن لوگوں نے مقتل حسین نقل کیا ہے انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں جیسے کہ قتل عثمانؓ کے بیان میں، اور جیسے کہ ان حوادث کے بیان میں جن سے حسینؓ کی تعظیم مقصود ہے۔ اور جیسے کہ مغازی و فتوحات کے بیان میں جھوٹے اضافے کئے گئے ہیں۔ اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں جو اہل علم ہیں مثلاً بغوی و ابن ابی الدنیا، انہوں نے بھی باوجود اپنے علم و فضل کے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا ہے، اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں۔ لیکن جو کچھ مصنف بغیر سند کے اس حزنیہ کے بارے میں لکھتے ہیں اس میں تو بہت ہی زیادہ جھوٹ ہے۔

راویان واقعات کربلا کا مختصر جائزہ

۱- ابو مخنف لوط بن یحیی ازدی (م ۱۵۷ھ)

ابو مخنف لوط بن یحیی بن سعید بن مخنف الازدی، دور اول کے عرب محدثین اور مؤرخین میں سے ایک (م ۱۵۷ھ - ۷۷۴ء) "الفہرست" میں عربوں کی تاریخ کے مختلف واقعات پر جو زیادہ تر عراق سے متعلق ہیں، بتیس جداگانہ رسائل اس سے منسوب ہیں۔ جن کے مضامین کا بہت سا حصہ البلاذری اور الطبری کی تواریخ میں محفوظ ہو گیا ہے۔ جداگانہ تصنیفات جو ابو مخنف کے نام سے ہم تک پہنچی ہیں بعد کی ہیں اور جعلی طور پر اس کے نام سے لکھ دی گئی ہیں۔

اس کا پردادا مخنف گو حامیان علیؓ کی صف میں عراق کے ازدیوں کا سردار تھا۔ (اس کے حالات کے لئے دیکھئے ابن سعد، ج٦، ص٢٢ و نصر بن مزاحم: وقعۃ صفین، قاہرہ، ١٣٦٥ھ، اشاریہ)۔

لیکن ابو مخنف نے اپنے تاریخی بیانات میں خالص شیعی نقطۂ نظر کی جگہ زیادہ تر عراقی یا کوفی نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔

بحیثیت محدث اس کا شمار ضعیف اور غیر ثقہ راویوں میں ہوتا ہے۔"

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ جامعہ پنجاب لاہور، جلد اول، ص ٩٠٧-٩٠٨، طبع اول ١٩٦٤ء، مقالہ بعنوان "ابو مخنف" از ایچ اے آر گب)

تاریخ ابن جریر طبری (م ٣١٠ھ)، ابن الاثیر (م ٦٣٠ھ) کی "الکامل فی التاریخ" اور ابن کثیر الدمشقی (م ٧٧٤ھ) کی "البدایہ والنھایہ" کی بیان کردہ زیادہ تر تفصیلات بسلسلہ واقعہ کربلاو عصر یزید کا ماخذ اسی ابو مخنف کے رسائل ہیں۔

ابن الاثیر اور ابن الکثیر کا ماخذ تاریخ الطبری ہے اور تاریخ الطبری میں واقعات عصر یزید و کربلا کا راوی یہی ابو مخنف لوط بن یحیی ازدی ہے۔ جو واقعہ کربلا کے تقریباً نصف صدی بعد پیدا ہوا۔ اور اس کی روایات رطب و یابس کا خوفناک مجموعہ ہیں۔

علامہ سید محمود احمد عباسی "واقعات کربلا اور ان کے راوی" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:-

"یہ حقیقت ہے کہ کربلا کے جو واقعات عام طور سے مشہور ہیں اور کتابوں میں درج ہیں، ان کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں۔ اصلیت کیا ہے اس کا سراغ لگانا اور سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا بڑا دشوار ہے۔ راویوں میں سے کسی کا اپنا کوئی چشم دید واقعہ مطلق نہیں، سب کے سب سماعی ہیں۔ قدیم ترین راوی ابو مخنف لوط بن یحیی دوسری صدی ہجری کے اس قماش کے راوی ہیں کہ ائمہ رجال نے انہیں "شیعی محترق" یعنی کٹر شیعہ اور دروغ گو "کذاب" کہا ہے۔ خانہ جنگیوں پر ان کی متعدد تالیفات ہیں۔ جنگ جمل و صفین و نہروان کے علاوہ کربلا پر "مقتل ابو مخنف" ان کا مشہور ہے جو مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے مملو ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر روایتیں خود انہی کی مخترعات ہیں۔ ان کے سارے ذخیرے کو ابن جریر طبری نے

"قال ابو مخنف" کی تکرار کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کر لیا- اور طبری سے دوسرے مؤرخین نے نقل کیا ہے- اس طرح ان موضوعات کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا-

کربلا کے حادثے کے زمانہ میں ابو مخنف کا تو اس دنیا میں وجود ہی نہ تھا، ان کا سن وفات امام ذہبی نے ۱۷۰ھ کے لگ بھگ بتایا ہے (میزان الاعتدال، جلد ۲، ص ۲۶۰)- اور بعض لوگوں نے سن ۱۵۷ھ یعنی واقعہ کربلا کے تقریباً سو سال بعد-

اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ وہ کس ذہنیت کے راوی تھے- چنانچہ آئمہ رجال کے اقوال ان کے بارے میں سنتے چلئے-

صاحب "کشف الاحوال فی نقد الرجال" (ص ۹۲) لکھتے ہیں:-

لوط بن یحیی ابو مخنف کذاب-

اسی طرح صاحب "تذکرۃ الموضوعات" نام لکھ کر "کذاب" کے لفظ سے ان کا تعارف کراتے ہیں (ص ۲۸۶)-

سیوطی نے "اللالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" (ص ۳۸٦) میں ابو مخنف اور اس کے ہم داستان الکلبی دونوں کے بارے میں لکھا ہے:-

لوط و الکلبی کذابان-

امام ذہبی "میزان الاعتدال" میں ابو مخنف کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ:-

لا یوثق به ترکه ابو حاتم وغیرہ- کسی اعتبار کے لائق نہیں- ابوحاتم وغیرہ (ائمہ جرح و تعدیل) نے اسے متروک قرار دیا ہے-

قال الدارقطنی: ضعیف- قال ابن معین: لیس بثقة- قال مرۃ: لیس بشئی- قال ابن عدی: شیعی محترق صاحب اخبارهم-

دارقطنی نے کہا کہ: وہ ضعیف ہے- ابن معین کہتے ہیں کہ: وہ اعتماد کے لائق نہیں- مرۃ فرماتے ہیں کہ: وہ تو کوئی چیز ہی نہیں- ابن عدی نے کہا ہے کہ: وہ تو کٹڑ شیعہ ہے- اور شیعوں ہی کی خبریں روایت کرتا ہے-

غرضیکہ سب نے ان کو ناقابل اعتماد، دروغ گو بتایا ہے- حتی کہ "تاج العروس شرح القاموس" (جز ٦، فصل ۵، ص ۱۰۵) میں ابو مخنف کا "اخباری شیعی تالیفه متروک" کہہ کر تعارف کرایا ہے-

اسی طرح صاحب "معجم الادباء" نے (ج ۲، ص ۱۴۱) ان کے بارے میں ائمہ رجال کا یہ قول نقل کیا ہے: هو كوفي ليس حديثه بشئى - یعنی وہ کوفی تھا، اس کی روایتیں کسی کام کی نہیں۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۱۳-۲۱۴، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء)۔

اسی سلسلہ کلام میں عباسی مزید فرماتے ہیں:۔

"۲- محمد بن سائب الکلبی

اب ابو مخنف کے ہم داستانوں کا بھی حال سنئے۔ ایک تو محمد بن السائب الکلبی ہے اور دوسرا اس کا بیٹا ھشام۔

محمد بن السائب الکلبی ابو النصر الکوفی کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں کہ:۔

"كان الكلبى سبائياً من اولئك الذين يقولون ان علياً لم يمت وانه راجع الى الدنيا و يملأها عدلاً كما ملئت جورا- (ميزان الاعتدال، ج ٣، ص ٦٢)-

یہ الکلبی سبائی تھا۔ اور ان لوگوں میں سے تھا جو کہتے ہیں کہ علی کو موت نہیں آئی، وہ لوٹ کر دنیا میں آئیں گے اور اس کو عدل سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح ظلم سے بھری ہوئی ہے۔

دیگر ائمہ رجال کے چند اقوال اس سبائی راوی کے بارے میں اور بھی سنئے:۔

قال ابن معين:- الكلبى ليس بثقة-

قال الجوز جانى وغيره:- كذاب-

قال الدارقطنى و جماعة :- متروك- قال الأعمش:-

أتق هذا السبائى، انى ادركت الناس يسمونهم الكذابين-

یحیی بن معین کہتے ہیں:۔ کہ الکلبی لائق اعتماد نہیں۔

جوزجانی وغیرہ ائمہ رجال کہتے ہیں:۔ وہ کذاب تھا۔

دار قطنی اور ائمہ رجال کی ایک جماعت نے اسے "متروک" قرار دیا ہے۔

اعمش نے کہا ہے کہ اس سبائی (الکلبی) سے بچتے رہو کیونکہ میں نے ایسے اشخاص کو پایا جو ان کو کذابین سے موسوم کرتے تھے۔"

(محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۱۴-۲۱۵ کراچی، جون ۱۹۶۲ء)۔

۳- ھشام بن محمد بن سائب الکلبی

محمود عباسی، راوی ہشام کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"اس الکلبی کا بیٹا ھشام بھی راوی ہے اور کوئی ڈیڑھ سو رسائل و کتابوں کا مؤلف بھی ہے۔ اس کا پورا نام ہے، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ابو المنذر۔

ائمہ رجال اس کے بارے میں کہتے ہیں:-

قال الدارقطنی وغیرہ:- متروک.

قال ابن عساکر:- رافضی لیس بثقة - (میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۵۶)-

دارقطنی وغیرہ (ائمہ رجال) نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔

ابن عساکر نے کہا ہے کہ وہ رافضی ناقابل اعتماد ہے۔"

(محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۱۵)-

"شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی ان سب راویوں کو کذاب بتایا ہے، فرماتے ہیں:-

ابو مخنف و هشام بن محمد بن السائب و امثالهما من المعروفين بالكذب عند اهل العلم- (منهاج السنة، ج ۱، ص ۱۳)-

ابو مخنف اور ھشام بن محمد بن السائب اور ان جیسے راویوں کا دروغ گو اور جھوٹا ہونا تو اہل علم کے یہاں مشہور و معروف ہے۔

الغرض یہ ہیں وہ راوی اور اسی وضع و قماش کے چند اور، جن کی وضعی روایتوں سے داستان کربلا مرتب ہوئی۔ عقیدت و توہم پرستی سے ذرا ہٹ کر دیکھئے تو ان کا سرمایہ زور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ کچھ کذب و افتراء ہے، کچھ کذب حق نما، فرماتے ہیں:-

والذين نقلوا مصرع الحسين زادوا شياء من الكذب كما زادوا فى قتل عثمان و كما زادوا فيما يراد تعظيمه من الحوادث- و كما زادوا فى المغازى و الفتوحات وغير ذلک-

والمصنفون فى اخبار قتل الحسين، منهم من هو من اهل العلم كالبغوى وا ابن ابى الدنيا وغيرهما- ومع ذلک فيما يروونه آثار منقطعة و امور باطلة- وما يرويه المصنفون فى المصرع بلا اسناد فالكذب فيه

کثیر-" (منہاج السنۃ، ج ۲، ص ۲۴۸)۔

اور جن لوگوں نے حسین کا حزنیہ نقل کیا ہے انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں جس طرح قتل عثمانؓ کے سلسلہ میں جھوٹی باتیں بڑھا دیں۔ یا جیسے کہ ان حوادث کے بیان میں جن سے حسین کی تعظیم مقصود ہے۔ اور جیسے کہ مغازی اور فتوحات وغیرہ کے بیان میں جھوٹے قصے بڑھا دیئے ہیں۔ اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں جو اہل علم ہیں مثلاً بغوی اور ابن ابی الدنیا، انہوں نے بھی باوجود اپنے علم و فضل کے جو کچھ اس بارے میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں۔ لیکن جو مصنف بغیر سند کے اس حزنیہ کے بارے میں لکھتے ہیں ان میں تو بہت ہی زیادہ کذب ہے۔"

(محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۱۵-۲۱۶)۔

"ایک شیعہ مؤرخ کا تبصرہ بسلسلہ روایات کربلا

یہاں داستان کربلا کی وضعی و من گھڑت روایتوں اور امور باطلہ کی تفصیل کا موقع نہیں، زمانہ حال کے ایک شیعہ مؤلف فرماتے ہیں کہ:۔

صدہا باتیں طبعزاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ سچ کو جھوٹ سے جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا۔

ابو مخنف لوط بن یحیی ازدی کربلا میں خود موجود نہ تھے۔ اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے بھی سماعی لکھے۔

لہذا مقتل ابو مخنف پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھر لطف یہ کہ "مقتل ابو مخنف" کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں۔ اور ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ شہادت امام حسین کے متعلق تمام واقعات ابتداء سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر قائم ہو جائیں۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۱۶، بحوالہ مجاہد اعظم مؤلفہ شاکر حسین امروہوی نقوی، ص ۱۷۸)۔

ابن جریر طبری کے شیعی افکار و رجحانات

علامہ عباسی، ابن جریر طبری کے شیعی و تفضیلی افکار و رجحانات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"خود علامہ ابن کثیرؒ نے جو ان کو "احد ائمة الاسلام" کہتے ہیں، یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب ماہ شوال ۳۱۰ھ میں بغداد میں ان کی وفات ہوئی تو اہل سنت میں سے حنابلہ کی ایک جماعت نے ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا۔ اس لئے ان کو ان کے مکان ہی کے اندر دفن کیا گیا۔

و دفن فی داره لأن بعض عوام الحنابلة و رعاعهم منعوا من دفنه نهاراً ونسبوه الی الرفض- (البداية و النهاية، ج ۱۱، ص ۱۳۲)-

اور (ابن جریر طبری) کو ان کے گھر میں دفن کیا گیا کیوں کہ بعض عوام حنبلیوں اور ان کے حوالی موالیوں نے ان کی میت کو دن میں دفن نہ ہونے دیا اور ان کو رفض سے نسبت دی یعنی رافضی بتایا۔

یہ تو ان کے معاصرین کی باتیں تھی آج بھی ان کی تالیفات کا دقت نظر سے مطالعہ کرنے سے بخوبی واضح ہے کہ ان کا میل اور رجحان شیعیت و تفضیلت کی جانب کس درجہ ہے۔ ابو مخنف وغیرہ کذابین کی وضعی روایتوں کی اپنی کتاب میں بھرمار بھی اس کا ایک ثبوت ہے۔

پھر حضرت علیؓ سے جن صحابہؓ کا سیاسی اختلاف رہا، ان کی تنقیص میں وضعی روایات کو اپنی کتاب میں اکثر و بیشتر درج کیا ہے۔ خصوصاً حضرت معاویہ اور یزید بن معاویہؓ کی تنقیص بلکہ سب و شتم کی خرافات کو۔" (محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۱۹)

اس پس منظر میں بنو ہاشم کی طرح قریشی النسب بنو امیہ کے مخالفین اور شیعان کوفہ و عراق کے سیاسی حلیف بنو عباس کے دور خلافت (۱۳۲-۶۵۶ھ) میں تالیف شدہ کتب تاریخ (تاریخ طبری، م ۳۱۰ھ و تواریخ مابعد) میں یزید و بنو امیہ کے ساتھ واقعہ کربلا و دیگر حوالوں سے جو "حسن سلوک" روا رکھا گیا ہو گا، اس کا اندازہ با آسانی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود سیدنا معاویہ و بنو امیہ اتنے سخت جان نکلے کہ ان کے حق میں موجود مثبت روایات کو سو فی صد محو نہ کیا جا سکا۔ حتی کہ عصر یزید میں سانحہ کربلا پر یزید کے اظہار

تاسف اور پسماندگان کربلا کی دمشق سے بطریق احسن مدینہ واپسی اور دست در دست یزید کی حسینی پیشکش کی روایات بھی (خواہ منفی روایات کے ہمراہ ہی سہی) صفحات تاریخ سے محو نہ کی جا سکیں۔ والفضل ما شهدت به الاعداء۔

پیر طریقت علامہ محمد قمر الدین سیالویؒ، طبری، واقدی، کتاب الامامہ والسیاسہ کے مؤلف شیعہ ابن قتیبہ (مشہور عام ابن قتیبہ نہیں)، اور دیگر مؤرخین عصر عباسی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے سیدنا علیؓ و معاویہؓ کے مابین قصاص عثمان کی بناء پر اختلافات کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"واعلم ايضا، أن الروايات التى تدل على تفصيل تلك المناقشة، فاما منقول الطبرى المؤرخ فهو مردود الرواية حسب تصريح كتب اسماء الرجال، وهذا ابن جرير الطبرى شيعى بلاريب- وأما ابن جرير الطبرى المفسر فهو من الثقات-

واما منقول من ابن قتيبة صاحب "الامامة والسياسة" فهو كذاب وضاع- واما منقول من الواقدى المؤرخ فهو كذلك لم يرو عنه ولم يعتمد على روايته-

وأمر متيقن بأن فى روايات تلك المناقشة دخل دخيل من قبل الوضاعين الكذابين فكيف نقتضى اثرهم و نخالف الأمر المتيقن بأن سيدنا معاوية رضى الله تعالى عنه صاحب رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وصحبه بلا ريب و بلاشك، وأنة كاتب الوحى وأنه أخ لأم المؤمنين رضى الله تعالى عنها، وأنه قامع فتن اليهود بالشام والعراق، وأن حكمته أخمدت نار العجم كمالا يخفى"-

(مفتی قاری غلام احمد، انوار قمریہ، مطبوعہ لاہور، اپریل ۱۹۹۱ء، ص ۲۳۳-۲۳۵، وصیت نامہ علامہ محمد قمر الدین سیالوی)۔

ترجمہ:- اور یہ بھی جان لو کہ وہ روایات جو اس باہم اختلاف (سیدنا علی و معاویہ) پر دلالت کرتی ہیں یا تو مؤرخ طبری سے منقول ہیں جو اسماء الرجال کی کتابوں کی صراحت کے مطابق مردود الروایت ہے، اور یہ ابن جریر طبری بلاشک و شبہ شیعہ ہے۔ البتہ مفسر ابن جریر طبری (علیحدہ اور) قابل اعتماد ہیں۔

یا پھر یہ روایات "الامامہ والسیاسہ" والے ابن قتیبہ سے منقول ہیں، جو کہ کذاب اور جھوٹی روایتیں گھڑنے والا ہے۔ یا پھر یہ روایات مؤرخ واقدی سے منقول ہیں۔ اس

سے بھی روایت نہیں لی جاتی اور نہ اس کی روایتوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

اور یہ یقینی امر ہے کہ اس باہم اختلاف و نزاع (سیدنا علیؓ و معاویہؓ) کی روایات میں جعلی روایات گھڑنے والے کذابوں نے بہت کچھ اپنے پاس سے گھڑ کر داخل کر دیا ہے۔ پس ہم ان کے پیچھے چل کر کیونکر فیصلہ کر سکتے ہیں اور اس یقینی امر کے خلاف کیسے جا سکتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ رسول اللہ ﷺ کے بلا کسی شک و شبہ کے صحابی اور کاتب وحی ہیں۔ نیز ام المؤمنین (سیدہ ام حبیبہؓ) کے بھائی ہیں جنھوں نے شام و عراق میں یہود کے فتنوں کا قلع قمع کیا اور جن کی حکمت نے عجم کے آتش کدے سرد کر دیئے، جیسا کہ مخفی نہیں۔

جناب شاکر حسین نقوی شیعی اور علامہ قمر الدین سیالویؒ کے بیانات کی روشنی میں یہ بھی واضح رہے کہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں تمام مؤرخین کا انحصار ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) کی "تاریخ الامم والملوک" المعروف بہ تاریخ الطبری پر ہے۔ انہی سے ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) نے "الکامل فی التاریخ" اور ابن کثیر "م ۷۷۴ھ) نے "البدایہ والنھایہ" میں بکثرت روایات نقل فرمائی ہیں۔ اور خود طبری کے غالب شیعی رجحانات ظاہر و باہر ہیں۔ نیز طبری کا انحصار بالعموم ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی (م ۱۵۷ھ) کے رسائل "مقتل ابی مخنف" وغیرہ پر ہے جن کے مختلف نسخوں میں باہم شدید اختلافات ہیں۔ اور ابو مخنف جو واقعہ کربلا کے بعد پیدا ہوا، محدثین کے نزدیک راسخ العقیدہ شیعہ اور کذاب و ناقابل اعتبار راوی ہے۔ پھر اس کی بیان کردہ روایات واقعہ کربلا، سیدہ زینبؓ و ام کلثومؓ و سیدنا علی زین العابدینؒ وغیرھم سے مروی نہیں، بلکہ بالعموم غیر معروف و غیر موجود راویان کی مرہون منت اور رطب و یابس کا مجموعہ ہیں۔ لہذا خلافت علوی میں اختلافات صحابہ کرامؓ، نیز بعد ازاں واقعہ کربلا وغیرہ کے سلسلہ میں طبری نیز ابو مخنف جیسے شیعی مؤرخین پر انحصار نے صحابہ و تابعین کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔ پس اکابر امت کے نزدیک ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) کی طرح نقد تاریخ اور قرآن و سنت کے بیان کردہ مقام صحابہ و تابعین کو ملحوظ و مقدم رکھنا لازم ہے۔

اس موقع پر مولانا عامر عثمانی مدیر "تجلی" دیوبند کا یہ قول بھی طبری جیسے حضرات

کو سنی قرار دینے والوں کو "سنی طبری" کی شیعیت یا تفضیلت کا احساس دلا سکتا ہے کہ:-

"تشیع کسی نسلی و پیدائشی وصف کا نام نہیں ہے۔ یہ تو ذہن کے ایک خاص رجحان اور کیفیت کا نام ہے۔ پہلے بھی کتنے ہی ایسے بزرگ ہو گزرے ہیں جو باوجود سنی ہونے کے ذہنی طور پر شیعہ یا نصف شیعہ ہی تھے۔ آج بھی بے شمار سنی ہیں جو پوری معصومیت کے ساتھ فکری اعتبار سے تشیع کے زندانی ہیں۔"

(عامر عثمانی، ماہنامہ تجلی دیوبند، جولائی ۱۹۶۰ء، مضمون یزید جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا)۔

تاریخ طبری کے مذکورہ راویان کے بارے میں امام ابن تیمیہ کا مختصر مگر جامع قول خلاصہ و نتیجہ کلام ہے کہ:-

"ابو مخنف و هشام بن محمد بن سائب و امثالهما من المعروفين بالكذب عند اهل العلم-" (ابن تیمیہ، منہاج السنۃ، جلد اول، ص ۱۳)-

ترجمہ:- ابو مخنف، ہشام بن محمد بن سائب اور ان جیسے دیگر حضرات کا جھوٹا اور کذاب ہونا اہل علم کے ہاں معروف و معلوم بات ہے۔

خلاصہ و نتیجہ کلام بسلسلہ خلافت یزید و حسینؓ و کربلا

خلافت یزید نیز حسینؓ و کربلا کے حوالہ سے مذکورہ سابقہ تفصیلات و مباحث سے درج ذیل نقاط پر مبنی خلاصہ و نتیجہ نکالا جا سکتا ہے:-

۱- یزید کی بیعت خلافت (رجب ۶۰ - ربیع الاول ۶۴ھ) تقریباً چھپن لاکھ مربع میل پر محیط پورے عالم اسلام کے صحابہ و تابعین و عامتہ المسلمین نے کی، جن میں سیدنا عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن جعفر طیار، محمد بن علی ابن الحنفیہ اور دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم، صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ مگر نواسہ رسول سیدنا حسینؓ بن علیؓ اور برادر زادہ نبی ؐ و علیؓ و نواسہ ابوبکرؓ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نیز ہر دو کے رفقاء و مؤیدین کی کثیر تعداد نے بیعت خلافت یزید نہیں کی۔

۲- سیدنا حسینؓ و ابن زبیرؓ نے ابتدائے خلافت یزید میں بیعت یزید سے بچتے ہوئے مدینہ سے تقریباً بیک وقت مکہ کا سفر اختیار کیا اور وہیں قیام فرمایا۔ سیدنا ابن زبیر

نے مکہ ہی میں مستقل قیام فرما کر بلا بیعت خلافت یزید خروج و مقاومت کا عمل جاری رکھا۔ یہاں تک کہ یزید کی وفات (۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ) کے بعد انہوں نے اپنی امامت و خلافت کا باقاعدہ اعلان کر کے حجاز و عراق سمیت عالم اسلام کے بہت بڑے حصہ پر اپنی خلافت (۶۴-۷۳ھ) تقریباً دس برس تک قائم رکھی۔ پھر حجاج بن یوسف کی امارت عراق کے زمانہ میں مکہ میں لشکر حجاج سے لڑتے ہوئے ۷۳ھ میں شہادت پائی۔

۳- سیدنا حسینؓ بن علیؓ نے مکہ معظمہ میں چار ماہ سے زائد عرصہ (شعبان-ذوالحج ۶۰ھ) قیام فرمایا۔ اس دوران میں نہ تو انہیں حکام کی طرف سے بیعت یزید پر مجبور کیا گیا، نہ شیعان کوفہ و عراق کے وفود و خطوط کی آمد و رفت پر کوئی خاص پابندی عائد کی گئی۔ چنانچہ اٹھارہ ہزار سے زائد خطوط شیعان کوفہ نیز وفود کوفیان کے پیہم اصرار کے نتیجہ میں سیدنا حسین نے سیدنا علیؓ و حسنؓ کے سابقہ تلخ تجربات کے علم و معرفت کے باوجود ایک بار پھر شیعان کوفہ و عراق کو خانوادہ علی کے ساتھ اپنے دعویٰ وفاداری کو ثابت کرنے کا موقع دیا، مگر سابقہ غداریوں کے پیش نظر احتیاطاً مسلم بن عقیل سے تصدیق احوال کوفیان بھی کروالی۔

۴- مسلم بن عقیلؓ کی جانب سے ہزاروں شیعان کوفہ کے دست مسلم پر بیعت خلافت حسینؓ کر لینے کی اطلاع اور دعوت سفر کوفہ پر سیدنا حسین نے سفر کوفہ اختیار فرمایا تاکہ یزید کے مقابلہ میں اپنی رائے کے مطابق بہتر حسینی خلافت کا قیام عمل میں لایا جا سکے۔ مگر اکابر قریش و بنی ہاشم، صحابہؓ و تابعینؒ کی کثیر تعداد نے آپ کو خروج و سفر کوفہ سے منع فرمایا جس میں شہادت عثمانؓ و خلافت علیؓ کی خانہ جنگیوں کے ہولناک نتائج کے بعد حسین و یزید، عراق و شام اور امت اسلام کے باہم تصادم و خانہ جنگی سے عالم اسلام کو بچانے کا جذبہ بھی کار فرما تھا۔ ابن الحنفیہؒ جیسے اکابر قریش و بنی ہاشم کے نزدیک شیعان کوفہ و عراق قطعاً ناقابل اعتبار تھے۔ مگر سیدنا حسینؓ، مسلم بن عقیل کا پیغام ملنے کے بعد مکہ سے عازم کوفہ ہو گئے۔

۵- سیدنا نعمان بن بشیرؓ کے بعد عبیداللہ ابن زیاد کے امیر کوفہ مقرر ہونے پر مسلم بن عقیلؓ اور ان کے میزبان ہانی بن عروہ کو قتل کر دیا گیا اور ہزاروں شیعان کوفہ مسلم کے ہاتھ پر بیعت خلافت حسینؓ کرنے کے بعد غداری کرتے ہوئے ابن زیاد

کے ہاتھ پر بیعت خلافت یزید کر گئے، جس کی اطلاع سیدنا حسین کو دوران سفر ملی۔ چنانچہ کوفہ و عراق ہاتھ سے نکل جانے کی خبر پر آپ نے نئی صورت حال میں طلب خلافت کا ارادہ منسوخ کرتے ہوئے واپسی کا ارادہ فرمایا، مگر بنو عقیل نے انتقام مسلم کے بغیر واپسی سے انکار کر دیا۔ چنانچہ سیدنا حسین اپنی اصابت رائے و مشاورت کے تقاضہ کے برعکس بنو عقیل کے اصرار کی بناء پر پیش قدمی فرماتے رہے، اور جب قدرے تاخیر سے بنو عقیل سمیت آپ کے جملہ رفقاء کو بھی حالات کی سنگینی کے پیش نظر واپسی ہی مناسب نظر آئی تو لشکر حر بن یزید تمیمی نے محاصرہ کر کے واپسی کی راہیں مسدود کر دیں۔ پھر ابن سعد کا دستہ لشکر آن پہنچا اور دمشق جانے کی راہ بھی باقی نہ رہی، اور نہ دخول کوفہ کی صورت بچی۔ بالآخر آپ فرات کے کنارے سرزمین کربلا میں خیمہ زن ہونے پر مجبور ہوئے۔

۶- سیدنا حسینؓ نے خونریزی سے بچنے اور صلح و مفاہمت کی خاطر آخر وقت میں اپنے عزیز (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد) امیر لشکر عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو مدینہ واپسی یا سرحدوں کی جانب برائے جہاد روانگی یا دمشق میں اپنے چچا زاد یزید بن معاویہؓ کے ہاتھ میں ہاتھ رکھنے کی تین شرائط پر مبنی پیشکش فرمائی۔ جسے ابن سعد نے بخوشی منظور کرتے ہوئے امیر کوفہ ابن زیاد کی منظوری کے لئے بھیجا، مگر ابن زیاد نے یزید کو اطلاع کئے بغیر خلاف توقع شمر بن ذی الجوشن کے مشورہ کے مطابق دست در دست یزید سے پہلے دست در دست ابن زیاد کی شرط سے مشروط کر دیا، جسے سیدنا حسینؓ نے قبول نہ فرمایا، کیونکہ وہ یزید کے مقابلے میں نہ صرف ابن زیاد کو کمتر و ناقابل اعتبار سمجھتے تھے، بلکہ مسلم بن عقیل کا حشر دیکھتے ہوئے انہیں یقین تھا کہ ابن زیاد ان کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرے گا، جبکہ یزید اس کی نسبت نرم و مہربان ہو گا۔ چنانچہ لشکر حسینی و لشکر کوفیان کے درمیان دس محرم ۶۱ھ (ستمبر ۶۸۱ء) کو خونریز تصادم ہوا جس میں سیدنا حسین اور ان کے پندرہ بیس عزیز و اقارب نیز پچاس سے زائد (او بروایت دیگر سو تا دو سو) اعوان و انصار اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہوئے شہید و مقتول ہوئے۔

ایک دوسری رائے کے مطابق جب شیعان کوفہ کے نام لے لے کر سیدنا

حسینؓ نے انہیں شرم دلائی کہ ہزاروں خطوط کے ذریعے دعوت نیز مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت خلافت حسینی کر لینے کے بعد غداری تمہارے لئے باعث ننگ وعار ہے تو کوفیوں کو خدشہ ہوا کہ اگر سیدنا حسین نے یزید سے صلح و مفاہمت کے بعد خطوط کوفیان، یزیدی حکومت کے حوالے کر دیئے تو ان کے خلاف سرکاری کارروائی ہو گی۔ لہذا انہوں نے اپنے خطوط کے پلندوں کے حصول کی خاطر خیمہ ہائے لشکر حسینی پر حملہ کر دیا اور باہم تصادم میں سیدنا حسین و رفقائے حسین نے شہادت پائی۔

۷۔ دس محرم یا سات محرم سے بندش آب کی روایات الفاظ و معانی کے لحاظ سے متنوع ہیں جن کے مطابق فرات کا قریبی گھاٹ روکا گیا۔ نیز اس بندش کے بعد دور کے گھاٹ سے پانی لایا جاتا رہا اور سینکڑوں مرد و زن اور سواری کے جانور اس پانی سے اپنی پیاس بجھاتے اور حوائج ضروریہ پوری کرتے رہے۔ شیعی روایات کے مطابق بندش آب کے بعد گڑھے کھود کر صاف قابل قبول پانی کی فراہمی کا بھی انتظام کیا گیا۔ علاوہ ازیں تعداد رفقائے حسین، تعداد شہدائے کربلا، تفاصیل واقعات کربلا پسماندگان قافلہ حسینی کے احوال سمیت جملہ روایات میں سے خود محققین اہل تشیع کے نزدیک کچھ سرے سے غلط، کچھ مشکوک و مبہم، کچھ مبالغہ آمیز اور ناقابل اعتبار ہیں، جن کا زیادہ تر راوی واقعہ کربلا کے بعد پیدا ہونے والا ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی (م ۱۵۷ھ/ ۱۷۰ھ) ہے۔ جس نے متفرق و مجہول راویان سے روایات حاصل کیں اور پھر طبری نے انہیں بلا تحقیق اپنی تاریخ میں نقل فرما دیا۔ اور بعد کے مؤرخین (ابن الاثیر و ابن کثیر وغیرہ) نے یہی روایات طبری اپنی تواریخ میں نقل فرما دیں۔

۸۔ شہادت حسینؓ و رفقائے حسین کے بعد خواتین و پسماندگان حسین کو سر حسین سمیت ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا گیا، جہاں سے قافلہ حسینی یزید کے پاس دمشق پہنچا۔ البتہ سیدنا حسین کا سر مبارک یزید کے پاس کوفہ سے دمشق لے جانے والی روایت غلط اور باطل ہے، کیونکہ نہ صرف اس کے راوی مشکوک و مجہول ہیں، بلکہ بقول ابن تیمیہ دربار یزید میں سر حسینؓ لے جانے جانے کے وقت سیدنا انس بن مالک و ابو برزہ اسلمی وغیرہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی کا تذکرہ اس روایت کو درایتاً بھی باطل قرار دیتا ہے، کیونکہ مذکورہ صحابہ کرامؓ شام کے بجائے عراق میں قیام پذیر تھے۔ لہذا ابن زیاد کی

مجلس کوفہ میں تو ان کی موجودگی قرین قیاس ہو سکتی ہے، سینکڑوں میل دور دربار یزید اور شہر دمشق میں موجودگی ممکن نہیں۔

۹- یزید پر شہادت حسینؓ و رفقائے حسین کے سلسلہ میں کوئی ذمہ داری بنیادی طور پر عائد نہیں ہوتی، کیونکہ نہ تو یہ بات ثابت ہے کہ اس نے قتل حسین کا حکم دیا، اور نہ ہی اس نے قتل حسینؓ پر خوشی اور رضامندی ظاہر کی بلکہ الٹا ابن زیاد پر لعنت بھیجی۔ چنانچہ متعدد روایات کے مطابق یزید نے حادثہ کربلا و شہادت حسین و رفقائے حسین پر اظہار رنج و غم کیا، ابن زیاد پر لعنت بھیجی اور یہاں تک کہا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو اپنی جان پر کھیل کر بھی حسینؓ کو بچا لیتا، اور اگر ابن زیاد کی حسینؓ سے رشتہ داری ہوتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتا۔ بعد ازاں قافلہ حسینی کو خاص رشتہ دار ہونے کی بناء پر حرم سرائے شاہی میں ٹھہرایا اور مہمان نوازی و تلافی اموال کے بعد سیدنا علی زین العابدین و سیدہ زینب و ام کلثوم کی خواہش کے مطابق محافظین کے ہمراہ بحفاظت مدینہ روانہ کیا، اور بعد ازاں وفات یزید تک خانوادہ حسینی کے خلیفہ یزید کے ساتھ عمدہ تعلقات برقرار رہے۔

۱۰- یزید اپنی چار سالہ امامت و خلافت میں ابن زیاد کو اس کی غلطی و جرم کی لعن و مذمت کے علاوہ کوئی سزا نہ دے پایا جس طرح کہ سیدنا علیؓ اپنی پنج سالہ خلافت راشدہ میں انتظامی مجبوریوں کی بنا پر قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہ لے پائے۔ اس میں نہ صرف ابن زیاد کے شیعان کوفہ کو مغلوب رکھنے کے کارنامہ کو دخل تھا بلکہ سزا دینے کی صورت میں ابن زیاد و شیعان کوفہ کی بغاوت کا بھی خطرہ تھا۔ نیز ابن زیاد کے ساتھ سیدنا حسین کو سفر کوفہ پر ابھارنے والے ہزاروں غداران کوفہ کو بھی سزا دینا لازم قرار پاتا جس پر انتقام حسینؓ کی آڑ میں شیعان حسین کے قتل عام کا زائد الزام بھی یزید پر عائد کیا جا سکتا تھا۔

۱۱- امام غزالی و ابن تیمیہ جیسے اکابر امت نے یزید کو واقعہ کربلا و شہادت حسینؓ کا ذمہ دار قرار نہیں دیا اور نہ ہی اس حوالہ سے لعن یزید کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ امام غزالی سمیت بہت سے اکابر امت بحیثیت مسلمان یزید کے لئے دعائے رحمت (رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی جائز و مستحب قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس علامہ تفتازانی جیسے کئی

اکابرامت یزیدؒ کو منفی تاریخی روایات کی بناء پر قتل حسینؓ اور واقعہ کربلا کا ذمہ دار سمجھتے ہیں اور جواز لعن ثابت کرتے ہیں۔ البتہ جواز لعن کے قائل اکابرامت کے نزدیک بھی یزید کی جانب سے توبہ واستغفار اور خدا کی جانب سے مغفرت یزید کا امکان موجود ہے. لہذا احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ قاتلین عمرؓ و عثمانؓ و طلحہؓ و زبیرؓ پر لعنت کی طرح قاتلین حسینؓ پر بھی بغیر نام لئے لعنت بھیجی جائے، اس طرح جو جو مستحق لعنت ہے اس پر خود بخود لعنت پڑجائے گی، اور غیر مستحق پر لعنت کے اس خطرہ سے بچا جاسکے گا، جس کی صورت میں لعنت الٹا لعنت بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے۔

۱۲- حدیث مغفرت جملہ مجاہدین لشکر اول قسطنطنیہ، حدیث شوکت اسلام در زمان بارہ قریشی خلفاء وحدیث "خیر امتی قرنی" وغیرہ کی رو سے اکابرامت کی کثیر تعداد کے نزدیک یزید، صحابی زادہ و تابعی، مغفرت یافتہ اور برحق خلیفہ اسلام ہے۔ جبکہ دیگر علماء کے نزدیک ان احادیث کے باوجود ایسی تشریح و تاویل کی گنجائش موجود ہے، جو یزید کو ان احادیث کا مصداق قرار دینے میں مانع ہوسکتی ہے۔ اس صورت حال میں اس رائے کو کافی حد تک قبولِ عام و اتفاق رائے حاصل ہوچکا ہے کہ دینی و تاریخی روایات کی تاویل و تشریح و صحت وعدم صحت راویان کے حوالہ سے یزید کو بالیقین کافر و ملعون یا قتل حسینؓ کا ذمہ دار قرار دینا ممکن نہیں، لہذا یزید کو مومن و مسلم تسلیم کرتے ہوئے اس کے بارے میں کسی قسم کے منفی کلمات یا لعن طعن سے سختی سے اجتناب لازم ہے، کیونکہ بعض اقوال و احادیث کی رو سے یزید کے برحق خلیفہ، مغفرت یافتہ اور صالح و متقی قرار پانے کا امکان بھی موجود ہے اور بہت سے اکابرامت کے نزدیک وہ یقیناً ایسا ہی تھا لہذا زیادہ سے زیادہ بغیر نام لئے اس بات پر عمل کیا جاسکتا ہے کہ:-

لعنۃ اللہ علی قاتل عمر و عثمان و طلحۃ و الزبیر و علی و الحسین.
لعنۃ اللہ علی الظالمین، اعداء الصحابۃ، و اھل البیت اجمعین-

ائمہ اہل تشیع کی عملی صورت حال

شیعی نقطہ نظر سے امامت و خلافت کی بحث میں اعتقادی حوالہ سے یہ بھی واضح رہے کہ شیعہ اثنا عشریہ اپنے بارہ اماموں کو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی طرح منصوص من اللہ (اللہ کی طرف سے مقرر شدہ)، معصوم عن الخطا، مفترض الطاعہ (جن کی اطاعت نبیوں رسولوں کی طرح فرض ہے) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر تمام انبیاء و مرسلین سے افضل مانتے ہیں۔ لہذا امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سمیت تمام اکابر امت و علماء اہلسنّت کے نزدیک اس عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ، افضل من النبوۃ کی بنا، پر شیعہ اثنا عشریہ منکرین ختم نبوت قرار پاتے ہیں:-

"امام باصطلاح ایشان معصوم، مفترض الطاعه، منصوب للخلق است، ووحی باطنی در حق امام تجویز می نمایند- پس در حقیقت ختم نبوت را منکراند گو بزبان آنحضرتؐ را خاتم الانبیاء می گفته باشند"-

(شاہ ولی اللہ، تفہیمات الہیہ، ص ۲۴۴، ووصیت نامہ، ص ٦(٤)، مطبع مسیحی کانپور، ۱۲۷۳ھ)

ترجمہ:- شیعوں کی اصطلاح اور ان کے عقیدہ میں امام کی شان یہ ہے کہ وہ معصوم ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اور مخلوق کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر و نامزد ہوتا ہے نیز شیعہ امام کے حق میں وحی باطنی کے قائل ہیں۔ پس فی الحقیقت وہ ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے آنحضرت کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اہل تشیع بالعموم اور شیعہ اثنا عشریہ بالخصوص اپنے ائمہ کے لئے جس مقام امامت منصوصہ و معصومہ افضل من النبوہ نیز جن صفات و خواص نبوت و رسالت حتی کہ بعض صفات الوہیت تک کا عقیدہ رکھتے اور اسے توحید و رسالت و قیامت کی طرح اصول دین میں شمار کرتے ہیں، (ان لائمتنا مقاماً لا یبلغه ملک مقرب ولا نبی مرسل- ہمارے آئمہ کا وہ مقام ہے جس تک نہ کوئی نبی مرسل پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ۔ خمینی، الحکومۃ الاسلامیہ، ص ۵۲)- ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب ائمہ شیعہ کی عملی صورت حال اور طرز عمل کا مختصراً جائزہ لیا جائے تو درج ذیل نقاط سامنے آتے ہیں:-

۱- اہل تشیع کے منصوص و معصوم امام اول و خلیفہ بلا فصل، وصی رسول، ولی الامر سیدنا علیؓ بن ابی طالب نے اپنی امامت و خلافت و ولایت منصوصہ و معصومہ افضل من النبوہ قائم کرنے کے بجائے شورائیت و اجماع صحابہؓ کی بنیاد پر منتخب شدہ امام اول و دوم و سوئم سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت (۱۱-۳۵ھ) کی بیعت فرمائی اور شہادت عثمان (۱۸ ذوالحج، ۳۵ھ) تک پچیس سال مسلسل ان ائمہ و خلفاء ثلاثہ کی یکے بعد دیگرے بیعت کر کے اس پر سختی سے قائم رہے، نیز ان ائمہ ثلاثہ کے مشیر و معاون رہے۔ اور ان کے ہمراہ اہل تشیع کے دوسرے اور تیسرے امام منصوص و معصوم افضل من الانبیاء سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت کی بیعت پر قائم رہے۔

۲- اہل تشیع کے دوسرے امام منصوص و معصوم سیدنا حسنؓ شہادت امام علیؓ کے چند ماہ بعد (۴۱ھ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و برادر نسبتی کاتب وحی و برادر سیدہ ام حبیبہؓ ام المؤمنین کے حق میں دستبردار ہو گئے اور سیدنا حسین کے ہمراہ سیدنا معاویہ کی امامت و خلافت کی بیعت کر لی۔ سیدنا حسن اس بیعت پر سن ۵۰ھ میں اپنی وفات تک دس سال قائم رہے اور آپ کے بعد تیسرے امام منصوص و معصوم سیدنا حسین نے مزید دس برس وفات سیدنا معاویہ (رجب ۶۰ھ) تک کل بیس برس اس بیعت معاویہ کو قائم رکھا اور ان کے مقابلے میں نہ سیدنا حسن نے اور نہ ہی بعد ازاں سیدنا حسین نے عملاً کوئی متوازی امامت و خلافت قائم فرمائی۔

۳- تمام اہل تشیع کے متفق علیہ منصوص و معصوم امام اول و دوم و سوئم سیدنا علی و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بعد شیعہ اثنا عشریہ کے چوتھے امام منصوص و معصوم علی زین العابدین کے مقابلے میں ان کے غیر فاطمی چچا امام محمد بن علی (ابن الحنفیہ) نے اپنی امامت کا دعوی فرمایا اور شیعہ فرقہ کیسانیہ وجود میں آیا۔

۴- شیعہ اثنا عشریہ کے پانچویں امام منصوص و معصوم محمد الباقرؒ کے مقابلے میں ان کے بھائی امام زید بن علی زین العابدین نے اپنی امامت کا دعوی کیا اور شیعہ فرقہ زیدیہ وجود میں آیا۔ جس کے پیروکار آج بھی یمن وغیرہ میں کئی ملین کی تعداد میں موجود ہیں۔

۵- شیعہ اثنا عشریہ کے چھٹے امام جعفر الصادق نے جب اپنے بڑے بیٹے اسماعیل بن جعفر کی اچانک وفات پر امامت اپنے چھوٹے بیٹے موسی الکاظم کو منتقل فرمائی تو امام اسماعیل کے فرزند محمد نے اپنے چچا موسی الکاظم کے مقابلے میں اپنی امامت کا دعوی فرمایا جس سے شیعہ فرقہ اسماعیلیہ وجود میں آیا، جس کے کئی ملین پیروکار برصغیر پاک و ہند، افریقہ، یورپ اور دیگر مقامات پر موجود ہیں۔

٦- اثنا عشریہ کے ساتویں امام موسی الکاظم کی اولاد میں سے امام سید محمد نور بخش (۷۸۵-۸٦۹ھ) نے ایران میں اپنی امامت اور امام مہدی ہونے کا دعوی کیا جس کے بعد شیعہ فرقہ نور بخشیہ وجود میں آیا جس کے پیروکار آج بھی گلگت و بلتستان اور کشمیر و ایران میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

اس طرح مختلف شیعہ فرقے کیسانیہ، زیدیہ، اسماعیلیہ، نور بخشیہ وغیرہ شیعہ اثنا عشریہ کے ائمہ میں سے کئی ایک کی امامت کا انکار کر کے اپنے علیحدہ اماموں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ سب اس بات سے بھی انکار کرتے ہیں کہ اماموں کی تعداد صرف بارہ ہے۔ حتی کہ اثنا عشریہ کے بارہویں امام محمد المھدی کو بھی یہ شیعہ فرقے تسلیم نہیں کرتے، جن کے بارے میں اثنا عشریہ کا کہنا ہے کہ وہ تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال پہلے عراق کے مقام "سرمن رای" میں غائب ہو گئے تھے اور قیامت کے قریب ظاہر ہو کر اپنے اثنا عشری فرقہ کی قیادت فرماتے ہوئے عالمگیر اسلامی (شیعی اثنا عشری) حکومت قائم فرمائیں گے۔

اگر بارہ امام نبیوں کی طرح اللہ کی طرف سے مقرر شدہ (منصوص من اللہ) معصوم عن الخطاء و افضل من الانبیاء ہوتے تو کم از کم تمام شیعہ فرقوں کا ان کی امامت منصوصہ و معصومہ افضل من النبوہ پر مکمل اتفاق رائے ہوتا۔ اور مذکورہ فرقوں کے مختلف ائمہ کرام اپنے ہی بھائیوں، بھتیجوں کے مقابلے میں امامت کے دعویدار نہ بتلائے جاتے۔

جبکہ اہل سنت والجماعت شیعوں کے برعکس ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور لاکھوں تابعین و صالحین کے ساتھ ساتھ ان تمام شیعہ فرقوں کے ائمہ کرام کا بھی مکمل احترام کرتے ہیں، مگر ان میں سے نہ تو کسی کو اللہ کی طرف سے مقرر شدہ (منصوص من اللہ)، معصوم عن الخطاء، مفترض الطاعہ یا افضل من الانبیاء تسلیم کرتے

ہیں اور نہ ہی ان صحیح العقیدہ بزرگان اسلام سے منسوب منفی شیعہ روایات و احادیث کو درست سمجھتے ہیں۔ ان شیعہ روایات و احادیث کی بھی صورت حال یہ ہے کہ مذکورہ شیعہ فرقے نہ تو ایک دوسرے کے اماموں کی روایات و احادیث قبول کرتے ہیں اور نہ ہی تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ کے سلسلہ میں ایک دوسرے کی کتابوں کو مستند تسلیم کرتے ہیں۔

اس کے برعکس دنیا بھر کے نوے فیصد سے زائد مسلمان جو صدیوں سے عقیدہ اہل سنت والجماعت سے وابستہ ہیں، قرآن و حدیث، اصول و عقائد، فقہ و تفسیر اور تاریخ و تصوف وغیرہ کے سلسلہ میں مشترکہ سرمائے کے حامل ہیں۔ نیز اہل سنت بالاتفاق کسی ایسے امام مہدی کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو ساڑھے گیارہ سو سال سے غائب بارہویں اثنا عشری امام ہیں، بلکہ روایات اہل سنت کے مطابق آخری زمانہ میں خاندان رسالت میں سے ایک عظیم شخصیت محمد المھدی پیدا ہوں گے اور دنیا میں غلبہ اسلام کی قیادت فرمائیں گے۔

پہلی صدی ہجری کے چند اہم شہدائے مظلومینؓ

۱- اول شہید اہل بیت قریب رسولؐ سیدنا عبیدہ بن حارث بن المطلب الھاشمی القرشی، شہید غزوہ بدر (م ۱۷، رمضان ۲ھ)

۲- سید الشہداء سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب الھاشمی القرشی، شہید غزوہ احد (شوال ۳ھ)

۳- شبیہ رسول ﷺ سیدنا مصعب بن عمیر شہید غزوہ احد (شوال ۳ھ)

۴- محبوب رسول ﷺ سیدنا زید بن حارثہ، شہید جنگ موتہ (۶ھ)

۵- اول داماد رسول ﷺ شوہر سیدہ زینب و خواہر زادہ سیدہ خدیجہ سیدنا ابوالعاص بن ربیع الاموی القرشی، شہید ختم نبوت در جنگ یمامہ بدست لشکر مسیلمہ کذاب (۱۳ھ)

۶- اول نواسہ رسولؐ، فرزند سیدہ زینبؓ بنت رسولؐ، در فتح مکہ ردیف رسولؐ، سیدنا علیؓ بن ابی العاصؓ الاموی القرشی، شہید جہاد یرموک (۱۵ھ)-

۷- امام و خلیفہ ثانی، والد اہل بیت رسول سیدہ حفصہ ام المومنین سیدنا عمر بن الخطاب العدوی القرشی، شہید محراب مسجد نبوی بدست مجوسیان (یکم محرم ۲۴ھ)

۸ - امام و خلیفہ ثالث، خواہر زادہ رسول ﷺ جامع قرآن سیدنا عثمان بن عفان، الاموی القرشی، ذوالنورین، ذوالہجرتین، خالوئے حسنین، شہید مدینہ (۱۸، ذوالحج ۳۵ھ)

۹ - یکے از عشرہ مبشرہ، طالب قصاص عثمان، سیدنا طلحہ بن عبیداللہ التمیمی القرشی، شہید جنگ جمل بدست کوفیان (جمادی الثانی ۳۶ھ)

۱۰ - یکے از عشرہ مبشرہ، طالب قصاص عثمان، پھوپھی زاد رسول، برادر زادہ سیدہ خدیجہ و داماد ابوبکر، سیدنا زبیر بن العوام الاسدی القرشی، شہید جنگ جمل بدست کوفیان (جمادی الثانی ۳۶ھ)

۱۱ - سیدنا عمار بن یاسر، شہید جنگ صفین (۳۷ھ)

۱۲ - امام و خلیفہ چہارم، داماد و چچا زاد رسول ﷺ، شوہر سیدہ فاطمہ، سیدنا علی بن ابی طالب الہاشمی القرشی، شہید محراب مسجد کوفہ، بدست خوارج (۲۱ رمضان ۴۰ھ)

۱۳ - نواسہ رسول، فرزند مقتول سیدنا حسین بن علی الہاشمی القرشی شہید کربلا بدست کوفیین (۱۰، محرم ۶۱ھ)

۱۴ - نواسہ امام اول و خلیفہ بلافصل ابوبکر صدیق و برادر زادہ نبی و علی و خواہر زادہ سیدہ عائشہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر القرشی، شہید مکہ بدست لشکر حجاج (جمادی الثانی ۷۳ھ)

۱۵ - خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز الاموی القرشی، شہید دمشق (م رجب ۱۰۱ھ)

۵- یزید مدینہ کی بے حرمتی (واقعہ حرہ) کا ذمہ دار ہے؟

آج سے نصف صدی سے زائد عرصہ پہلے مولانا مناظر احسن گیلانی کے بنو امیہ کے حوالہ سے ایک تنقیدی مقالہ کے جواب میں مولانا مطلوب الرحمن ندوی نگرامی نے "تصویر کا دوسرا رخ" کے زیر عنوان بنو امیہ کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے واقعہ حرہ کے سلسلہ میں بھی وضاحت فرمائی:-

"واقعہ حرہ میں بے شک تین دن تک باشندگان مدینہ کو مصائب کا سامنا رہا اور یزید کی فوجیں اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے سرگرم پیکار رہیں- لیکن کیا مولانا نے اس پر غور فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ واقعہ حرہ پیش کیوں آیا؟"

ارباب تاریخ لکھتے ہیں کہ ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے عثمان بن محمد بن ابی سفیان والی مدینہ کو جو بنی امیہ کی طرف سے مدینہ پر مقرر تھے عضو معطل بنا دیا- اور عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی- بنی امیہ کے افراد کو جو مدینہ میں موجود تھے ہر طرف سے گھیر لیا- یہ مروان کے گھر میں محصور ہو گئے ان کی تعداد حالانکہ ایک ہزار تھی، لیکن اہل مدینہ کے جم غفیر کے سامنے یہ ایک ہزار کی جمعیت بے حقیقت تھی- یزید کو خبر پہنچائی گئی اس نے اہل مدینہ کے اس طرز عمل پر افسوس کیا اور حسرت سے کہا:-

لقد بدّلوا الحکم الذی فی سجیتی- فبدلت قومی غلظة بلیان -

(تاریخ کامل، جز ۴، ص ۱۲۳)

میں نے اپنی طبیعت میں جس طرح حکومت کرنے کا فیصلہ کیا تھا (مدینہ کے ا

لوگوں نے (اپنے طرز عمل سے) اس کو بدل دیا- پس میں نے بھی اپنی قوم کی نرمی کو سختی سے بدل دیا-

پھر مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ فوج کو لے کر مدینہ پہنچیں اور بنی امیہ کو اہل مدینہ کے شدائد سے نجات دلائیں- لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی تاکید کردی کہ:-

ادع القوم ثلاثاً فان اجابوک والا فقاتلهم- (تاریخ کامل، ج۴، ص ۴۸)-

انہیں تین مرتبہ صلح اور اطاعت کی دعوت دینا اگر وہ مان جائیں تو بہتر ہے ورنہ پھر جنگ کرنا-

پھر کہا:-

فاذا مضت الثلاث فاكفف عن الناس- وانظر علی بن الحسین فاكفف عنه و استوص به خيراً فانه لم يدخل مع الناس و انه قد اتانی كتابه-" (تاریخ کامل، جز ۴، ص ۴۵)-

جب تین دن گزر جائیں تو جنگ روک دینا- علی بن حسینؓ کا خیال رکھنا اور ان کی ایذا رسانی سے باز رہنا- ان سے اچھی طرح پیش آنا کیونکہ وہ اس معاملہ میں لوگوں کے ساتھ شریک نہیں- ان کا خط میرے پاس آگیا ہے-

مسلم بن عقبہ فوج لے کر مدینہ روانہ ہوئے- اس وقت اہل مدینہ کا جو رویہ بنی امیہ کے محصورین کے ساتھ تھا اس کو مؤرخ ابن اثیر لکھتے ہیں:-

فبلغ اهل المدينة خبرهم فاشتد حصارهم لبنی امية بدار مروان- و قالوا:- والله لا نكف عنكم حتى نستنزلكم و نضرب اعناقكم أو تعطونا عهد الله و ميثاقه ان لا تبغونا غائلة، ولا تدلوا لنا على عورة ولا تظاهروا علينا عدوا فنكف عنكم و نخرجكم عنا-" (تاریخ کامل جزو۴، ص ۴۵)-

جب اہل مدینہ کو مسلم بن عقبہ کے آنے کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بنی امیہ پر اپنا محاصرہ اور سخت کر دیا اور محصورین سے کہا کہ خدا کی قسم ہم تم سے باز نہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ تم کو ذلیل کر دیں، تمہاری شان و شوکت خاک میں ملا دیں، اور تمہاری گردنیں اڑا دیں۔ ہاں اگر تم ہم سے بحلف وعدہ کرو کہ اب ہماری دشمنی نہ کرو گے، ہمارے ممالک محروسہ پر حملہ آور نہ ہو گے اور ہم سے مقاتلہ نہ کرو گے تو ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔

مسلم بن عقبہ مدینہ پہنچے تو اہل مدینہ کو مخاطب کر کے کہا:۔

ان امیر المؤمنین یزعم انکم الاصل، وانی اکرہ اراقۃ دمائکم، و انی أؤجلکم ثلاثاً، فمن ارعوی و راجع الحق قبلنا منہ و انصرفت عنکم۔" (تاریخ کامل، جز ۳، ص ۳٦)۔

امیر المؤمنین آپ لوگوں کو شریف سمجھتے ہیں اور میں بھی آپ لوگوں کا خون بہانا برا سمجھتا ہوں۔ لہذا میں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ پس جو اپنے طرز عمل سے باز آ جائے گا اور راہ حق اختیار کرے گا، میں اس سے اس کو قبول کروں گا اور واپس چلا جاؤں گا۔

جب تین دن گزر گئے تو مسلم بن عقبہ نے ایک موقع پھر صلح جوئی کا نکالا۔ اور قبل اس کے کہ مدینہ پر حملہ کرے اہل مدینہ سے پوچھا:۔

"یا اهل المدینة ما تصنعون؟ تسالمون أم تحاربون؟ فقالوا:۔ بل نحارب۔" (تاریخ کامل جز۔ ۴، ص ۳٦)۔

اے اہل مدینہ کیا فیصلہ کیا؟ کیا کرو گے؟ جنگ یا صلح؟ اہل مدینہ نے جواب دیا:۔ ہم جنگ کریں گے۔

مسلم بن عقبہ نے پھر کہا:۔

لا تفعلوا بل ادخلو فی الطاعة۔ (تاریخ کامل، جز۔ ۴، ص ۳٦)۔

ایسا نہ کرو بلکہ اطاعت قبول کرو۔

اہل مدینہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ بالآخر جنگ شروع ہوئی اور تین دن تک معرکہ ہوتا رہا۔ بے شک مسلم بن عقبہ نے اپنا تسلط قائم کرنے کی ہر تدبیر کی۔

البتہ "عصمتیان حرم کی ناموس" کے متعلق مولانا نے جو کچھ لکھا ہے اس کے وہی ذمہ دار ہیں۔

اب حالات آپ کے سامنے ہیں۔ اسی کو "واقعہ حرہ" کہا جاتا ہے۔ آپ ہی فیصلہ کریں کہ ان واقعات کے پیش نظر بالکلیہ بنی امیہ ہی کو قصور وار ٹھہرا کر ان کے لئے (جن میں بہت سے تابعیؒ اور صحابیؓ بھی تھے) غیر شائستہ الفاظ کا استعمال کہاں تک مناسب ہے؟"

(مولانا مطلوب الرحمن نگرامی، تصویر کا دوسرا رخ، مطبوعہ "الفرقان، لکھنؤ ستمبر و اکتوبر ۱۹۹۲، ص ۴۴-۴۶، نیز ملاحظہ ہو واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ملتان، حصہ دوم، ص ۲۷۴-۲۷۶)۔

اب علامہ سید محمود احمد عباسی کا بیان بھی ملاحظہ ہو جو گزشتہ ابواب کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"حضرت علی بن حسینؒ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے موقف اور طرز عمل کا حال معلوم کر چکے ہیں کہ یہ سب حضرات امیر المؤمنین (یزید) کی موافقت اور بغاوت کے پھیلانے والوں کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ احکام شرع و ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے اسے غلط بتایا، حضرت ابن عمرؓ نے اپنے تمام اہل خانہ کو مجتمع کر کے وہ حدیث سنائی تھی جو پہلے درج ہو چکی، اور کہا تھا کہ اگر اس شورش میں کوئی بھی تم میں سے شریک ہوا تو میرا اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا (بخاری، کتاب الفتن، جلد ۲، جز ۲۹)۔ مگر ان لوگوں نے جو بغاوت کی تحریک چلا رہے تھے اپنی تحریک جاری رکھی۔

بنی عدی یعنی ابن عمرؓ کے خاندان میں سے صرف عبداللہ بن مطیع جو اس تحریک کے سرغنہ تھے، باغیوں کے ساتھ رہے۔ انصاریوں میں سب سے بڑا گھرانا بنو عبد الاشہل کا ان لوگوں سے الگ رہا۔ بنو ہاشم میں سے صرف چند حارثی شریک تھے۔ ورنہ بنو عبد المطلب میں خصوصاً حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے سب عزیز باغیوں کے مخالف تھے۔ آل جعفرؓ و آل علیؓ و آل ابی بکرؓ میں سے کوئی بغاوت میں شریک نہ ہوا۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۳۲۴)۔

یزید کی جانب سے مدینہ پر حملہ کے حکم کے سلسلے میں عباسی لکھتے ہیں:۔

"پھر امیرِ عسکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینہ کے لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا۔ مان جائیں تو خیر ورنہ لڑائی کرنا۔ جب غلبہ پا جاؤ تو باغیوں کا مال اور روپیہ اور ہتھیار اور غلہ (من مال أو ورقة أو سلاح أو طعام فهو للجند) یہ لشکریوں کے لئے ہے۔ بلاذری اور طبری میں ان ہی اشیاء کے لینے کے الفاظ ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس حکم پر بڑی چہ میگوئیاں کی جاتی ہیں اور وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مدینہ کی حرمت مٹانے اور اہل مدینہ پر خوف مسلط کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ لیکن کوئی صاحب یہ نہیں بتاتے کہ مدینہ کی حرمت پر حرف لانے والا اصل میں تھا کون؟ اس خالی روحانی مرکز کو عسکری مورچہ اور بغاوت کا محور بنایا تھا کس نے؟ قرآن حکیم نے تو عین کعبہ میں بھی جنگ کی اجازت دی ہے۔ پھر مدینہ کو فتنہ و شورش سے پاک رکھنے اور باغیوں کی سرکوبی میں کیا چیز مانع تھی؟ بالخصوص ایسی حالت میں کہ سمجھانے، بجھانے، فہمائش کرنے اور امان پیش کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا تھا۔ جو اہل مدینہ بغاوت میں شریک نہ تھے، ان سے حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی تھی۔

حضرت علی بن حسینؓ (زین العابدینؒ) کے متعلق فوجی افسر کو خاص طور سے ہدایت کی گئی تھی کہ:۔

دیکھو علی بن حسین سے مراعات سے پیش آنا، ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا، ان کو اپنے قریب عزت سے بٹھانا، وہ ان لوگوں کے شریک نہیں جنہوں نے بغاوت کی ہے، ان کا خط ہمارے پاس آگیا ہے۔"

(محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۳۲۷)۔

علامہ عباسی مزید لکھتے ہیں:۔

"امیر مسلم نے اہلِ مدینہ کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے، وہ مؤرخین نے یہ لکھے ہیں:۔

"اے اہل مدینہ! امیر المومنین یزید سمجھتے ہیں کہ تم لوگ اصل ہو۔ تمہارا خون

بہانا انہیں گوارا نہیں۔ تمہارے لئے تین دن کی مدت مقرر کرتا ہوں۔ جو کوئی تم میں سے باز آ جائے گا اور حق کی طرف رجوع کرے گا ہم اس کا عذر قبول کر لیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے۔ اور اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) کی طرف متوجہ ہوں گے جو مکہ میں ہے اور اگر تم نہ مانو گے تو سمجھ لو کہ ہم حجت تمام کر چکے۔

تین دن گزارنے کے بعد پھر دوبارہ اہل مدینہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے اہل مدینہ! اب تین دن ہو چکے کہو اب تم کو کیا منظور ہے ملاپ کرتے ہو یا لڑنا چاہتے ہو؟

اہلِ مدینہ نے جواب میں جب کہا کہ ہم لڑیں گے، اس پر بھی امیر مسلم نے پھر ان سے یہ الفاظ کہے:۔

فقال لهم:- لا تفعلوا بل ادخلوا فى طاعة -- الخ (طبری، ج ۷، ص ۸)۔

(امیر مسلم نے اہلِ مدینہ سے کہا) دیکھو ایسا ہر گز مت کرو بلکہ تم سب طاعت گزاری اختیار کرو۔ (محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۳۲۷-۳۲۸)۔

بقول عباسی چونکہ مدینہ کے بہت سے اکابر و قبائل باغیوں کے حامی نہ تھے لہذا باغیوں پر جلد قابو پا لیا گیا اور مقتولین بھی زیادہ نہ تھے۔ جبکہ باغیوں کے قائد عبداللہ بن مطیع فرار ہو کر ابن زبیرؓ سے جا ملے۔ پانچ چھ سرغنہ جو گرفتار ہوئے بجرم بغاوت قتل کئے گئے۔

"رہیں تفصیلات جو بعد میں گھڑی گئیں کہ ہزاروں آدمی قتل ہوئے، خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ دو ہزار کنواری لڑکیاں حمل سے رہیں یا بے دریغ مدینہ کو لوٹا گیا۔ یہ سب داستانیں اکاذیب محض ہیں۔ جو بعد کے مسلمانوں کو برافروختہ کرنے اور پہلے مسلمانوں کی عزت و حرمت پر حرف لانے کے لئے وضع کی گئیں۔ مدینہ طیبہ پہلا شہر نہیں جہاں صحابہؓ و تابعینؒ کی سر کردگی میں اسلامی فوجیں داخل ہوئی ہوں۔ ان اموی اسلامی افواج نے سینکڑوں شہر فتح کئے۔ روم و ایران و دیلم و بربر میں ان اموی اسلامی فوجوں کا نظم و ضبط مفتوح اقوام کے لئے حیران کن رہا ہے۔ تو خاص کر مدینہ میں امیر المومنین کی قوم کے ساتھ کوئی ناشائستہ حرکت کیسے ہو سکتی تھی؟

(محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۳۲۹-۳۳۰)۔

اسی سلسلہ کلام میں عباسی مزید فرماتے ہیں:۔

"اور لطف یہ ہے کہ یوم حرہ و حصار ابن زبیرؓ کے بارے میں جتنی بھی روایتیں طبری میں ہیں، وہ سب کی سب یا تو ابو مخنف کی ہیں یا ہشام کلبی کی۔ لیکن ان روایتوں میں اشارۃً و کنایتاً بھی خواتین کی بے حرمتی یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔

طبری کی جلد کے صفحہ ۵، لغایت ۱۳ پر انہی دو راویوں کا "قال ابو مخنف و قال ہشام" کی تکرار کے ساتھ سب کچھ بیان ہوا ہے، مگر خواتین کی بے حرمتی یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا ذکر تو در کنار اشارہ بھی نہیں۔

بلاذری نے بڑی تفصیل سے روایتوں کو یکجا کیا ہے۔ اور ابو مخنف و ہشام کلبی کے علاوہ واقدی جیسے داستان گو کی روایتیں بھی لی ہیں۔ لیکن اشارتاً و کنایتاً کہیں بھی خواتین کی بے حرمتی کا ذکر نہیں کیا۔ اشراف میں سے جو لوگ قتل ہوئے، ان کا جداگانہ باب باندھا ہے مگر نام صرف چھ اشخاص کے پیش کر سکے ہیں۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۳۳۰)۔

جناب علامہ سید محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" پر ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور کے شمارہ اپریل ۱۹۶۱ء میں پروفیسر عبدالحمید صدیقی کے قلم سے جو تبصرہ بارہ سے زائد صفحات میں شائع ہوا، اس میں واقعہ حرہ اور مدینہ کی بے حرمتی کے حوالہ سے لشکر یزید کی کارکردگی کی بھی مذمت کی گئی تھی۔ اس حوالہ سے مولانا عامر عثمانی، مدیر ماہنامہ "تجلی" دیو بند کے مجموعی تمہیدی کلمات کے بعد واقعہ حرہ کے حوالہ سے ان کا جامع اور مدلل تبصرہ، بر تبصرہ صدیقی موضوع زیر بحث کی مناسبت سے نقل کیا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ مولانا عامر عثمانی مرحوم مولانا مودودی و جماعت اسلامی کا منصفانہ دفاع کرنے والے علمائے دیو بند میں ممتاز و نمایاں شمار کیے جاتے تھے۔

"خلافت معاویہ و یزید پر "ترجمان القرآن" (لاہور) کا تبصرہ

(از قلم مدیر ماہنامہ "تجلی" دیوبند، شمارہ جون و جولائی ۱۹۶۱ء)

ابھی اپریل ۱۹۶۱ء کے ترجمان القرآن میں "خلافت معاویہ و یزید" پر جو تبصرہ آیا ہے، اسے پڑھ کر ہم خود کو مجبور پاتے ہیں کہ اس پر کچھ گفتگو کریں۔ دینی و علمی پرچوں میں ماہنامہ "ترجمان القرآن" کا مقام بہت بلند ہے۔ یہ تبصرہ اگرچہ مولانا مودودی کے قلم سے نہیں ہے لیکن ان عبدالحمید صدیقی کے قلم سے ضرور ہے جو اکثر اس ماہنامے کے شذرات لکھا کرتے ہیں۔ (اپریل ۱۹۶۱ء کے شذرات بھی انہی کے ہیں) اور دینی و علمی موضوعات پر ان کی سنجیدہ قلمی معروف و مقبول ہے۔

ان کا تبصرہ اور ترجمان القرآن کے صفحات ان دونوں چیزوں نے معاملہ کو اس حد تک ہم بنا دیا ہے کہ اپنا خاموش رہنا ہمیں علمی دیانت اور احساس ذمہ داری کے خلاف محسوس ہوتا ہے۔ یہ بات لڑائی جھگڑے کی نہیں، تبادلۂ خیال اور افہام و تفہیم کی ہے۔ ہم نے مولانا مودودی کی بھی اس سلسلہ کی ایک تحریر پر نومبر ۱۹۶۰ء کے "تجلی" میں اپنی معروضات پیش کر دی تھیں۔

اب محترم عبدالحمید صدیقی صاحب کے حضور بھی کچھ عرض پرداز ہوتے ہیں۔

کیا عجب ہے اس طرح کی گفتگوؤں سے ہمیں بھی اپنے بعض خیالات کی اصلاح کا موقع مل جائے۔ اور یہ بھی عجب نہیں کہ دوسرے ہی لوگ ہمارے بعض معروضات سے اثر پذیر ہو سکیں۔

تبصرہ "ترجمان القران" کے بارہ سے زیادہ صفحات پر کیا گیا ہے۔ سیر حاصل جائزے کے لئے کم سے کم چار گنا صفحات ضرور چاہئیں۔ "تجلی" کی تنگ دامانی سے ہم بے بس ہیں، اس لئے کوشش کریں گے کہ گفتگو زلف جاناں نہ بن جائے۔ "خلافت معاویہ و یزید" جناب محمود احمد عباسی کی تصنیف ہے۔ ذمہ تو انہی کا ہے کہ اپنے ناقدین سے پنجہ کشی کریں یا نہ کریں لیکن تبصرے میں ہم نے بھی اس کتاب کو سراہا تھا اور پھر مہینوں اس موضوع کی بحثوں میں سر مارتے رہے ہیں۔ اس لئے کوئی مضائقہ نہیں اگر پھر تھوڑا وقت اس موضوع کی نذر کر دیا جائے۔

قصہ معمولی نہیں ہے۔ رفض و تشیع نے عقائد کی جڑوں سے لے کر ٹہنیوں اور برگ و بار تک جو زہر پھیلایا ہے اس پر بڑے بڑے اساطین مطمئن ہو بیٹھے ہیں۔ اچھے اچھے بالغ نظر علماء کا یہ حال ہے اور پہلے بھی رہا ہے کہ بعض ایسی روایات و اخبار کو انہوں نے مسلمہ حقائق کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے جنہیں بعض لوگوں نے خاص مقاصد کے تحت صد فی صد گھڑا تھا یا شکل سے دس فیصدی ان میں حقیقت تھی اور نوے فیصد افسانہ طرازی۔ اس دائرو سائر فریب خوردگی کا دبیز پردہ چاک کرنے کے ارادے سے اگر کوئی شخص جرأت رندانہ کا مظاہرہ کرتا ہے تو ضروری نہیں کہ یہ جرأت ہر پہلو سے بے عیب ہی ہو۔ نقص و عیب بشریت کا جزو لاینفک ہے۔ محمود احمد عباسی بشر ہیں فرشتے نہیں۔ ہو سکتا ہے رفض و شیعیت کی لامتناہی فساد انگیزیوں کے رد عمل میں وہ ذہنی تشدد، فکری بے اعتدالی اور جذباتی تعصب سے ملوث ہو گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا تحقیقی زاویہ نظر تھوڑا بہت کج ہو لیکن جو معاندانہ سلوک بعض حلقوں میں ان کی جرأت رندانہ سے کیا گیا ہے، وہ منصفانہ نہیں ظالمانہ ہے۔ اس میں اعتدال نہیں اشتعال ہے۔"

(مولانا عامر عثمانی، ماہنامہ تجلی دیوبند، جون جولائی ۱۹۶۱ء، نیز ملاحظہ ہو تحقیق مزید، محمود عباسی، ص ۴۵۱-۴۵۲)۔

اس کے بعد بعض مشتعل و مجبور حضرات کا تذکرہ فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"حاصل یہ کہ شکوہ ہر اس شخص کا نہیں جس نے عباسی صاحب کی کتاب کو نفرت و حقارت کے ساتھ رد کیا ہے۔ لیکن شکوہ ایسے لوگوں سے ضرور ہے جن سے بلند و برتر توقعات کی گنجائش تھی، جو وسیع النظری کے اہل اور بے لاگ فکر و نقد کے علمبردار تھے۔ انہی میں سے "ترجمان القرآن" والے جناب عبدالحمید صدیقی صاحب بھی ہیں۔

(ماہنامہ "تجلی" دیوبند، جون-جولائی ۱۹۶۱ء، و تحقیق مزید، محمود عباسی، ص ۴۵۳-۴۵۴)۔

واقعہ حرہ کے حوالہ سے جناب عبدالحمید صدیقی کے تبصرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے عامر عثمانی فرماتے ہیں:۔

"آپ فرماتے ہیں:۔

"عباسی صاحب یزید کی منقبت میں صحیح البخاری کی یہ حدیث تو نقل فرماتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے

شہر قسطنطنیہ پر جہاد کرے گی ان کے لئے مغفرت ہے۔"

مگر کیا وہ دوسری حدیث ان کی نظر سے نہیں گزری جسے صاحبِ "روح المعانی" نے طبرانی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے:۔

"اے اللہ جنہوں نے اہل مدینہ پر ظلم کیا اور انہیں خوف زدہ کیا، اس پر اللہ اس کے فرشتوں اور پوری نوع بشری کی لعنت ہو۔ ان کی نہ تو توبہ قبول کی جائے گی اور نہ ہی ان سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔"

یہ انداز تبصرہ کئی اعتبار سے ناخوشگوار ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بخاری حدیث کی مقبول ترین کتاب ہے۔ اس سے اگر کوئی روایت راویوں کی تصریح کے بغیر بھی نقل کر دی جائے تو اسے عموماً قابل اعتماد مانا جاتا ہے۔ لیکن طبرانی کا یہ پایہ نہیں۔ طبرانی سے اگر کوئی مفسر ایک روایت نقل کر دیتا ہے تو وہ اتنی وزن دار نہیں ہو جاتی کہ اس کی فنی حیثیت معین کئے بغیر ہی اسے بخاری کے مقابلہ پر پیش کر دیا جائے۔ یہ سیدھی سی بات ہے جسے فن کے مبتدی بھی جانتے ہیں۔ آپ کے خیال میں اگر طبرانی کی یہ روایت ایسے ہی مفہوم کی حامل ہے کہ اس کے بعد بخاری کی مذکورہ حدیث کو نقل کرنا اور اس سے دلیل پکڑنا جرم بن جاتا ہے تو اس مفہوم کی توضیح سے پہلے ہی آپ کو یہ بھی واضح کرنا چاہیے تھا کہ فن کے اعتبار سے یہ روایت بخاری کی ٹکر کی ہے۔ اس کے بعد مفہوم کی توضیح کر کے یا تو بخاری کی روایت کو ناقابلِ اعتماد قرار دیتے یا پھر تطبیق کی راہ دکھاتے۔ لیکن جو انداز آپ نے اختیار کیا ہے وہ تو انکار حدیث کے اس دور پر فتن میں بڑے خراب تاثرات پیدا کرنے والا ہے۔ جو لوگ انکار حدیث کی آفت میں مبتلا ہیں یا ابھی پوری طرح تو مبتلا نہیں ہوئے مگر مذبذب ضرور ہیں، وہ آپ کا تبصرہ پڑھ کر اس کے سوا کیا سوچیں گے کہ یہ حدیث کا قصہ تو عجیب ہے۔ ایک صاحب حدیث کی صحیح ترین کتاب سے کوئی حدیث پیش کرتے ہیں تو دوسرے صاحب حدیث کی ایک نسبتاً کم رتبہ کتاب سے دوسری حدیث پیش کر کے یہ ثابت کرنے کے درپے ہیں کہ یہ دوسری حدیث پہلی کی ضد ہے اور پہلی حدیث سے استدلال کرنا جرم ہے۔ یہ بات معقول ہو سکتی تھی اگر دوسری حدیث کو دلائل سے معتبر اور پہلی کو غیر معتبر ٹھہرا دیا جاتا، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ پہلی کو بھی معتبر ہی مانا جا رہا ہے

اور دوسری کی صحت پر بھی اصرار ہے اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے رسول ؐ متضاد باتیں کرتے رہے ہیں اور امت کا فرض ہے کہ اس تضاد کو عین دین مانے اور تاویل و تطبیق کی کوئی ضرورت نہ سمجھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ طبرانی والی روایت کو پیش کرنے کا مطلب اگر یہی ہے کہ آپ کے نزدیک یزید اہل مدینہ پر ظلم کرنے والوں میں تھا تو ایسی کوئی مثال پیش فرمائیں کہ افرادِ معین کے لئے کی ہوئی اللہ کے رسول کی پیشین گوئی خود حضور ہی کے کسی اپنے ارشاد سے معطل اور بے اثر ہو گئی ہو جس میں معین افراد و اشخاص کا ذکر نہ ہو، بلکہ حکم عام بیان کیا گیا ہو۔ شیعہ حضرات کے یہاں تو بے شک یہ منطق ملتی ہے کہ بلا سے خلفائے ثلاثہؓ کے لئے جنت کی بشارت زبان پیغمبر ؐ سے صادر ہو چکی ہو لیکن ان لوگوں نے چونکہ وہ برے افعال کئے جن پر سزا کا لزوم دیگر احادیث اور آیاتِ قرآنیہ سے ہوتا ہے، لہذا بشارت معطل ہوئی اور یہ سزاوار عذاب ٹھہرے۔

مگر ہم اہل سنت تو ایسا نہیں سمجھتے۔ ہمارا طرز فکر تو یہ ہے کہ اللہ اور رسول ؐ کا قول اصل ہے باقی ہر چیز اس کے تابع۔ اللہ کا رسول ؐ اگر کہتا ہے کہ فلاں جماعت کی مغفرت طے ہو گئی تو ہم تاریخی لن ترانیوں کے ذریعہ اس مغفرت کو ڈائنامیٹ نہیں کر سکتے، بلکہ تاریخ کو قولِ رسول ؐ کا تابع بنائیں گے اور طے کرلیں گے کہ ہر وہ تاریخی کہانی جھوٹی ہے جو اس جماعت کے کسی فرد کے ساتھ ایسے فعل و عمل کو منسوب کر رہی ہو جس کے ارتکاب سے مغفرت محال ہو جائے۔

اسی جہاد قسطنطنیہ والی جماعت کو لیجئے، تاریخ نہیں بتاتی کہ اس میں کوئی فرد مرتد ہو گیا ہو لیکن اگر وہ بتاتی تو ہم اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول کی پیشین گوئی غلط ہو جائے۔ اس جماعت کا ایک فرد بھی مغفرت سے محروم رہا تو پوری پیشین گوئی کا انکار اسی طرح لازم آتا ہے جس طرح قرآن کی ایک سورۃ کا انکار پورے قرآن کے انکار کو مستلزم ہے۔ ہاں یہ کہہ دیجئے کہ بخاری والی روایت کو ہم قولِ رسول ؐ نہیں سمجھتے یا اس کی حیثیت پیشین گوئی کی نہیں ہے تب بحث کا رخ بدل جاتا ہے۔ مگر جب تک آپ یہ نہ کہیں گے اس رخ سے ہم گفتگو نہیں کریں گے۔

تیسری بات یہ ہے، اور خاصی افسوسناک ہے، کہ طبرانی والی روایت آپ نے

اس مفروضے کی بنیاد پر پیش کر دی ہے کہ یزید کے بارے میں اہلِ مدینہ کے ساتھ ظلم و سفاکی اور سیاہ کاری و بربریت کی جو کہانیاں شائع وذائع ہو گئی ہیں وہ سب سچی ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اگر اہلِ بصیرت کے اس حلقے سے بھی جو اپنے فکری تنور، معقولیت پسندی اور تحقیقی مزاج کے لئے مشہور ہے، ایسی سادگی کا مظاہرہ ہو تو بڑے تعجب کا مقام ہے۔ آپ نے "البدایہ والنہایہ" سے ایک عبارت نقل فرما دی اور اپنا یہ یقین وتاثر بھی سپرد قلم کر دیا۔

"مدینے کو مباح قرار دینے کے بعد جو ظلم و ستم ڈھائے گئے، عورتوں کی جس طرح عصمت دری کی گئی اور معصوم بچوں کو جس طرح قتل کیا گیا، اس کی تفصیل "البدایہ والنہایہ" میں ہی موجود ہے۔ یہ ساری داستان اتنی دل فگار ہے کہ آج بھی اس کے پڑھنے کے بعد جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ معلوم نہیں عباسی صاحب نے اس طرف کیوں توجہ نہیں دی۔"

لیکن کیا آنجناب نے کبھی خود بھی اس تحقیق کی زحمت فرمائی کہ قرونِ مشہود لہا بالخیر میں سے ایک قرن کے مسلمانوں کو بدترین قسم کے ذلیل و متعفن جرائم کا مرتکب قرار دینے والی یہ ظلم و درندگی کی گندی کہانی آپ تک پہنچی کس طرح اور اس کی صداقت کا اثبات تو کجا محض امکان ہی کس حد تک قابل تسلیم ہے؟

حکومت قائمہ کی اطاعت سے انکار کرنے والے قلیل سے گروہ کی سرکوبی کو اگر جنگ کہا جا سکتا ہے تو چلئے عبداللہ ابن زبیرؓ کے خلاف یزید کا عسکری اقدام جنگ ہی سہی، مگر یہ کوئی نئی جنگ نہیں تھی جسے مسلمانوں نے پہلی بار لڑا ہو۔ اس سے پیچھے اور آگے مسلمانوں نے بے شمار جنگیں لڑی تھیں۔ امصار و دیار فتح کئے تھے۔ تخت الٹے تھے۔ بغاوتیں دبائیں تھیں۔ آپس میں بھی دست و گریبان ہوئے تھے۔ لیکن تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ عورتوں کی عصمت دری کا سیاہ کارنامہ انہوں نے کبھی انجام نہیں دیا۔ بچوں کے خون سے ہرگز ہاتھ نہیں رنگے۔ یہ وہی زمانہ تو تھا جب کچھ ہی دن ہوئے اسلام کے لشکر کافروں کی مملکتوں میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔ لیکن مفتوح قوم کی حسیناؤں اور پری جمالوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ اسی زمانہ میں صحابہؓ اور تابعینؒ کی سرکردگی میں متخلفین کے خلاف تادیبی

کارروائی کرنے والے مسلمان سپاہی اچانک ایسے بے حیا، بدکار، سفاک اور درندے بن گئے ہوں کہ عین مدینہ الرسول ؐ میں رسول اللہ کے پڑوسیوں کے حرم پر ہاتھ صاف کریں، پاک بیبیوں کی عصمتیں لوٹیں، بچوں کو ذبح کریں اور غلافِ کعبہ میں آگ لگا دیں۔

خدا دروغ بافوں کو سمجھے۔ بڑی ہی ناپاک اور گھناؤنی داستان ہے جو انہوں نے اہل بیت کی غالی عقیدت میں بنوامیہ کو ذلیل ورسوا کرنے کی خاطر گھڑمی ہے۔ بنوامیہ کی ناک کاٹنے کے لئے انہوں نے اس کی بھی پروا نہ کی کہ اسلام کی بے مثال عسکری تاریخ کا دامن اس افسانہ طرازی کے ہاتھوں کیسا داغدار ہوا جاتا ہے۔

محترم صدیقی صاحب! ایک عباسی صاحب ہی اس سراپا کذب داستان کی طرف توجہ نہ کرنے کے مجرم نہیں ہیں، وہ ابن تیمیہ بھی جن کی آپ عظمت تسلیم کرتے ہیں اس داستان کو من گھڑت ہی قرار دیتے ہیں، آپ تفحص فرما کر ایک روایت بھی تو اس کہانی کی ایسی نکال دیجئے جو فن کی کسوٹی پر خالص اترتی ہو، اور کذاب یا مجہول یا غیر ثقہ راویوں کے شمول سے خالی ہو۔ تاریخ میں بے شک فن حدیث کا معیار قائم رکھنا مشکل ہے لیکن جو تاریخی کہانی صحابہؓ و تابعینؒ کے منہ پر کالک ملتی ہو، جس سے اسلام کی شہرۂ آفاق عسکری تقدیس مجروح ہوتی ہو اور جس کی تفصیلات جسم پر کپکپی طاری کر دینے والی ہوں، کیا انہیں یوں ہی سہل انگاری کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے گا؟

آپ چالو کتابوں اور پیش پا افتادہ داستانوں پر مت جائیں۔ اصل ماخذ میں عرق ریزی کر کے دیکھیں تو شاید یہ حقیقت مخفی نہ رہے گی کہ مدینہ پر یزید کی جس لشکر کشی کو ہرزہ سراؤں نے کورے کذب و افتراء کے ذریعہ جرم عظیم باور کرا دیا ہے، وہ ایک ایسا ناجائز نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ آخر دنیا کی کونسی حکومت ہے جو ایسے شہریوں کو معافی کا پروانہ دے سکتی ہو، جو حکومت وقت کی اطاعت سے انحراف کرتے ہوئے اپنی حکومت قائم کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہوں؟ یزید نے تو پھر بڑا تحمل دکھایا، پُر امن بات چیت سے معاملات طے کرنے کی سعی کی، ممکنہ حد تک ڈھیل دی، پہلی جماعت جو جناب عبداللہ ابن زبیرؓ کی سمت بھیجی، اس کا امیر ان کے بھائی ہی کو بنایا اور صاف صاف ہدایات دیں کہ گرفتاری حکم عدولی ہی کی صورت میں ہو، نہ یہ کہ جاؤ اور پکڑ لو۔ مگر عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنے بھائی کو پکڑ لیا اور مار مار کے ہلاک کر ڈالا۔ ہلاک ہی

کرنے پر بس نہیں ہوئی، لاشے کو سولی پر لٹکایا گیا۔

یزید نے اس پر بھی کوئی طوفانی دھاوا نہیں بولا بلکہ نرمی کے ساتھ اصلاح حال کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن ابنِ زبیرؓ نے پھر ایک موقع پر سرکاری مفاد کا تحفظ کرنے والے پچاس آدمیوں کو ٹھیک حرم میں ذبح کر دیا۔ اس المناک صورت حال میں بتاؤ تو دنیا یا دین کا کون سا قانون ہے جو یہ حکم دیتا ہو کہ حاکم وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور باغیوں کی اس لئے سرکوبی نہ کرے کہ وہ حرم میں تشریف فرما ہیں۔

مگر سن لیجئے کہ اندھا دھند چڑھائی پھر بھی یزید نے نہیں کی۔ متعدد سیاسی و انتظامی نوع کی کوششیں اس وقت بھی جاری رکھیں اور جب باغیوں نے کسی طرح بھی اطاعت قبول نہ کی تو اس وقت بھی جو فوج بھیجی اسے یہ آرڈر نہیں دیا کہ بڑھو اور کچل دو، بلکہ اتمام حجت کی تعلیم دی۔ یعنی باغیوں کو تین دن کی مہلت دو، باز آجائیں تو لڑائی بھڑائی کچھ نہیں، نہ مانیں تو بے شک غلبہ پانے کی کوشش کرو۔

ان حالات میں اگر آپ طبرانی والی روایت سامنے لاتے ہیں تو انصاف فرمایئے اس کی زد یزید پر پڑتی ہے یا ان لوگوں پر جنھوں نے اقتدارِ وقت سے کھلی سرکشی کی اور اپنی غیر آئینی سرگرمیوں کے لئے مکہ اور مدینہ کو پناہ گاہ بنایا؟ (۱)

(شاہ ولی اللہؒ، "ازالۃ الخلفاء" مقصد اول فصل پنجم میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن زبیرؓ کے خروج کی وجہ سے استحلال مکہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ حاشیہ ۱، از مولانا عامر عثمانی، راجع تحقیق مزید، ص ۳۶۱)۔

ایک گروہ کا شروع ہی سے یہ وطیرہ ہے کہ وہ خانوادۂ رسول ؐ کی خدائی کا ڈنکا بجانے کی ہوس میں تمام کے تمام صحابہؓ کو بد نہاد، دنیا پرست اور ظالم و بے مہر مشہور کرنے کی سعی کرتا ہے، وہ بہت خوش ہے کہ ایک ایسی فوج کے متعلق جو یزید نے بجا طور پر باغیوں کی تادیب کے لئے بھیجی تھی، یہ تاثر دینے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ وہ سر بسر غنڈوں اور لفنگوں کی ٹولی تھی، جسے اسلام چھو کے بھی نہیں گیا تھا اور جس پر اس قرنِ مبارک کے مسلمانوں کے اخلاق و عادات کا سایہ تک نہیں پڑا تھا۔

حالانکہ اے جناب محترم! اس فوج کے کمانڈر رسول اللہ کے عمر رسیدہ صحابی مسلم بن عقبہ تھے اور متعدد اور اصحاب بھی ہمرکاب تھے۔ تابعین کی تو کوئی گنتی ہی نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ سپاہی جو کچھ بھی کرتے پھریں نیک نامی یا رسوائی کا سہرا

کمانڈر ہی کے سر بندھتا ہے۔ بربریت کی شہرت یافتہ کہانی کا تو حاصل یہ ہوا کہ بچوں کے قتل اور وحشیانہ شہوت رانی کا کریڈٹ ایک صحابی ہی کے سر گیا۔ ایک صحابی ہی کی سرکردگی میں وہ ناپاک کھیل کھیلا گیا جس پر آپ نے یقین کر لیا ہے۔ ایک تیر دو شکار اسی کا نام ہے۔ یزید کی بدنامی بھی ضرب در ضرب بڑھ گئی اور صحابہؓ کی مطلوبہ رسوائی اور تذلیل میں بھی چار چاند لگ گئے۔ آپ کا یا جس کسی کا جی چاہے مدحتِ حسینؓ کی خاطر یہ سب کچھ دل و جان سے قبول کر لے۔ ہم تو جب تک قوی روایات سے اثبات نہ کر دیا جائے، کبھی ان لرزہ خیز ہفوات کو قبول نہ کریں گے۔ ہم کمزور اور بد بے راویوں کی زبان سے ہرگز یہ نہیں سننا چاہتے کہ قرونِ مبارک میں بھی مسلمانوں نے حیوانی شہوت رانی اور گھناؤنی عصمت دری کا وہ ذلیل کھیل کھیلا ہے جو بعد ہی کے لوگوں کو زیب دیتا ہے۔

اگر ہم جاہل اور کندۂ ناتراش ہیں تو آنجناب کو شرح و بسط کے ساتھ بتانا چاہیے کہ یزید کیوں مدینہ پر فوج کشی کرنے میں خطاوار تھا؟ اور حدیث طبرانی کی زد اس کی بجائے ان اطاعت سے گریز کرنے والوں پر کیوں نہیں پڑتی جنہوں نے اس کی فوج کشی سے قبل ہی حرم میں لوگوں کی گردنیں ماری تھیں، اور سرکاری افسر کو ہلاک کر ڈالا تھا؟ اور کیسے ثابت ہو گیا کہ یزید کی فوج نے وہ تمام شیطنت پھیلائی تھی جسے امر واقعہ باور کیا اور کرایا جا رہا ہے۔ خدا کی قسم ہم تو ان مردودوں کے تصور تک سے نفرت کریں گے جن پر خواتین مدینہ کی ظالمانہ عصمت دری کا جرم ثابت ہو جائے۔ ہم ان پاجیوں کے نام تک سے بیزار ہو جائیں گے جنہوں نے معصوم بچوں کو تہہِ تیغ کیا ہو، ہم ہی نہیں، عباسی صاحب بھی اور کوئی بھی مسلمان ایسا بدباطن اور سیاہ قلب نہیں ہو سکتا کہ مدینۃ الرسول ؐمیں غنڈہ گردی پھیلانے والے بدبختوں سے شمہ برابر بھی ہمدردی رکھے، لیکن گفتگو تو ساری اسی میں ہے کہ شائع و ذائع کہانیاں سچ ہیں یا نہیں؟ ایک روایت کے مطابق ہوا کسی چولہے سے چنگاری اڑا لے جائے اور غلاف کعبہ آگ پکڑ لے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن زبیرؓ ہی کے کسی ساتھی کی بے احتیاطی سے غلاف کعبہ جل اٹھے مگر مجرم بہرحال یزید ہی کے لشکری قرار دیئے جائیں۔ یہ ہے راویانِ خوش بیان کا کمالِ فن، باغیانہ سرگرمیوں کا مرکز متخلفین مدینہ و کعبہ کو بنائیں اور کسی پرامن تقسیم

و تذکیر کو قبول نہ کریں، لیکن یزید جھک مار کے پولیس ایکشن کا اقدام کرے تو وعید کا مستوجب وہی ٹھہرے۔ پھر ہرزہ سرا قصہ گو تصنیفی قوت سے دو ہزار محترم خواتین مدینہ کو حاملہ بنائیں اور تخیل کی تلوار سے بچوں کو ذبح کریں تو گردن ناپی جانے یزید کی اور بدنام ہوں وہ معاویہؓ جنہوں نے یزید کو خلافت سونپی تھی۔ یہ تکنیک دلچسپ ضرور ہے مگر اس لائق نہیں کہ اس پر ایمان ہی لے آیا جائے۔

(جواب تبصرہ مولانا عامر عثمانی بر تبصرہ "عبدالحمید صدیقی" مطبوعہ ماہنامہ "تجلی" دیوبند، جون - جولائی ۱۹۶۱ء، وراجع ایضاً، تحقیق مزید، محمود عباسی، طبع کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۴۵۷-۴۶۳)۔

اہل مدینہ کے ایک طبقہ کی یزید کے خلاف بغاوت کا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، سیدنا علی زین العابدین، سیدنا محمد بن علی، ابن الحنفیہ، سیدنا محمد الباقر اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سمیت اکثر اکابر قریش و بنی ہاشم نے بیعت یزید کو سختی سے برقرار رکھا۔ اور باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

۱- برادر حسنینؓ سیدنا محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) الهاشمی القرشی (م ۸۱ھ، مدینہ)

برادر حسنین سیدنا محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) امام شیعہ فرقہ کیسانیہ سے جب عبداللہ بن مطیع نے بیعت یزید توڑنے کا مطالبہ کیا اور اس سلسلہ میں یزید کے فاسق و فاجر ہونے کی دلیل دی تو آپ نے بیعت توڑنے سے انکار کرتے ہوئے یزید کے فسق و فجور کی تردید ان الفاظ میں فرمائی:-

"وقد حضرته واقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلاة متحرياً للخير يسئال عن الفقه، ملازما للسنة-" (ابن كثير، البداية و النهاية، ج ۸، ص ۲۳۳)

ترجمہ:- میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور اس کے ہاں مقیم رہا ہوں۔ پس میں نے اسے نماز کا پابند، کار خیر میں سرگرم، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا ہے۔

علامہ ابن کثیر، سیدنا ابن الحنفیہ کے بارے میں واقعہ حرہ کے حوالہ سے یہ بھی لکھتے ہیں:-

"وكذلك لم يخلع يزيد أحد من بني عبدالمطلب- وسئل محمد بن

الحنفية فی ذلک فامتنع من ذلک أشد الامتناع و ناظرهم و جادلهم فی یزید و رد علیهم ما اتهموہ من شرب الخمر و ترکه بعض الصلاة-"
(ابن کثیر، البدایة و النهایة، ج ۸، ص ۲۱۸)-

ترجمہ:- اور اسی طرح بنو عبدالمطلب میں سے بھی کسی نے یزید کی بیعت نہ توڑی- اور محمد بن حنفیہ سے اس (بیعت یزید توڑنے کے) معاملے میں درخواست کی گئی تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا اور ان (باغیوں) سے یزید کے بارے میں بحث و مجادلہ کیا- نیز انہوں نے یزید پر شراب نوشی اور بعض نمازوں کے قضاء کر دینے کے جو الزامات لگائے تھے ان کو مسترد کرتے ہوئے یزید کی صفائی میں دلائل دیئے-

پیکر علم و شجاعت سیدنا ابن الحنفیہ اپنی والدہ سیدہ حنفیہ (خولہ بنت جعفر) کی نسبت سے ابن الحنفیہ مشہور ہیں اور انہوں نے اپنے بھائی سیدنا حسینؓ کو مدینہ سے مکہ آ کر کوفیوں کے بھروسے پر خروج سے منع فرمایا:-

"فأدرک حسیناً بمکة فأعلمه أن الخروج لیس له برأی یومه هذا- فأبی الحسین أن یقبل، فحبس محمد بن الحنفیة ولده فلم یبعث احداً منهم حتی وجدالحسین فی نفسه علی محمد وقال: ترغب بولدک عن موضع اصاب فیه؟ فقال: وما حاجتی الی أن تصاب و یصابون معک، وان کانت مصیبتک أعظم عندنا منهم-"
(ابن کثیر، البدایة والنهایة، ج ۸، ص ۱۶۵)-

ترجمہ:- پس ابن الحنفیہ مکہ میں حسین کے پاس پہنچ گئے اور ان سے کہا کہ ان کی رائے میں اس وقت (اہل کوفہ کے بھروسے پر) خروج کا خیال بالکل مناسب نہیں ہے- حسین نے یہ رائے قبول نہ فرمائی- پس محمد بن حنفیہ نے اپنی اولاد کو روک دیا اور ان میں سے کسی کو بھی ان کے ساتھ نہ بھیجا، جس پر حسین کو دل میں محمد (ابن الحنفیہ) پر رنج ہوا اور فرمانے لگے: تم اپنی اولاد کو میری جان سے زیادہ عزیز رکھ رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اور آپ کے ساتھ وہ بھی کیوں مصیبت میں پڑیں- اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کی مصیبت میرے لئے ان کی مصیبت سے زیادہ باعث رنج ہے-

(۲-۳) سیدنا علی زین العابدینؒ (م ۹۴ھ)

وسیدنا محمد الباقرؒ الھاشمی القرشی (م ۱۱۲ھ)

سیدنا علی بن الحسین زین العابدینؒ اور ان کی اولاد و اقارب نے واقعہ حرہ کے دوران میں بیعت یزید کو برقرار رکھا اور یزید کو خط لکھ کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا، جس پر یزید نے امیر لشکر مسلم بن عقبہ کو ان سے حسن سلوک کی خصوصی ہدایت فرمائی:-

"وانظر علي بن الحسين فاكفف عنه وا ستوص به خيراً فانه لم يدخل مع الناس وانه قد أتاني كتابه-" (الكامل لابن الاثير، ۳/۳۵)

ترجمہ:- اور علی بن حسین کا خاص خیال رکھنا، انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دینا، وہ (باغی) لوگوں کے ساتھ شامل نہیں اور ان کا خط بھی میرے پاس آچکا ہے۔

چنانچہ سیدنا علی زین العابدینؒ کے فرزند سیدنا محمد الباقر سے واقعہ حرہ کے سلسلہ میں روایت ہے کہ ان کے خاندان کا کوئی فرد یزید کے خلاف بغاوت میں شریک نہیں ہوا تھا:-

"سئال يحيى بن شبل ابا جعفر عن يوم الحرة، هل خرج فيه أحد من أهل بيتك؟ فقال ماخرج أحد من آل أبي طالب ولا خرج فيها احد من بني عبدالمطلب، لزموا بيوتهم-

فلما قدم مسرف (اعني مسلم بن عقبة) وقتل الناس وسار الى العقيق، سئال عن أبي علي بن الحسين أحاضر هو؟ فقيل له نعم، فقال مالي لا اراه؟ فبلغ أبي ذلک فجائه و معه أبو هاشم و عبدالله ابنا محمد بن علي (ابن الحنفية) فلما رأى أبي رحب به وأوسع له على سريره، ثم قال كيف حالک بعدي؟ قال: انی أحمد الله اليک- فقال مسرف: ان أميرالمؤمنين أوصاني بک خيراً- فقال أبي: وصل الله امير المؤمنين-"

(ابن سعد، الطبقات الكبرى، ذكر علي بن الحسين، والامامة والسياسة، ج۱، ص ۲۳۰)

ترجمہ:- پس جب مسرف (مسلم بن عقبہ) آئے اور (مدینہ کے باغی) لوگوں سے قتل و قتال کے بعد وادی عقیق روانہ ہوئے تو میرے والد علی بن حسین کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں۔ پس انہیں بتایا گیا کہ ہاں موجود ہیں، تو انہوں نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں ان سے نہیں مل پایا؟ پس جب یہ بات میرے والد تک پہنچی تو وہ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کے دو بیٹوں ابو ہاشم و عبداللہ کے ہمراہ ان کے پاس تشریف لائے۔ پس جب مسلم نے میرے والد کو دیکھا تو انہیں خوش آمدید کہا

اور اپنی نشست گاہ پر جگہ دی۔ پھر پوچھا کہ میرے بعد آپ کا حال کیسا رہا تو انہوں نے فرمایا: خدا کا شکر ہے۔ مسرف (مسلم) کہنے لگے کہ امیرالمؤمنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی ہے۔ اس پر میرے والد (علی زین العابدینؒ) نے فرمایا: اللہ امیرالمؤمنین (یزید) کو جزا دے۔

"الامامہ والسیاسہ" میں یہ روایت یوں درج ہے:۔

وسئال مسلم بن عقبة قبل أن يرتحل من المدينة عن على بن الحسين أحاضر هو؟ فقيل له نعم- فأتاه على بن الحسين و معه ابناه- فرحب بهما و سهل و قربهم- وقال: أن اميرالمؤمنين أوصانى بك-

فقال على بن الحسين: وصل الله أمير المؤمنين وأحسن جزائه-"

(الامامة و السياسة، جلد اول، ص ٢٣٠).

ترجمہ:۔ مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے روانگی سے قبل علی بن الحسین (زین العابدین) کے متعلق دریافت کیا کہ کیا وہ موجود ہیں؟ انہیں بتایا گیا کہ ہاں (مدینہ ہی میں ہیں)۔ پس علی بن حسین اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ اس کے پاس آئے تو اس نے انہیں خوش آمدید کہا۔ استقبال کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا:۔ امیرالمؤمنین (یزید) نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ سن کر علی بن حسین نے فرمایا:۔ اللہ امیرالمؤمنین پر رحمت فرمائے اور انہیں جزائے خیر دے۔

ابن کثیر واقعہ حرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ اور اہل بیتؓ نے یزید کی بیعت برقرار رکھی۔

"وكان عبدالله بن عمر بن الخطاب و جماعات أهل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد ولا بايع أحداً بعد بيعته ليزيد-"

(ابن كثير، البداية والنهاية، ج ٨، ص ٢٣٢)-

ترجمہ:۔ جماعات اہل بیت نبوت اور عبداللہ بن عمر بن خطاب ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے بیعت (یزید) نہیں توڑی اور یزید کی بیعت کر لینے کے بعد کسی اور کی بیعت نہیں کی۔

ابن کثیر یہ بھی لکھتے ہیں:۔

"وكذلک لم يخلع يزيد أحد من بنى عبدالمطلب-"

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۲۱۸)

ترجمہ:- اور اسی طرح بنو عبدالمطلب میں سے کسی ایک نے بھی یزید کی بیعت نہ توڑی۔

۴- برادر سیدہ حفصہ ام المؤمنینؓ،
عبداللہ بن عمر العدوی القرشیؓ (م ۷۴ھ، مکہ)

برادر سیدہ حفصہ ام المؤمنین سیدنا عبداللہ بن عمر العدوی القرشی کے بیعت یزید برقرار رکھنے کے سلسلہ میں صحیح البخاری، کتاب الفتن میں روایت ہے کہ:-

"عن نافع قال: لما خلع اهل المدينة يزيد بن معاوية، جمع ابن عمر حشمه وولده، فقال انی سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:- ينصب لكل غادر لواء يوم القيامة-

وانا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله و رسوله- وانی لاأعلم غدراً أعظم من أن يبايع رجل على بيع الله و رسوله ثم ينصب له القتال، وانی لا أعلم احداً منكم خلعه ولا بايع فی هذا الأمر الاكانت الفيصل بينی و بينه-"

(صحیح البخاری، کتاب الفتن، طبع الهند، ج ۲، ص ۱۰۵۲)۔

ترجمہ:- نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر نے اپنے مخصوصین و اولاد کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:- قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔

اور ہم نے اس شخص (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کی ہے۔ اور میں اس سے بڑی غداری کوئی نہیں جانتا کہ کسی شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے، پھر اس کے مقابلے میں قتال کے لئے اٹھ کھڑے ہوا جائے۔ پس میرے علم میں یہ بات نہ آنے پائے کہ تم میں سے کسی نے یزید کی بیعت توڑی اور اس معاملہ (بغاوت) میں کوئی حصہ لیا ہے، ورنہ میرے اور ایسا کرنے والے کے درمیان کوئی تعلق باقی نہ رہے گا۔

روایات کے مطابق سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی بھتیجی اور سیدنا عمر فاروق کی پوتی

سیدہ ام مسکین بھی سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی طرح زوجہ یزید تھیں۔

"ام مسکین بنت عاصم بن عمر، خالة عمر بن عبدالعزیز، زوجة یزید بن معاویة-"

(ذہبی، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ج ۳، ص ۳۰۰، بذیل الکنی للنسوة)-

ترجمہ:- ام مسکین بنت عاصم بن عمر، یزید بن معاویہ کی زوجہ اور عمر بن عبدالعزیز کی خالہ تھیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق عدوی قرشی کے بارے میں ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت حسینؓ اور حضرت ابن زبیرؓ ایک ہی رات میں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لئے نکلے تھے۔ اس روایت کے حوالہ سے ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ اثنائے راہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی عمرہ سے واپس آتے ہوئے انہیں ملے اور ان دونوں صاحبان سے کہنے لگے:-

"أذکرکما الله الا رجعتما فدخلتما فی صالح مایدخل فیه الناس و تنظرا، فان اجتمع الناس علیه فلم تشذا وان افترقوا علیه کان الذی تریدان-" (ابن کثیر، البدایة والنهایة، ج ۸، ص ۱۶۲)

ترجمہ:- میں اللہ کا واسطہ دے کر تم دونوں سے کہتا ہوں کہ لوٹ چلو تاکہ جو مناسب بات اور لوگ اختیار کریں تم بھی اس کو اختیار کر لو۔ پھر دیکھو اگر لوگ پوری طرح ایک بات (خلافت یزید) پر متفق ہو گئے تو تم انحراف کرنے والوں میں سے نہیں ہو گے اور اگر اختلاف ہوا تو تم دونوں کی مراد پوری ہو جائے گی۔

مگر سیدنا ابن عمرؓ کی اس بات کو نہ سیدنا حسینؓ نے قبول کیا اور نہ ہی سیدنا ابن زبیرؓ نے۔ اور دونوں مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

اکابر قریش و بنی ہاشم وائمہ اھل تشیع کے بیعت یزید کو برقرار رکھ کر اس کے خلاف بغاوت کی حوصلہ شکنی کرنے کے باوجود ابن کثیر ہی کی بیان کردہ ایک روایت کے مطابق باغیوں پر قابو پانے کے بعد ان کی عورتوں سے بدسلوکی کی گئی۔

"حتی قیل انه حبلت الف امرأة فی تلک الأیام من غیر زوج-"

(ابن کثیر، البدایة والنهایة، ج ۸، ص ۲۱۹، الخ)-

(حتی کہ بیان کیا گیا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ

ہوئیں)۔

محققین کے نزدیک اگر حرم رسول ؐ میں عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی تو یقیناً اکابر قریش و بنی ہاشم اس کی مذمت و تدارک کرتے۔ نیز ابن کثیر نے قیل (بیان کیا گیا) لکھ کر اس منفی روایت کے کمزور ہونے کا ثبوت خود ہی فراہم کر دیا ہے کیونکہ زنا جیسے سنگین جرم میں جہاں ایک ہزار عورتوں کی بے حرمتی کے ثبوت کے طور پر چار چار گواہوں کے حساب سے چار ہزار عینی شاہدین کے اقوال و شہادات درکار ہیں، کسی کا نام لئے بغیر محض "قیل" لکھ کر متاثرہ خواتین کی تعداد ایک ہزار بتلانے کا مطلب یہ ہے کہ ابن کثیر کے نزدیک بھی یہ روایت متعدد مثبت و محکم روایات و شواھد کی موجودگی میں شک و شبہ سے بالاتر نہیں۔ اور اس بیان شدہ گھناؤنے جرم کے بعد بھی باغیرت اکابر قریش و بنی ہاشم بشمول اہل بیت علیؓ کا بیعت یزید کو برقرار رکھنا ایسی روایت کے باطل و من گھڑت ہونے کی محکم دلیل ہے۔ نیز ان حق پرست و باغیرت اکابر قریش و بنی ہاشم کے واقعہ حرہ سے پہلے اور بعد بیعت یزید کو برقرار رکھنے کے حوالہ سے یزید کو واقعہ حرہ کے سلسلہ میں موردالزام ٹھہرانا اور باغیوں کو برسرحق بتلانا بھی حقائق کے منافی قرار پاتا ہے۔

اس سلسلہ میں بعض مزید دلائل و شواہد بھی کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی خاطر درج ذیل ہیں:-

۱- یزید مخالف حضرات خلیفہ یزید کو مدینہ میں وقوع پذیر اس مبینہ و مفروضہ اجتماعی زناکاری کا براہ راست ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس نے باغیان مدینہ پر فتح پانے کی صورت میں ان کی ہر چیز اپنے لشکر کے لئے مباح قرار دیدی تھی۔ مگر مدافعین یزید کا کہنا ہے کہ اس دلیل کی بناء پر یہ سمجھنا کہ یزید نے باغیوں کی خواتین سے زنا کاری کو بھی حلال قرار دیدیا تھا، تو ایسا عملاً و شرعاً و سیاستاً ہر لحاظ سے محال ہے۔ کیونکہ اول تو بعض مذکورہ روایات میں تین دن تک باغیان مدینہ کو اطاعت کیلئے مہلت دینے اور سمجھانے بجھانے کے بعد جنگ کی صورت میں مغلوب کر لینے کے بعد بطور سزا صرف باغیوں کا مال و غلہ و اسلحہ لشکریوں کیلئے مباح قرار دینے کا ذکر ہے۔ اور ثانیاً یہ بات سیاسی حکمت عملی کے لحاظ سے بھی قابل تسلیم و یقین نہیں قرار پاتی کہ بچاس ل کھ

سے زائد مربع میل پر محیط عالم اسلام کا خلیفہ، یزید آیسا خلاف شریعت و انسانیت حکم دیگر، اور وہ بھی خاص مرکز انصار و مہاجرین، مدینۃ الرسول ؐ کے بارے میں، اپنے سیاسی مخالفین (حامیان آل زبیرؓ) کو تقویت بخشے اور اپنے اقتدار کو اخلاقی و سیاسی لحاظ سے متنزلزل کرنے کا خود ہی باعث بن جائے۔ جبکہ ایسا کوئی حکم اس نے نہ تو کبھی باغیانِ مدینہ سے زیادہ خطرناک شیعان کوفہ کے بارے میں دیا ہو اور نہ مکہ میں مقیم مدعیان خلافت آل زبیرؓ کے بارے میں۔

اور اس پر مستزاد یہ کہ ابن عمرؓ وابن جعفرؓ وابن الحنفیہؒ و علی زین العابدینؒ سمیت کم و بیش تمام اکابر صحابہؓ و اہل بیتؓ اپنی تمام تر جرأت و عزیمت و حق پرستی کے باوجود حرام خداوندی کو حلال قرار دینے والے اس مبینہ حکم یزیدی پر مطلع ہونے کے بعد بھی باغیوں کا ساتھ دینے کے بجائے بیعت یزید کو برقرار رکھنے پر مصر رہیں، اور برادر حسنینؓ، محمد بن حنفیہؒ جیسے اکابر اہل بیت باغیوں کے سامنے یزید کے فسق و فجور کی تردید اور تمام و سنت کا پابند ہونے نیز فقہ سے واقفیت و کار خیر میں سرگرمی کی عینی شہادتیں پیش کرتے پھریں حتی کہ طبری جیسے شیعہ یا نیم شیعہ مؤرخ کی روایت کے مطابق اسی لشکر یزید کو مکہ سے واپس دمشق جاتے ہوئے مدینہ میں ؑ علی زین العابدینؒ خوش آمدید کہتے ہوئے جانوروں تک کے لئے دانہ چارہ عنایت فرمائیں۔ یعنی چہ؟

۲- اگر یہ مبینہ و مفروضہ اجتماعی زناکاری خلیفہ یزید کے کسی حکم صریح کے بغیر لشکر یزید نے اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری پر کی تھی تو اس صورت میں یزید کو اس فعل قبیح کا براہ راست ذمہ دار قرار دینا ممکن نہیں۔ البتہ اس صورت میں ایسے بدکردار لشکریوں پر حدِ شرعی جاری کرنا یزید کی شرعی و اخلاقی ذمہ داری تھی۔ مگر مشکل یہ ہے کہ واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) کے چند ماہ بعد (۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو) یزید کا شام میں انتقال ہو گیا۔ اور یہی لشکر یزید جو ابن زبیرؓ کے حامی باغیان مدینہ پر قابو پانے کے بعد لشکر ابن زبیرؓ سے حرم مکی خالی کروانے کیلئے مکہ پہنچا تھا، وفات یزید کی خبر سنکر مسجد الحرام میں قلعہ بند لشکر ابن زبیرؓ کا محاصرہ ختم کر کے براہ مدینہ دمشق کے لئے روانہ ہو گیا۔ اور یزید کی وفات و تدفین کے کئی روز بعد دمشق پہنچا۔

ایسی صورت میں یزید کو لشکریوں کے کرتوتوں کی تحقیق و تفتیش اور نفاذ حد و تعزیر نہ کرنے کا الزام دینا چہ معنی دارد؟

۳- البتہ چونکہ وفات یزید و دست برداری معاویہ ثانی (۶۴ھ) کے بعد ارض حجاز پر کئی برس تک (۶۴ - ۷۳ھ) سیدنا عبد اللہ بن زبیر کی خلافت قائم رہی، تو اس عرصہ میں اس سنگین ترین جرم لشکر یزید کی تحقیق و تفتیش اور اکابر مدینہ نیز ہزاروں متاثرہ خواتین و خانوادوں کے تفصیلی بیانات حاصل کر کے مقدمہ کا فیصلہ کرنا اور حکم شرعی کا اعلان و حتی الامکان تلافی مافات اہل خلافت کی شرعی ذمہ داری تھی۔ مگر کسی ایسے مقدمہ کی جملہ مستند تفصیلات و نتائج سے اوراق تاریخ خالی ہیں۔ پھر یہ نقطہ بھی پیش نظر رہے کہ اواخر ۶۳ھ (واقعہ حرہ) میں نشانہ بیحرمتی بننے والی ہزار دو ہزار مظلوم خواتین کا حمل ظاہر ہونے کے لئے جو کم از کم مدت درکار تھی، وہ خلافت یزید (ربیع الاول ۶۴ھ) تک کسی صورت میں پوری نہیں ہوتی جبکہ بعد ازاں حجاز پر یزید مخالف آل زبیرؓ کی خلافت قائم ہو گئی تھی۔ اور شام میں پہلے مروانؓ بن حکم (۶۴ - ۶۵ھ) اور پھر عبدالملک بن مروانؒ خلیفہ بنے۔ اس متوازی و متحارب شامی خلافت بنی امیہ کے خلاف خلافت آل زبیرؓ کے کوفی و حجازی حامیان نے اگر سیاسی زیب داستان کے لئے واقعہ حرہ کی تفصیلات میں بیحرمتی خواتین و استقرار حمل کے پروپیگنڈہ کا اضافہ کر کے مؤرخین کو منتقل کر دیا ہو، تو اس کی تصدیق ہزاروں شرعی گواہوں اور غیر جانبدار تحقیق کے بغیر کر دینا شرعاً و اخلاقاً ہر لحاظ سے غلط قرار پاتا ہے۔ اور ایسا جھوٹا منفی پروپیگنڈہ اس لئے خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اس سے بدرجہا اعلیٰ و ارفع خلافت راشدہ علویہ کے بارے میں باد یانِ مؤرخین نے یہاں تک روایت کر دیا ہے کہ سیدنا علیؓ و معاویہؓ ایک دوسرے پر نماز فجر میں لعنت بھیجتے تھے اور اس کار خیر کی ابتداء بھی خلیفہ راشد علیؓ نے فرمائی تھی۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) :-

"وكان على اذا صلى الغداة يقنت و فيقول: اللهم العن معاوية و عمراً و ابا الاعور و حبيباً و عبدالرحمن بن خالدوالضحاک بن قيس و الوليد- فبلغ ذلک معاوية فكان اذا قنت لعن علياً و ابن عباس و الحسن و الحسين والاشتر-"

(تاریخ الطبری، ج۶، صـ ۴۰)

ترجمہ:- اور (واقعہ تحکیم جنگ صفین کے بعد) علی جب فجر کی نماز پڑھتے تو وہ حالت قیام میں بددعا کرتے ہوئے کہتے کہ: اے اللہ! لعنت کر معاویہ، عمرو (بن عاص) ابوالاعور پر، حبیب، عبدالرحمن بن خالد، ضحاک بن قیس اور ولید پر۔ پس جب یہ خبر معاویہ تک پہنچی، تو وہ بھی جب نماز میں کھڑے ہوتے تو علی وابن عباس و حسن وحسین و اشتر پر لعنت بھیجتے۔

۴- امیر لشکر یزید مسلم بن عقبہؓ عمر رسیدہ صحابی رسول ؐ تھے۔ اگر ایک صحابی رسول ؐ نے ایک غیر صحابی خلیفہ (یزید) کے اخلاق و شریعت کی دھجیاں بکھیر دینے والے مبینہ حکم زنا و اباحت مدینہ کو تسلیم کیا تھا، تو یہ بات یزید پر الزام تراشی سے بھی زیادہ سنگین و ناقابل تسلیم ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے حکم یزید کے بغیر بحیثیت امیر لشکر اس اجتماعی زناکاری کا حکم دیا یا اسے برداشت کیا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) تو سینکڑوں میل دور دمشق میں مقیم یزید پر الزام تراشی سے بھی زیادہ ایک صحابی رسول ؐ پر ایسا گھناؤنا الزام شرعاً و اخلاقاً ناقابل قبول قرار پاتا ہے اور صحابی بھی ایسے عمر رسیدہ کہ اس واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) کے چند ہفتے بعد (محرم ۶۴ھ) انتقال کر گئے۔ چنانچہ مسلم بن عقبہؓ کی شخصیت کو داغدار کرنے کے لئے بعض روایات میں یہاں تک بیان کر دیا گیا کہ وہ "مسلم" کے بجائے "مسرف" (اسراف و زیادتی کرنے والا) کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ مگر اس میں بھی مشکل یہ ہے کہ: لا تنابزوا بالألقاب ۔ آپس میں ایک دوسرے کے بورے نام نہ رکھو۔(الحجرات) جیسے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے صحابی کو "بدنام" کرنے والے راویان کیا قرآن و سنت کے بیان کردہ اعلیٰ مقام صحابہؓ سے اتنے ہی بے خبر (بصورت دیگر بغض صحابہؓ کے حامل) تھے کہ صحابی کو "مسلم" کے بجائے "مسرف" روایت کر دیا۔ اور یہ بھی روایت کر دیا کہ علی زین العابدین ان سے ملاقات کے لئے خود تشریف لائے اور یزید کے لئے: وصل اللہ امیر المؤمنین۔ اللہ امیر المؤمنین کو جزا دے۔ طبقات ابن سعد والامامہ والسیاسہ) جیسے دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے۔

۵- مزید براں لشکر یزید کے سپاہی نیز باغیان مدینہ اور ان کی عورتیں تمام کے

تمام عصر صحابہؓ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور :۔خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم۔ (بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر جو ان کے بعد میں کی حدیث نبوی کے مطابق فرق مراتب کے باوجود تابعین میں شمار اخیار امت تھے۔ ان کے باہم سیاسی و شخصی اختلافات سے قطع نظر ان کے بارے میں عرب و اسلام کی تمام تر مذہبی و اخلاقی روایات کے منافی ایسا گھناؤنا الزام لگانا، اور وہ بھی "ایک (یا دو) ہزار عورتوں کے بغیر نکاح کے حاملہ ہونے" کے الفاظ میں، ایک ایسی شیطنت آمیز روایت ہے جس کے تباہ کن مضمرات و اثرات کا اندازہ نقل کرنے والے بعض قدیم و جدید مورخین بھی پوری طرح نہیں کر پائے۔ کیونکہ اگر عصر صحابہؓ سے تعلق رکھنے والے سیاسی مخالفین، عرب و اسلام کی تمام تر شاندار جنگی روایات کو توڑتے ہوئے اخلاق و کردار کا اتنا گھٹیا مظاہرہ خاص مدینۃ الرسول ؐ میں یزید کے حامی اکابر صحابہؓ و اہل بیتؓ کی موجودگی میں ایک صحابی ہی کی زیر قیادت ہزاروں کی تعداد میں برسرعام کر رہے تھے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) تو عصر صحابہؓ سے تعلق رکھنے والوں کا یہ مبینہ اخلاقی دیوالیہ پن (معاذ اللہ) ان کو نیز قرن اول کے اسلام کو اس قابل کہاں چھوڑتا ہے کہ وہ آئندہ صدیوں کے اہل اسلام اور پورے عالم انسانیت کی تاقیامت اخلاقی و اجتماعی اور دنیوی و اخروی حالت سدھارنے کے دعویدار بن سکیں۔

حتی کہ اگر ایسا الزام چودہ صدیاں بعد کی کسی مذہبی و روحانی جماعت کے قائدین و معتقدین پر عائد کیا جائے تو ان کی آنکھوں میں بھی خون اتر آئے اور وہ مرنے مارنے پر تل جائیں۔ جبکہ یہی الزام قرن اول کے اخیار امت کے معاملے میں اک شان بے نیازی کے ساتھ برداشت و روایت کیا جا رہا ہے،

فلعنة الله على الكاذبين۔

ان دلائل و حقائق کی روشنی میں واقعہ حرہ و بےحرمتی مدینہ کے سلسلہ میں یزید و لشکر یزید پر عائد شدہ الزامات کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ واللہ عزیز ذو انتقام۔

۶- لشکر یزید نے حصار ابن زبیرؓ کے دوران میں کعبہ پر سنگباری کی؟

واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) کے بعد مسلم بن عقبہؓ حرم مکی پر سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کا قبضہ ختم کروانے کے لئے مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے، مگر راستہ میں محرم ۶۴ھ میں المشلل کے مقام پر انتقال کر گئے اور امیر حصین بن نمیر السکونی نے قیادت لشکر سنبھالی۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر جنہوں نے صحابہ کرامؓ کی اکثریت کے برعکس خلافت یزید (رجب ۶۰ - ربیع الاول ۶۴ھ) میں تین سال سے زائد عرصہ تک مکہ کو مرکز بنا کر خروج و مقاومت کا عمل جاری رکھا، لشکر یزید کی آمد کے موقع پر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مسجد حرام میں قلعہ بند ہو گئے۔ اور باہم لڑائی میں روایت کیا جاتا ہے کہ لشکر یزید کی سنگباری سے کعبہ کی ایک دیوار شکستہ ہو گئی۔ نیز ایک دوسری روایت کے مطابق لشکر ابن زبیر کے ایک شخص کی بے احتیاطی سے غلاف کعبہ بھی جل گیا:۔

"ان رجلاً من اصحاب ابن الزبیر یقال له مسلم اخذ ناراً فی خیفة علی رأس رمح فی یوم ریح فطارت بشعلة فلحقت بأستار الکعبة، فأحرقتها۔"

(البلاذری، انساب الاشراف، ص ۵۵).

ترجمہ:۔ ابن زبیر کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جسے مسلم کہتے تھے، برچھی کی نوک پر ایک انگارہ اٹھا رہا تھا، اس دن تیز ہوا چل رہی تھی، اس کی چنگاری غلاف کعبہ پر جا پڑی جس سے وہ جل گیا۔

چند ہفتے لشکر یزید کی جانب سے مسجد الحرام و کعبہ میں موجود لشکر ابن زبیر کا محاصرہ جاری رہا، پھر وفات یزید (۱۴ ربیع الاول، ۶۴ھ) کی خبر ملنے پر اٹھا لیا گیا۔ اور سیدنا ابن زبیرؓ نے وفات یزید کے بعد باقاعدہ اعلان خلافت کر کے حجاز و عراق پر ۷۳ھ تک اپنی خلافت قائم رکھی۔ بعد ازاں حجاج بن یوسف کے دور میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ کعبہ میں باہم لڑائی کے حوالہ سے علامہ شبلی نعمانی عرب مسیحی مورخ جرجی زیدان کے حجاج پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے دیگر دلائل کے علاوہ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

"ثم ان من مسائل الفقه أن البغاة اذا تحصنوا بالکعبة لا یمنع هذا عن قتالهم- ولذلک أمر النبی فی وقعة الفتح بقتل أحدهم وهو متعلق

بأستار الكعبة- وابن الزبير كان عند اهل الشام من البغاة-"
(شبلیؒ النعمانی، رسالة الانتقاد)-

ترجمہ:- پھر مسائل فقہ میں سے یہ بھی ہے کہ اگر باغی کعبہ میں قلعہ بند ہو جائیں تو ان کی یہ پناہ گزینی، ان سے جنگ و قتال میں رکاوٹ نہیں بن سکتی اور اسی لئے نبیؐ نے فتح مکہ کے موقع پر ایک کافر کے قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا جو غلاف کعبہ کے پردے پکڑے ہوئے تھا- اور حضرت ابن زبیر بھی اہل شام کے نزدیک باغیوں میں سے تھے-

سنگباری دیوار کعبہ کے الزام کے جواب میں یزید کی صفائی دینے والے کہتے ہیں کہ اول تو یزید دمشق میں اس وقت بستر مرگ پر تھا اور اسے مکہ کے واقعات کی تفصیلات معلوم نہ تھیں- اور بالفرض لشکر یزید و ابن زبیرؓ کی باہم لڑائی میں سنگباری و شکستگی دیوار کعبہ کی اطلاع دمشق پہنچ بھی چکی ہو، تب بھی خلیفہ یزید کے لئے لشکر کی واپسی سے پہلے ہی موت نے لشکر کے افراد کے مجرم ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق و تفتیش کا راستہ بند کر دیا، لہذا اس حوالہ سے بھی اسے مورد الزام ٹھہرانا ممکن نہیں- نیز اگر خروج کرنے والے کعبہ میں پناہ گزین تھے تو شرعاً ان سے حرم خالی کروانے میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت تھی اور بے حرمتی کعبہ کا الزام غلط ہے کیونکہ یزید تو وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے کعبہ کی تعظیم و توقیر کرتے ہوئے دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا:-

"اول من كساه (الكعبة المعظمة) الديباج يزيد بن معاوية-"
(البلاذری، فتوح البلدان، ص ۴۷، والجامع اللطيف، ص ۱۰۵)-

ترجمہ:- اس (کعبہ معظمہ) پر سب سے پہلے جس (خلیفہ) نے دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا، وہ یزید بن معاویہ تھا-

نیز چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر دین و شریعت کے علمبردار باغیوں سے کعبہ خالی کروانے کے لئے علماء و مفتیان حرمین نے حرم میں لڑائی کے جائز ہونے کا باقاعدہ فتویٰ دیا، جس کے مطابق اسلحہ استعمال کر کے حرم خالی کروایا گیا- ممتاز حنفی عالم دین علامہ عطاء اللہ بندیالوی لشکر یزید کے ہاتھوں بے حرمتی کعبہ کے الزام کو غلط قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"۱۹۸۰ء میں چند شرارتی لوگوں نے بیت اللہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ طواف رک گیا، اذان بند ہو گئی۔ تقریباً تیرہ دن جماعت نہ ہو سکی۔ پھر حکومت وقت نے کارروائی کی۔ ٹینک داخل ہوئے، گولیاں چلیں، بیت اللہ کو بھی ایک دو گولیاں لگیں۔ حکومت وقت نے بغاوت پر قابو پالیا، باغی گرفتار ہوئے، انہیں پھانسی کی سزا دی گئی۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر فیصلہ دیجئے کہ قصور کس کا تھا؟ بیت اللہ کی بے حرمتی کا ذمہ دار کون ہے؟ باغی یا سعودی حکومت؟ ہر صاحب انصاف کا فیصلہ یہی ہو گا کہ جنہوں نے بغاوت کی وہی ذمہ دار ہیں اور جنہوں نے بغاوت کو کچلنے کے لئے کارروائی کی، وہ بیت اللہ کی بے حرمتی کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اسی طرح واقعہ حرہ میں غلطی اور قصور باغیوں کا ہے۔ یزید کے لشکر نے تو اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے کارروائی کی تھی۔"

(عطاء اللہ بندیالوی، واقعہ کربلا اور اسکا پس منظر، ص ۲۶-۲۷، المکتبۃ الحسینیہ سرگودھا، بار سوم مئی ۱۹۹۵ء)

لشکر یزید کے ہاتھوں سنگباری کعبہ کے الزام کے حوالہ سے یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جس طرح لشکر ابن زبیرؓ کی قیادت ایک صحابی کے ہاتھ میں تھی، اسی طرح امیر لشکر یزید حصین بن نمیرؓ بھی صحابی رسول ﷺ تھے:-

"حصین بن نمیر الکوفی الکندیؓ حضرت معاویہ بن خدیج الکندی کے بنو اعمام میں سے تھے۔ سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں الاردن کے عامل رہے۔ کتاب "تجارب الامم" اور "التنبیہ و الاشراف" میں ان کو کاتبان رسول ﷺ اور خاص کر "المداینات و المعاملات" کے کاتبین میں شمار کیا گیا ہے۔ (ص ۲۸۲، التنبیہ)۔ مدینہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے امیر المؤمنین یزیدؒ نے جو لشکر بھیجا تھا، اس کے افسر یہ صحابی تھے۔ امیر مسلم بن عقبہ کے فوت ہو جانے پر لشکر کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ مکہ معظمہ کا حصار ان کی سرکردگی میں کیا گیا تھا۔ جو امیر یزید کی وفات کی خبر آنے پر اٹھا لیا گیا تھا۔ حضرت ابن زبیرؓ سے انہوں نے کہا تھا کہ میرے ساتھ ملک شام کو، کہ مستقر خلافت ہے، چلئے، ہم سب آپ کی بیعت خلافت کرنے کو آمادہ ہیں۔ مگر ابن زبیرؓ نے یہ پیشکش قبول نہ کی۔ حضرت حصینؓ، امیر المؤمنین عبدالملک کے عہد خلافت میں فوت ہوئے۔ ان کے فرزند یزید بن حصینؒ اور پوتے معاویہ بن یزید بن حصینؒ بھی اپنے زمانہ میں حمص کے گورنر رہے۔"

(محمود عباسی، تحقیق مزید، کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۲۷)-

ان جلیل القدر صحابی رسولؐ کی سپہ سالاری میں لشکر یزید پر یہ الزام تراشی کہ اس نے جانتے بوجھتے بیحرمتی کعبہ کی، کسی طور بھی قابل قبول نہیں اور کعبہ میں قلعہ بند لشکر ابن زبیرؓ اور اس کا محاصرہ کرنے والے لشکر یزید کی باہم لڑائی و سنگباری میں غلاف کعبہ جلنے یا شکستگی دیوار کعبہ کا ذمہ دار محض لشکر یزید کو قرار دینا اور مسجد الحرام میں قلعہ بند لشکر ابن زبیرؓ کو ہر لحاظ سے بری قرار دینا، انصاف کے تقاضوں کے کہاں تک مطابق ہے، اس کا فیصلہ غیر جانبدار محققین خود ہی بہتر کرسکتے ہیں- نیز قرآن و سنت کے بیان کردہ مقام صحابہؓ سے واقف علماء و صالحین خود ہی اندازہ کرسکتے ہیں کہ صحابی رسول ، سیدنا حصین بن نمیرؓ امیر لشکر یزید یا امیر لشکر ابن زبیر سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کے باہم اختلافات کے باوجود ان سمیت کسی بھی صحابیؓ کے اخلاص نیت پر شک کرتے ہوئے اسے یا اس کے زیر قیادت لشکر صحابہؓ و تابعینؒ کی اتفاقی اقدام و حادثہ کو محض یزید دشمنی کے جوش میں ارتکاب توہین کعبہ کا نام دینا، شرعی و اخلاقی لحاظ سے کہاں تک درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ وإن فی ذلک لعبرة لأولی الابصار-

شیعی روایات کے جامع طبری ہی کی روایت کے مطابق جب مذکورہ حصار ابن زبیر و مبینہ سنگباری کعبہ کے بعد وفات یزید کی اطلاع پر لشکر یزید مکہ مکرمہ سے دمشق جاتے ہوئے مدینہ سے گزرا تو سیدنا علی زین العابدینؒ نے اس کی مہمان نوازی فرمائی- جو لشکر یزید کے بے حرمتی کعبہ کے الزام سے بری الذمہ ہونے کی ایک دلیل قرار دی جاتی ہے- ورنہ بے حرمتی کعبہ کے مرتکبین کی خاطر ومدارات چہ معنی دارد؟

"فاسقبله علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب، و معه قت و شعیر- فسلم علی الحصین- فقال له علی بن الحسین: هذا لعلف عندنا فاعلف منه وابتک- فأقبل علیٰ علی عند ذلک بوجهه فامر له بما کان عنده من علف-"

(تاریخ الطبری، جلد ۷، ص ۱۷)-

ترجمہ:- پس علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے اس (امیر لشکر حصین بن نمیر) کا استقبال کیا اور اپنے ساتھ دانہ چارہ لائے- پس انہوں نے حصین کو سلام کیا اور

پھر علی بن حسین نے ان سے فرمایا کہ میرے پاس دانہ چارہ ہے، اپنے گھوڑوں کے لئے لے لیجئے، وہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے دانہ چارہ لینے کا حکم دیا۔

مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس ہاشمی قرشیؓ (م ۶۸ھ، طائف)

خلافت یزید (۶۰-۶۴ھ) کے دوران میں اہل تشیع کے ہاں بھی معتبر تسلیم کئے جانے والے جلیل القدر صحابی اور نبی ﷺ و علیؓ کے چچا زاد سیدنا عبداللہ بن عباس الہاشمی القرشیؓ، (م ۶۸ھ) مکہ ہی میں مقیم تھے، مگر وہ وفات یزید تک دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم نیز اکثر صحابہ کرامؓ کی طرح بیعت یزید پر قائم رہے۔ اور دیگر اکابر بنو ہاشم کی طرح انہوں نے بھی سیدنا عبداللہ بن زبیر کا ساتھ نہیں دیا۔ جس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ وہ اکثر صحابہؓ کی طرح یزید کو واقعہ کربلا و حرہ و بے حرمتی کعبہ کا ذمہ دار نہیں سمجھتے تھے۔ آپ نے صرف یزید کی ابتداء ہی میں بیعت خلافت کی بلکہ روایت کے مطابق اس کے صالح ہونے کی بھی تصدیق کی۔ عامر بن مسعود جمحی کی روایت کے مطابق جب وفات معاویہ (رجب ۶۰ھ) کی خبر مکہ پہنچی تو ہم لوگ ابن عباس کے پاس گئے:-

"فقلنا: یا ابن العباس جاء البرید بموت معاویة- فوجم طویلاً ثم قال: اللهم أوسع لمعاوية، أما والله ماکان مثل من قبله ولایاتی بعده مثله-۔ وان ابنه یزید لمن صالحی أهله فالزموا مجالسکم و اعطوا بیعتکم-

قال بین نحن کذلک اذجاء رسول خالد بن العاص و هو علی مکة یدعوه للبیعة فمضی و بایع-"

(البلاذری، انساب الاشراف، طبع یروشلم، الجزء الرابع والقسم الثانی، ص ۳، والامامة والسیاسة، مطبوعه ۱۹۳۷ء، ص ۲۲۳، بروایت عتبه بن مسعود)-

ترجمہ:- پس ہم نے بتایا کہ اے ابن عباس! حضرت معاویہ کی وفات کی اطلاع آئی ہے۔ اس پر وہ کافی دیر گم سم بیٹھے رہے، پھر دعا فرمائی:- اے اللہ معاویہ کے لئے اپنی رحمت وسیع فرما۔ بخدا وہ اپنے سابقین (ابوبکر و عمر و عثمان و علی) جیسے تو نہ تھے مگر ان کے بعد ان جیسا بھی نہ آئے گا۔ اور ان کا فرزند یزید ان کے خاندان کے صالح افراد میں سے ہے۔ پس تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹکے رہو اور اس کی بیعت کر لو۔

ابن مسعود کا کہنا ہے کہ ابھی ہم اسی حالت میں بیٹھے تھے کہ مکہ کے گورنر خالد بن

العاص کا ایلچی ابن عباس کو بیعت (یزید) کے لئے بلانے آ گیا۔ پس آپ تشریف لے گئے اور بیعت کر لی۔

کوفہ جانے سے پہلے سیدنا حسینؓ مکہ میں ابن عباسؓ ہی کے گھر پر مقیم رہے تھے اور انہوں نے آپؓ کو کوفیوں پر اعتبار کر کے خروج و سفر سے منع کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

"واللہ انی لاظنک ستقتل غداً بین نسائک و بناتک کما قتل عثمان بین نسائه و بناته-"

(ابن کثیر، البدایة والنهایة، جلد ۸، ص ۱۶۳)-

ترجمہ:- بخدا میرا گمان ہے کہ کل کو آپ بھی اپنی عورتوں اور بیٹیوں کے درمیان اسی طرح قتل کر دیئے جائیں گے جس طرح عثمان کو ان کی عورتوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں قتل کر دیا گیا تھا۔

برصغیر کے معروف سنی حنفی عالم و مصنف مولانا عامر عثمانی واقعہ حرہ و سنگباری کعبہ کے حوالہ سے ناقدین یزید کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"ایک روایت کے مطابق ہوا کسی چولھے سے چنگاری اڑا لے جائے اور غلاف کعبہ آگ پکڑ لے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن زبیرؓ ہی کے کسی ساتھی کی بے احتیاطی سے غلاف کعبہ جل اٹھے، مگر مجرم بہرحال یزید ہی کے لشکری قرار دیئے جائیں گے۔ یہ ہے راویان خوش بیان کا کمال فن، باغیانہ سرگرمیوں کا مرکز مستخلفین مدینہ و کعبہ کو بنائیں اور کسی پرامن تفہیم و تذکیر کو قبول نہ کریں، لیکن یزید جھک مار کے پولیس ایکشن کا اقدام کرے تو وعید کا مستوجب وہی ٹھہرے۔ پھر ہرزہ سرا قصہ گو تصنیفی قوت سے دو ہزار محترم خواتین مدینہ کو حاملہ بنائیں اور تخیل کی تلوار سے بچوں کو ذبح کریں تو گردن ناپی جائے یزید کی، اور بدنام ہوں وہ معاویہؓ جنہوں نے یزید کو خلافت سونپی تھی۔ یہ تکنیک دلچسپ ضرور ہے مگر اس لائق نہیں کہ اس پر ایمان لے آیا جائے۔" ("تجلی" دیوبند، جون و جولائی، ۱۹۶۰ء)

اسی سلسلہ کلام میں ڈاکٹر حمد محمد العرنیان، استاذ شعبہ تاریخ، فیکلٹی آف آرٹس، کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ کی جدید تصنیف مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ، کویت بڑی اہم

اور قابل مطالعہ ہے جس کا عنوان ہے۔

"اباحة المدينة و حريق الكعبة فی عهد يزيد بن معاوية، بين المصادر القديمة والحديثة-"

(بے حرمتی مدینہ و آتشزنی کعبہ در عہد یزید بن معاویہ، قدیم و جدید مصادر کی روشنی میں)

ان چند اشارات سے واقعہ کربلا و حرہ کی طرح بے حرمتی کعبہ بدست لشکر یزید کے الزامات کی حقیقت کا بھی بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ فمن شاء ذکر۔

اہل تشیع اور تقدس حرمین

تقابلی مطالعہ کے لئے اہل تشیع کے ہاتھوں بے حرمتی کعبہ کے واقعات کے حوالہ سے شیعہ فرقہ قرامطہ کی کارکردگی بھی بطور مثال ملاحظہ ہو۔ اسماعیلی مؤلف ڈاکٹر زاہد علی قرامطہ کے سن ۳۱۷ھ کے کارناموں کے سلسلہ میں یہ بھی لکھتے ہیں:۔

"اب تک قرامطہ حاجیوں کے قافلے لوٹا کرتے، لیکن ۳۱۷ھ میں عراق سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے۔ اس سال منصور دیلمی حاجیوں کا سردار تھا۔ یہ ان لوگوں (حاجیوں) کو ساتھ لے کر بغداد سے مکہ روانہ ہوا۔ مکہ معظمہ میں عین "ترویہ" کے روز قرامطہ نے ان پر حملہ کر کے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ ان میں سے کئی آدمیوں کو خود بیت اللہ اور مسجد حرام میں قتل کیا۔ حجر اسود کو اس کی جگہ سے نکال کر اپنے مستقر "ہجر" کو لے گئے، تاکہ اپنے شہر میں حج مقرر کریں۔ ابن مہلب امیر مکہ نے کئی اشراف کو ساتھ لے کر یہ کوشش کی کہ قرامطہ اپنے کرتوت سے باز آئیں، مگر ان کی کوششیں ناکام ہوئیں۔ اس کے بعد بیت اللہ کا دروازہ اور محراب اکھاڑے گئے۔ مقتولوں کے چند لاشے زمزم کے کنویں میں پھینک دیئے گئے اور چند بغیر غسل اور کفن کے مسجد حرام میں دفن کئے گئے۔ اہل مکہ پر بھی مصیبتیں ڈھائی گئیں-----

ابو طاہر نے سن ۳۳۹ھ میں یہ کہہ کر حجر اسود واپس کیا کہ ہم حکم سے اسے لے گئے تھے اور حکم ہی سے واپس کرتے ہیں۔ تقریباً بائیس سال حجر اسود قرامطہ کے پاس رہا۔" (ڈاکٹر زاہد علی، تاریخ فاطمیین مصر، ص ۴۴۸)۔

تقدس حرمین کے حوالہ سے امام خمینی اور ان کے فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کے بارہویں امام محمد المھدی کے بارے میں شیعہ مجتہد اعظم ملا باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) کی امام جعفر سے منسوب راوی مفصل کی بیان کردہ ایک طویل روایت میں یہ بھی درج ہے کہ اثنا عشری امام مہدی ظہور فرمانے کے بعد مکہ سے مدینہ جائیں گے اور ابوبکر و عمر کی لاشیں روضہ رسول ؐ سے نکال کر علی کو خلافت سے محروم کرنے نیز دیگر جرائم کی بناء پر آگ میں جلا کر راکھ کر دیں گے۔ (باقر مجلسی، حق الیقین، ص ۱۴۵، در بیان رجعت، نیز تفصیل و ترجمہ روایت کے لئے ملاحظہ ہو ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت، مؤلفہ مولانا محمد منظور نعمانی، ص ۲۱۳-۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ مدنیہ، لاہور)۔

علاوہ ازیں ملا باقر مجلسی نے ابن بابویہ کی "علل الشرائع" کے حوالہ سے امام باقر سے منسوب کر کے روایت نقل کی ہے کہ:-

"چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تابراو حد بزند و انتقام فاطمہ ما ازو بکشد-" (باقر مجلسی، حق الیقین، ص ۱۳۹)-

ترجمہ:- جب ہمارے قائم زمانہ (امام مہدی) ظاہر ہوں گے تو عائشہ کو زندہ کر کے ان پر حد جاری کریں گے اور ہماری فاطمہ کا انتقام ان سے لیں گے۔

ان مختصر اشارات سے تقدس حرمین کے تاریخی تناظر میں سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ نیز اہل بیت رسول ؐ، سیدہ عائشہ ام المؤمنینؓ جیسے عظیم المرتبت صحابہ و اہل بیت اور حرمین شریفین کے بارے میں شیعی نقطہ نظر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا بیعت یزید کو وفاتِ یزید تک برقرار رکھنا

سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور بعض دیگر نمایاں حضرات کے علاوہ جنہوں نے یزید کی بیعت، وفات یزید تک نہیں کی، بیعت یزید کرنے والے تمام صحابہ کرامؓ نے نہ صرف واقعہ کربلا (۶۱ھ) نیز واقعہ حرہ (۶۳ھ) کے بعد بیعت یزید کو وفات یزید (ربیع الاول ۶۴ھ) تک برقرار رکھا، بلکہ نہ تو یزید کو من حیث الجماعت قتل حسینؓ کا ذمہ دار

ٹھہرایا اور نہ ہی اس کو قابل ملامت قرار دیا- حتیٰ کہ وہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ جو وفات یزید (ربیع الاول ۶۴ھ) کے بعد آل یزید کی خلافت سے رضاکارانہ دستبرداری کے بعد تک زندہ رہے، انہوں نے بعد ازاں بھی نہ تو اپنی سابقہ بیعت یزید کو جبرو اکراہ کا نتیجہ یا شرعاً غلط قرار دیا اور نہ ہی وفات یزید کے بعد اسے واقعہ کربلا اور شہادت حسینؓ کا ذمہ دار یا واقعہ حرہ و حصار ابن زبیرؓ کے حوالہ سے مجرم اور قابلِ ملامت قرار دے کر اپنے سابقہ موقف پر من حیث الجماعت نظر ثانی فرمائی- ان صحابہ کرامؓ میں جلیل القدر مفسرین و محدثین و اکابر بنی ہاشم بھی شامل ہیں جن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں- رضوان اللہ علیہم اجمعین-

صحابہ کرامؓ

۱- سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ، ہاشمی قرشی (برادر زادہ و داماد سیدنا علیؓ)-

۲- سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (م ۶۸ھ، مصر) تعداد روایات حدیث ۷۰۰-

۳- سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ہاشمی قرشی (م ۶۸ھ، طائف) تعداد مرویات ۱۶۶۰-

۴- سیدنا عبداللہ بن عمرؓ عدوی قرشی (م ۷۴ھ، مکہ) تعداد روایات حدیث ۲۶۳۰-

۵- سیدنا سعد بن مالک، ابو سعید خدریؓ (م ۷۴ھ، مدینہ) تعداد مرویات ۱۱۷۰-

۶- سیدنا جابر بن عبداللہ انصاریؓ (م ۷۸ھ، مدینہ) تعداد مرویات ۱۵۴-

۷- سیدنا انس بن مالکؓ (م ۹۰ یا بعد ازاں) تعداد مرویات ۲۲۹۶-

تابعین عظامؒ ائمہ اہل تشیع

۸- برادر حسنینؓ سیدنا محمد بن علی، ابن الحنفیہؒ امام شیعہ کیسانیہ (م ۸۱ھ، مدینہ)-

۹- سیدنا علی بن حسین، زین العابدینؒ (م ۹۴ھ، مدینہ)-

۱۰- سیدنا محمد الباقرؒ بن علی زین العابدینؒ (م ۱۱۴ھ، مدینہ)-

بنو ہاشم و امیہ

قریش بنو ہاشم و بنو امیہ کے درمیان نہ صرف عصر نبوی و خلافت راشدہ میں قرابت و مودت کے انتہائی قریبی تعلقات قائم تھے، بلکہ جنگ صفین و کربلا و حرہ سے پہلے اور بعد ازاں بھی باہم شادی بیاہ کا سلسلہ وسیع پیمانے پر جاری رہا جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ بعض سیاسی و شخصی اختلافات کے باوجود بنو ہاشم، یزید و بنو امیہ کو واقعہ کربلا و حرہ کا ذمہ داری قرار نہیں دیتے تھے، بلکہ اس کی بنیادی ذمہ داری شیعان عراق و کوفہ اور دشمنان ہاشم و امیہ پر عائد کرتے تھے۔ اس پس منظر میں سادات قریش کے حوالہ سے بعض تفصیلات درج ذیل ہیں:۔

۱- رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ بنت وھب انصار مدینہ کے قبیلہ بنو زہرہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔

۲- متعدد ازواج رسول امہات المومنینؓ سادات قریش کے مختلف اہم قبائل سے تعلق رکھتی تھیں۔ یعنی سیدہ خدیجہؓ (بنو اسد)، سیدہ عائشہؓ (بنو تمیم)، سیدہ حفصہؓ بنت عمرؓ (بنوعدی)، سیدہ رملہ، ام حبیبہؓ (بنوامیہ)، سیدہ زینبؓ بنت جحشؓ بنواسدبنو ہاشم، سیدہ ہند، ام سلمہؓ (بنو مخزوم) میں سے تھیں۔

۳- ام لمومنین سیدہ سودہؓ بنت زمعہ (بنوعدی بنو نجار) ام المساکین زینبؓ بنت خزیمہ (بنو بکر بن ہوازن) سیدہ میمونہؓ بنت الحارث (بنو ہلال) ، سیدہ جویریہؓ بنت الحارث (بنو مصطلق)، سیدہ صفیہؓ بنت حی بنت اخطب (بنی اسرائیل بنی نضیر) اور سیدہ ماریہ قبطیہؓ ام ابراہیمؓ مصر کے عیسائی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

۴- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بڑی بیٹی سیدہ زینبؓ کی شادی سیدہ خدیجہؓ کے بھانجے سیدنا ابوالعاصؓ بن ربیع الاموی القرشی سے کی، جبکہ دوسری اور تیسری بیٹی سیدہ رقیہؓ و ام کلثومؓ کی شادی یکے بعد دیگرے اپنی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے سیدنا عثمانؓ بن عفان اموی قرشی سے کی۔ اور چوتھی بیٹی سیدہ فاطمہؓ کی شادی سیدنا علیؓ بن ابی طالب ہاشمی قرشی سے کی۔

۵- نواسی رسول سیدہ امامہؓ امویہ (بنت ابو لعاصؓ و زینبؓ) کی شادی وفات سیدہ فاطمہؓ کے بعد ان کی وصیت کے مطابق سیدنا علیؓ بن ابی طالب ہاشمی قرشی سے ہوئی۔

الاکمال فی اسماء الرجال للخطیب التبریزی، تذکرہ ابو العاص و امامہ بنت ابی العاص)۔

٦- نواسی رسولؐ سیدہ زینبؓ (بنت علیؓ و فاطمہؓ) کی شادی سیدنا علیؓ کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے ہوئی اور انہی عبداللہ بن جعفر کی بیٹی (سیدہ زینب کی سوتیلی بیٹی) سیدہ ام محمد کی شادی یزید بن معاویہ سے ہوئی۔

٧- نواسی رسولؐ سیدہ ام کلثومؓ (بنت علیؓ و فاطمہؓ) کی شادی سیدنا علیؓ نے خلافت فاروقی میں سیدنا عمر فاروق عدوی قرشی سے کی، جس سے ایک بیٹا زید اور ایک بیٹی رقیہ بھی پیدا ہوئی۔ سید محمود احمد عباسی ہاشمی اس نکاح کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"معزالدولہ دیلمی اور اس کا خاندان رفض میں غلو رکھتے تھے۔ ماتم حسینؓ کی بنیاد ابتداء اسی نے ڈالی تھی۔ لیکن بعد میں جب سیدہ ام کلثوم کے حضرت فاروق اعظمؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا حال اس کو مستحق ہو گیا تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہتا تھا۔ ما سمعت ھذا قط۔ (ص ٦٢، ج ١١، البدایہ والنھایہ) یعنی میں نے یہ بات قطعاً نہیں سنی تھی۔ پھر وہ شیعیت کے عقائد سے تائب ہوا: ورجع الی السنہ ومتا بعتھا۔ (ص ٢٦٢، ایضاً) حضرت علیؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی آپس میں محبت و اتحاد کا اس کے نزدیک یہ رشتہ بڑا قوی ثبوت تھا۔" (محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، کراچی، جون ١٩٦٢ء، ص ٢٦٦)

سیدنا عمرؓ کی پوتی سیدہ ام مسکین بنت عاصم بن عمرؓ کی شادی یزید بن معاویہؓ سے ہوئی۔ جو کہ عمر بن عبدالعزیز کی خالہ تھیں۔ (ذہبی، میزان الاعتدال، ج ٣، ص ٤٠٠، بذیل الکنی للنسوة)

٨- امام اول و خلیفہ بلا فصل سیدنا ابوبکرؓ تیمی قرشی نے سیدنا جعفرؓ بن ابی طالب کی شہادت کے بعد ان کی بیوہ اور سیدنا علی کی بھابھی سیدہ اسماء بنت عمیس سے شادی کی۔ اور وفات ابوبکر کے بعد ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی ان سوتیلی والدہ کے ساتھ سیدنا علیؓ نے نکاح کیا۔ اور محمد بن ابی بکر نے اپنی والدہ کے ہمراہ سیدنا علی کے گھر میں پرورش پائی۔

سیدنا علیؓ کے شیعہ روایات کے مطابق بھی کم و بیش اٹھارہ بیٹے، اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں، عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب کے شیعہ مصنف و مورخ ونساب لکھتے ہیں:-

"لأمیرالمومنین فی اکثر الروایات ستة و ثلاثون ولداً - ثمانیه عشر ذکراً و ثمانی عشرة انثی - احمد الدین عقبه، عمدة الطالب، ص ٣٣، طبع لکھنؤ)

ترجمہ:- اکثر روایات کے مطابق امیر المؤمنین (علیؓ) کے چھتیس بچے تھے۔ اٹھارہ لڑکے اور اٹھارہ لڑکیاں۔

بہر حال مختلف روایات میں بیان شدہ مختلف تعداد کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ بچوں کی تعداد تیس سے زائد تھی۔ جن میں سے تقریباً نصف لڑکے اور بقیہ نصف لڑکیاں تھیں۔

"حضرت علیؓ کی تین صاحبزادیاں بنی امیہ کو بیاہی گئیں۔ بایں تفصیل:-

۱- حضرت علیؓ کی صاحبزادی رملہ امیر المؤمنین مروانؓ کے فرزند معاویہ بن مروان کے عقد میں آئیں۔ جو امیر المؤمنین عبدالملک کے حقیقی بھائی تھے۔ (جمہرۃ الانساب لابن حزم، ص ۸۰)۔

۲- حضرت علیؓ کی دوسری صاحبزادی خود امیر المؤمنین عبدالملک کے عقد میں تھیں۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۹، ص ۶۹)۔

۳- حضرت علیؓ کی تیسری صاحبزادی خدیجہ امیر عامرؓ بن کریز اموی کے فرزند عبدالرحمن کو بیاہی گئیں۔ (ص ۶۸، جمہرۃ الانساب ابن حزم) یہ امیر عامر اموی بصرہ کے گورنر تھے۔

حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی ایک دو نہیں چھ پوتیاں اموی خاندان میں بیاہی گئیں یعنی:-

۱- سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسنؓ کی شادی امیر المؤمنین الولید بن عبدالملک بن مروانؓ سے ہوئی جن کے بطن سے ان اموی خلیفہ کی اولاد بھی ہوئی جو حضرت حسنؓ بن علیؓ کے اموی و مروانی نواسے تھے۔ شیعہ مؤرخ و نساب مؤلف "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" اس حسنیہ و علویہ خاتون کے امیر المؤمنین مروانؓ کے پوتے کے نکاح میں آنے کو تو مخفی نہ رکھ سکے مگر اس رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے عربی لفظ "تزوجت" (شادی ہوئی) کے بجائے کس سخیفانہ طرز میں لکھا ہے:- خرجت الی الولید- (یعنی نکل کر ولید کے پاس چلی گئی-) اصل عبارت اس شیعہ مؤلف کی یہ ہے:-

"وكان لزيد (بن حسن بن على) ابنة اسمها نفيسة خرجت الى الوليد بن عبدالملك بن مروان فولدت له منه و ماتت بمصر- وقد قيل: انها

خرجت الی عبدالملک بن مروان وانها ماتت حاملاً منه- والأصح الاول- وكان زيد يفد على الوليد بن عبدالملک و يقعده على سريره و يكرمه لمكان ابنته- و وهب له ثلاثين الف دينار دفعة واحدة-"

(عمدة الطالب، صفحہ ۳۳، طبع اول، مطبع جعفری، لکھنو)-

یعنی زید (بن حسن بن علیؓ) کی ایک بیٹی نفیسہ نام تھی جو الولید بن عبدالملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی- اس سے اولاد بھی ہوئی- مصر میں فوت ہوئی- یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ عبدالملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی تھی- اور اس سے حمل بھی رہ گیا تھا- مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے- اور زید مذکور ولید بن عبدالملک کے پاس جایا کرتے تھے- وہ ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھاتا اور ان کی بیٹی کی وجہ سے ان کا اکرام کرتا- اس نے ان کو بیک وقت تیس ہزار اشرفیاں عطا کی تھیں-

یہ زید بن حسن بن علیؓ وہ ہیں جو اپنے چچا حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے-

۲- حضرت حسنؓ بن علیؓ کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنیٰ کی شادی بھی اسی اموی و مروانی خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروانؓ سے ہوئی- (جمہرة الانساب ابن حزم، صفحہ ۳۶)-

یہ زینب حضرت محمد (الباقرؒ) کی سالی اور عبداللہ المحض کی حقیقی بہن تھیں- واضح رہے کہ ان زینب کے والد حسن مثنیٰ واقعہ کربلا میں اپنے چچا اور خسر حضرت حسینؓ کے ساتھ موجود تھے- اور معرکہ قتال و جدال میں شریک ہو کر بہت زیادہ زخمی ہوئے تھے- اور زخم مندمل ہو کر صحیح سلامت واپس آ گئے تھے-

۳- حضرت حسنؓ بن علیؓ کی تیسری پوتی ام قاسم بنت حسن مثنیٰ حضرت عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابانؓ کو بیاہی گئیں، جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے عثمانی و اموی نواسہ محمد بن مروان عثمانی پیدا ہوئے- اپنے شوہر مروان کے انتقال کے بعد یہ ام قاسم حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدین) کے عقد میں آئیں-

(جمہرة الانساب ابن حزم، صفحہ ۷۳، و کتاب المحبر، صفحہ ۴۳۸)-

۴- حضرت حسنؓ بن علیؓ کی چوتھی پوتی امیر المومنین مروانؓ کے ایک فرزند

معاویہ بن مروانؒ بن الحکم کے عقد میں آئیں جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے اموی و مروانی نواسہ ولید بن معاویہ مذکور متولد ہوئے (صفحہ ۸۰ و صفحہ ۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم)۔

۵- حضرت حسن بن علیؓ کی پانچویں پوتی حمادہ بنت حسن مثنیٰ امیرالمومنین مروانؒ کے ایک بھتیجے کے فرزند، اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث بن الحکم کو بیاہی گئیں۔ ان سے حضرت حسنؓ کے تین اموی نواسے متولد ہوئے۔ یعنی محمد الاصغر، ولید اور یزید فرزندان اسماعیل مذکور (صفحہ ۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم)۔

۶ - حضرت حسن بن علیؓ کی چھٹی پوتی خدیجہ بنت الحسین بن حسن بن علیؓ کی شادی بھی اپنی چچیری بہن حمادہ کے نکاح سے پہلے اسماعیل بن عبدالملک مذکور سے ہوئی تھی۔ جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے چار اموی نواسے محمد الاکبر و حسین و اسحاق و مسلمہ پیدا ہوئے۔ (ص ۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم)۔

۷- "حضرت حسینؓ کی دوسری صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا نکاح ثانی اپنے شوہر حسن مثنیٰ کے بعد اموی خاندان میں عبداللہ بن عمرو بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوا جن سے حضرت حسینؓ کے دو اموی و عثمانی نواسے محمد الاصغر و قاسم اور ایک نواسی رقیہ پیدا ہوئے۔"

(جمہرۃ الانساب، ص ۷۶ ومقاتل الطالبین ص ۱۸۰ و کتاب نسب قریش، ص ۵۹، نیز مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو "خلافت معاویہ و یزید" ص ۲۶۴-۲۷۸، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء)

ان اشارات و تفصیلات سے نہ صرف عصر نبوی و صدیقی و فاروقی و عثمانی و علوی میں بنو ہاشم و بنو امیہ کے درمیان گہری محبت و مودت اور اخوت و قرابت کا پتہ چلتا ہے بلکہ جنگ جمل و صفین و واقعہ کربلا و حرہ کے بعد بھی بعض سیاسی و شخصی اختلافات کے علی الرغم ہاشمی النسب، علوی و حسنی و حسینی سیدزادیوں کی شادیوں کا سلسلہ قریشی النسب اموی سیدزادوں کے ساتھ جاری و ساری رہنے کا واضح اور دو ٹوک ثبوت فراہم ہوتا ہے، جس سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ واقعہ کربلا و حرہ کی ذمہ داری بنو ہاشم کی جانب سے یزید و بنو امیہ پر عائد نہیں کی گئی، بلکہ شیعان کوفہ و عراق و دشمنان بنو ہاشم و امیہ ہی اس کے بنیادی مجرم قرار پاتے ہیں۔ ورنہ صفین و کربلا و حرہ کے بعد ہاشمی و اموی سادات قریش باہم رشتہ داریوں کا سلسلہ قطعاً جاری نہ رکھ پاتے۔

ضمناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بیٹیوں (سیدہ زینبؓ و رقیہؓ و ام کلثومؓ) کی اموی قریشی سادات میں شادیوں نیز نواسی رسولؐ سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؓ وفاطمہؓ کی سیدنا عمر فاروقؓ عدوی قریشی سے شادی سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر ذات پات کی شادی بیاہ کے سلسلہ میں عقیدہ و تقوی کے بعد کفو کے ضمن میں کوئی جزوی اہمیت تسلیم کر لی جائے تب بھی بنوامیہ اور بنوعدی سمیت سادات قریش کے تمام خاندان شادی بیاہ کے سلسلہ میں باہم کفو (ایک دوسرے کے ہم مرتبہ و ہم پلہ) قرار پاتے ہیں۔ لہذا سادات بنو ہاشم و اموی و فاروقی سادات سمیت جملہ سادات قریش کو لڑکیاں دینا سنت نبویہ و علویہ کے عین مطابق ان سادات قریش میں قریشی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، اموی، ہاشمی، عباسی، علوی، حسنی اور حسینی کہلانے والے جملہ خاندان قریش شامل ہیں۔

علاوہ ازیں نبی صلی اللہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا بنو زہرہ سے تعلق اور ازواج مطہرات کا بنوامیہ سمیت مختلف قریشی قبائل نیز غیر قریشی خاندانوں سے تعلق اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ذات پات کے بجائے ترجیح تقوی کے ساتھ اسلامی عقیدہ نکاح و ازدواج کی بنیادی شرط ہے۔مزید براں اپنی چچازاد سیدہ ضباعہؓ بنت زبیر بن عبدالمطلب' الہاشمیہ القرشیہ کا نکاح مقدادؓ بن اسود (غیر قرشی 'غیر ہاشمی 'آزاد کردہ غلام) سے کیا۔ البخاری' باب الاکفاء فی الدین. ' و " الکافی " کتاب النکاح)۔ اور اپنی پھوپھی زاد سیدہ زینبؓ قرشیہؓ کی اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زیدؓ بن حارثہ سے بالاصرار شادی کی ۔ اس حوالہ سے ممتاز عالم و مصنف مولانا نعیم صدیقی لکھتے ہیں:-

"اپنی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح خود آپ (ص) ہی نے باصرار زید بن حارثہ سے کیا تھا۔ اور مقصود یہ تھا کہ خاندانی امتیازات کی تنگ حد بندیاں ٹوٹ جائیں۔" (نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص ۷۵۴، لاہور اسلامک پبلی کیشنز لیٹڈ، جولائی ۱۹۷۲ء، اشاعت چہارم)

ضمناً یہ بھی واضح رہے کہ بعض اہل تشیع کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تین بڑی بیٹیوں کو آپ کی سوتیلی بیٹیاں قرار دینا ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ خود شیعہ کتب و مؤرخین کے ہاں متعدد ثبوت اس بات کے موجود ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ زینب و رقیہ و ام کلثومؓ سیدہ فاطمہ کی طرح ہی سگی بیٹیاں تھیں، اس سلسلے میں بعض

تائیدی حوالے درج ذیل ہیں:-

تزوج خدیجة و هو ابن بضع و عشرین سنة فولد له منها قبل مبعثه القاسم و رقية و زينب و ام كلثوم و ولد له بعد المبعث فاطمة عليها السلام-

و روى ايضا انه لم يولد بعد المبعث الا فاطمة و ان الطيب والطاهر ولدا قبل مبعثه- صافی شرح " اصول کافی " -

ترجمہ:- آپ (ص) نے خدیجہ سے شادی کی جب کہ آپ کی عمر بیس اور تیس برس کے درمیان تھیں پس ان کے بطن سے آپ (ص) کی اولاد میں بعثت سے پہلے قاسم ورقیہ و زینب وام کلثوم اور بعثت کے بعد فاطمہ علیہا السلام پیدا ہوئے۔

اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ بعثت کے بعد صرف فاطمہ پیدا ہوئیں جبکہ طیب و طاہر (قاسم و عبداللہ) بعثت سے پہلے پیدا ہوئے۔

ملا باقر مجلسی جیسے انتہا پسند شیعہ عالم بھی لکھتے ہیں:-

در حدیث معتبر از امام جعفر صادق منقول است

خدیجہ اورا خدا رحمت کند........ ازمن طاہر و مطہرہ بہم رسانید کہ او عبداللہ بود و قاسم را آورد۔ ورقیہ و فاطمہ و زینب وام کلثوم ازو بہم رسید-

(باقر مجلسی، حیات القلوب، ج ۲، باب ۵، ص ۸۲)۔

ترجمہ:- امام جعفر صادق سے مستند حدیث میں نقل کیا گیا ہے:-

خدیجہ پر اللہ کی رحمت ہو........ انہوں نے میرے طاہر و مطہر بیٹوں قاسم و عبداللہ کو جنم دیا- نیز میری رقیہ و فاطمہ و زینب وام کلثوم بھی ان کے بطن سے پیدا ہوئیں-

۳- علیؓ عثمانؓ کو نبی کی پھوپھی زاد بہن کا فرزند اور داماد رسولؐ ہونا یاد دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وانت اقرب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وشيجة رحم منهما وقد نلت من صهره مالم ينالا- (نهج البلا غة ' مصر ' ج ٢ ' ص ٨٥)-

ترجمہ:- اور آپ ان کی نسبت خاندانی رشتہ کے لحاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں اور آپ کو نبی علیہ السلام کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے جو ان دونوں (ابوبکر و عمر) کو حاصل نہیں۔

سیدنا عثمان کی نانی البیضاء ام حکیم بنت عبد المطلب، زوجہ کریز بن ربیعہ اموی

قریشی تھیں لہذا سیدنا عثمانؓ نبیؐ و علیؓ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے اور رشتہ میں آپ کے بھانجے تھے۔

۴۔ شیعہ مفکر ڈاکٹر علی شریعتی جنھوں نے ایران کے لاکھوں جدید تعلیم یافتہ افراد کو متاثر کرکے ان میں مذہبی و ثقافتی انقلاب کی تحریک کو عظیم الشان فروغ دیا، اپنی تصنیف "فاطمہ فاطمہ است" میں سیدہ خدیجہؓ کے بطن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں اور دو بیٹوں یعنی قاسم (طاہر) اور عبداللہ(طیب) کی ولادت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ہمہ در انتظار اند تا ازیں خانہ پسرانی برومند بیرون آیند و بہ خاندان عبدالمطلب وخانوادہ محمد قدرت و اعتبار و استحکام بخشد۔

فرزند نخستین دختر بود۔زینب۔

اما خانوادہ در انتظار پسر است۔

دومی دختر بود۔رقیہ۔

انتظار شدت یافت و نیاز شدید تر۔

سومی۔ام کلثوم۔

دو پسر قاسم و عبداللہ آمدند، مژدہ بزرگی بود۔ اما نہ درخشیدہ افول کردند ۔ واکنوں دریں خانہ سہ فرزند است و ہر سہ دختر۔

مادر پیر شدہ است و سنش از شصت میگزرد۔ و پدر گرچہ دخترانش را عزیز می دارد اما باحساسات قومش و نیاز و انتظار خویشانش شریک است۔

آیا خدیجہ کہ با پایان عمر نزدیک شدہ است فرزندی خواھد آورد؟

امید سخت ضعیف شدہ است۔

آری شور و امید دریں خانہ جان گرفت والتہاب بہ آخرین نقطہ اوج رسید۔ ایں آخریں شانس خانوادہ عبدالمطلب و آخرین امید۔

اما۔۔بازہم دختر۔

نامش را فاطمہ گزاشتند" (دکتر علی شریعتی، فاطمہ فاطمہ است، ص ۹۸) ۔

ترجمہ :- سب لوگ انتظار میں ہیں کہ اس گھرانے سے آبرومند فرزند نمودار

ہوں اور خاندان عبدالمطلب اور خانوادہ محمد (ص) کو قوت و استحکام و معتبر مقام عطا کریں۔

پہلا بچہ پیدا ہوا تو وہ لڑکی تھی۔ زینب ؓ

مگر خاندان کو تو بیٹے کا انتظار ہے۔

دوسری مرتبہ بھی بیٹی پیدا ہوئی۔ رقیہ۔

تیسری مرتبہ۔ ام کلثوم۔

دو بیٹے قاسم و عبداللہ پیدا ہوئے جو بہت بڑی خوشخبری تھیں، مگر پروان چڑھے بغیر وفات پا گئے اور اب اس گھرانے میں تین بچے ہیں اور تینوں ہی بیٹیاں۔

ماں بوڑھی ہو چکی ہے اور اس کی عمر ساٹھ سال سے آگے بڑھ رہی ہے۔ اور باپ اگرچہ اپنی بیٹیوں کو عزیز رکھتا ہے، مگر اپنے قبیلے کے احساسات انتظار اور توجہ میں ان کے ہمراہ شریک ہے۔

کیا خدیجہ جو اپنی آخری عمر کے قریب پہنچ چکی ہیں، بیٹے کو جنم دے پائیں گی؟ امید بہت کم رہ گئی ہے۔

مگر اس گھرانے میں ایکبار پھر ہلچل اور امید کی کرن دکھائی دی ہے۔ اور جوش و خروش اپنے آخری نقطہ عروج تک جا پہنچا ہے۔

یہ خانوادہ عبدالمطلب کے لئے آخری چانس اور آخری امید ہے۔

مگر........ ایک بار پھر لڑکی پیدا ہوئی۔

جس کا نام فاطمہ رکھا گیا۔

اس واضح بیان سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیوں کے ان کی سگی بیٹیاں ہونے کے بارے میں امت مسلمہ کے دینی و تاریخی طور پر ثابت شدہ قطعی موقف کو شیعہ علماء و مفکرین کی جانب سے تائید و تقویت حاصل ہوتی ہے۔ جس کے بعد اموی سادات قریش میں آپ کی صاحبزادیوں کی شادیوں کو سوتیلے پن کی ناقابل التفات دلیل سے رد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی سادات قریش کی اموی و دیگر غیر ہاشمی شاخوں کو بنو ہاشم اور بنو فاطمہ کے کفو سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ سب بھی بنو ہاشم اور بنو امیہ کے مابین گہری محبت و مودت کی انتہائی اہم مثالیں ہیں۔

اول داماد رسول سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن الربیع الاموی القرشی شوہر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول ﷺ کے بارے میں بالعموم معلومات کم ہیں۔ لہذا ان کے بارے میں ضمناً چند ضروری معلومات درج ذیل ہیں:-

(۱) جلیل القدر محدث و مؤلف "مشکاۃ المصابیح" خطیب تبریزی (م ۷۴۳ھ) لکھتے ہیں:-

"یہ ابوالعاص مقسم بن الربیع ہیں۔ (اور کہا گیا کہ ان کا نام لقیط ہے) اور یہ آنحضور کے داماد تھے۔ آپ کی صاحبزادی زینب ان کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے بعد یوم بدر کے قیدی ہونے کے جب کفر کی حالت میں تھے (اور آزاد کئے گئے تھے اسلام قبول کر کے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ یہ آنحضور سے بھائی چارہ اور سچی محبت رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت کے دور میں قتل کر دیئے گئے۔ ان سے ابن عباس اور ابن عمر اور ابن العاص روایت کرتے ہیں۔ مقسم میم کے زیر، قاف کے سکون اور سین کے زبر کے ساتھ ہے۔"

(خطیب تبریزی، الاکمال فی اسماء الرجال، حرف العین مع مشکاۃ المصابیح، اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص ۳۶۹-۳۷۰)۔

(۲) داماد رسول سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیع الاموی القرشی سیدہ خدیجۃ ام المومنین کے بھانجے اور صاحب ثروت تھے۔ اور شعب ابی طالب میں محصور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی ہاشم کے لئے اپنے گندم اور کھجور سے لدے اونٹ باہر سے ہنکا کر پابندیوں کے باوجود ان کے خورد و نوش کا سامان فراہم کرتے رہے، جس پر خوش ہو کر شیعہ روایت کے مطابق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"ابوالعاص نے ہماری دامادی کا حق ادا کر دیا۔"

(مرزا محمد تقی سپہر کاشانی، ناسخ التواریخ، ج ۲، ص ۵۱۸)۔

(۳) انہی ابوالعاص کے بیٹے سب سے بڑے نواسہ رسول سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی العاص الاموی القرشی بحالت شباب فتح مکہ کے موقع پر ردیف رسول یعنی ان کے ہمراہ اونٹنی پر سوار تھے۔ (کتاب نسب قریش لمصعب الزبیری و ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، و الاستیعاب لابن عبد البر)۔

(۴) انہی ابوالعاصؓ کی صاحبزادی سب سے بڑی نواسی رسولؐ سیدہ امامہؓ نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہو جاتی تھیں۔

عن ابی قتادة الانصاری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یصلی وهو حامل امامة بنت زینب بنت رسول الله ولابی العاص ابن الربیع- فاذا سجد وضعها و اذا قام حملها.

(صحیح البخاری، جلد اول، ص ۷۴، باب اذا حمل جاریة صغیرة فی الصلاة)

ترجمہ:- ابوقتادہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ دختر ابوالعاص بن ربیع کو اٹھائے ہوتے جب سجدہ فرماتے تو انہیں نیچے اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو وہ دوبارہ سوار ہو جاتیں۔

سیدہ امامہ کے بارے میں خطیب تبریزی لکھتے ہیں:-

"یہ امامہ ہیں ابوالعاص بن ربیع کی بیٹی اور ان کی والدہ زینب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی بیٹی تھیں۔ بعد حضرت فاطمہ کی وفات کے حضرت علی نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ یہ حضرت فاطمہ کی بھانجی تھیں۔ حضرت علی کو انہوں نے اس کی وصیت کی تھی۔ امامہ کا نکاح حضرت علی سے زبیر بن العوام نے کیا، کیونکہ ان کے یعنی امامہ کے والد نے ان کو اس کی وصیت کی تھی۔ باب مالایجوز من العمل فی الصلاۃ میں ان کا ذکر آیا ہے۔"

(خطیب تبریزی الاکمال فی اسماء الرجال، حرف الالف اردو ترجمہ مطبوعہ مع مشکاۃ المصابیح، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص ۲۹۳-۲۹۴)

ہاشم و امیہ نیز دیگر سادات قریش کے حوالے سے ان مختصر اشارات سے خاندان رسالت، اہل بیت رسول نیز جمل و صفین و کربلا و حرہ و یزید و بنوامیہ کے بارے میں دشمنان صحابہؓ و اہل بیتؓ کے شر انگیز پراپیگنڈہ سے بچتے ہوئے شرعی و تاریخی حقائق پر مبنی علمی و تحقیقی صحیح اور مثبت نقطہ نظر کو اختیار و اجاگر کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ فمن شاء فلیذکر۔

اہل بیتؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

یایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا، کتاب اللہ و
عترتی، اہل بیتی- الحدیث-
(رواہ الترمذی، مشکاۃ المصابیح، باب مناقب اہل بیت النبی).

لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہ ہو پاؤ گے، وہ ہے اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت۔

ازواج نبیؐ امہات المومنینؓ

۱- ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ بنت خویلد۔
۲- ام المومنین سیدہ سودہؓ بنت زمعہ۔
۳- ام المومنین سیدہ عائشہ الصدیقہؓ بنت ابی بکر الصدیقؓ۔
۴- ام المومنین سیدہ حفصہؓ بنت عمر الفاروقؓ۔
۵- ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ۔
۶- ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش۔
۷- ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ بنت سہیل۔
۸- ام المومنین سیدہ جویریہؓ بنت الحارث۔
۹- ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ ہمشیرہ سیدنا معاویہؓ۔
۱۰- ام المومنین سیدہ صفیہؓ بنت حی بن اخطب۔
۱۱- ام المومنین سیدہ میمونہؓ بنت الحارث۔
۱۲- ام المومنین سیدہ ماریہ القبطیہؓ ام ابراہیمؓ۔

اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۳- سیدنا قاسم (طاہر) رضی اللہ عنہ۔
۱۴- سیدنا عبداللہ (طیب) رضی اللہ عنہ۔
۱۵- سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ۔
۱۶- سیدہ زینبؓ زوجہ سیدنا ابوالعاصؓ بن ربیع الاموی القرشی۔
۱۷- سیدہ رقیہؓ زوجہ سیدنا عثمانؓ بن عفان الاموی القرشی۔
۱۸- سیدہ ام کلثومؓ زوجہ سیدنا عثمان بن عفان الاموی القرشی۔
۱۹- سیدہ فاطمہ زوجہ سیدنا علی ابن ابی طالب الھاشمی القرشی۔

نواسے اور نواسیاں

۲۰- سیدنا علیؓ بن ابی العاصؓ و زینبؓ۔
۲۱- سیدنا عبداللہؓ بن عثمانؓ و رقیہؓ۔
۲۲- سیدنا حسنؓ بن علیؓ و فاطمہؓ۔
۲۳- سیدنا حسینؓ بن علی و فاطمہؓ۔
۲۴- سیدہ امامہؓ بنت ابوالعاصؓ و زینبؓ زوجہ سیدنا علی بن ابی طالب۔
۲۵- سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؓ و فاطمہؓ زوجہ سیدنا عمر فاروقؓ۔
۲۶- سیدہ زینبؓ بنت علیؓ و فاطمہ زوجہ سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ۔
۲۷- سیدہ رقیہؓ بنت علی و فاطمہ (بچپن میں وفات پائی)۔

خلاصہ و نتیجہ کلام اکابر امت

بسلسلہ دفاع یزید

یزید بن معاویہؓ کے دفاع و حمایت میں اکابر امت کے مذکورہ سابقہ دلائل و بیانات کا خلاصہ و نتیجہ درج ذیل نقاط پر مشتمل قرار دیا جاسکتا ہے:-

۱- یزید خاندان رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تعلق رکھتا تھا۔ اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی بن ابی العاصؓ، عبداللہ بن عثمانؓ، حسن و حسین بن علیؓ کے نانا تھے، اسی طرح یزید بن معاویہؓ کے پھوپھا اور عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ نیز یزید قریشی خاندان رسالت کی اس عظیم المرتبت اموی شاخ سے تعلق رکھتا تھا جس میں نبی ﷺ کی چار میں سے تین صاحبزادیاں (سیدہ زینبؓ زوجہ سیدنا ابوالعاص اموی قرشی و سیدہ رقیہؓ ثم سیدہ ام کلثومؓ زوجہ سیدنا عثمان بن عفان اموی قرشی) بیاہی گئی تھیں۔

۲- یزید کے دادا سیدنا ابوسفیانؓ، دادی سیدہ ہندہؓ، تایا یزیدؓ، والد معاویہؓ اور پھوپھی ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ (رملہ) سب کے سب اصحاب رسول ؐ میں سے ہیں۔ اور خود یزید حدیث نبوی کے مطابق خیر القرون میں تابعین کی اس نسل سے تعلق رکھتا

ہے جو وفات نبوی (۱۱ھ) کے چند برس بعد (ولادت یزید ۲۴ھ) پیدا ہوئی۔ جبکہ سیدنا حسینؓ صغار صحابہؓ کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو وفات نبوی سے چند سال پہلے پیدا ہوئے۔

۳- یزید جسمانی لحاظ سے بلند قامت، سرخ و سفید، ہلکی خوبصورت داڑھی والا اور صاحب حسن و جمال تھا۔ اس میں بدوؤں جیسی فصاحت و بلاغت، شعر و خطابت، حلم و کرم، امور مملکت میں اصابت رائے اور عمدہ آداب معاشرت سمیت بہت سی اعلیٰ صفات پائی جاتی تھیں۔ نیز وہ راوی حدیث نبوی، قرآن و حدیث اور دیگر علوم عربیہ و اسلامیہ کا عالم، پابند نماز و سنت نبوی، مسائل فقہ پر کلام کرنے والا اور کار خیر میں سرگرم عمل تھا۔ وہ کئی مرتبہ حج وزیارت حرمین سے بطور امیر الحج بھی مشرف ہوا۔

یزید، سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور سیدہ ام مسکین بنت عاصم بن عمر فاروقؓ کا شوہر اور عمر بن عبدالعزیز کا خالو تھا۔ نیز سیدہ آمنہ، زوجہ حسینؓ و والدہ علی اکبر (عمر بن حسین) سیدہ میمونہ بنت ابی سفیانؓ کی بیٹی اور یزید کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اور عون و محمد، یزید کے سالے تھے۔

۴- یزید قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے پہلے جیش امت (۵۲ھ) میں بحیثیت امیر لشکر سیدنا ابو ایوب انصاری، سفیان بن عوف، عبداللہ عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس، حسین بن علی اور دیگر صحابہ و تابعین کے ہمراہ تھا۔ عزیز و میزبان رسول ﷺ سیدنا ابو ایوب انصاری کی نماز جنازہ، وصیت کے مطابق قسطنطنیہ میں تدفین اور ان سے روایت حدیث کی سعادت یزید کو نصیب ہوئی۔ نیز وہ حدیث نبوی کی اس بشارت مغفرت میں شامل قرار پایا جو قیصر روم کے شہر (قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے اولین لشکر اسلام کے تمام مجاہدین امت کے لئے عمومی ہے۔ (بخاری، کتاب الجہاد و باب ما قیل فی قتال الروم) ۔

۵- نیز یزید حدیث نبوی میں مذکور تین خیر القرون میں سے صحابہ کرامؓ سے متصل اعلیٰ طبقہ تابعین سے تعلق رکھنے کے علاوہ ان بارہ خلفائے اسلام میں بھی شامل ہے جن کے زمانہ خلافت میں اسلام کے عزیز و غالب اور دین کے قائم و دائم رہنے کی بشارت حدیث نبوی میں دی گئی ہے۔ (بخاری و مسلم و طبرانی و مستدرک حاکم وغیرہ)۔ ان بارہ خلفاء میں

بالترتیب امام ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم نیز یزید بن معاویہؒ، مروان بن حکم، عبدالملک بن مروان، ولید و سلیمان بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز بن مروانؒ شامل ہیں۔

۶- یزید کی امامت و خلافت اور ولی عہدی شرعاً درست و ثابت شدہ ہے۔ جس کی بیعت کم و بیش تمام صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور پورے عالم اسلام نے کی، جو اس بات کا واضح اور بین ثبوت ہے کہ یزید نہ فاسق و فاجر تھا اور نہ ہی منصبِ امامت و خلافت کے لیے شرعاً نااہل قرار دیا جاسکتا تھا۔ ان حضرات میں سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابو سعید خدری، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہم سمیت اس وقت بقید حیات دو سو سے زائد صحابہ کرامؓ نیز برادر حسینؓ، ابن الحنفیہ جیسے تابعین عظامؒ سر فہرست ہیں۔ جن کے بارے میں یہ تصور کرنا بھی محال ہے کہ وہ کسی فاسق و فاجر یا نااہل شخص کی بیعت امامت و خلافت کریں یا اس سلسلہ میں کسی جبر و مصلحت کا شکار ہوں۔ البتہ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ (۶۴ - ۷۳ ھ) اور ان کے ساتھیوں نے وفات یزید (ربیع الاول ۶۴ ھ) تک یزید کی بیعت نہیں کی اور مکہ میں مقیم رہ کر خلافت ابن زبیرؓ کے علمبردار رہے۔

سیدنا حسین نے جب اہلِ کوفہ کے اصرار پر اور مسلم بن عقیل کی تصدیق کے بعد ابن زبیر اور یزید کے مقابلے میں بہتر خلافت حسینی کے قیام کا موقع دیکھا تو بیعت یزید کئے بغیر اکابر قریش و بنی ہاشم و صحابہ کرام کے منع کرنے کے باوجود سفر کوفہ اختیار فرمایا۔ مگر جب شہادت مسلم و غداری شیعان کوفہ کی خبر ملی تو بالآخر بدلے ہوئے حالات میں مدینہ واپسی، سرحدوں کی جانب روانگی یا اپنے چچازاد یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے (دست در دست یزید) کی پیش کش سمیت تین شرطیں پیش کیں، مگر امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاص کی تمام تر مساعی کے باوجود ابن زیاد نے یزید کو مطلع کئے بغیر پہلے اپنی بیعت کی شرط رکھ کر صورتحال بگاڑ دی۔ اور سانحہ کربلا رونما ہوا۔ مگر بیعت یزید کی اسی پیشکش کے تسلسل میں سیدنا علی بن حسین (زین العابدین) و دیگر پس ماندگان کربلا و اکابر بنی ہاشم نے نہ صرف بیعت یزید کی بلکہ اکابر قریش و بنی ہاشم کے ہمراہ اہل مدینہ کی بغاوت (واقعہ حرہ ۶۳ ھ) کے دوران میں اور بعد ازاں بھی وفات یزید (۱۴ ربیع

الاول ۶۴ھ) تک اسے برقرار رکھا۔

۷- یزید شہادت حسینؓ اور واقعہ کربلا کا ذمہ دار نہیں نہ اس نے قتل حسین کا حکم دیا نہ وہ اس پر راضی ہوا۔ بلکہ مستند روایات کے مطابق یزید شہادت حسین کی خبر سن کر آبدیدہ ہوا اور اظہار رنج و غم کرتے ہوئے ابن زیاد پر لعنت بھیجی اور کہا کہ "اگر میں وہاں ہوتا تو حسین سے درگزر ہی کرتا، حسین پر اللہ کی رحمت ہو" نیز یہ بھی کہا کہ اگر ابن زیاد کی (یزید کی طرح) حسین سے رشتہ داری ہوتی تو وہ کبھی انہیں قتل نہ ہونے دیتا۔ یزید نے سیدنا علی بن حسین (زین العابدین) سیدہ زینب و سکینہ و دیگر پس ماندگان قافلہ حسینی کو کامل عزت و احترام کے ساتھ دمشق میں اپنا مہمان رکھا اور زوجہ یزید سمیت تمام خواتین کربلا محل سرائے شاہی میں کئی روز تک اپنے اعزہ و اقارب شہدائے کربلا کا سوگ مناتی رہیں۔ پھر اہلِ قافلہ نے یزید کی دمشق میں مستقل قیام کی پیش کش کے جواب میں مدینہ منورہ جانے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ اہلِ قافلہ کے مالی نقصان کی کئی گنا تلافی اور سانحہ کربلا پر بار بار اظہار افسوس کرتے ہوئے یزید نے پورے عزت و احترام کے ساتھ قافلہ کو مدینہ منورہ روانہ کیا اور وفات یزید تک ان سب معززین نے نہ صرف بیعت یزید کو برقرار رکھا بلکہ بعد ازاں بھی اولاد حسنین سمیت بنوہاشم و بنوامیہ میں باہم شادی بیاہ اور مزید قرابتداری کا سلسلہ جاری و ساری رہا۔ حتیٰ کہ سیدہ زینب بنت علیؓ، واقعہ کربلا کے بعد مدینہ پہنچ کر واپس دمشق تشریف لائیں اور وہیں وفات پائی۔ چنانچہ آپ کا مزار مبارک دمشق میں مرجع خلائق ہے۔

چنانچہ سیدنا علی زین العابدین سمیت پس ماندگان کربلا اور سیدنا ابن جعفر و ابن عباس و ابن عمر و ابن الحنفیہ وغیرہ اکابر قریش و بنی ہاشم کا واقعہ کربلا کے بعد وفات یزید تک بیعت یزید کو برقرار رکھنا اور واقعہ حرہ (۶۳ھ) میں مدینہ پر حامیان ابن زبیر کے قبضہ و بغاوت کے دوران بیعت یزید توڑ دینے کے بجائے اسے برقرار رکھنے پر اصرار کرنا اور واقعہ کربلا و حرہ کے بعد کی باہم فاطمی و اموی و ہاشمی شادیاں یزید کی امامت و خلافت کے شرعاً درست ہونے اور یزید پر فسق و فجور کے الزامات نیز واقعہ کربلا و قتل حسین سے بری الذمہ ہونے کے واضح دلائل و شواہد ہیں۔

۸- وہ تمام جلیل القدر صحابہ کرامؓ جو وفات یزید (۱۴ربیع الاول ۶۴ھ) کے بعد

تک زندہ رہے انہوں نے من حیث الجماعت وفاتِ یزید اور آلِ یزید کی خلافت سے رضاکارانہ دستبرداری (۶۴ھ) کے بعد بھی نہ تو کبھی اپنی سابقہ بیعت یزید کو غلط یا مجبوری و مصلحت کا نتیجہ قرار دیا، نہ ہی یزید کو اس کی وفات کے بعد فاسق و فاجر، قاتل حسین یا واقعہ کربلا و حرہ کا ذمہ دار قرار دیا، نہ کسی حوالہ سے یزید کو قابلِ طعن وملامت قرار دیا اور نہ ہی یزید کے مقابلے میں عبداللہ بن زبیر کی امامت و خلافت کی بیعت کی۔ ان اکابر صحابہؓ میں سے بعض مفسرین و محدثین واکابر صحابہ کے نام درج ذیل ہیں:-

۱- عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (م ۶۵ھ مصر، تعداد مرویات حدیث ۷۰۰)

۲- عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ طائف، تعداد مرویات ۱۶۶۰)

۳- عبداللہ بن عمرؓ (م ۷۴ھ، مکہ، مرویات ۲۶۳۰)

۴- (سعد بن مالک) ابوسعید خدریؓ (م ۷۴ھ، مدینہ، مرویات ۱۱۷۰)

۵- جابر بن عبداللہ انصاریؓ (م ۷۸ھ، مدینہ، مرویات ۱۵۴۰)

۶- انس بن مالکؓ (م ۹۰ھ، یا بعد ازاں، مرویات ۲۲۳۶)

ان اکابر صحابہؓ سمیت تمام اکابر صحابہ و تابعین بشمول سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار و سیدنا ابن الحنفیہ و زین العابدین کا یہ طرز عمل یزید کی شرعی امامت و خلافت کی دلیل اور واقعہ کربلا و حرہ سے اس کے بری الذمہ ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

۹- یزید کا اسلام درست ہے۔ اس نے نہ قتل حسینؓ کا حکم دیا اور نہ وہ اس پر راضی ہوا۔ یزید کے بارے میں حسن ظن رکھنا لازم ہے، اسے سب و شتم کرنا ممنوع اور رحمتہ اللہ علیہ کہنا جائز و مستحب ہے۔ بلکہ مسلمان ہونے کی بناء پر وہ ہماری ہر نماز کے آخر میں مؤمنین کے لئے عمومی دعائے رحمت میں خود بخود شامل ہے۔ (امام غزالی م ۵۰۵ ھ)

نیز یزید نہ تو نبی یا صحابی تھا اور نہ ہی کافر و منافق، بلکہ وہ شاہانہ خلافت والے مسلمان خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا جس کی امامت و خلافت شرعاً درست اور ثابت شدہ ہے۔ نیز وہ قتل حسین اور سانحہ کربلا سے بری الذمہ ہے۔ (امام ابن تیمیہ م ۷۲۸ھ)۔

۱۰- اگر یزید فاسق و فاجر یا قابل ملامت ہوتا تو امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کے ہمعصر سیدنا بایزید بسطامی (م ۲۶۴ھ) جیسے جلیل القدر عالم و صوفی (اصل نام طیفور بن

عیسی) اپنی کنیت واقعہ کربلا (۶۱ھ) کے ایک صدی بعد یزید کے نام پر ابو یزید نہ رکھتے۔ نیز حدیث کی معروف کتاب "سنن ابن ماجہ" کے مؤلف (محمد بن یزید ابن ماجہ، م ۲۷۵ھ) کے والد کا نام یزید کے نام پر نہ ہوتا۔ نیز عثمانی سلطان بایزید یلدرم، حضرت بایزید انصاری اور عالم اسلام کے دیگر بہت سے سنی العقیدہ اہل علم و فضل کے اسماء اور کنیتیں یزید کے نام پر نہ ہوتیں۔

نیز شیعی روایات کے مطابق بھی جناب مسلم بن عقیلؓ کے والد اور سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی "ابویزید" عقیلؓ بن ابی طالب (عباس قمی، منتھی الآمال، ج۱،ص۲۰۹) کے بعد سیدہ فاطمہ بنت حسن مثنیٰؒ کے فرزند کا نام بھی "یزید" (بن معویہ بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ) نہ رکھا جاتا۔ اور نہ ہی نواسی حسینؓ سیدہ زینبؒ (دختر حسن مثنی بن حسنؓ و فاطمہ بنت حسینؓ) اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵-۸۶ھ) کی زوجہ بن پاتیں۔

(ملاحظہ ہو:- عباس قمی، منتھی الآمال، ج۱، ص ۲۵۱، سازمان انتشارات جاویدان، ایران ۱۳۸۸ھ)۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔

اور اگر عالم اسلام کے مختلف علاقوں بالخصوص برصغیر پاک و ہند و عجم میں شیعی اثرات و پروپیگنڈہ اور مسخ حقائق کی بھرمار نہ ہوتی تو برصغیر میں یزید کے نام پر رد عمل دکھانے سے پہلے خسرو پرویز، اور فیروز نام رکھنے کی مذمت کی جاتی کیونکہ کسریٰ فارس خسرو پرویز نے مکتوب نبوی پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا تھا۔ جس پر نبی ؐ نے اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی بددعا فرمائی۔ اور سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں فارس (ایران) مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

اسی طرح ابولؤلؤ فیروز پارسی بھی خسرو پرویز کی طرح آتش پرست ایرانی مجوسی غلام تھا۔ جس نے امام و خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق کو مسجد نبوی میں امامت نماز فجر کے دوران میں خنجر سے وار کر کے شہید کر دیا۔ پس فیروز نام رکھنا اور قاتل عمرؓ فیروز کی نسبت سے فیروزہ پتھر کو متبرک سمجھنا بھی شیعی اثرات کا نتیجہ ہے۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔

وما یذکر الا اولوا الالباب۔

جدید غیر مسلم محققین اور یزید

یزید کے حوالہ سے مختصراً بعض غیر مسلم محققین کی آراء بھی قابل توجہ ہیں۔ جن سے غیر جانبدارانہ تحقیق و تجزیہ میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

ا۔ مستشرق دی خوئے مقالہ نگار انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا

مشہور مستشرق دی خوئے اپنے مقالہ بعنوان "خلافت" میں خلفائے بنی امیہ کے حالات میں رقم طراز ہیں:۔

"تہمت تراشی اور افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈہ بنی امیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے علویوں اور عباسیوں کی جانب سے منظم طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہی، اس کی مثال شاید ہی کہیں اور جگہ ملے۔ ان کے داعیوں اور ایجنٹوں نے ہر قسم کی برائی و معصیت کو جو تصور کی جا سکتی تھی، بنی امیہ سے منسوب کیا۔ ان پر الزام لگایا کہ مذہب اسلام ان لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ نہیں۔ اس لئے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ دنیا سے ان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ بنی امیہ کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے۔ اس میں عباسیوں کے ان ہی خیالات و تاثرات کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جا سکتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۵. گیارہواں ایڈیشن. مقالہ دی خوئے بعنوان "خلافت")۔

۲- مؤلف کتاب بازنطینی سلطنت (Byzantine Empire)

"رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کے عہد سلطنت کا آغاز ہی تباہی کے ساتھ ہوا۔ خلیفہ معاویہ کی افواج اور بیڑہ جہازات نے افریقہ، سسلی اور ایشیائے کوچک پر بیک وقت حملے شروع کئے جو بطور پیش خیمہ کے تھے۔

۶۷۳ء میں خلیفہ موصوف نے ایک ایسی زبردست بری و بحری مہم کی تیاری کی جس کے مثل اس وقت تک عربوں کی جانب سے معرکہ آرائی کی کوئی مہم نہیں بھیجی گئی تھی۔ یہ عظیم الشان بیڑا جہازات افریقہ، سسلی اور قسطنطینیہ کے محاصرے کے لئے ملک شام سے روانہ ہوئے۔ ایسی زبردست مہم مسلمانوں کی جانب سے اب تک نہیں بھیجی گئی تھی۔

جنرل عبدالرحمن کی معیت میں خلیفہ کے فرزند اور ولی عہد یزید بھی متعین تھے۔ اسلامی بیڑہ جہازات نے رومی شاہی بیڑے کو شکست دے کر درہ دانیال میں اپنا راستہ نکال لیا، اور شہر سائزکس پر قبضہ کر کے اس کو اپنا فوجی کیمپ بنا لیا اور باسفورس کی ناکہ بندی کر دی۔ چار سال تک محاصرہ جاری رہا۔ محصور فوج نے زبردست مقاومت کر کے اور کچھ نہیں تو روز بد کو کچھ دنوں تک ٹالے رکھا۔" (بازنطینی سلطنت۔ Byzantine Empire، ص ۱۷۰)

۳- مقالہ نگار انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لیدن)

یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بے ہودہ شہزادہ تھا اور نہ ایسا لاابالی اور بے پرواہ حکمران جیسا ان مورخین نے بیان کیا ہے جو یا تو شیعوں کے بغض و عناد سے تاثر پذیر ہیں یا عراق و حجاز (شام) کے سیاسی جھگڑوں کے حالات سے، یا پھر اس کی بہت ہی مختصر مدت حکمرانی کے حادثہ کا اثر لئے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یزید نے اپنے والد (معاویہ) کی پالیسی و طریق کار بدستور جاری رکھنے کی کوشش کی، اور ان کے باقی ماندہ رفقائے کار کو قائم و برقرار رکھا۔ وہ خود شاعر تھا، موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعراء کا قدر دان تھا۔ اور ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔

مملکت کے شمالی علاقہ میں اس نے نئی فوجی چھاؤنی "جند قنسرین" قائم کر کے ملک شام کے دفاع اور عسکری قلعہ بندی کی تکمیل کی، اور انتظامی نظام کو مکمل کر دیا۔ مالیات کی از سر نو تنظیم کی۔ نجرانی عیسائیوں کے جزیہ کو جو خلیفہ عمر کے عہد میں ملک عرب سے حکیمانہ طور پر خارج البلد کئے گئے، ہلکا کر دیا۔ برخلاف اس کے سامری یہودیوں پر جن کو ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانہ میں بصلہ خدمات جزیہ سے مستثنیٰ کیا گیا تھا، جزیہ عائد کر دیا۔

یزید کو زراعت کی ترقی سے دلچسپی تھی۔ دمشق کے نخلستانی غوطہ میں آبپاشی کے سسٹم کو مکمل کرنے کی غرض سے بالائی علاقہ میں ایک نہر کھدوائی جو اس کے نام سے "نہر یزید" کہلاتی ہے، اور مضافات سلیمیہ کی اس سے آبپاشی ہوتی ہے۔ خلفائے اسلام میں تنہا یزید ہی ایسا خلیفہ ہے جس کو مھندس (نہر و کاریز کا ماہر، انجینئر) کا لقب دیا گیا تھا۔" (مقالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لیدن)

۴- مؤلف کتاب

"Continuatica Byzantina Arabica

"یزید حد درجہ متواضع و حلیم، سنجیدہ و متین، خودبینی و تکبر سے مبرا، اپنی زیردست رعایا کا محبوب، تزک و احتشام شاہی سے "متنفر" معمولی شہریوں کی طرح زندگی بسر کرنے والا اور مہذب تھا۔"

مؤرخ ولہازن، مقالہ نگار انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"کسی بھی خلیفہ کی مدح و ثناء اس طور سے نہیں ہوئی۔ یہ الفاظ تو دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے ہیں۔" (ولہازن، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ص ۱۱۶۳)

باب سوئم

بیعت صحابہ کرامؓ بحق خلافت یزید

۳- بیعت صحابہ کرامؓ بحق خلافت یزید

خلافت یزید (رجب ۶۰ھ - ربیع الاول ۶۴ھ) کے زمانہ میں مکہ و مدینہ، کوفہ و بصرہ اور مصر و شام سمیت پورے عالم اسلام میں صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد موجود تھی۔ جن میں سے ڈیڑھ سو سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی کتب تاریخ و سیرت میں موجود ہیں۔ اور ان میں سے متعدد اکابر صحابہؓ و اہل بیتؓ کے اقوال بحق یزید بھی موجود ہیں۔ ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کی امامت و خلافت کی بیعت کی اور واقعہ کربلا و حرہ کے بعد بقید حیات اصحاب رسول ؐ نے وفات یزید تک اسے برقرار رکھا۔ جن میں سیدنا عبداللہ بن عباس ہاشمی قرشی، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار ہاشمی قرشی، سیدنا عبداللہ بن عمر عدوی قرشی، داماد سید الشہداء حمزہ و فرزند ام المؤمنین ام سلمہ سیدنا سلمہ بن ابی سلمہ مخزومی قرشی اور ان کے بھائی ربیب رسول ؐ عمر بن ابی سلمہ مخزومی، سیدنا عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب الھاشمی القرشی، سیدنا عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب الھاشمی القرشی، خواہر زادہ ام المؤمنین سیدہ میمونہ، عبداللہ بن شداد بن الھاد اللیثی القرشی، اور سیدنا عبداللہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب الہاشمی القرشی رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ نیز غیر صحابی یعنی تابعین اہل بیت بنی ہاشم میں سے سیدنا محمد بن علی ابن الحنفیہ الہاشمی القرشی برادرِ حسنینؓ اور واقعہ کربلا کے بعد سیدنا علی بن الحسین (زین العابدین) سرِ فہرست ہیں۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:-

"فاتسقت البیعة لیزید فی سائر البلاد و وفدت الوفود من سائر الأقالیم الی یزید-" (البدایة والنهایة، ج ۸، ص ۸۶)

ترجمہ:- پس یزید کی بیعت تمام علاقوں میں کرلی گئی اور تمام اقالیم سلطنت سے وفود یزید کے پاس حاضر ہوئے۔

"ان میں سے متعدد وہ حضرات بھی تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات اور آپ کے بعد جہادوں میں شریک ہو کر باطل قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی کی جبروت کو خاطر میں لا سکتے تھے۔ مگر ان میں سے کسی ایک صحابیؓ نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسینؓ کا ساتھ کسی طرح نہیں دیا، مؤلف "اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء" لکھتے ہیں:-

"وقد کان فی ذلک العصر کثیر من الصحابة بالحجاز و الشام و البصرة و الکوفة و مصر و کلهم لم یخرج علی یزید ولا وحده ولامع الحسین-"

(محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۱۴)-

ترجمہ: اس زمانے میں حجاز و شام و بصرہ و کوفہ و مصر میں صحابہ کی کثیر تعداد موجود تھی مگر ان سب نے نہ تو اپنے طور پر اور نہ ہی حسین سے مل کر یزید کے خلاف خروج کیا۔

خلافت یزید (رجب ۶۰ھ) سے پہلے ۵۶ھ میں جب بقول ابن کثیر و دیگر مؤرخین یزید کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی۔ تو اس وقت چھپن لاکھ مربع میل پر محیط پورے عالم اسلام نے بیعت ولایت و خلافت یزید کر لی جن میں کم و بیش تمام صحابہؓ و تابعین بھی شامل تھے۔ ۵۶ھ کے واقعات میں ابن کثیر لکھتے ہیں:-

"و فیها دعا معاویة الناس الی البیعة لیزید ولده ان یکون ولی عهده من بعده- فبایع له الناس فی سائر الاقالیم الا عبدالرحمن بن ابی بکر و عبدالله بن عمر والحسین بن علی و عبدالله بن الزبیر و ابن عباس-"

(ابن کثیر البدایة و النهایة، ج ۸، ص ۸۶)-

اور اسی سال (۵۶ھ) میں حضرت معاویہ نے لوگوں کو اپنے بعد (خلافت) کے لئے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی دعوت دی۔ پس تمام اقالیم سلطنت میں لوگوں نے اس کی بیعت کر لی سوائے عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس کے۔

صحابہ کرامؓ کی غالب اکثریت کے برعکس ولایت و خلافت یزید سے اختلاف

کرنے والے مذکورہ پانچ حضرات میں سے سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کا سن وفات اختلافی ہے بقول ابن الاثیر:-

"و ذکر عبدالرحمن بن ابی بکر لایستقیم علی قول من یجعل وفاته سنة ثلاث و خمسین و انما یصح علی قول من یجعلها بعد ذلک الوقت-"

(ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج۳، ص ۲۵۲!)

ترجمہ:- اور اس سلسلہ میں عبدالرحمن بن ابی بکر کا ذکر ان لوگوں کے قول کے مطابق درست قرار نہیں پاتا جو ان کا سن وفات ۵۳ھ بتاتے ہیں۔ یہ صرف ان لوگوں کے قول کی رو سے درست قرار پائے گا جو ان کا سنِ وفات بعد ازاں (۵۸ھ، البدایہ) بتلاتے ہیں۔

بہرحال یہ بات متفق علیہ ہے کہ سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ خلافت یزید سے پہلے وفات پا چکے تھے اور کئی روایات کے مطابق بیعت ولایت یزید سے بھی پہلے (۵۳ ھ) میں وفات پا چکے تھے۔ علاوہ ازیں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن عمرؓ کی بیعت یزید اور اقوال بحق یزید ثابت شدہ حقیقت ہیں۔ نیز سیدنا حسینؓ کی جانب سے کوفہ میں بہتر خلافت حسینی کے قیام کی کوشش شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید و ابن زیاد کی وجہ سے ناکام ہو جانے کے بعد امیر عسکر عمر بن سعد کو مدینہ واپسی، سرحدوں کی طرف روانگی یا اپنے چچا زاد یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی سہ نقاطی پیش کش، مستند کتب تاریخ اہل تسنن و تشیع میں مشہور و معروف ہے۔ جسے ابن زیاد نے یزید کو اطلاع دیئے بغیر اور ابن سعد کے مشورہ کے برعکس پہلے اپنی بیعت سے مشروط کر کے صورتحال بگاڑ دی۔ مگر واقعہ کربلا کے بعد اسی پیشکش کے تسلسل میں سیدنا علی زین العابدینؒ نے نہ صرف بیعت یزید کی بلکہ اھل مدینہ کی بغاوت (واقعہ حرہ) کے بعد بھی اپنے اہل خاندان اور اکابر قریش و بنی ہاشم کے ہمراہ اسے سختی سے برقرار رکھا اور یزید کے حق میں کلمہ خیر کہا۔ کیونکہ یزید نے امیر لشکر مسلم بن عقبہ کو ان کے خط بنام یزید کے حوالہ سے ان سے خصوصی حسنِ سلوک کی ہدایت کی تھی۔

البتہ نواسہ ابی بکر و برادر زادہ نبی ؐ و علیؓ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے وفات یزید تک بیعت یزید نہیں کی بلکہ مکہ کو مرکز بنا کر بالآخر وفات یزید کے بعد حجاز و عراق

سمیت عالم اسلام کے بہت بڑے حصے پر اپنی خلافت (۶۴ - ۷۳ ھ) قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

موقف اہل بیت رسول ؐ ، امہات المؤمنین

سیدہ عائشہؓ و ام سلمہؓ و میمونہؓ

روایات کے مطابق یزید کی ولی عہدی کی بیعت اگر سن ۵۶ھ میں قرار دی جائے تو اس وقت اہل بیت نبوت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ و سیدہ ام سلمہؓ بہر حال بقید حیات تھیں۔ اور اگرچہ بعض روایات کی رو سے سیدہ عائشہؓ کا سن وفات ۵۹ھ اور سیدہ ام سلمہؓ کا سن ۶۱ ھ (واقعہ کربلا کے چند ماہ بعد) بھی بتایا جاتا ہے مگر بہر حال دونوں اہل بیت رسول ؐ ، امہات المؤمنین، ولی عہدی یزید (۵۶ھ) کے بعد کم از کم ۵۸ ھ تک زندہ تھیں اور سیدنا ابو ہریرہؓ بھی بقید حیات تھے۔

معتبر و مستند مؤرخین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ام المؤمنین ام سلمہؓ کی وفات ۵۹ ھ کے ماہ شوال میں ہوئی اور نماز جنازہ سیدنا ابو ہریرہؓ نے پڑھائی جو خود بھی اسی سال کے آخر میں فوت ہوئے تھے۔

(المعارف لابن قتیبہ، ص ۶۰ ، طبری ۲/۱۳ /۷ و تنبیہ الاشراف للمسعودی ص ۳۰۳ والبدایہ ۸/ ۱۱۴)۔

واقدی نے حضرت ابوہریرہؓ کے انتقال کے سلسلہ میں صراحتاً بیان کیا ہے کہ:۔

"و هواالذی (اعنی ابو هریرة) صلی علی عائشة فی رمضان و علی أم سلمة فی شوال سنة تسع و خمسین ثم توفی أبو هريرة بعدهما فيها -"

(ابن کثیر، البداية و النهاية، ج۸، ص ۱۱۴)-

ترجمہ: اور ان (یعنی ابوہریرہ) ہی نے سن انسٹھ (۵۹ھ) کے ماہ رمضان میں حضرت عائشہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور پھر ماہ شوال میں حضرت ام سلمہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر خود ابوہریرہ کا بھی اسی سال میں ان دونوں کے بعد انتقال ہو گیا۔

چنانچہ از روئے نص قرآنی امہات المؤمنین و اہل بیت رسول ؐ قرار پانے والی سیدہ عائشہؓ و ام سلمہؓ جیسی عظیم المرتبت ہستیوں نے دیگر بقید حیات صحابہ کرامؓ کی طرح

ولی عہدی یزید کی قطعاً مخالفت نہیں کی۔ اور اگر سیدہ ام سلمہؓ کے بارے میں خلافت یزید کے دوران میں واقعہ کربلا کے بعد انتقال (۶۱ھ) کی روایت کو تسلیم کرلیا جائے تو سیدہ ام سلمہؓ کا خلافت یزید کے خلاف خروج کرنے والوں کا ساتھ نہ دینا اور زیر سایہ نبوت پرورشؐ پانے والے آپ کے قریشی النسب صاحبزادوں سلمہ و عمر فرزندانِ ابی سلمہ کا بیعت یزید کرنا آپ کی جانب سے خلافت یزید کی تائید وحمایت قرار پاتا ہے۔

اسی طرح اگر اہل بیت رسول ام المؤمنین سیدہ میمونہؓ کا سن وفات ۶۱ھ تسلیم کر لیا جائے۔ (۵۱، ۶۳ اور ۶۶ھ بھی مذکور ہیں اور ابن قتیبہ نے ۳۸ھ لکھا ہے) جیسا کہ ابن جریر طبری کا بیان ہے تو وہ بھی خلافت یزید میں زندہ تھیں:۔

"وتوفيت ميمونة سنة ٦١ في خلافة يزيد بن معاوية، وهي آخر من مات من ازواج النبي" (ابن جریرالطبری، تاریخ الامم و الملوک، ج ۱۳، ص ۷۷)۔

ترجمہ:۔ سیدہ میمونہ کا انتقال سن ۶۱ھ میں یزید بن معاویہ کے عہد خلافت میں ہوا ازواج نبیؐ میں سے وہی سب سے آخر میں فوت ہوئیں۔

پس اس بیان کی رو سے سیدہ زینبؓ، زوجہ سید الشہداء حمزہ کی ہمشیرہ اور سیف اللہ خالد بن ولید نیز یزید کی امامت و خلافت کی بیعت و حمایت کرنے والے سیدنا عبداللہ بن عباس ہاشمی و سیدنا عبداللہ بن شداد بن الہاد اللیثی کی ان محترم و معظم خالہ ام المؤمنین، اہل بیت رسولؐ سیدہ میمونہؓ بنت الحارث نے بھی مخالفین خلافت یزید کا ساتھ نہیں دیا۔ ان عظیم المرتبت عابدہ وزاہدہ سیدہ کے غلام یسار کے بھی چاروں فرزند عطاء و سلمان و مسلم و عبدالملک عالم و فاضل فقہائے مدینہ میں سے تھے۔ جبکہ سیدہ ام سلمہؓ کے غلام شیبہ بن نصاح فن قرأۃ میں اہل مدینہ کے امام تھے۔ اور حضرت موصوفہ کی کنیز خیرہ کے فرزند حسن بصری فضلائے تابعین میں ممتاز و نمایاں تھے۔ (المعارف لابن قتیبہ، ص ۶۰)۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ (روایات حدیث ۲۲۱۰) کی طرح ہزاروں احادیث کے راوی بلکہ راویان حدیث میں تعداد روایات کے لحاظ سے سرفہرست سیدنا ابو ہریرہؓ (روایات حدیث ۵۳۷۴) کا بیعت ولایت یزید کی مخالفت نہ کرتے ہوئے اسے تسلیم کرنا بھی خلافت یزید کے حق میں ایک اہم تر اور نمایاں دلیل ہے۔

اسی سلسلہ کلام میں روایت حدیث میں اہم ترین صحابہ محدثین کا بیعت خلافت یزید کرنا بھی امامت و خلافت یزید کے شرعاً غلط نہ ہونے کی بین دلیل قرار دی جا سکتی ہے۔ زمانہ خلافت یزید (۶۰-۶۴ھ) کے دوران میں موجود ان صحابہ کرامؓ کے اسماء مبارکہ مع تعداد روایات درج ذیل ہیں:-

۱- سیدنا عبداللہ بن عمرؓ (م ۷۴ھ مکہ) تعداد روایات حدیث (۲۶۳۰)
۲- سیدنا انس بن مالکؓ (م ۹۰ھ، یا بعد ازاں) تعداد روایات حدیث (۲۲۸۶)
۳- سیدنا عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ طائف) تعداد روایات حدیث (۱۶۶۰)
۴- سیدنا جابر بن عبداللہ انصاریؓ (م ۷۸ھ، مدینہ) تعداد روایات حدیث (۱۵۴۰)
۵- سیدنا ابو سعید خدری، سعد بن مالکؓ (م ۷۴ھ، مدینہ) تعداد روایات (۱۱۷۰)
۶- سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص (م ۶۵ھ مصر) تعداد روایات (۷۰۰)

خلافت یزید میں بقید حیات ڈیڑھ سو سے زائد صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی کے اندراج سے پہلے بطور اشارہ ان میں سے چند ایسے اصحاب رسول ؐ کا مختصر تذکرہ درج کیا جا رہا ہے جن کے بارے میں بالعموم معلومات کم ہیں۔ تاکہ ان سینکڑوں نجوم ہدایت کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کیا جا سکے، جو خلافت یزید میں موجود تھے:-

۱- سیدنا عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب الھاشمی القرشیؓ (م در خلافت یزید، دمشق)

آپ کے والد ربیعہ بن حارث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے اور آپ کی والدہ سیدہ ام الحکم بنت الزبیر بن عبدالمطلب نبی علیہ السلام کی چچا زاد بہن تھیں۔ زبیر بن عبدالمطلب کے بارے میں عباسی لکھتے ہیں:-

"اپنے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حقیقی چچا اور سیدہ ام الحکم کے والد زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت میں رہے تھے۔ وہ اپنے زمانہ کی ممتاز شخصیت تھے۔ ابو طالب کے حقیقی بڑے بھائی تھے اور اپنے والد کے انتقال پر ھاشمی خاندان کے سردار تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو بڑی محبت تھی۔ آپ کی صغر سنی اور چھٹپن میں آپ کو ہاتھوں پر جھلاتے اور لوری گاتے جاتے کہ یہ

محمد ؐ میرے بھائی کی نشانی ہے، خوب پروان چڑھے اور بڑے شرف و عزت والا ہو۔ (الاصابہ)۔

بیس پچیس سال کی عمر تک آپ اپنے انہی حقیقی تایا کے پاس رہے۔ حرب فجار میں یہی زبیر بن عبدالمطلب بنی ہاشم کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ عمر شریف اس وقت تقریباً سترہ اٹھارہ برس کی تھی، اپنے انہی شفیق تایا کے ساتھ تھے اور تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے۔ حلف الفضول کے انعقاد کے وقت کہ زبیر بن عبدالمطلب ہی اس کے بانی تھے، آنحضور اس جلسہ میں اپنے ان تایا کے ساتھ موجود تھے۔ اس وقت عمر شریف تقریباً پچیس سال کی تھی (شرح نہج البلاغہ، جز ۱۵)۔ اس کے کچھ دن بعد زبیر بن عبدالمطلب نے وفات پائی اور ان کے چھوٹے بھائی ابو طالب سردار قبیلہ ہوئے اور ان کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ سردار قبیلہ کی حیثیت سے ابو طالب نے آپ کی حمایت کی۔ زبیر بن عبدالمطلب کے چار بیٹے اور چار ہی بیٹیاں تھیں۔ ان کے بیٹے عبداللہؓ بن زبیر بن عبدالمطلب یعنی سیدہ ام الحکم کے بھائی بھی صحابی تھے۔ ان پر بھی آپ ؐ بہت شفقت فرماتے تھے اور ان کو "ابن امی" میری ماں کا بیٹا کہتے (الاصابہ) کیونکہ سیدہ آمنہ کے بعد آپ کی انہی چچی نے آپ کی پرورش کی تھی۔

غرضیکہ عبدالمطلب بن ربیعہؓ نے ایسے ماحول میں شعور کی آنکھیں کھولیں اور مشکوٰۃ نبوی سے براہ راست اخذ نور کیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت تک مدینہ میں رہے پھر ملک شام میں جا بسے۔ دمشق میں مسکن گزیں ہوئے۔ امیر یزید کے بچپن سے جوانی تک کے سب حالات ان کے اپنی آنکھوں دیکھے تھے۔ اور ان کی صلاحیتوں کی بناء پر ان سے ایسی محبت کرتے تھے کہ وفات سے قبل انہی کو اپنا وصی کیا:۔

واوصى الى يزيد بن معاوية و قبل وصيته-"

(الاصابہ، ص ۴۳۰، ج ۲، و البدایہ ص ۲۱۳، ج ۸، و الاستیعاب و جمهرة الانساب ابن حزم)۔

امیر یزید کے اول عہد خلافت میں رحلت کی۔ مات فی امرة يزيد سنة اثنتين و ستين (الاصابة)۔"

(محمود عباسی، تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، ص ۴۳، طبع کراچی، جون ۱۹۶۱ء)۔

سیدنا عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب الھاشمی القرشیؓ جنہوں نے اپنے طرز عمل سے یزید کی خصوصی تائید فرمائی اور یزید کو اپنا وصی و وارث قرار دیا۔ ان کے بارے میں ابن حزم کا بیان یوں ہے:۔

"عبدالمطلب بن ربیعة بن الحارث بن عبدالمطلب بن هاشم، صحابی، انتقل الی دمشق وله بها دار- فلما مات أوصی الی یزید بن معاویة و هو امیر المؤمنین و قبل وصیته-" (ابن حزم، جمهرة الانساب، ص ٦٣)-

ترجمہ: حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ھاشم صحابی تھے۔ وہ دمشق منتقل ہو گئے تھے اور وہاں ان کا مکان بھی تھا۔ وفات کے وقت یزید بن معاویہ کو جو اس وقت امیر المؤمنین تھے اپنا وصی و وارث بنا گئے اور یزید نے ان کی وصیت کو قبول کر لیا۔

۲- داماد سید الشہداء حمزہؓ، سیدنا سلمہ بن ابی سلمہ المخزومی القرشیؓ (فرزند ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ، م بعد وفات یزید)

ان کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالاسد آنحضرت ؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے اور آپ کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے فرزند ہونے سے آپ کے پھپھیرے بھائی بھی۔ ابتدائے بعثت رسول اللہ ؐ میں ہی اسلام سے مشرف ہو گئے تھے۔ یعنی اسلام لانے والوں میں ان کا نمبر گیارہواں تھا۔ حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ وہاں سے واپسی پر جنگ احد میں شریک ہوئے۔ اس جنگ میں ایسا زخم لگا کہ اس کے صدمہ سے کچھ دن بعد ہی فوت ہو گئے۔ ان کی بیوہ ام سلمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا اور اس طرح سلمہ بن ابی سلمہ کو اپنی والدہ معظمہ کے ساتھ رسول اللہ ؐ کے آغوش شفقت میں پرورش پانے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حسنؓ و حسینؓ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی۔ سن بلوغ کو پہنچنے پر حضرت سلمہؓ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچیری بہن سیدہ امامہ بنت سید الشہداء حضرت حمزہؓ سے کر دیا تھا۔ حضرت سلمہ بھی امیر یزید کی ولی عہدی اور بیعت خلافت کے مؤیدین میں سے تھے۔ اور ان ہی

کی خلافت کے ایام میں کچھ عرصہ دمشق میں مقیم رہے۔ پھر مدینہ منورہ چلے آئے جہاں امیر المؤمنین عبدالملک کے عہد خلافت میں انتقال ہوا۔ (تحقیق مزید، ص۴۴)

۳- عمر بن ابی سلمی المخزومی القرشیؓ

(فرزند ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ، م بعد وفات یزید)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب اور ام المؤمنین ام سلمہؓ کے دوسرے فرزند، صغر سنی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عاطفت و آغوش شفقت میں پرورش پائی۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں بحرین کے عامل بھی رہے۔ جماعت سے ہمیشہ وابستہ رہے اور فتنوں سے الگ تھلگ۔ امیر المؤمنین عبدالملک کے عہد خلافت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ (تحقیق مزید، ص ۴۸)۔

۴- عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب الھاشمی القرشیؓ

(خواہر زادہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ، م بعد وفات یزید)

عہد رسالت میں جب ولادت ہوئی، ان کی خالہ ام المؤمنین ام حبیبہؓ نومولود کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لائیں۔ آپؐ نے لعاب مبارک اس بچہ کے تالو سے لگایا اور دعا دی۔ آپؐ کی حیات مقدسہ میں سن تمیز کو پہنچ گئے تھے اور آپؐ کے ہم شبیہ ہونے کا امتیاز بھی حاصل تھا۔ ماں ان کی اموی خاتون حضرت ابوسفیانؓ کی دختر ہند تھیں۔ امیر یزید کی وفات کے چند سال بعد فوت ہوئے۔ (تحقیق مزید، ص ۴۷)۔

۵- عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب الہاشمی القرشیؓ

(عمزاد نبیؐ و علیؓ، م در خلافت یزید)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور صحابی بن صحابی۔ آپ کی وفات کے وقت سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنے زمانے میں یمن کا والی مقرر کیا تھا۔ جو دو سخا اور دریا دلی کے ان کے بہت سے واقعات کتب سیر میں منقول ہیں۔ امیر یزید کے عہد خلافت تک حیات رہے۔ و بقی الی دھر یزید بن معاویة (الاصابة) (تحقیق مزید، ص ۳۵)۔

۶- عبد اللہ بن شداد، بن الهاد اللیثی القرشیؓ

(خواہر زادہ ام المؤمنین، سیدہ میمونہؓ، م ۸۱ھ)

ان کی والدہ سلمی بنت عمیس ام المؤمنین سیدہ میمونہؓ و ام الفضل زوجہ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کی بہن تھیں۔ یہ عہد رسالت میں نو عمر تھے۔ صغار صحابہ میں شمار ہے، سن ۸۱ھ کے ایک حادثہ میں جان دی۔ (تحقیق مزید، ص ۳۹)۔

۷- عبد اللہ بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب الہاشمی القرشیؓ (م بعد وفات یزید)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور ہم شبیہ تھے۔ امیر المؤمنین مروانؓ بن الحکم کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کے قاضی رہے اور یہی پہلے شخص ہیں جو خلافت راشدہ کے بعد وہاں اس منصب پر فائز رہے۔ امیر المؤمنین عبد الملک کے عہد خلافت میں فوت ہوئے۔ (تحقیق مزید، ص ۴۲)۔

بعض مزید اسماء واقوال صحابہ و اہل بیتؓ بحق یزید

۱- برادر زوج رسول ﷺ، کاتب الوحی و سادس الائمۃ والخلفاء من الصحابہ الراشدین، سیدنا معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشی

(م رجب ۶۰ھ، دمشق)

یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے حوالہ سے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے سیدنا معاویہؓ نے دعا فرمائی کہ :-

"اللهم ان كنت تعلم أني وليته لأنه فيما اراه اهل لذلك فاتمم له ما وليته و ان كنت وليته لاني أحبه فلا تمم له ما وليته" (البداية ج۸ ص ۸۷)-

ترجمہ: اے اللہ اگر تیرے علم کے مطابق میں نے اس (یزید) کو اس لئے ولی عہد بنایا ہے کہ میرے رائے کے مطابق وہ اس کی اہلیت رکھتا ہے تو اس ولایت عہد کو تو پایہ تکمیل تک پہنچا دے اور اگر میں نے اسے محض اس لئے ولی عہد بنایا ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے تو میرے اسے ولی عہد بنانے کے کام کو پایہ تکمیل (خلافت) تک نہ پہنچا۔

اس حوالہ سے حامیانِ یزید کا کہنا ہے کہ کاتب وحی اور صحابی رسول ﷺ امام و خلیفۃ المسلمین، برادر سیدہ ام حبیبہ ام المؤمنین کی مجمع عام میں اس دعا کے بعد یزید کی خلافت پر چند ایک افراد کو چھوڑ کر تمام صحابہ و تابعین اور پورے عالم اسلام کا متفق ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ امامت و خلافت یزید کو تائید ایزدی حاصل تھی ورنہ مباہلہ سے مشابہ اس فیصلہ کن دعا کے بعد یزید کی خلافت ہرگز منعقد نہ ہو پاتی۔

۲- نواسہ رسول ﷺ سیدنا حسین بن علی الھاشمی القرشی

(م - ۶۱ھ، کربلا)

سیدنا حسین بن علی کو جب اہل کوفہ کے اصرار اور مسلم بن عقیل کی تصدیق کی روشنی میں دیگر صحابہ و اہل بیت کی رائے کے برعکس یزید اور ابن زبیر کے مقابلے میں بہتر خلافت حسینی کے قیام کا موقع نظر آیا تو انہوں نے اپنی رائے کے مطابق اس کی

کوشش کی۔ مگر جب سفر کوفہ کے آخر میں شیعان کوفہ کی غداری اور قتل مسلم کی خبر سن کر واپسی کا ارادہ فرمایا تو آل عقیل نے جناب مسلم کا انتقام لینے پر اصرار کیا۔ بہر حال اس سب کے باوجود بالآخر سیدنا حسین نے امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاص کے سامنے سہ نقاطی پیشکش فرما دی۔ جس میں اپنے چچا زاد یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے (دست در دست یزید) کی پیش کش نمایاں تر تھی۔ مگر ابن زیاد نے یزید کو مطلع کئے بغیر اور ابن سعد کی رائے کے برعکس پہلے اپنی بیعت کی شرط عائد کر کے صورتحال کو بگاڑ دیا۔ سیدنا زین العابدین کے فرزند محمد الباقر کی روایت کے مطابق یہ شرائط یوں تھیں:

"فلما اتاه قال له الحسين: اختر و احدة اما ان تدعونی فأصرف من حيث جئت و اما ان تدعونی فاذهب الی يزيد و اما ان تدعونی فالحق بالثغور (طبری، ج ٦، ص ٢٢٠)

ترجمہ:-

جب وہ (ابن سعد) آئے تو حسین نے ان سے فرمایا: کوئی ایک بات اختیار کر لو۔ یا تو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں جہاں سے آیا واپس چلا جاؤں۔ یا مجھے یزید کے پاس جانے دو یا مجھے آزاد چھوڑ دو تاکہ میں سرحدوں کی طرف نکل جاؤں۔

عالمی شہرت یافتہ شیعہ اثنا عشری مجتہد اعظم (مؤلف کتاب الشافی و تنزیہ الأنبیاء وغیرہ) سید شریف مرتضی علم الهدی (م ٤٣٦ھ) اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

ولما رأى أن لا سبيل الى العود ولا إلى دخول الكوفة سلك طريق الشام نحو يزيد بن معاوية لعلمه عليه السلام أنه على ما به أرأف من ابن زياد و اصحابه- فسار حتى قدم عليه ابن سعد فى العسكر العظيم و كان من أمره ماقد ذكر و سطر-

فكيف يقال انه القى بيده الى التهلكة- و قد روى انه عليه السلام قال لعمر بن سعد:

(اختاروا منى اما الرجوع الى المكان الذى أتيت منه، أو أضع يدى فى يد يزيد فهو ابن عمى يرى فى رأيه، و اما أن تسيرونى الى ثغر من ثغور المسلمين فاكون رجلاً من اهله لى ما لهم و على ما عليهم)

و أن عمر كتب الى عبيدالله بن زياد بما سأل فأبى عليه-"

(علی نقی النقوی، السبطان فی موقفیهما، اظهار سنز لاہور، ص ۱۰۳، تنزیہ الانبیاء، ص ۱۷۹-۱۸۲، و تلخیص الشافی لأبی جعفر الطوسی، ج ۳، ص ۱۸۲-۱۸۸، باختلاف یسیر)

ترجمہ: جب حسین نے دیکھا کہ نہ تو واپسی کی کوئی صورت ہے اور نہ کوفہ میں داخل ہونے کی، تو انہوں نے یزید بن معاویہ کی طرف شام کا راستہ اختیار کیا کیونکہ آپ علیہ السلام کو علم تھا کہ وہ ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کی نسبت آپ کے لئے زیادہ نرم و مہربان ہوگا۔ پس وہ سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ابن سعد ایک لشکر عظیم کے ساتھ آپہنچا اور اس کا معاملہ پہلے ذکر کیا اور لکھا جا چکا ہے۔

پس کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حسینؑ نے خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالا جبکہ راویت کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ابن سعد سے فرمایا:-

میری کوئی ایک بات مان لو: یا تو جس مقام سے میں آیا واپس چلا جاؤں، یا یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں وہ میرا چچا زاد ہے میرے بارے میں اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرلے گا---- یا مجھے مسلمانوں کے سرحدی علاقوں میں سے کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو تاکہ میں ان کے باشندوں میں سے ایک بن جاؤں جو ان کا حق ہے میرا بھی ہو اور جو ان کی ذمہ داری ہے وہی میں بھی ادا کروں۔

عمر نے عبید اللہ بن زیاد کو حسین کا مطالبہ لکھ بھیجا مگر اس نے انکار کر دیا۔"

کربلا میں سیدنا حسین کے رفیق زہیر بن قین کی تقریر میں بھی طبری کی روایت کے مطابق یہی پیش کش مذکور ہے:-

"اے اللہ کے بندو فاطمہ رضوان اللہ علیہا کی اولاد بہ نسبت ابن سمیہ (ابن زیاد) کے تمہاری محبت و نصرت کی زیادہ مستحق ہے، لیکن اگر تم ان کی مدد نہیں کرتے تو ان کے قتل کے درپے ہونے سے تو باز آؤ اور اس آدمی (حسین) اور اس کے چچا زاد یزید بن معاویہ کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ میری جان کی قسم یزید کو تم سے راضی کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ تم حسین کو قتل کرو۔ (طبری، ۶، ۲۴۳)۔

حامیان یزید کے نزدیک یزید کا رجب ۶۰ھ سے محرم ۶۱ھ تک تقریباً چھ ماہ تک سیدنا حسین کو بیعت پر مجبور نہ کرنا بذات خود اس بات کی دلیل ہے کہ یزید کا

رویہ سیدنا حسین کے بارے میں بطور خاص نرمی پر مبنی تھا۔

اس حوالہ سے مولانا مودودی فرماتے ہیں:۔

"حضرت حسینؓ نے آخر وقت میں جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ یا تو مجھے واپس جانے دو یا کسی سرحد کی طرف جانے دو یا مجھ کو یزید کے پاس لے چلو، لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہ مانی گئی اور اصرار کیا گیا کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد (کوفہ کے گورنر) ہی کے پاس چلنا ہو گا۔ حضرت حسینؓ اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے کیونکہ مسلم بن عقیل کے ساتھ جو کچھ وہ کر چکا تھا وہ انہیں معلوم تھا۔ آخر کار ان سے جنگ کی گئی۔

(ابو الاعلیٰ مودودی، خلافت وملوکیت، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۱۸۰، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)۔

شیعہ مؤرخ جسٹس سید امیر علی بھی مذکورہ شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت حسینؓ نے فوج یزیدی کے سردار کے سامنے تین باعزت شرائط پیش کیں۔ پہلی یہ کہ انہیں مدینے واپس جانے دیا جائے۔ دوسری یہ کہ ترکوں کے خلاف لڑنے کے لئے سرحد کی چوکی بھیج دیا جائے۔ تیسری یہ کہ انہیں صحیح سالم یزید کے سامنے پیش کیا جائے۔

(سید امیر علی، روح اسلام اردو ترجمہ سپرٹ آف اسلام از محمد حادی حسین، ص ۴۰۸، اسلامک بک سنٹر دھلی)

ان شرائط پر تبصرہ کرتے ہوئے سید امیر علی حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"صاحب روضۃ الصفا یہ شرائط بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ خدام حسین میں سے ایک شخص نے جو مقتل کربلا سے اتفاقاً بچ نکلا اس دعوے کو غلط بتایا کہ امام حسینؓ نے اموی سردار کے سامنے کسی قسم کی شرائط صلح پیش کر کے اپنے آپ کو دشمن کے سامنے ذلیل نہیں کیا۔ لیکن میرے نزدیک صلح کی تجویز سے حضرت حسین کی سیرت عالیہ کی کس طرح کسر شان نہیں ہوتی"۔(روح اسلام، حاشیہ ۱، ص ۴۵۸)

ابن قتیبہ سے منسوب "الامامۃ والسیاسۃ" میں یزید کے پاس جانے کی حسینی پیش کش یوں مذکور ہے:۔

"أو تسيرني الى يزيد فاضع يدي في يده فيحكم في بما يزيد"

(الامامة والسياسة، ج۲، ص ٦)۔

ترجمہ: یا پھر مجھے یزید کے پاس بھیج دو تاکہ میں اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں پھر وہ میرے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے۔

بقول مؤلف "الامامۃ و السیاسۃ" ابن سعد نے گورنر کو اس کی اطلاع بھیجی تو گورنر ابن زیاد نے اسے پسند کیا"فھم ان یسیرہ الی یزید" (الامامۃ والسیاسۃ ۶/۲) پس اس نے انہیں یزید کے پاس بھیجنے کا ارادہ کیا مگر ایک شخص شمر بن حوشب جو بنی سلیم میں سے تھا (دیگر روایات میں شمر بن ذی الجوشن کا نام ہے) کہنے لگا:

واللہ لئن سار الی یزید لا رأی مکروھا و لیکونن من یزید بالمکان الذی لا تنالہ انت منہ ولا غیرک من اھل الأرض (الامامۃ والسیاسۃ ۶/۲)

ترجمہ:- بخدا اگر وہ یزید کے پاس چلے گئے تو ان کو کسی ناپسندیدہ بات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور یزید کے نزدیک ان کا وہ مقام و مرتبہ ہو گا جو نہ اس کی جانب سے تجھے حاصل ہے اور نہ اہل زمین میں سے کسی اور کو۔

مؤلف "الامامۃ والسیاسۃ" تاریخ طبری سے قدیم تر اس تصنیف میں مزید لکھتے ہیں کہ جب پس ماندگان کربلا دمشق پہنچے اور یزید کو شہادت حسین کی خبر ملی تو وہ رونے لگا:-

فبکی یزید حتی کادت نفسہ تفیض و بکی اھل الشام حتی علت أصواتھم- (الامامۃ و السیاسۃ ۸/۲)

ترجمہ: پس یزید (انہیں دیکھ کر) اتنا رویا کہ جان خطرے میں پڑ گئی اور اھل شام بھی اس قدر روئے کہ چیخیں نکل گئیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ "رأس الحسین" میں یزید کے سر حسین کے دانتوں پر چھڑی مارنے کی روایت کو قطعاً غلط قرار دیتے ہوئے یہ دلیل بھی دی ہے کہ جن صحابہؓ کی موجودگی دربار یزید میں بتائی گئی ہے وہ شام کے بجائے عراق میں رہتے تھے۔

"فمن نقل انہ نکت بالقضیب ثنایاہ بحضرۃ انس و ابی برزۃ قدام یزید فھو کاذب قطعاً کذباً معلوماً بالنقل المتواتر" (ابن تیمیہ، رأس الحسین، ص ۱۸)۔

ترجمہ: پس جس کسی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ یزید نے حسین کے دانتوں

پر چھڑی کی نوک ماری جبکہ انس بن مالک اور ابو برزہ اسلمی (صحابہ کرام) بھی موجود تھے۔ وہ قطعی طور پر ایسا جھوٹا ہے جس کا جھوٹ نقل متواتر سے معلوم ہے۔

۳- برادرِ حسنین سیدنا محمد بن علی (ابن الحنفیہ) التابعی الھاشمی القرشی (م ۸۱ھ مدینہ)

ت محمد بن حنفیہ حضرت حسن و حسین کے تیسرے بھائی ہیں شجاعت اور جسمانی طاقت میں اپنے والد ماجد کے خلف تھے۔ حضرات حسین کے لئے بے حد محبت اور خلوص رکھتے تھے۔ جنگِ جمل اور جنگ صفین میں جہاں تینوں بھائی حضرت علی کے دوش بدوش ہوتے تھے۔ وہاں حضرت علی خود جس طرح رسول اللہ ﷺ کے دونوں پھولوں (ریحانتی رسول اللہ ﷺ) کی حفاظت پر نظر رکھتے تھے وہاں محمد بن حنفیہ کو بھی ھدایت فرماتے کہ ان کو اپنے سے جدا اور آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دینا۔ حالانکہ وہ عمر میں چھوٹے تھے مگر جسمانی طاقت اور قد وقامت میں غیر معمولی جس کے بعض یادگار قصے ہیں۔

(مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، طبع ملتان، ص ۱۴۵)

سیدنا ابن عباس و ابن جعفر کی طرح ابن الحنفیہ نے بھی نہ صرف دیگر کوئی برادران حسنین کے ہمراہ علی الفور بیعت یزید فرمائی بلکہ سیدنا حسین کو بھی کوجہ جانے سے منع فرمایا اور بعد ازاں جب اھل تشیع میں سلسلہ ہائے امامت کے اختلافات نے زور پکڑا تو شیعہ فرقہ کیسانیہ کے بانی اور سیدنا علی و حسن و حسین کے بعد چوتھے امام قرار پائے۔ آپ طبقہ صحابہ سے متصل طبقہ تابعین عظام اہل بیت میں ممتاز و نمایاں تھے۔

۶۳ھ میں جب عبداللہ بن مطیع کی زیر قیادت ابن زبیر کے حامیوں کے ہمراہ اہل مدینہ کی بڑی تعداد نے یزید کی بیعت توڑ دی تو نہ صرف سیدنا ابن عمر و دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم کی اکثریت کی طرح آپ بیعت یزید پر قائم رہے بلکہ جب عبداللہ بن مطیع نے یزید کے فسق و فجور کے حوالہ سے بیت یزید توڑنے کا مشورہ دیا تو آپ نے یزید کے فسق و فجور کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا!

"وقد حضرته و أقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلاة، متحر يا للخير

يسأل عن الفقه ملازماً السنة-" (ابن كثير، البداية و النهاية، ج ٨، ص ٢٣٣)

ترجمہ: میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور مقیم بھی رہا ہوں پس میں نے تو اسے نماز کا پابند، خیر کے لئے سرگرم عمل، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور سنت کا پابند پایا ہے۔

سیدنا علی کے یہ فرزند جو اپنی والدہ سیدہ الحنفیہ (خولہ بنت جعفر) کی نسبت سے محمد ابن الحنفیہ (۲۱-۸۱ھ / ۶۴۲-۷۰۰ء) مشہور ہیں ان کا یہ قول بھی قابل توجہ اور اہم تر ہے۔

"الحسن و الحسين أفضل منى و انا اعلم منهما-" (خير الدين الزركلي، الاعلام، ص ١٥٣، الطبعة الثانية، ١٩٥٦ء / ١٣٧٥ه مطبعه كوستاتسوموس، بيروت)

ترجمہ: حسن و حسین مجھ سے (مادری نسبت میں) افضل ہیں اور میں علم میں ان دونوں سے برتر ہوں۔

۴- سیدنا علی بن الحسین (زین العابدین) التابعی الھاشمی القرشی (م ۹۴ھ)

یکے از تابعین اھل بیت سیدنا علی بن حسین (زین العابدین) کا نام واقعہ کربلا کے بعد زندہ بچ جانے والوں میں سرفہرست ہے۔ آپ کے والد سیدنا حسین بن علی نے آخر وقت ابن سعد کے سامنے مدینہ واپسی، سرحدوں کی جانب سفر یا اپنے چچا زاد یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے (اضع یدی فی ید یزید) کی جو پیش کش فرمائی تھی اس کے تسلسل میں واقعہ کربلا کے بعد نہ صرف آپ نے بیعت یزید فرمائی بلکہ اہل مدینہ کی بغاوت (واقعہ حرہ سن ۶۳ھ) کے دوران میں باغیوں کا ساتھ دینے کے بجائے یزید کو خط لکھ کر بیعت یزید پر قائم رہنے کا یقین دلایا جس پر یزید نے امیر لشکر مسلم بن عقبہ کو سیدنا زین العابدین سے بطور خاص حسن سلوک کی تلقین کی۔

"و انظر على بن الحسين فا كفف عنه واستوص به خيراً فانه لم يدخل مع الناس و انه قد أتانى كتابه-" (ابن الاثير، الكامل فى التاريخ، الجزء الرابع، ص ٤٥، طبرى ٧/ ٢٠)

ترجمہ: اور علی بن حسین کا خاص طور پر خیال رکھنا انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دینا

اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا کیونکہ وہ اس معاملہ میں لوگوں کے ساتھ شریک نہیں ہیں اور ان کا خط میرے پاس آچکا ہے۔

بلاذری نے مسلم بن عقبہ کا یہ فقرہ یوں نقل کیا ہے:-

"ان امیر المؤمنین امرنی ببره و اکرامه-" (البلاذری، انساب الأشراف، مطبوعه، یوشلم، القسم الثانی، و المحله الرابع، ص ۳۹)

ترجمہ: امیر المؤمنین (یزید) نے مجھے ان (زین العابدین) کے ساتھ نیکی اور عزت واکرام کا حکم دیا ہے۔

طبقات ابن سعد جیسی مستند کتاب میں اس واقعہ حرہ کے حوالہ سے سیدنا زین العابدین کے فرزند سیدنا ابو جعفر محمد الباقر کی یہ روایت موجود ہے کہ امام زین العابدین نے یزید کے لئے :-"وصل الله امیر المؤمنین" (اللہ امیر المؤمنین پر رحمت فرمائے) کے الفاظ کہے :-

"سأل یحیی بن شبل ابا جعفر عن یوم الحرة- هل خرج فیها احد من أهل بیتک؟ فقال ما خرج فیها أحد من آل أبی طالب ولا خرج فیها احد من بنی عبدالمطلب، لزموا بیوتهم- فلما قدم مسرف (اعنی مسلم بن عقبة) و قتل الناس، و سار إلی العقیق، سأل عن أبی علی بن الحسین أحاضر هو؟ فقیل له نعم فقال:مالی لا أراه؟ فبلغ أبی ذلک فجاءه و معه ابو هاشم عبدالله و الحسین ابنا محمد بن علی (ابن الحنفیة) فلما رأی أبی رحب به و أوسع له علی سریره ثم قال کیف کنت بعدی قال انی احمد الله الیک فقال مسرف: ان امیر المؤمنین أوصانی بک خیراً فقال أبی: و صل الله امیر المؤمنین-" (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ذکر علی بن الحسین)

ترجمہ: یحیی بن شبل نے ابو جعفر (محمد الباقر) سے واقعہ حرہ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا ان کے خاندان کا کوئی فرد (یزید کے خلاف) لڑنے کے لئے نکلا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ نہ خاندان ابو طالب میں سے کوئی فرد نکلا تھا اور نہ بنو عبدالمطلب (یعنی بنو ہاشم) کے گھرانے سے کوئی فرد لڑنے نکلا۔ سب اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ جب مسرف (یعنی مسلم بن عقبہ) آیا اور قتال کر کے وادی عقیق میں ٹھہرا تو اس نے میرے والد علی بن الحسین کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں؟ تو اسے بتایا گیا کہ: ہاں موجود ہیں۔ پھر وہ کہنے لگا کہ میری ان سے ملاقات نہیں ہو پائی۔

اس کے دریافت کرنے کی خبر جب میرے والد (علی بن حسین) کو پہنچی تو وہ اس کے پاس آئے اور ان کے ساتھ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کے بیٹے ابو ھاشم عبداللہ اور حسین بھی تھے۔ مسرف نے جب میرے والد کو دیکھا تو خوش آمدید کہا اور اپنے برابر چارپائی پر جگہ دی پھر میرے والد سے پوچھا کہ میرے بعد آپ کیسے رہے؟ انہوں نے اللہ کی حمد کی اور شکریہ ادا کیا۔ مسرف کہنے لگا کہ امیر المؤمنین (یزید) نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی ہے۔ تو میرے والد (زین العابدین) نے فرمایا: وصل الله امير المؤمنين (یعنی اللہ امیر المؤمنین پر رحمت فرمائے)

حضرت ابو جعفر محمد الباقر کی اس روایت کے مضمون کو ابن قتیبہ سے منسوب "الامامة و السياسة" میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

"وسأل مسلم بن عقبه قبل أن يرتحل من المدينة عن على بن الحسين أحاضر هو؟ فقيل له نعم- فأتاه على بن الحسين و معه ابناه، فرحب بهما و سهل و قربهم وقال: ان امير المؤمنين أوصاني بك فقال على بن الحسين: وصل الله امير المؤمنين و أحسن جزائه-" (الامامة و السياسة، جلد اول، ص ۲۳۰)

ترجمہ: مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے روانگی سے قبل علی بن الحسین (زین العابدین) کے متعلق دریافت کیا کہ کیا وہ موجود ہیں؟ اس کو بتایا گیا کہ ہاں (مدینہ ہی میں) ہیں۔ پس علی بن حسین اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ اس کے پاس آئے۔ تو اس نے انہیں خوش آمدید کہا، استقبال کیا، اپنے قریب بٹھایا اور کہنے لگا: امیر المؤمنینؑ (یزید) نے مجھے آپ کے بارے میں حسن سلوک کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ سن کر علی بن حسین (زین العابدین) نے دعا فرمائی کہ: اللہ امیر المؤمنین (یزید) پر رحمت فرمائے اور انہیں جزائے خیر دے۔

اثنا عشری عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ ' مفترض الطاعہ کے بارے میں سیدنا عمر بن علی زین العابدینؒ (برادر امام زیدؒ و محمد الباقرؒ) کا درج ذیل بیان بھی بحث امامت و خلافت کے حوالہ سے قابل توجہ ہے :-

" و عمر بن علی بن الحسين –

قيل لعمر بن على :– هل فيكم أهل البيت إنسان مفترضة طاعته ؟ فقال :– لا والله ! ما هذا فينا – من قال هذا فهو كذاب –

و ذكرت له الوصية ' فقال:–

والله مات أبى ' فما أوصى بحرفين – قاتلهم الله ! إن كانوا ليتأكلون بنا "–

(المصعب الزبيرى ' كتاب نسب قريش ' ص ٦١–٦٢ ' دار المعارف ' القاهرة ' ١٩٨٢م ' و طبقات ابن سعد ' ج ٥ ' ص ٢٣٨–٢٣٩)–

ترجمہ :- آپ (زین العابدینؒ) کے ایک بیٹے عمر بن علی بن حسینؒ بھی ہیں-

عمر بن علی (زین العابدینؒ) سے پوچھا گیا :-کیا آپ اہل بیت سے کوئی ایسا انسان ہے جس کی اطاعت (اللہ کی طرف سے نبیوں رسولوں کی طرح) فرض قرار دی گئی ہو ؟ تو آپ نے فرمایا :-

بخدا ہم لوگوں میں ایسا کوئی نہیں- جس نے یہ بات کہی ہے' وہ کذاب ہے-

نیز آپ سے وصیت (برائے تقرر امام) کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا :-

بخدا میرے والد اس حالت میں فوت ہوئے کہ انہوں نے وصیت (برائے تقرر امام) کے سلسلہ میں دو حرف بھی نہ فرمائے- خدا ان لوگوں کو برباد کرے' یہ تو ہمیں کھائے جا رہے ہیں-

۵- سیدنا محمد الباقر، التابعی، الھاشمی، القرشی (م ۱۱۲ھ)

سیدنا علی زین العابدین کے فرزند، یکے از تابعین اھل بیت سیدنا محمد الباقر کی مذکورہ سابقہ روایت کے مطابق جب واقعہ کربلا (۶۱ھ) کے بعد واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) کے موقع پر حامیان ابن زبیر نے حضرت عبداللہ بن مطیع کی قیادت میں غلبہ پا لیا اور اہل مدینہ کی کثیر تعداد نے یزید کے خلاف بغاوت کردی تب بھی سیدنا محمد الباقر، ان کے والد علی زین العابدین نے اکثر اکابر قریش و بنی ھاشم کے ہمراہ بیعت یزید کو برقرار رکھا۔

"سأل يحيى بن شبل ابا جعفر عن يوم الحرة هل خرج فيها احد من اهل بيتک؟ فقال ما خرج فيها احد من آل ابی طالب ولا خرج فيها احد من بنی عبدالمطلب، لزموا بيوتهم-" (ابن سعد، الطبقات الكبرى)

ترجمہ: یحیی بن شبل نے ابو جعفر سے جنگ حرہ (مدینہ) کے حوالہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے اھل بیعت میں سے (لشکر یزید سے لڑنے) کوئی باہر نکلا تو آپ نے فرمایا: کہ نہ تو آل ابی طالب میں سے کوئی نکلا، بنو عبدالمطلب میں سے بلکہ سب اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔

ابن کثیر کے بیان کے مطابق واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) کے موقع پر بیعت یزید برقرار رکھنے والوں میں سیدنا ابن عمرؓ اور اھل بیت نبوت سرفہرست تھے:۔

"وكان عبدالله بن عمر بن الخطاب و جماعت اهل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد ولا يايع احداً بعد بيعته ليزيد-" (البداية و النهاية، ج ۸، ص ۲۳۲، مطبوعه بيروت، ۱۹۶۶ء)

ترجمہ: اور عبداللہ بن عمر بن خطاب نیز اھل نبوت من حیث الجماعت ان افراد میں شامل تھے جنہوں نے بیعت کو نہ توڑا اور یزید کی بیعت کرلینے کے بعد پھر کسی اور کی بیعت نہ کی۔

خلاصہ و نتیجہ کلام:

اکابر قریش و بنی ھاشم و اولاد علی و حسنین سمیت کم و بیش تمام صحابہ کرام و اھل بیعت عظام رضی اللہ عنہ کا امامت و خلافت یزید (رجب ۶۰ - ربیع الاول ۶۳ھ) کی بیعت کرنا اور اس کے تقریباً چار سالہ دور امامت و خلافت میں باوجود مواقع ملنے کے اس بیعت پر شدت سے قائم رہنا امامت و خلافت یزید کے شرعاً درست و برحق ہونے اور اس کے واقعہ کربلا کے ذمہ دار نہ ہونے کی روشن دلیل اور برہان قاطع ہے۔ وما يذكر الا اولوا الالباب-

پس امامت و خلافت یزید بن معاویہؓ کے حوالہ سے اہل بیت رسول ؐ، ام المومنین سیدہ عائشہ و ام سلمہ و میمونہ رضی اللہ عنہن کے مثبت طرز عمل اور ولی عہدی یزید کے وقت بقید حیات ڈھائی سو سے زائد صحابہ و اہلِ بیت نیز خلافت یزید تک موجود ڈیڑھ سو سے زائد صحابہؓ و اہل بیتؓ کا امامت و خلافت یزید کو قولاً و عملاً تسلیم کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنے والوں کا ساتھ نہ دینا حتی کہ سیدنا حسینؓ کا آخر وقت میں یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے (دست در دست یزید) کی پیشکش فرمانا اقوال و مواقف صحابہؓ و اہل بیتؓ بحق یزید کے سلسلہ میں واضح اور فیصلہ کن دلائل و شواہد ہیں۔ مزید براں پورے عالم اسلام کے لاکھوں تابعین عظام اور کروڑوں عامۃ الناس کا یزید کی امامت و خلافت پر متحد و متفق ہوجانا بھی ظاہر و باہر ہے۔ وعیاں راچہ بیاں۔

علاوہ ازیں واقعہ کربلا و حرہ کے بعد بھی صحابہؓ و اہل بیتؓ کا بیعت یزید کو وفات یزید تک برقرار رکھنا، یزید کے حق میں اقوال و بیعت صحابہؓ و اہل بیتؓ کے سلسلہ کی واضح اور ناقابل تردید کڑی ہے۔ جس کے بعد کسی قول یا نام کے نقل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مگر پھر بھی محققین و قارئین کی اطلاع مزید کے لیے زمانہ خلافت یزید میں موجود اور اس کی مخالفت نہ کرنے والے بلکہ بیعت کرنے والے اصحاب رسول ؐ کے اسماء گرامی درج کئے جارہے ہیں۔ فمن شاء ذکر۔

اسماء صحابہ کرامؓ بیعت کنندگان امامت و خلافت یزید (رجب ۶۰ تا ربیع الاول ۶۴ ھ)

زمانہ امامت و خلافت یزید (رجب ۶۰ - ربیع الاول ۶۴ھ) میں موجود و بقید حیات اکابر قریش و بنی ہاشم سمیت ڈیڑھ سو سے زائد جلیل القدر صحابہ کرامؓ جنہوں نے امامت و خلافت یزید کی بیعت کی اور اس کے خلاف کسی خروج میں حصہ نہیں لیا، ان کے اسماء گرامی بترتیب ہجائی مذکورہ سابقہ اسماء صحابہؓ و اہل بیتؓ سمیت درج ذیل ہیں۔

اصحاب بدرؓ

اصحاب بدر رضؓ

۱- ابو اسید مالک بن ربیعہ انصاری ساعدیؓ ۔ (م ۶۰ھ)

۲- ابو سہلہ سائب بن خلاد انصاری خزرجیؓ ۔ (م در خلافت عبدالملک)

۳- ابو عبداللہ جابر بن عتیک انصاری سلمیؓ ۔ (م ۶۱/۷۱ھ)

۴- ابو فراس ربیعہ بن کعب بن مالک اسلمیؓ ۔ (م ۶۳ھ)

۵- ابو نملہ بن معاذ بن زرارہ انصاریؓ ۔ (م در خلافت عبدالملک)

۶- جابر بن عبداللہ بن عمرو انصاری سلمیؓ ۔ (م بعد وفات یزید، ۷۲ھ/۷۸ھ)

۷- شداد بن اوس بن ثابت انصاریؓ ۔ (م ۶۰/۶۴ھ)

اصحاب بیعت رضوان رضؓ

۸- ابو ثعلبہ بن جرہمؓ ۔ (م ۷۵ھ)

۹- ابو زمعہ البلویؓ ۔ (م در خلافت یزید)

۱۰- ابو عبداللہ علقمہ بن خالدؓ ۔ (م ۷۸ھ)

۱۱- ثابت بن ضحاک انصاری خزرجیؓ ۔ (م ۶۴ھ)

۱۲- سلمہ بن عمر بن الاکوع بن سنان انصاریؓ ۔ (م ۷۴ھ)

۱۳- عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ ۔ (م ۷۰ھ)

۱۴- عبداللہ بن عمر فاروق عدوی قرشیؓ ۔ (م ۷۴ھ)

۱۵- عبداللہ بن مغفل المزنیؓ ۔ (م ۶۱ھ)

۱۶- عبداللہ بن یزید حصین انصاریؓ ۔ (م بعد وفات یزید)

۱۷- عمرو بن الاخطب الانصاریؓ ۔ (م تقریباً ۷۰ھ)

۱۸- فضالہ بن عبید انصاریؓ ۔ (م ۶۹ھ و بروایت دیگر ۶۰ھ آخر خلافت معاویہؓ)

دیگر صحابہ کرام رضؓ

۱۹- ابو امامہ صدی بن عجلان الباھلیؓ ۔ (م بعد وفات یزید)

۲۰- ابو بشیر انصاریؓ ۔ (م آخر خلافت یزید)

۲۱- ابو سعید انصاریؒ (م در خلافت عبدالملک)

۲۲- ابو سعید بن المعلیٰؒ (م ۶۴ھ)

۲۳- ابو سعید کیسان المقبریؒ (م در خلافت ولید)

۲۴- ابو سنان العبدیؒ (م ۹۱ھ)

۲۵- ابو عامر الاشعریؒ (م در خلافت عبدالملک)

۲۶- ابو عنبہ الخولانیؒ (م ۱۰۸ھ)

۲۷- ابو کابل الاحمسیؒ (م در امارت حجاج بن یوسف)

۲۸- ابو لیلیٰ النابغہ الجعدیؒ (م بعد وفات یزید در خلافت عبداللہ بن زبیرؓ)

۲۹- ابو مالک ادھم بن محرز الباہلیؒ (م در خلافت عبدالملک)

۳۰- ارطاۃ بن زفر المزنیؒ (م در خلافت عبدالملک)

۳۱- ابو حسان اسماء بن خارجہ بن حصین الفزاری الکوفیؒ (م ۶۵ھ، یا مابعد)

۳۲- ابو سلام الاسود بن یزید بن ہلال المحاربی الکوفیؒ (م در امارت حجاج /۸۴ھ)

۳۳- ابو عمرو اسود بن یزید بن قیس النخعیؒ (م ۷۴ھ)

۳۴- اسید بن ظہیر بن رافع الانصاری الحارثیؒ (م در خلافت عبدالملک)

۳۵- اسیر یا یسیر بن عمرو الکندیؒ (م در خلافت یزید / مابعد)

۳۶- انس بن مالک انصاری خزرجیؓ (م در خلافت ولید)

۳۷- براء بن عازب بن حارث الانصاریؓ (م تقریباً ۶۸ھ)

۳۸- بریدہ بن حصیب اسلمیؓ (م در خلافت یزید)

۳۹- بسر بن ارطاۃ، ابو عبدالرحمن العامری القرشیؓ (م در خلافت عبدالملک)

۴۰- بشر بن عاصم بن سفیان الثقفیؒ (م تقریباً ۱۰۰ھ)

۴۱- بشیر بن عمروؒ (م ۸۵ھ)

۴۲- بلال بن حارثؓ (م ۶۰ھ در خلافت یزید)

۴۳- ثعلبہ بن حکم اللیثیؓ (م بعد ۷۰ھ)

۴۴- جابر بن سمرہ بن جنادہ العامریؓ (م ۷۴ھ)

۴۵- جابر بن عبداللہ قبطیؓ (م ۶۳ھ)

۴۶- جبیر بن نفیر بن مالک ابو عبد الرحمن الحضرمیؒ (م ۸۰ھ)

۴۷- جرھد بن خویلد مدنیؓ (م ۶۳ھ)

۴۸- جنادہ بن ابی امیہ الازدیؒ (م ۶۷ھ)

۴۹- جنادہ بن امیہ بن مالک الدوسیؓ (م بعد ۶۴ھ / ۸۰ھ)

۵۰- جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلیؓ (م ۶۹ھ)

۵۱- (ابوسعد) حارث بن اوس بن معلی انصاریؓ (م ۹۴ھ)

۵۲- (ابوعائشہ) حارث بن سوید التمیمیؒ (م ۷۲ھ)

۵۳- حارث بن عمرو بن غزیہ المزنیؓ (راوی حدیث حرمت متعہ، م ۷۰ھ)

۵۴- (ابوواقد) حارث بن عوف بن اسید لیثیؓ (م ۶۶ھ)

۵۵- حارث بن نفیع بن معلی انصاریؓ (ہم نام شہید بدر، م ۶۴ھ)

۵۶- حارثہ بن بدر بن حصین التمیمیؒ (م ۶۴ھ)

۵۷- حصین بن الحرؒ (م در امارت حجاج)

۵۸- حصین بن نمیر السکونی الکندیؒ (م در خلافت عبد الملک)

۵۹- حمزہ بن عمرو الاسلمیؓ (م ۶۱ھ)

۶۰- حیدہ بن معاویہ القشیریؓ (م در ولایت عراق بشر بن مروان)

۶۱- ابوشریح خویلد بن عمرو کعبی الخزاعیؓ (م ۶۸ھ)

۶۲- خنابہ بن کعب العبسیؒ (م در خلافت یزید)

۶۳- (ابوعبداللہ) نافع بن خدیج الحارثیؓ (م ۷۳ھ)

۶۴- زرارہ بن جزء بن عمرو الکلابیؓ (م ۷۴ھ)

۶۵- زمل بن عمرو العذریؓ (م اواخر ۶۴ھ)

۶۶- زھیر بن قیس البلویؒ (م ۷۶ھ)

۶۷- زید بن ارقم انصاری خزرجیؓ (م ۶۸ھ)

۶۸- زید بن خالد الجہنیؓ (م ۶۸ / ۷۲ / ۷۸ھ)

۶۹- (ابوعبدالرحمن) سائب بن خباب مدنیؓ (م ۷۷ھ)

۷۰- سائب بن یزید الکندیؓ (م ۸۰ / ۸۶ / ۹۰ھ)

۷۱- (ابو عمرو) سعد بن ایاس الشیبانیؓ ۔ (م ۹۵ھ)

۷۲- سعد بن زید انصاریؓ ۔ (م در خلافت عبدالملک)

۷۳- (ابو سعید) سعد بن مالک بن سنان خدری انصاریؓ ۔ (م ۷۴ھ)

۷۴- سعید بن نمران الھمدانیؓ ۔ (م ۷۰ھ)

۷۵- سفینہ مولی سیدہ ام سلمہؓ ۔ (م ۷۰ھ)

۷۶- سلمہ بن ابی سلمہ مخزومیؓ، فرزند ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ (م در خلافت عبدالملک)

۷۷- سمرہ بن جنادہ عمرو بن جندبؓ ۔ (م در خلافت عبدالملک)

۷۸- سنان بن سلمہ بن المحبق الھذلیؓ ۔ (م در امارت حجاج)

۷۹- سندر بن ابی الاسود ۔ (م در خلافت عبدالملک)

۸۰- سنین بن واقد الظفریؓ ۔ (م در خلافت یزید، ۶۰/۶۱ھ)

۸۱- (ابو امامہ) سہل بن حنیف انصاری (م ۱۰۰ھ،)

(ان کے ہم نام ایک صحابی ۳۸ھ میں فوت ہوئے)

۸۲- سہل بن سعد بن مالک الساعدیؓ ۔ (م ۹۱ھ)

۸۳- شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ الحجبیؓ ۔ (م ۶۱ھ)

۸۴- ضحاک بن قیس الفہریؓ ۔ (م ۶۴ھ)

۸۵- (ابو عبداللہ) طارق بن شہاب البجلی الاحمسیؓ ۔ (م ۸۳ھ)

۸۶- (ابو الطفیل) عامر بن واثلہ لیثیؓ ۔ (م تقریباً ۱۰۰ھ)

۸۷- (ابو ھبیرہ) عائذ بن عمرو المزنیؓ ۔ (م در خلافت یزید)

۸۸- عبداللہ بن ابی حدرد السلمیؓ ۔ (م ۷۱ھ)

۸۹- عبداللہ بن یسر المازنیؓ ۔ (م ۹۶ھ)

۹۰- عبداللہ بن ثعلبہ العذریؓ ۔ (م ۸۹ھ)

۹۱- عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب الھاشمی القرشیؓ ۔ (م ۸۵ھ)

۹۲- عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدیؓ ۔ (م ۸۵ھ)

۹۳- عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب الھاشمی،

حـــ خواہرزادہ ام المؤمنین، سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ ۔ (م بعد وفات یزید)

۹۴- عبداللہ بن حازم اسلمیؓ ـــ (م ۷۲ھ)

۹۵- عبداللہ بن حوالہ الازدیؓ ـــ (م ۸۰ھ)

۹۶- عبداللہ بن خالد بن اسید الاموئؓ ـــ (م در خلافت یزید)

۹۷- عبداللہ بن زید بن عاصم انصاریؓ ـــ (م ۶۳ھ)

۹۸- عبداللہ بن سائب المخزومی القاریؓ ـــ (م ۷۱ھ)

۹۹- عبداللہ بن سعد انصاریؓ ـــ (م ۷۳ھ)

۱۰۰- عبداللہ بن سندر الجذامیؓ (م در خلافت عبدالملک)

۱۰۱- عبداللہ بن شداد بن الهاد اللیثیؓ، (م ۸۱ھ)

(خواہرزادہ ام المؤمنین سیدہ میمونہؓ وخالہ زاد ابن عباسؓ)

۱۰۲- عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب الهاشمی القرشیؓ ـــ (م ۶۸ھ)

۱۰۳- عبداللہ بن عصام (یا عصناة) الاشعریؓ ـــ (م بعد ۶۳ھ،)

۱۰۴- (ابو اوفی) عبداللہ بن علقمہؓ ـــ (م ۸۷ھ)

۱۰۵- عبداللہ بن عمرو بن العاص السہمی القرشیؓ ـــ (م ۶۸/۶۹ھ)

۱۰۶- عبداللہ بن غنم الاشعریؓ ـــ (م ۷۸ھ)

۱۰۷- (ابو فضالہ) عبداللہ بن کعب انصاریؓ ـــ (م ۹۷/۹۸ھ)

۱۰۸- عبداللہ بن مغفل الانصاریؓ ـــ (م ۷۰ھ)

۱۰۹- عبداللہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب الهاشمیؓ (م در خلافت عبدالملک)

۱۱۰- عبداللہ بن یزید الاوسیؓ ـــ (م ۶۸ھ)

۱۱۱- عبدالرحمن بن ابی سبرہ الجعفیؓ ـــ (م در امارت حجاج یا بعد ازاں)

۱۱۲- (ابو یحییٰ) عبدالرحمن بن حاطب بن ابی بلتعہ اللخمیؓ) ـــ (م ۶۸ھ)

۱۱۳- عبدالرحمن بن زید بن خطاب العدوی القرشیؓ ـــ (م ۷۰ھ)

۱۱۴- (ابو عثمان) عبدالرحمن بن سہل النہدیؓ ـــ (م ۹۵/۱۰۰ھ)

۱۱۵- عبد المطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب الھاشمیؓ۔ (م ۶۲ھ)

۱۱۶- عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب الھاشمیؓ۔ (م در خلافت یزید)

۱۱۷- عبید اللہ بن عدی بن الخیار بن عدی بن نوفل القرشیؓ ۔ (م ۸۲ھ)

۱۱۸- عتبہ بن عبد السلمیؓ۔ (م ۸۷ھ)

۱۱۹- عثمان بن عبید اللہ التیمی برادر طلحہ بن عبید اللہؓ ۔ (م ۷۴ھ)

۱۲۰- العداء بن خالد بن ھوذۃ العامریؓ ۔ (م ۱۰۲ھ)

۱۲۱- عدی بن حاتم الطائیؓ ۔ (م ۶۸ھ)

۱۲۲- العرباض بن ساریہ السلمیؓ ۔ (م ۷۵ھ یا مابعد)

۱۲۳- عطیہ بن بسر المازنیؓ ۔ (م ۷۵ھ)

۱۲۴- (ابوایمن) عفان بن وھب الخولانیؓ ۔ (م ۸۲ھ)

۱۲۵- عقبہ بن نافع الفھریؓ ۔ (م ۶۳ھ)

۱۲۶- علقمہ بن خالد الخزاعی، عبد اللہ بن ابی اوفیؓ ۔ (م ۸۷ھ)

۱۲۷- علقمہ بن وقاص اللیثیؓ ۔ (م در خلافت عبد الملک)

۱۲۸- عکراش بن ذؤیبؓ ۔ (م در خلافت عبد الملک)

۱۲۹- عمر بن ابی سلمہ المخزومیؓ فرزند ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ (م در خلافت عبد الملک)

۱۳۰- (ابوزید) عمر بن اخطب انصاریؓ۔ (م ۶۲ھ)

۱۳۱- عمران بن ملحان، ابو رجاء العطاردیؓ ۔ (م در اوائل خلافت ہشام)

۱۳۲- (ابو سعید) عمرو بن حریث المخزومی القرشیؓ ۔ (م ۸۵ھ)

۱۳۳- عمرو بن حزم بن زید الانصاریؓ ۔ (م ۶۲ھ)

۱۳۴- عمرو بن سفیان البکائیؓ ۔ (م در خلافت مروانؓ)

۱۳۵- ابو الاعور عمرو بن سفیان عبد شمس السلمیؓ ۔ (م ۷۵ھ)

۱۳۶- عمرو بن مرہ بن عبسؓ ۔ (م در خلافت عبد الملک تا آخر خلافت معاویہؓ)

۱۳۷- (ابو عبد اللہ) عمرو بن میمون الازدیؓ ۔ (م ۷۵ھ)

۱۳۸- (ابو عمرو) عوف بن مالک اشجعیؓ ۔ (م ۷۳ھ)

۱۳۹- (ابوبکر) قیس بن ثور السلولیؓ — (م در خلافت یزید، یا بعد ازاں)

۱۴۰- اللجلاج العامریؓ — (م در خلافت عبدالملک)

۱۴۱- مالک بن اوس النضریؓ — (م ۹۲ھ)

۱۴۲- مالک بن حویرث اللیثیؓ — (م ۹۴ھ)

۱۴۳- مالک بن عبداللہ بن مناف الخثعمیؓ — (م در خلافت عبدالملک یا مابعد)

۱۴۴- مالک بن ہبیرہ بن خالد الکندیؓ — (م در خلافت مروان)

۱۴۵- محمود بن ربیع الانصاری الاشہلیؓ — (م ۹۷ھ)

۱۴۶- محمود بن لبید بن رافع انصاری اشہلیؓ — (م ۹۶ھ)

۱۴۷- مروان بن الحکم الاموی القرشیؓ — (م ۶۵ھ)

۱۴۸- مسلم بن مخلد انصاریؓ — (م ۶۳ھ)

۱۴۹- مسلم بن عقبہ المریؓ — (م ۶۳ھ)

۱۵۰- مسور بن مخرمہ بن نوفل القرشی الازہریؓ — (م ۶۴ھ)

۱۵۱- معاویہ بن حکم السلمیؓ — (م ۱۰۰/۱۰۷ھ)

۱۵۲- (ابو زرعہ) معبد بن خالد الجہنیؓ — (م ۷۲ھ)

۱۵۳- معبد بن یربوع مخزومیؓ — (م اوائل خلافت یزید)

۱۵۴- (ابو یزید) معقل بن سنان اشجعیؓ — (م ۶۳ھ)

۱۵۵- (ابو عبداللہ) معقل بن یسار المزنیؓ — (م در خلافت یزید)

۱۵۶- معن بن یزید السلمیؓ — (م در اوائل خلافت عبدالملک)

۱۵۷- (ابو کریمہ) مقدام بن معدیکرب الکندیؓ — (م ۸۷ھ)

۱۵۸- مولی بن کثیف بن حمل الضبابیؓ — (م در خلافت یزید)

۱۵۹- نعمان بن بشیر الانصاریؓ — (م ۶۴ھ یا بعد ازاں)

۱۶۰- نوفل بن معاویہ الدیلیؓ — (م در خلافت یزید)

۱۶۱- واثلہ بن اسقع الکنانی اللیثیؓ — (م ۸۵/۸۶ھ)

۱۶۲- الولید بن عبادہ بن صامتؓ — (م در خلافت عبدالملک)

۱۶۳- الولید بن عقبہ بن ابی معیط الاموی القرشیؓ — (م در خلافت یزید)

۱۶۴- (ابو جحیفہ) وھب بن عبد اللہ العامریؓ - (م ۶۴ھ)

۱۶۵- (ابو عبد الرحمن) ہلال بن حارث المزنیؓ - (م در اوائل خلافت یزید)

(مذکورہ اسماء صحابہؓ و مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد و الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ لابن حجر العسقلانی، نیز تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید مؤلفہ محمود احمد عباسی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۱-۶۳ ببعد)-

خلاصہ و نتیجہ کلام

اکابر قریش و بنی ھاشم و اولاد علیؓ و حسنینؓ سمیت کم و بیش تمام صحابہ کرام و اھل بیت عظام رضی اللہ عنہم کا امامت و خلافت یزید (رجب ۶۰- ربیع الاول ۶۴ھ) کی بیعت کرنا اور اس کے تقریباً چار سالہ دور امامت و خلافت میں باوجود مواقع ملنے کے اس کی وفات تک بیعت پر شدت سے قائم رہنا، امامت و خلافت یزید کے شرعاً درست و برحق ہونے اور اس کے واقعہ کربلا و حرہ و بیحرمتی کعبہ کا ذمہ دار نہ ہونے کی روشن دلیل اور برھان قاطع ہے۔ وما یذکر الا اولو الألباب-

---

پہلی صدی ہجری کے بارہ قریشی خلفاء اسلام

(خلافت صحابہ راشدینؓ و خلافت عامہ تابعینؒ)

"لا یزال الاسم عزیزاً الی اثنی عشر خلیفة کلھم من قریش"- الحدیث (مشکاة المصابیح، باب مناقب قریش)-

(اسلام بارہ خلفاء تک غالب و باعزت رہے گا جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے)-

۱- امام اول و خلیفہ بلا فصل سیدنا ابوبکرؓ صدیق التیمی القرشی، (۱۱-۱۳ھ)

۲- امام ثانی سیدنا عمرؓ بن الخطاب العدوی القرشی، (۱۳-۲۳ھ)

۳- امام ثالث سیدنا عثمانؓ بن عفان ذوالنورین الاموی القرشی، (۲۴-۳۵ھ)

۴- امام رابع سیدنا علیؓ بن ابی طالب الھاشمی القرشی (۳۵-۴۰ھ)

۵- امام خامس سیدنا حسنؓ بن علی الھاشمی القرشی (۴۰-۴۱ھ)

۶- امام سادس سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ الاموی القرشی، (۴۱-۶۰ھ)

۷- یزید بن معاویہ الاموی القرشی - (۶۰-۶۴ھ)

۸- معاویہ ثانی بن یزید الاموی القرشی (ربیع الاول- جمادی الثانی ۶۴ھ رضاکارانہ دستبرداری مثل سیدنا حسنؓ)

۹- سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ الاسدی القرشی

(۶۴-۷۳ خلافت در حجاز و عراق)

۱۰- سیدنا مروانؓ بن الحکم الاموی القرشی- (ذوالقعدہ ۶۴- رمضان ۶۵ھ)

۱۱- عبدالملک بن مروانؓ الاموی القرشی - (۶۵-۸۶ھ)

۱۲- ولید بن عبدالملک الاموی القرشی (۸۶-۹۶ھ، فتح سند ۹۳ھ بقیادت محمد بن قاسم)

نوٹ :- بعض اکابر امت نے سیدنا حسنؓ و معاویہ ثانیؒ کی رضاکارانہ دستبرداری نیز سیدنا مروانؓ (خلافت مصر و شام) اور سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ (خلافت حجاز و عراق) کی بیک وقت متوازی خلافت پر عالم اسلام کے متفق و متحد نہ ہونے کی بناء پر ان چاروں محترم خلفاء کے بجائے درج ذیل چار خلفاء بنوامیہ کو مذکورہ بارہ قریشی خلفاء میں شامل کیا ہے جن پر امت کا اجماع رہا۔ (ملا علی قاری، شرح الفقہ الاکبر، ص ۸۴، طبع مجتبائی)

- سلیمان بن عبدالملک الاموی القرشی (۹۶-۹۹ھ)
- عمر بن عبدالعزیز الاموی القرشی (۹۹-۱۰۱ھ)
- یزید بن عبدالملک الاموی القرشی (۱۰۱-۱۰۵ھ)
- ہشام بن عبدالملک الاموی القرشی (۱۰۵-۱۲۵ھ)

باب چہارم

اقوال اکابر امت بسلسلہ یزید

۴- اقوال اکابرامت بسلسلہ یزید

بنو امیہ اور یزید کے بارے میں سیاسی، معاشرتی، قبائلی، فرقہ وارانہ اور دیگر مختلف و متنوع، انفرادی و اجتماعی اسباب و اغراض کی بناء پر صدیوں سے جو منفی تحریری و تقریری پروپیگنڈہ پوری شد و مد سے جاری و ساری ہے اور جس میں شعوری و غیر شعوری طور پر اخلاق و انصاف کے بہت سے بنیادی تقاضے نظر انداز کر دیئے گئے ہیں، اس تمام تر پروپیگنڈہ کے باوجود مستند و معروف تاریخی و دینی لٹریچر میں کثیر تعداد میں ایسے اقوال و روایات موجود ہیں جو نہ صرف بحیثیت مجموعی بنو امیہ بلکہ خود یزید بن معاویہؓ کے دینی و سیاسی و عمومی مقام و مرتبہ کو متعین کرنے میں انتہائی ممد و معاون ہیں۔

چنانچہ صدیوں کے مختلف النوع یزید مخالف یکطرفہ پروپیگنڈہ کی بالخصوص برصغیر میں خوفناک و مسموم فضا میں ممتاز محققین و مصنفین اور اکابرامت کے حوالہ سے اس باب میں یزید کے بارے میں مثبت اقوال و روایات کی کثیر تعداد کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی علماء و مثقفین اور عامۃ المسلمین کے سامنے آسکے۔ اور وہ اس قسم کے اقوال و روایات کی روشنی میں یزید کے بارے میں بالخصوص اور بنو امیہ کے بارے میں بالعموم افراط و تفریط پر مبنی جذباتی و عوامی پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے کے بجائے انصاف و اعتدال پر مبنی علمی و تحقیقی نقطہ نظر اپنا سکیں۔ بالخصوص وہ لاتعداد منصف مزاج علماء و مشائخ اور لاکھوں تعلیم یافتہ حضرات جو دیگر ترجیحات و مشاغل کی بناء پر اب تک اس یزید کے بارے میں اکابرامت کی مثبت آراء و اقوال و روایات کا مطالعہ نہیں کر پائے جس کے پھوپھا

نبی ﷺ، پھوپھی ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ اور والد کاتب وحی و خال المومنین سیدنا معاویہؓ ہیں، ان حضرات کے مقام و منصب کا تقاضا ہے کہ مذکورہ مثبت اقوال و روایات کے مطالعہ و تجزیہ نیز اس سلسلہ میں مزید تلاش اقوال و روایات کے بعد ان کا مشہور و معروف منفی اقوال و روایات سے تقابل فرما کر محققانہ و منصفانہ نقطۂ نظر اختیار فرمائیں۔ اور جس طرح اہلِ عدل و قضا، نئے حقائق اور مزید فراہم شدہ شواہد و دلائل کی روشنی میں اپنے سابقہ فیصلوں پر نظر ثانی عدل و انصاف ہی کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں، اسی طرح یزید کا مقدمہ بھی نو دریافت شدہ حقائق اور مزید فراہم شدہ دلائل و شواہد کی روشنی میں از سرِ نو جائزہ اور منصفانہ سماعت و فیصلہ کا متقاضی ہے۔ اس سلسلہ میں بطور اشارہ سیدنا علیؓ کے سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؓ کی شادی سیدنا عمر فاروقؓ سے خلافت فاروقی کے زمانہ میں کرنے کے حوالہ سے یہ تاریخی حقیقت قابل توجہ ہے کہ معز الدولہ دیلمی اور اس کا خاندان رفض میں غلو رکھتے تھے، ماتم حسینؓ کی بنیاد ابتداءً اسی نے ڈالی تھی، لیکن بعد میں جب سیدہ ام کلثومؓ کے حضرت فاروق اعظمؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا حال اس کو متحقق ہو گیا تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہتا تھا "ما سمعت بهذا قط" (ص ۲۶۲، ج ۱، البداية و النهاية) یعنی میں نے یہ بات قطعاً نہیں سنی تھی۔ پھر وہ شیعیت کے عقائد سے تائب ہوا "و رجع الى السنة و متابعتها۔ (ص ۲۶۲، ایضاً)۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی آپس میں محبت و اتحاد کا اس کے نزدیک یہ رشتہ بڑا قوی تھا۔ چنانچہ یزید کے بارے میں بھی نو دریافت شدہ حقائق و دلائل کا مطالعہ پورے معاملہ پر از سرِ نو غور و فکر کا متقاضی ہے۔

اس پس منظر میں یہ بھی پیش نظر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہ امامت و خلافت امت میں باہم اختلاف کرنے والے تینوں حضرات میں سے سیدنا حسینؓ کے نانا، یزید کے پھوپھا اور سیدہ عائشہؓ کے بھانجے، عبداللہ بن زبیرؓ کے خالو نیز چچا بھی تھے۔ (کیونکہ زبیر نبی علیہ السلام کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔) علاوہ ازیں آپ عمر بن سعد بن ابی وقاص کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ (کیونکہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سیدہ آمنہؓ کے چچا زاد بھائی تھے)۔ جنگ جمل و صفین میں جو بقول مجدد الف ثانی و دیگر اکابر امت قصاص عثمانؓ کے حوالہ سے لڑی گئیں، ان میں سے جنگ جمل میں سیدنا حسین لشکر علی میں، سیدنا عبداللہ ابن زبیر، لشکر عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ میں اور جنگ صفین میں سیدنا حسینؓ لشکر علیؓ میں اور یزید لشکر معاویہؓ میں تھے۔ حتیٰ کہ جنگ جمل میں جب اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے نبی ﷺ و علیؓ کے پھوپھی زاد اور

سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے سیدنا زبیر بن عوامؓ نیز سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ شیعان کوفہ کے ہاتھوں شہید ہوئے اور "قاتل الزبیر فی النار" کی نبوی پیشین گوئی پوری ہوئی اور سیدنا علیؓ نے بھی طلحہؓ و زبیرؓ کے قاتلوں پر لعنت بھیجی تو عبداللہ بن زبیرؓ بھی شدید زخمی ہوتے تھے کیونکہ "جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ ان کی حفاظت میں اس بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑے کہ سارا بدن زخموں سے چور ہو گیا، پورے جسم میں چالیس سے زیادہ زخم آئے تھے۔" (معین الدین ندوی، تاریخ اسلام (حصہ اول) ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور، ص ۳۰۷ بحوالہ ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، تذکرۃ ابن الزبیر)۔

پھر یہی یزید اور سیدنا عبداللہ بن زبیر و حسین جنہوں نے وفات سیدنا معاویہ کے بعد بالترتیب دمشق، مکہ اور کوفہ میں اپنے اپنے مراکز خلافت مستحکم بنانے کی کوشش کی، ۵۲ھ میں قسطنطنیہ پر پہلا جہاد کرنے والے اس لشکر امت میں دیگر صحابہؓ و تابعین کے ہمراہ بیک وقت شامل تھے، جس کے بارے میں تمام مجاہدین کے مغفرت یافتہ ہونے کی بشارت لسان نبوی سے ملی۔ (بخاری، کتاب الجہاد، باب ما قیل فی غزو الروم)۔

چنانچہ اس تمام خاندانی و مذہبی و سیاسی پس منظر سے واقفیت اور اقوال اکابر امت کو مقدمہ یزید کے حوالہ سے پیش نظر رکھنا انشاء اللہ کسی منصفانہ فیصلہ و نتیجہ تک پہنچنے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔

و باللہ التوفیق و ھو المستعان و انہ علی کل شئی قدیر۔

اقوال اکابر امت بسلسلہ یزید

۱- میزبان رسول ؐ سیدنا ابو ایوب انصاریؓ

(م ۵۲ھ قسطنطنیہ)

سیدنا ابو ایوب انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی رشتہ سے عزیز و قریب تھے۔ جن کے مکان کے سامنے اونٹنی نے بہ منشائے خداوندی بیٹھ کر میزبانیٔ رسول ؐ کے خواہاں لاتعداد انصار مدینہ کے مابین ان کے حق میں اول میزبان رسول ؐ ہونے کا فیصلہ کر دیا تھا۔

ایک حدیث نبوی ہے:-

اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم-

(بخاری، کتاب الجهاد، باب ما قیل فی قتال الروم)

ترجمہ: میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا مغفرت یافتہ ہے۔

اس حدیث نبوی کی بناء پر سیدنا ابو ایوب انصاریؓ نے اسی سال سے زائد عمر میں ۵۲ھ میں یزید کے ہمراہ جہاد قسطنطنیہ میں حصہ لیا اور بیمار ہو کر وہیں وفات پائی۔ چنانچہ یزید ہی کو اپنی تدفین کے بارے میں وصیت فرمائی اور اسی کو آپ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

"وكان (ابو ايوب الانصارى) فى جيش يزيد بن معاوية، و اليه أوصى وهوالذى صلى عليه-" (ابن كثير، البداية و النهاية، جلد ۸، ص ۵۸).

ترجمہ: اور وہ (ابو ایوب انصاری) یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے۔ اسی کو اپنے بارے میں وصیت فرمائی اور اسی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

محقق اسلام امیر شکیب ارسلان نے طبقات ابن سعد کے حوالہ سے اپنی مشہور تصنیف "حاضر العالم الاسلامی" کی تعلیقات میں زیر عنوان "محاصرات العرب القسطنطینیہ" میں اس واقعہ کو تفصیل سے رقم فرمایا ہے جس میں قول سیدنا ابو ایوبؓ برائے یزید بھی موجود ہے۔

"ولما مرض (ابو ايوب) اتاه يزيد بن معاوية يعوده فقال: حاجتک قال: نعم، حاجتى اذا انامت فاركب بى ثم سغ بى فى أرض العدو ما وجدت مساغاً- فاذا لم تجد مساغاً فادفنى ثم ارجع-

فلما مات ركب به ثم ساربه فى أرض العدو ما وجد مساغاً، ثم دفنه ثم رجع-

ان ابا ايوب قال ليزيد بن معاوية حين دخل عليه:- أقرئ الناس منى السلام- و سأحدثكم بحديث سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم:- من مات لايشرک بالله شيئاً دخل الجنة-

يحدث يزيد الناس بما قال ابو ايوب-

و توفى ابو ايوب عام غزا يزيد بن معاوية القسطنطينية فى خلافة ابيه سنة ۵۲- صلى عليه يزيد بن معاوية و قبره بأصل حصن القسطنطينية بأرض الروم- ان الروم يتعاهدون قبره ويزورونه ويستسقون به اذا قحطوا-" (امیر شکیب ارسلان، حاضر العالم الاسلامی، تعلیق بحوالہ طبقات ابن سعد، ص ۲۹۵)

ترجمہ: جب ابو ایوب بیمار پڑے تو یزید بن معاویہ ان کی عیادت کو آیا اور کہنے لگا

کوئی خواہش ہو تو فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا: ہاں میری خواہش یہ ہے کہ جب میں مر جاؤں تو میرے (جسد کے ہمراہ) سوار ہو کر دشمن کی سر زمین میں جہاں تک راستہ پاؤ، مجھے آگے لے جانا، اور جب آگے راہ مسدود ہو جائے تو مجھے وہیں دفن کر دینا، پھر واپس چلے آنا۔

پس جب ان کا انتقال ہو گیا تو یزید ان کا جنازہ لے کر سوار ہوا، پھر اس کے ہمراہ دشمن کی سر زمین میں جہاں تک ممکن ہوا چلتا گیا، پھر انہیں دفن کیا اور واپس چلا آیا۔

یزید جب ابو ایوب کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے فرمایا تھا:۔

لوگوں کو میرا اسلام پہنچا دینا اور میں تم سے وہ حدیث بیان کروں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنی ہے کہ:۔

جو شخص اس حالت میں انتقال کرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ پس جو کچھ ابوایوب نے فرمایا یزید لوگوں کے سامنے بیان کرتا رہا۔

اور ابو ایوب کا انتقال اس سال میں ہوا جس میں یزید بن معاویہ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں سن ۵۲ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ یزید بن معاویہ نے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور آپ کی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ کی فصیل کے پاس ہے۔ رومی لوگ ان کی قبر پر جا کر باہم معاہدے کرتے ہیں، ان کی قبر کی زیارت کرتے اور قحط کے زمانہ میں ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے ہیں۔

قسطنطنیہ کے اس محاصرہ کے دوران میں "ناسخ التواریخ" کے شیعہ مؤلف کے بقول یزید نے تدفین کے موقع پر قیصر روم کو بے حرمتی قبر کی دھمکی کے جواب میں باواز بلند کہا تھا:۔

"یا أهل القسطنطينية! هذا رجل من اكابر اصحاب محمد نبينا، و قد دفنناه حيث ترون، و والله لئن تعرضتم له لأهدمن كل كنيسة فى أرض الاسلام ولا يضرب ناقوس بأرض العرب أبداً۔"

(ناسخ التواريخ، كتاب دوم، ص ٦٦، مؤلفه ميرزا محمد تقى سپهر كاشانى)۔

ترجمہ: اے اہل قسطنطنیہ یہ ہمارے نبی محمد ؐ کے صحابہ کبار میں سے ایک ہستی ہیں۔ اور ہم نے انہیں اس جگہ دفن کیا ہے جو تمہیں نظر آ رہی ہے۔ بخدا اگر تم لوگوں نے ان کی قبر کو نقصان پہنچایا تو میں سر زمین اسلام میں تمام گرجا گھر منہدم کروا دوں گا اور سر زمین عرب میں کبھی ناقوس کی آواز نہ سنائی دے پائے گی۔

۲- کاتب الوحی و سادس الأئمۃ والخلفاء من الصحابہ الراشدین، برادرزوج رسول سیدنا معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشیؓ (م رجب ۶۰ھ، دمشق)

ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ (رملہ) کے بھائی، سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن رضی اللہ عنہم کے بعد صحابہ راشدینؓ میں سے چھٹے امام و خلیفہ امت، کاتب الوحی سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ الاموی القرشی نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے دوران میں ایک روز خطبہ دیتے ہوئے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ یزید کو صرف اسی صورت میں منصب خلافت دے جب کہ وہ اس کا اہل ہو۔ بصورت دیگر محروم ہی رکھے۔ (چنانچہ بعد ازاں یزید کو اللہ نے یہ منصب عطا فرمایا)۔ دعا کے الفاظ یہ ہیں:-

"اللهم ان كنت تعلم أني وليته لأني فيما أراه أهل لذلك فأتمم له ما وليته، و ان كنت وليته لأني أحبه فلا تمم له ما وليته-"

(ابن كثير، البداية والنهاية، ج۸، ص ۸۷).

ترجمہ: یا اللہ اگر تیرے علم کے مطابق میں نے اس (یزید) کو اس لئے ولی خلافت بنایا ہے کہ میری رائے کے مطابق وہ اس کی اہلیت رکھتا ہے تو اس ولایت عہد کو پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اور اگر میں نے اسے محض اس لئے ولی خلافت بنایا ہے کہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو اس کے ولی خلافت بنانے کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچنے سے روک دے۔

۳- نواسہ رسولؐ سیدنا حسین بن علی الہاشمی القرشیؓ (م ۶۱ھ، کربلا)

نواسہ رسولؐ سیدنا حسینؓ بن علیؓ نے جب شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید کے بعد یزید کے مقابلے میں خلافت حسینی کے قیام کا امکان معدوم پایا تو آپ نے یزید کو اپنا چچا زاد قرار دیتے ہوئے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے (دست در دست یزید) کی پیش کش سمیت تین شرطیں امیر لشکر عمر بن سعد بن ابی وقاص کے سامنے پیش کیں۔ جنہیں یزید کو اطلاع دیئے بغیر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد امیر لشکر عمر بن سعد بن ابی وقاص کے مشورہ کے برعکس ابن زیاد نے پہلے اپنی بیعت سے مشروط قرار دے کر صورتحال کو بگاڑ دیا۔ شیعہ مجتہد اعظم سید شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ (م ۴۳۶ھ) اپنی معروف تصنیف "الشافی"

نیز "تنزیہ الانبیاء" میں فرماتے ہیں:-

"روی انه علیه السلام قال لعمر بن سعد:-

اختاروا منی اما الرجوع الی المکان الذی أتیت منه، أو أضع یدی فی ید یزید بن معاویة فهو ابن عمی یری فی رأیه، و اما أن تسیرونی الی ثغر من ثغور المسلمین فأکون رجلاً من أهله لی مالهم و علی ما علیهم-

وأن عمر کتب الی عبید الله بن زیاد بما سأل فأبی علیه-"

(الفاظ روایت بحواله مجتهد العصر سید علی نقی النقوی، السبطان فی موقفیهما، اظهار سنز لاہور، ص ۱۰۳، بحواله تالیف سید شریف مرتضی علم الهدی (م ۴۳۶ھ) تنزیه الأنبیاء، ص ۱۷۹-۱۸۲ و تلخیص الشافی لأبی جعفر الطوسی (م ۴۶۰ھ) ۱۸۲/۴-۱۸۸- نیز ملاحظه ہو طبری ۲۲۰/۶، وغیره)-

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ آپ (حسین) علیہ السلام نے عمر بن سعد سے فرمایا:-

میری کوئی ایک بات اختیار کر لو-

یا تو میں جس جگہ سے آیا ہوں وہاں واپس جانے دو-

یا میں یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ دوں- وہ میرا چچازاد ہے میرے بارے میں جو رائے چاہے گا اختیار کرے گا-

یا مجھے مسلمانوں کے سرحدی علاقوں میں سے کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو تاکہ میں وہاں کے باشندوں میں سے ایک بن جاؤں- جو حق ان کا ہے میرا بھی ہو اور جو ذمہ داری ان کی ہے میری بھی ہو-

روایت کے مطابق عمر نے عبید اللہ بن زیاد کو حسینؓ کا مطالبہ لکھ بھیجا مگر اس نے (پہلے اپنی بیعت کا مطالبہ رکھتے ہوئے) انکار کر دیا-

امام محمد الباقرؒ کی متعلقہ روایت بھی طبری میں مذکور ہے:-

"فلما اتاه قال له الحسین: اختر واحدة.

اما أن تدعونی فأصرف من حیث جئت،

و اما أن تدعونی فأذهب الی یزید،

و اما أن تدعونی فألحق بالثغور-" (طبری ۲۲۰/۶).

ترجمہ: جب ابن سعد ان کے پاس آئے تو حسینؓ نے فرمایا: کوئی ایک بات قبول کر لو-

یا تو جہاں سے آیا ہوں وہاں مجھے واپس جانے دو،

یا مجھے یزید کے پاس جانے دو،

یا مجھے سرحدی علاقوں کی طرف نکل جانے دو۔
عمر ابن سعد نے سہ نقاطی پیش کش قبول کر کے گورنر کوفہ ابن زیاد کو مطلع کیا مگر اس نے پہلے اپنی بیعت کی شرط عائد کر کے معاملہ بگاڑ دیا:-

"لا ولا كرامة حتى يضع يده في يدي" (طبری ٦/ ٢٢٠).

ترجمہ:- اس وقت تک ہرگز کوئی عزت و اکرام نہ ہوگا جب تک حسین میرے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دیں۔

سیدنا حسین نے اس بات کو اپنے مقام و مرتبے سے کمتر جانتے ہوئے اور مسلم بن عقیل کے سابقہ انجام کو پیش نظر رکھتے ہوئے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیش کش کو برقرار رکھنے کے باوجود ابن زیاد کی بیعت کے بارے میں ابن سعد سے فرمایا:-

فقال له الحسين: لا والله لا يكون هذا ابداً-" (طبری ٦/ ٢٢٠)

ترجمہ: حسین نے ان (ابن سعد) سے فرمایا: بخدا یہ تو کبھی نہ ہو پائے گا۔

۴- رفیق حسینؓ زہیر بن قین (م ۶۱ھ ، کربلا)

ابن جریر طبری و ابو مخنف وغیرہ نے میدان کربلا میں سیدنا حسینؓ کے ساتھی زہیر بن قین کی گفتگو کے وہ الفاظ نقل کئے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ :-

"اے اللہ کے بندو! فاطمہ رضوان اللہ علیہا کی اولاد بہ نسبت ابن سمیہ (ابن زیاد) کے، تمہاری محبت و نصرت کی زیادہ مستحق ہے- لیکن اگر تم ان کی مدد نہیں کرتے تو ان کے قتل کے درپے ہونے سے باز آجاؤ :-

"فخلوا بين هذا الرجل و بين ابن عمه يزيد بن معاوية ' فلعمري ان يزيد يرضى من طاعتكم بدون قتل الحسين".

(تاریخ الطبری : جلد ۶، ص ۲۴۳)-

ترجمہ :- پس اس شخص (حسینؓ) اور اس کے چچازاد یزید بن معاویہ کے درمیان سے ہٹ جاؤ اور انہیں وہاں (یزید کے پاس) جانے دو- مجھے **اپنی** زندگی کی قسم! یزید قتل حسین کے بغیر ہی تمہاری اطاعت سے راضی رہے گا-

طبری کی مذکورہ روایت کا حوالہ دیتے ہوئے اثنا عشری عالم و مؤلف عباس قمی رقمطراز ہیں :-

"جناب زہیر بنای نصیحت راگزاشت و فرمود :-

اے بندگان خدا! اولاد فاطمہ علیہا السلام احق و اولی ہستند بمودت و نصرت از فرزند سمیہ - ہر گاہ یاری نمی کنید ایشانرا ، پس شمارا در پناہ خدا در می آورم آز آنکہ ایشانرا بکشید - بگزارید حسین را باپسر عمش یزید بن معاویہ - ہر آئینہ بجان خودم سوگند کہ یزید راضی خواہد شد از طاعت شما بدون کشتن حسین علیہ السلام-

(عباس قمی' منتھی الآمال، ج ۱، ص ۳۴۵، نصیحت و موعظہ زہیر بن قین لشکر کوفہ، سازمان انتشارات جاویدان، ایران ۱۳۸۸ھ)-

ترجمہ :-جناب زہیر نے برملا نصیحت فرمایا :-

اے بندگان خدا ! اولاد فاطمہ علیہا السلام مودت ونصرت کی ابن سمیہ (ابن زیاد) سے زیادہ حقدار و مستحق ہے- لیکن اگر تم ان کی مدد نہیں کرتے تو میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ ان کو قتل نہ کرو- حسین کو ان کے چچا کے بیٹے یزید بن معاویہ کے پاس جانے دو- مجھے اپنی جان کی قسم یزید تم لوگوں کی طاعت سے قتل حسین علیہ السلام کے بغیر ہی راضی رہے گا-

۵- برادر زادہ رسول ؐ ، سیدنا عبدالمطلب ؓ بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب الھاشمی القرشی (م تقریباً ۶۲ ھ، دمشق)

آپ کے والد ربیعہ بن حارث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے- اور آپ کی والدہ سیدہ ام الحکم بنت الزبیر بن عبدالمطلب بھی آپ ؐ کی چچا زاد بہن تھیں- سیدنا عبدالمطلب ؓ نے اپنے قول و فعل سے یزید کی امامت و خلافت کی تصدیق و توثیق فرمائی اور قریشی النسب عزیز و قریب خلیفہ یزید سے خصوصی محبت و تعلق کی بناء پر اسی کو اپنا وصی و وارث قرار دیا- ابن حزم لکھتے ہیں:-

"عبدالمطلب بن ربیعة بن الحارث بن عبدالمطلب بن هاشم، صحابی، انتقل الی ذمشق وله بها دار- فلما مات أوصی الی یزید بن معاویة وهو امیر المؤمنین، و قبل وصیته-" (ابن حزم جمهرة الانساب، ص ۶۳)-

ترجمہ: عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم، صحابی ہیں- آپ دمشق منتقل ہو گئے تھے اور آپ کا وہاں مکان بھی تھا- پس جب آپ کا انتقال ہونے لگا تو یزید بن معاویہ کو جو اس وقت امیر المؤمنین تھا، اپنا وصی و وارث بنا گئے اور اس نے آپ کی وصیت کو قبول کر لیا-

۶- عمزادرسولؐ سیدنا عبداللہ بن عباس الھاشمی القرشیؓ

(م ۶۸ھ، طائف)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے مکہ میں وفات معاویہؓ کی خبر سن کر دعائے مغفرت کے بعد یزید کے بارے میں فرمایا:-

"ان ابنه یزید لمن صالحی أهله فالزموا مجالسکم و اعطوا بیعتکم-"
(البلا ذری، انساب الأشراف، طبع یوروشلم، الجزء الرابع و القسم الثانی، ص ۲، و الامامة و السیاسة، ص ۲۱۳، طبع ۱۹۳۷م)۔

ترجمہ:- ان (معاویہؓ) کا بیٹا یزید ان کے خاندان کے صالح افراد میں سے ہے۔ پس تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹکے رہو اور بیعت کر لو۔

۷- سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق العدوی القرشیؓ (م ۷۴ھ، مکہ)

(برادر اہل بیت رسولؐ سیدہ حفصہ ام المومنینؓ، محافظ مصحف صدیقی)

واقعہ کربلا (محرم ۶۱ھ) کے بعد سن ۶۳ھ کے آخر میں جب سیدنا ابن زبیرؓ کے حامیوں نے مدینہ پر غلبہ پا لیا اور اہل مدینہ کی کثیر تعداد نے یزید کی بیعت توڑ دی تو برادر حسنینؓ سیدنا محمد بن علی ابن الحنفیہؒ، سیدنا علی زین العابدینؒ اور دیگر اکابر بنو ہاشم و قریش کی طرح نہ صرف سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے بیعت یزید کو برقرار رکھا بلکہ بخاری کی روایت ہے کہ:-

"عن نافع لما خلع اهل المدینة یزید بن معاویة جمع ابن عمر حشمه و ولده فقال: انی سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول:-
ینصب لکل غادر لواء یوم القیامة-
و انا قد بایعنا هذا الرجل علی بیع الله و رسوله و انی لا اعلم غدراً أعظم من أن یبایع رجل علی بیع الله و رسوله ثم ینصب له القتال، و انا لا اعلم احداً منکم خلعه ولا تابع فی هذا الأمر الا کانت الفیصل بینی و بینه-" (صحیح البخاری، کتاب الفتن)-

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی اولاد و خواص کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ:- روز قیامت ہر بیعت شکن کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔

اور ہم نے اس شخص (یزید) سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر بیعت کی ہے۔ اور میں اس سے بڑی غداری کوئی نہیں جانتا کہ کسی شخص سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر بیعت کی جائے پھر اسی کے مقابلہ میں قتال کے لئے اٹھ کھڑا ہوا جائے۔ پس میرے علم میں یہ بات نہ آنے پائے کہ تم میں سے کسی نے اس (یزید) کی بیعت توڑی ہے اور اس معاملہ (بغاوت) میں کوئی حصہ لیا ہے۔ ورنہ میرے اور ایسا کرنے والے کے درمیان کوئی تعلق باقی نہ رہے گا۔

۸ - برادر حسنینؓ، محمد بن حنفیہؒ، الھاشمی القرشی (م ۸۱ ھ، مدینہ)

برادر حسنین و امام شیعہ کیسانیہ محمد بن علیؓ، ابن الحنفیہ (۲۱-۸۱ ھ) اھل بیت علی و بنو ھاشم میں منفرد و ممتاز ہیں۔ جن کا قول: **الحسن و الحسین افضل منی و انا اعلم منہما**- (الاعلام للزرکلی ۵۲/۱) معروف ہے۔ یعنی حسن و حسین (مادری نسبت میں) مجھ سے افضل اور میں علم میں ان سے برتر ہوں۔

آپ اپنی والدہ سیدہ حنفیہ (خولہ بنت جعفر) کی نسبت سے ابن الحنفیہ کہلاتے ہیں۔

پیکر علم و شجاعت محمد بن علی، ابن الحنفیہ نے سیدنا ابن جعفر و ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کی طرح نہ صرف ابتداء ہی میں بیعت یزید فرمائی بلکہ جب واقعہ کربلا (۶۱ ھ) کے تقریباً تین سال بعد واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ ھ) پیش آیا تو اکابر قریش و بنی ھاشم (بشمول ابن عمرؓ و علی زین العابدینؒ) کی طرح آپ نے نہ صرف بیعت یزید کو برقرار رکھا بلکہ ابن زبیر کے حامیوں کے مدینہ پر غلبہ کے بعد ان کے قائد جناب عبداللہ بن مطیع کی جانب سے یزید کے مبینہ فسق و فجور کے حوالہ سے بیعت یزید توڑنے کے مشورہ کے جواب میں آپ نے یزید کے فسق و فجور کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا:-

"**وقد حضرته وأقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلاة، متحرياً للخير، يسأل عن الفقه ملازماً للسنة**-" (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۲۳۳)-

ترجمہ:- میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور اس کے پاس مقیم رہا ہوں۔ پس میں نے تو اسے نماز کا پابند، کارِ خیر میں سرگرم، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا ہے۔

۹- برادر حسینؓ امام عمر بن علیؓ

برادر حسینؓ امام عمر بن علیؓ نے جو ''عمر الاطرف'' کے نام سے بھی معروف ہیں، سیدنا حسینؓ کے ساتھ سفر کوفہ و کربلا سے انکار کرتے ہوئے اپنے بھائی ابن الحنفیہؒ وغیرہ کے ہمراہ ابتداء ہی میں بیعت یزید کر لی تھی اور سیدنا حسینؓ کو شیعان کوفہ کے بھروسہ پر خروج سے منع فرمایا تھا :-

'' و تخلف عمر عن أخيه الحسين ولم يسارمعه إلى الكوفة وكان قد دعاه إلى الخروج معه فلم يخرج–يقال: إنه لما بلغه قتل أخيه الحسين خرج فی معصفات له وجلس بفناء داره وقال :–

أنا الغلام الحازم– ولوأخرج معهم لذهبت فی المعركة وقتلت ''.

(عنبة ، عمدة الطالب فی أنساب آل أبی طالب ، لكهنو، الطبع الأول ، ص ٣٥٧)–

ترجمہ :- عمر اپنے بھائی حسین سے پیچھے رہ گئے اور ان کے ہمراہ سفر کوفہ نہ اختیار فرمایا- حالانکہ آپ (حسینؓ) نے ان کو اپنے ہمراہ خروج کی دعوت دی تھی مگر انہوں نے خروج نہیں کیا- بیان کیا جاتا ہے کہ جب انہیں اپنے بھائی حسین کے مقتول ہونے کی اطلاع ملی تو وہ زرد لباس پہن کر نکلے اور اپنے مکان کے صحن میں آکر بیٹھ گئے پھر کہنے لگے :- میں عقلمند و محتاط جوان ہوں- اور اگر میں ان لوگوں کے ساتھ نکل پڑتا تو میں بھی معرکہ میں شریک ہو کر مقتول ہو گیا ہوتا-

عمر بن علی اور ان کی بہن رقیہ کی والدہ ام حبیب بنت ربیعہ ہیں :-

''وعمر و رقية كانا تؤامين ، أمهما أم حبيب بنت ربيعة''.

(المفيد ' الإرشاد ، ج ١ ، ص ٣٥٥ ، ذكر أولاد أميرالمؤمنين عليه السلام ' انتشارات علمية اسلامية ايران ' ١٣٨٧ ھ).

ترجمہ :- عمر اور رقیہ جڑواں تھے- ان دونوں کی والدہ (زوجہ علیؓ) ام حبیب

بنت ربیعہ ہیں۔

شیعی روایات کے مطابق جناب عمر بن علیؓ کو "عمر الاطرف" (یک طرفہ شرف والا) اس لئے کہتے تھے کہ وہ صرف باپ (علیؓ) کی طرف سے عالی النسب تھے۔ جبکہ عمر بن علی زین العابدینؒ کو اولاد علیؓ و فاطمہؓ ہونے کی بناء پر عمر الاشرف (دو طرفہ شرف والا) کہتے تھے۔

عباس قمی، عمر بن علی زین العابدینؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں :-

"مؤلف گوید کہ عمر بن علی مذکور ملقب باشرف است۔ واورا عمر اشرف گفتند بالنسبہ بعمر اطرف پسر حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام چہ آنکہ این عمر از آں جہت کہ فرزند حضرت زہرا صلوات اللہ علیہا است ودارای آں شرف و شرافت است، اشرف از آں یک باشد۔

وآن یک را "عمر اطرف" گفتند از آنکہ فضیلت و جلالت اواز یکسوی بتنہائی است کہ طرف پدری نسبت حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام باشدواز طرف مادری دارای شرافت نیست"۔

(عباس قمی، منتھی الامال، ج ۲، ص ۴۷ ، ذکراولاد حضرت امام سجاد علیہ السلام' سازمان انتشارات جاویدان، ایران، ۱۳۸۹ھ).

ترجمہ :- مؤلف عرض کرتا ہے کہ :- عمر بن علی (زین العابدین) مذکور کو حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے فرزند "عمر الاطرف" کے مقابلے میں "عمر الاشرف" اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حضرت زہرا صلوات اللہ علیہا کی اولاد میں سے ہیں۔ اور ان کے خاندانی شرف وہمہ گیری کے حامل ہونے کی وجہ سے ان دوسرے عمر سے زیادہ شرف والے ہیں۔

اور ان دوسرے عمر کو "عمر اطرف" (یک طرفہ عالی نسب) کہتے ہیں' اس لئے کہ ان کی فضیلت وبزرگی اس لحاظ سے یک طرفہ ہے کہ ان کی پدری نسبت حضرت امیر المومنین (علی بن ابی طالب) علیہ السلام کی طرف ہے' مگر ماں کی طرف سے وہ اس شرافت نسبی کے حامل (فاطمی النسب) نہیں۔

۱۰- سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار الہاشمی القرشیؓ (م ۸۵ھ، مدینہ)
(شوہر نواسی رسولؐ سیدہ زینبؓ بنت علیؓ و چچازاد حسنینؓ)

شوہر سیدہ زینبؓ، سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ جو یزید کی بیعت کرنے والوں میں سرفہرست ہیں، یزید کے پاس آئے تو اس کے لئے "فداک أبی و امی" کے کلمات تعظیم ارشاد فرمائے:-

"دخل عبدالله بن جعفر علی یزید فقال: کم کان أبی یعطیک فی کل سنة؟ قال: ألف ألف- قال: فانی قد أضعفتها لک-

فقال ابن جعفر: فداک أبی و أمی! و والله ما قلتها لأحد قبلک.

فقال قد أضعفتها لک- فقیل: أتعطیه أربعة آلاف ألف؟ فقال: نعم. انه یفرق ماله فاعطائی اياه اعطائی أهل المدینة-"

(البلا ذری، أنساب الاشراف، الجزء الرابع و القسم الثانی، طبع یروشلم، ص ۳، بروایت المدائنی)-

عبداللہ بن جعفر یزید کے پاس آئے تو اس نے پوچھا: میرے والد آپ کو سالانہ کیا دیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا:- دس لاکھ- یزید کہنے لگا: میں نے اس کو دو گنا کیا-

پس ابن جعفر نے فرمایا: میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں- اور بخدا میں نے یہ جملہ تم سے پہلے کسی کے لئے نہیں کہا-

یزید کہنے لگا: میں نے اس کو آپ کے لئے اور بھی دگنا کیا- (خازن کی طرف سے) عرض کیا گیا کیا: آپ انہیں چالیس لاکھ سالانہ دیا کریں گے؟ تو اس نے کہا: ہاں کیونکہ وہ اپنا مال تقسیم کر دیتے ہیں- اور میرے ان کو عطا کرنے کا مطلب تمام اھل مدینہ کو عطا کرنا ہے-

خلیفہ یزید کی جانب سے دمشق میں حج و سفر کے لئے عمدہ اونٹ پیش خدمت کئے جانے پر ایک طویل روایت میں مذکور ابن جعفرؓ کا یہ قول بھی قابل توجہ ہے:-

"تلو موننی علی حسن الرأی فی هذا (یعنی یزید)-

(ابن کثیر، البدایة والنهایة، ج ۸، ص ۲۲۰)

ترجمہ:- تم اس شخص (یزید) کے بارے میں میری عمدہ رائے پر مجھے کیونکر ملامت کر سکتے ہو؟

سیدنا ابن جعفر کی صاحبزادی سیدہ ام محمد زوجہ یزید تھیں۔ (ابن حزم، جمھرۃ الانساب، ص ۶۲)۔ جو سیدہ زینبؓ بنت علیؓ کی سوتیلی بیٹی تھیں۔ ابن جعفر نے سیدنا ابن عباس و ابن عمر و ابن الحنفیہ رضی اللہ عنھم کی طرح ابتداء ہی میں بیعت یزید کر لینے کے علاوہ سیدنا حسینؓ کے مکہ سے نکل کر سفر کوفہ کی خبر سن کر اپنے دو بیٹوں کو بھیجا:۔

"فأرسل عبدالله بن جعفر ابنیه عوناً و محمداً لیردا الحسین فأبی أن یرجع و خرج الحسین بابنی عبدالله بن جعفر معه۔" (ابن قتیبه، الامامة و السیاسة، ج ۲، ص ۲ وراجع للتفصیل "للإرشاد" للشیخ المفید 'ج ۲' ص ۱۷ ' ایران ۱۳۸۷ھ)

ترجمہ: عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو بیٹوں عون و محمد کو بھیجا تاکہ حضرت حسین کو واپس لے آئیں مگر حسین نے انکار کر دیا اور عبداللہ بن جعفر کے دونوں بیٹوں کو بھی خروج میں ساتھ لے لیا۔

۱۱- سیدنا علی بن الحسینؓ، زین العابدینؒ (م ۹۴ھ، مدینہ)

مشہور تابعی اور سیدنا علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کے بعد اھل تشیع (زیدیہ و اسماعیلیہ و اثنا عشریہ و نور بخشیہ وغیرہ) کے چوتھے امام و فرزند حسینؓ، سیدنا علی زین العابدینؒ جو واقعہ کربلا کے بعد زندہ بچ جانے والوں میں سر فہرست ہیں، انہوں نے سیدنا حسین کی یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیش کش کی روشنی میں نہ صرف واقعہ کربلا کے بعد بیعت یزید فرمائی بلکہ واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) کے موقع پر حامیان ابن زبیرؓ کے مدینہ پر غلبہ اور اھل مدینہ کی کثیر تعداد کی یزید کے خلاف بغاوت کے دوران میں بیعت یزید کو برقرار رکھتے ہوئے یزید کو تائید وحمایت کا خط بھی تحریر فرمایا۔ چنانچہ یزید نے اپنے سالار لشکر، مسلم بن عقبہؓ کو آپ سے حسن سلوک کی خصوصی ھدایت کی:۔

"و انظر علی بن الحسین واکفف عنه و استوص به خیراً فانه لم یدخل مع الناس و انه قد أتانی کتابه۔"

(ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، الجزء الرابع، ص ۴۵ و طبری ۷/ ۲۰)

ترجمہ: اور علی بن حسین کا خاص خیال رکھنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دینا کیونکہ وہ اس معاملہ (بغاوت) میں لوگوں کے ساتھ شریک نہیں اور ان کا خط میرے پاس آچکا ہے۔

چنانچہ سیدنا علی زین العابدین نے یزید کے لئے امیر لشکر مسلم بن عقبہؓ کے سامنے

وصل الله إمير المؤمنين-" (اللہ امیر المومنین پر رحمت فرمائے) کے کلمات ارشاد فرمائے:-

"سأل يحيى بن شبل ابا جعفر عن يوم الحرة، هل خرج فيها احد من أهل بيتک؟ فقال ما خرج فيها أحد من آل أبى طالب ولا خرج فيها احد من بنى عبدالمطلب، لزموا بيوتهم- فلما قدم مسرف (اعنى مسلم بن عقبة) و قتل الناس، و سارالى العقيق، سأل عن على بن الحسين أحاضر هو؟ فقيل له نعم- فقال مالى لا أراه؟ فبلغ أبى ذلک فجاءه و معه ابو هاشم عبدالله و الحسين ابنا محمد بن على (ابن الحنفية)- فلما رأى أبى رحب به و أوسع له على سريره- ثم قال كيف كنت بعدى- قال انى احمد الله اليک- فقال مسرف: ان امير المؤمنين أوصانى بک خيراً- فقال أبى: وصل الله امير المؤمنين-"

(ابن سعد، الطبقات الكبرى، ذكر على بن الحسين، و الامامة و السياسة، جلد اول، ص ۲۳۰، ملخصاً)

ترجمہ: "یحییٰ بن شبل نے ابو جعفر (محمد الباقر) سے واقعہ حرہ کے متعلق دریافت کیا کہ: کیا ان کے خاندان کا کوئی فرد (یزید کے خلاف) لڑنے کے لئے نکلا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ نہ خاندان ابو طالب میں سے کوئی فرد نکلا تھا اور نہ عبدالمطلب (یعنی بنو ھاشم) کے گھرانے سے کوئی فرد لڑنے نکلا۔ سب اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ جب مسرف (مسلم بن عقبہ) آیا اور قتال کر کے وادی عقیق میں ٹھہرا تو اس نے میرے والد علی بن حسین کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں؟ تو اسے بتایا گیا کہ ہاں موجود ہیں۔ پھر وہ کہنے لگا کہ میری ان سے ملاقات نہیں ہو پائی۔ اس کے دریافت کرنے کی خبر جب میرے والد کو پہنچی تو وہ اس کے پاس آئے اور ان کے ساتھ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کے بیٹے ابو ھاشم عبداللہ اور حسین بھی تھے۔ مسرف نے جب میرے والد کو دیکھا تو خوش آمدید کہا۔ اور اپنے برابر چارپائی پر جگہ دی۔ پھر میرے والد سے پوچھا کہ میرے بعد آپ کیسے رہے؟ انہوں نے فرمایا:- میں اللہ کی حمد اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مسرف کہنے لگا کہ امیر المؤمنین (یزید) نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی تھی۔ تو میرے والد (زین العابدین) نے فرمایا: وصل الله امير المؤمنين (اللہ امیر المومنین پر رحمت فرمائے) ابن مسلم بن عقبہؓ کا نام بگاڑ کر "مسرف" (اسراف و زیادتی کرنے والا) بیان کیا ہے، اور پھر ساتھ ہی وضاحت کی ہے کہ:- "مسرف" سے میری مراد ہے: مسلم بن عقبہ۔ (اعنی مسلم بن

عقب)۔ مگر اس کے باوجود روایت میں علی زین العابدینؒ کے یزید کے لئے بطور "امیر المؤمنین" دعائیہ کلمات موجود ہیں۔ و صل اللہ امیر المؤمنین (اللہ امیر المؤمنین پر رحمت فرمائے)۔

۱۲- سیدنا سعید بن المسیبؒ (م ۹۴ھ)

مشہور تابعی و متقی اور جلیل القدر عالم و صالح سیدنا سعید بن مسیب (م ۹۴ھ) یزید کو صدر اسلام کے عظیم مسلم خطیبوں میں سر فہرست قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"خطباء الناس فی الاسلام معاویة و ابنه و سعید بن العاص و ابنه و عبداللّٰه بن الزبیر-" (ابن کثیر، البدایة والنهایة، ج ۸، ص ۳۱۱، ۳۳۵)

ترجمہ: (خلفاء اربعہ کے بعد) اسلامی دور میں لوگوں کے سب سے بڑے خطیب، حضرت معاویہ، ان کے فرزند (یزید) سعید بن العاص نیز ان کے فرزند اور عبداللہ بن زبیر ہیں۔

۱۳- سیدنا ابو جعفر محمد الباقرؒ الهاشمی القرشی (م ۱۱۲ھ، مدینہ)

مشہور تابعی و امام اھل تشیع سیدنا محمد الباقر بن علی زین العابدینؒ کا مندرجہ ذیل قول سیدنا علی زین العابدین و محمد الباقر سمیت آل علیؓ و بنو عبد المطلب و بنو هاشم کے بیعت یزید کو واقعہ حرہ کے موقع پر برقرار رکھنے کی دلیل ہے:-

"سأل یحیی بن شبل ابا جعفر عن یوم الحرة هل خرج فیها أحد من أهل بیتک؟ فقال: ما خرج فیها أحد من آل أبی طالب و لا خرج فیها أحد من بنی عبدالمطلب، لزموا بیوتهم-"

(طبقات ابن سعد و الامامة و السیاسة، جلد اول، ص ۲۳۰)

ترجمہ: یحییٰ بن شبل نے ابو جعفر (امام محمد الباقر) سے یوم حرہ (یزید کے خلاف حامیان ابن زبیر کی قیادت میں اھل مدینہ کی کثیر تعداد کی بغاوت در اواخر ۶۳ھ) کے بارے میں پوچھا کہ کیا اس میں آپ کے اھل بیت میں سے بھی کوئی (لشکر یزید سے لڑنے کے لئے) باہر آیا تو آپ نے فرمایا: نہ تو آل ابی طالب میں سے کوئی (لڑنے کے لئے) باہر نکلا اور نہ بنو عبد المطلب میں سے کوئی نکلا۔ سب گھروں میں بیٹھے رہے۔

۱۴- محدث ابو عبدالرحمن عبداللہ بن شوزبؒ (م ۱۵۶ھ)

ابو عبدالرحمن عبداللہ بن شوزب الخراسانی، متوفی ۱۵۶ھ جو عام طور سے ابن شوزب کہلاتے تھے، بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین و نسائی و ابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ و صدوق بتایا ہے۔ یہ ابن شوزب، یزید کے بارے میں روایت کرتے ہیں:-

"وقال ابن شوزب سمعت ابراهیم بن ابی عبد یقول: سمعت عمر بن عبدالعزیز یترحم علی یزید بن معاویة.-"

(ابن حجر العسقلانی، لسان المیزان، جلد ٦، ص ٢٦٣)

ترجمہ:- اور ابن شوزب نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد کو فرماتے سنا کہ:- میں نے عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ (کے نام) پر رحمۃ اللہ علیہ کہتے سنا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اموی خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی والدہ سیدہ فاطمہؒ کی ہمشیرہ سیدہ ام مسکین بنت عاصم بن عمر فاروقؓ، یزید بن معاویہؒ کی زوجہ تھیں۔ اور اس طرح خلیفۃ المسلمین یزید، امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کے خالو تھے۔

"ام مسکین بنت عاصم بن عمر، خالة عمر بن عبدالعزیز، زوجة یزید بن معاویة-" (ذهبی، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ج ٣، ص ٣٠٠، بذیل الکنی للنسوة)-

۱۵- محدث ابو زرعه دمشقیؒ

مشہور محدث، ابو زرعه دمشقی کے حواله سے ابن کثیر یزید کو صحابه سے متصل اعلی طبقه تابعین و راویان حدیث میں شمار کرنے کے سلسله میں لکھتے ہیں:-

"وقد ذکره ابو زرعة الدمشقی فی الطبقة التی تلی الصحابة و هی العلیا و قال: له احادیث-" (ابن کثیر، البدایة و النهایة، ج ٨، ص ٢٢٧)

ترجمہ: اور (محدث) ابو زرعہ دمشقی نے اس (یزید) کا ذکر صحابہ سے متصل اعلیٰ طبقہ (تابعین) میں کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یزید سے احادیث مروی ہیں۔

۱۶- محدث زرارہ بن اوفیؒ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے کہ:-

"خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم-"

(بخاری کتاب الشهادة و مسلم، کتاب فضائل الصحابة)

ترجمہ:- "سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر جو ان سے متصل ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں-"

اس حدیث کے لفظ "قرن" کی تشریح کرتے ہوئے مشہور محدث زرارہ بن اوفی، یزید کو نبوی قرن اول میں شمار کرتے ہیں:-

"القرن عشرون و مائة سنة فبعث رسول الله فی قرن و کان آخره موت یزید بن معاویة-

(طبقات ابن سعد، جلد اول، ص ۲۹۰، و البدایة و النهایة، ۸ / ۲۲۹)

ترجمہ: "قرن ایک سو بیس برس تک ہوتا ہے- رسول اللہ جس قرن میں مبعوث ہوئے، وہ یزید بن معاویہ کی وفات پر ختم ہوتا ہے-

۱۷- سیدنا بایزید بسطامیؒ (م ۲۶۱/۲۶۴ھ)

عالمی شہرت یافتہ جلیل القدر عالم و صوفی سیدنا بایزید بسطامیؒ (طیفور بن عیسی بن سروشان) واقعہ کربلا (۶۱ھ) کے بعد تیسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں- ان امام اہل تصوف، طیفور بن عیسی نے اپنی کنیت یزید کے نام پر ابو یزید (بایزید) رکھی- جو اس بات کی دلیل ہے کہ یزید بحیثیت خلیفۃ المسلمین ان تمام منفی الزامات سے بری الذمہ ہے جو قتل حسینؓ، واقعہ کربلا و حرہ اور فسق و فجور کے حوالہ سے اس پر عائد کئے جاتے ہیں- ورنہ کسی غلط اور برے شخص کے نام پر اپنی کنیت رکھنا کوئی عام شخص بھی پسند نہیں کرتا کجا کہ سیدنا بایزید جیسا جلیل القدر عالم و باخبر صوفی ایسا کرے، جن کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:-

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود

فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

اور بقول شاعر آخر:۔

ادب گاھیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

(روضہ نبوی آسمان تلے عرش سے بھی زیادہ نزاکت و احتیاط کی حامل جائے ادب ہے۔ جہاں جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ جیسی عظیم ہستیاں بھی سانس روک کر آتی ہیں)۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ نام تو بالعموم والدین رکھتے ہیں۔ مگر کنیت بذات خود اختیار کی جاتی ہے۔ چنانچہ سیدنا بایزید کا اپنے نام طیفور کے ساتھ کنیت "بایزید" (ابو یزید) اختیار کرنا، جبکہ ائمہ اربعہؒ میں سے تین امام (امام ابو حنیفہ م ۱۵۰ھ، امام مالک م ۱۷۹ھ، اور امام شافعی م ۲۰۴ھ) ان سے پہلے قریبی زمانہ میں گزرے تھے اور چوتھے امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نیز امام بخاری (م ۲۵۶ھ) امام مسلم (م ۲۶۱ھ) امام ابو داؤد (م ۲۷۵ھ) امام محمد بن یزید، ابن ماجہ (م ۲۷۵ھ) امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) اور امام نسائی (م ۳۰۳ھ) ان کے جلیل القدر معاصرین تھے۔ یہ اس بات کی دلیل مزید ہے کہ یزید کے نام پر کنیت یا نام رکھنا ائمہ اربعہ و محدثین ستہ و بایزید بسطامی کے زمانہ (پہلی دوسری اور تیسری صدی ہجری) میں نہ تو معیوب تھا اور نہ ہی کسی لحاظ سے باعث ندامت۔ اور اسلاف کا یہ طرز عمل یزید کے بارے میں منفی پروپیگنڈہ کی تردید اور غلط فہمیوں کے ازالہ کا باعث ہے۔

معلومات کیلئے یہ بھی واضح رہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ و ترک سلطان بایزید یلدرم جیسے مشاہیر امت سے بہت پہلے متعدد اکابر قریش و بنی ہاشم، صحابہؓ و اہل بیتؓ

کے نام اور کنیت 'یزید و ابویزید تھے- واقعہ کربلا سے پہلے اور بعد کے ان اکابر امت میں سے بطور مثال چند اشارات درج ذیل ہیں :-

ا- سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی اور جلیل القدر صحابی رسولؐ سیدنا عقیلؓ کی کنیت "ابویزید" تھی- شیعہ عالم و مؤلف عباس قمی بیان فرماتے ہیں :-

"عقیل بن ابی طالب برادر حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام است- کنیت او ابویزید است"-

(عباس قمی، منتھی الآمال، ج ۱، ص ۲۰۹، ذکر عقیل بن ابیطالب رضی اللہ عنہ، سازمان انتشارات جاویدان، ایران، ۱۳۸۸ھ)-

ترجمہ :- عقیل بن ابی طالب حضرت امیر المؤمنین (علی) علیہ السلام کے بھائی ہیں- آپ کی کنیت ابویزید ہے-

جناب عقیلؓ جنگ صفینؓ میں لشکر معاویہؓ میں شامل تھے- بقول شیعہ مؤلف "عمدۃ الطالب" :-

"وفارق (عقیل) أخاه عليا أيام خلافته و هرب إلى معاوية و شهد الصفين معه"-

(عنبة، عمدة الطالب في أنساب آل أبي طالب، طبع لكهنو، ص ١٥)-

ترجمہ :- اور عقیل اپنے بھائی علی کے زمانہ خلافت میں ان سے جدا ہو گئے اور بھاگ کر معاویہ کے پاس چلے گئے- جنگ صفین میں ان (معاویہ) کے ہمراہ شریک تھے-

۲- یزید بن ابی سفیانؓ جلیل القدر صحابی رسولؐ و برادر سیدہ ام حبیبہؓ ام المؤمنین نیز یکے از فاتحین شام ہیں- امام و خلیفہ ثانی عمر فاروقؓ نے انھیں امیر دمشق مقرر فرمایا- آپ کے بعد مقرر شدہ امیر دمشق (و بعد ازاں امیر شام در خلافت سیدنا عثمانؓ) معاویہ بن ابی سفیانؓ نے اپنے انہی برادر بزرگ کے نام پر اپنے بیٹے کا نام یزید رکھا-

۳- سیدہ زینب بنت علیؓ کے سوتیلے بیٹے معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے اپنے ایک بیٹے کا نام (واقعہ کربلا کے بعد) یزید رکھا جن کی والدہ حسنؓ بن علیؓ کی پوتی سیدہ فاطمہ بنت حسن مثنی تھیں- شیعہ عالم و مؤلف شیخ عباس قمی فرماتے ہیں :-

"زینب را عبدالملک بن مروان کابین بست و فاطمہ بحبالہ نکاح معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار در آمد-وازوی چہار پسر و یکد ختر آورد- بدیطریق نام ایشاں ثبت شدہ :-

یزید-صالح-حماد- حسین-زینب-

واما پسران حسن مثنی جز محمد تمامی اولاد آوردند"-

(عباس قمی، منتهی الآمال در احوالات نبی والآل، ج ۱، ص ۲۵۱، ذکر فرزندان حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام، سازمان انتشارات جاویدان، ایران، ۱۳۸۸ھ)-

ترجمہ :- زینب (بنت حسن مثنی و فاطمہ بنت حسینؓ) سے (اموی خلیفہ) عبدالملک بن مروان نے شادی کی-

اور فاطمہ (بنت حسن مثنی) معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کے حبالہ عقد میں آئیں-اوران کے بطن سے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے-جن کے نام اس طریقہ پر درج شدہ ہیں :- یزید- صالح - حماد- حسین- زینب-

اور جہاں تک حسن مثنی کے بیٹوں کا تعلق ہے توان میں سے محمد کے سوا تمام کے ہاں اولاد ہوئی"-

انہی معاویہ کی ہمشیرہ سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیارؓ (سیدہ زینب بنت علیؓ کی سوتیلی بیٹی) کے بارے میں روایت ہے کہ وہ ازواج یزید بن معاویہؓ میں شامل تھیں :-

"وأم محمد بنت عبدالله بن جعفر تزوجها يزيد بن معاويه بن أبى سفيان"-

(ابن حزم جمهرة أنساب العرب ص ٦٩ ولد جعفر بن ابى طالب تحقيق و تعليق : عبدالسلام محمد هارون دارالمعارف مصر

۱۳۸۲ھ/۱۹٦۲م)-

ترجمہ :- اور عبداللہؓ بن جعفر (طیارؓ) کی بیٹی ام محمد سے معاویہ بن ابی سفیان کے فرزند یزید نے شادی کی-

شیعی روایات میں بھی ایک ہاشمیہ خاتون کے زوجہ یزید ہونے کا ذکر ہے- جنہوں نے قافلہ خواتین حسینی کے دربار یزید میں پہنچنے پر شہادت حسینؓ پر آہ و فغاں کی :-

"پس صدای زن ہاشمیہ کہ در خانہ یزید بود بنوحہ و ندبہ بلند شد-ومیگفت :-

یاحبیباہ! یا سیدا اہلبیتاہ! یابن محمداہ "-

(عباس قمی، منتھی الامال، ج ا، ص ۴۳۰، سازمان انتشارات جاویدان، ایران، ۱۳۸۸ھ)

ترجمہ :- پس یزید کے گھر میں موجود ہاشمی خاتون نے باآواز بلند آہ و بکا کی اور کہنے لگیں :-

ہائے حبیب! ہائے سردار اہل بیت! ہائے فرزند محمدؐ!

حتی کہ سیدہ زینب بن علیؓ کا مزار مبارک دمشق میں ہونے کے بارے میں بھی ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ قافلہؑ حسینی کے مدینہ واپس آنے کے بعد سیدہ زینبؓ اپنی انہی عزیزہ سیدہ ام محمدؓ کے پاس دمشق تشریف لے گئی تھیں-اور وہیں آپ کا انتقال و تدفین ہوئی-

ان بطور امثال درج شدہ چند تاریخی اشارات سے "یزید" و "بایزید" (نام و کنیت) کے بارے میں معرفت حقائق اور تاریخی غلط فہمیوں کے ازالہ میں بڑی مدد لی جاسکتی ہے- واللہ الموفق-

۱۸- امام ابو عبداللہ محمد بن یزید، ابن ماجہ القزوینیؒ (م ۲۷۵ھ)

مشہور محدث اور صحاح ستہ میں شامل "سنن ابن ماجہ" کے مؤلف ابو عبداللہ محمد المعروف با بن ماجہ کے والد ماجد کا اسم گرامی یزید تھا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ اکابر امت کے علمی خانوادوں میں بھی یزید کے نام پر نام رکھنا نہ تو ممنوع تھا اور نہ باعث ندامت۔ بلکہ وہ یزید کو ایک مسلم امام و خلیفہ سمجھتے ہوئے اس کے نام پر نام رکھنا درست و پسندیدہ گردانتے تھے۔ اس لئے صدیوں سے مشاہیر اسلام کی کثیر تعداد کے ناموں اور کنیتوں میں لفظ "یزید" موجود رہا ہے۔ ان مشاہیر امت میں بایزید بسطامیؒ، بایزید انصاریؒ، عثمانی سلطان بایزید یلدرمؒ جیسے جلیل القدر علماء و صوفیاء و سلاطین سر فہرست ہیں۔ حتیٰ کہ استانبول میں "جامع بایزید" کے نام سے عظیم تاریخی مسجد بھی موجود و معروف ہے۔ اور اسی استانبول میں میزبان رسول سیدنا ابوایوب انصاریؓ کے مزار مقدس کے "کتبہ" پر ابن الاثیر جزری کی "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہؓ" سے منقول سیدنا ابوایوبؓ کا تعارف درج ہے، جس کے آخر میں آپ کی لشکر یزید بن معاویہؓ میں شمولیت و وفات کا بھی تذکرہ ہے:-

"وتو فی ابو ایوب الانصاری سنۃ اثنتین و خمسین ھجریۃ، و کان فی جیش یزید بن معاویۃ بحصار القسطنطینیۃ؛ فمرض ابوایوب فعادہ یزید، فقال لہ: حاجتک؟ فقال أبو أیوب: حاجتی اذا انامت فارکب، ثم سغ فی ارض العدو ما وجدت مساغاً فادفنی. ثم ارجع. فتوفی، ففعل الجیش ذلک و دفنوہ بالقرب من القسطنطین. فھذا قبرہ رضی اللہ عنہ-

(نقل من کتاب "اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لا بن الاثیر الجزری"

(تصویر کتبہ و مذکورہ عربی عبارت کے لئے ملاحظہ ہو:- "اموی خلافت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ" ماخوذ از اظہار حقیقت مؤلفہ مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی، ناشر مولانا عبدالرحمن، کراچی، اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن، اشاعت دوم رمضان ۱۹۱۹ء) ۔

ترجمہ:- ابوایوبؓ نے سن باون ہجری میں وفات پائی۔ آپ یزید بن معاویہؓ کے اس لشکر میں شامل تھے، جس نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ پس آپ بیمار ہوئے تو یزید آپ کی عیادت کے لئے آیا۔ پس وہ کہنے لگا: آپ کی کوئی خواہش ہو تو فرمائیے؟ ابوایوب نے فرمایا: میری خواہش یہ ہے کہ جب میں وفات پا جاؤں تو (میرے جسد کے ہمراہ) سوار ہو جاؤ، اور پھر دشمن کی سرزمین میں جہاں تک راستہ پا سکو، آگے بڑھو، اور وہاں مجھے دفن کر کے واپس لوٹ آؤ۔ پھر آپ وفات پا گئے تو لشکر نے ایسا ہی کیا، اور انہیں قسطنطنیہ کے قریب دفن کر دیا۔ پس یہ آپ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔ (منقول از کتاب "اسد الغابہ")

صاحب "مشكاة المصابيح" امام خطیب تبریزی (م ۷۴۳ھ) نے متعدد ایسے صحابہؓ و تابعین راویان حدیث کا تعارف کرایا ہے جن کے نام "یزید" تھے- الاکمال فی اسماء الرجال کے حوالہ سے واقعہ کربلا سے پہلے اور بعد کے ان قابل احترام "یزیدون" کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے :-

حرف الیاء فصل صحابہ کے بارے میں

"۹۸۱- یزید بن الاسود

یہ یزید' اسود کے بیٹے اور سوائی ہیں- ان سے ان کے بیٹے جابر نے روایت کی- ان کا شمار اہل طائف میں ہوتا ہے- ان کی حدیث اہل کوفہ کے یہاں پائی جاتی ہے- سوائی میں سین مہملہ مضموم واو بلا تشدید اور الف ممدودہ ہے-

۹۸۲- یزید بن عامر

یہ یزید ہیں' عامر کے بیٹے- اور سوائی اور حجازی ہیں- غزوہ حنین میں مشرکین کی جانب سے شریک تھے- اس کے بعد مسلمان ہوئے- ان سے سائب بن یزید وغیرہ نے روایت کی-

۹۸۳- یزید بن شیبان

یہ یزید' شیبان کے بیٹے' ازدی اور صحابی ہیں- ان سے روایت بھی نقل کی گئی ہے- ان کا ذکر وحدان میں کیا جاتا ہے- انہوں نے ابن مربعؓ سے روایت کی- (مربع میں میم مکسور ہے)- اور ان سے عبداللہ ابن صفوان نے روایت کی- ان کی حدیث حج کے بارہ میں ہے-

۹۸۴- یزید بن نعامہ

یہ یزید' نعامہ کے بیٹے اور ضبی ہیں- ان سے سعید بن سلیمان نے روایت کی- بحالت شرک حنین میں شریک ہوئے- اور اس کے بعد مسلمان ہوئے- ترمذی کا ارشاد ہے کہ ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی سماعت معروف نہیں ہے- نعامہ میں نون اور عین مہملہ دونوں پر فتحہ ہے"-

(خطیب تبریزی' الاکمال فی اسماء الرجال 'اردو ترجمہ' ص ۴۱۷-۴۱۸ 'حرف الیاء 'فصل صحابہ کے بارے میں 'مطبوعہ مع مشکاۃ المصابیح' مکتبہ رحمانیہ 'لاہور)-

فصل تابعی مردوں کے بارے میں

۹۹۰- یزید بن ہارون

یہ یزید 'ہارون کے بیٹے اور سلمی 'یعنی ان کے آزاد کردہ ہیں' واسط کے رہنے والے -ایک جماعت سے انہوں نے روایت کی-اور ان سے احمد بن حنبل' علی بن المدینی وغیرہ نے روایت کی- بغداد میں وارد ہوئے-اور وہاں حدیث بیان کی- پھر واسط لوٹ آئے-اور وہیں وفات پائی- سن ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے-ابن المدینی کہتے ہیں کہ میں نے ابن ہارون سے زیادہ قوی الحفظ نہیں دیکھا- حدیث کے زبردست عالم اور حافظ و عابد تھے- سن ۲۱۷ھ میں انتقال فرمایا-

۹۹۱- یزید بن زریع

یہ یزید ہیں' زریع کے بیٹے- ان کی کنیت ابو معاویہ ہے- حافظ حدیث ہیں- ایوب و یونس سے انہوں نے' اور ان سے ابن المدینی اور مسدد نے روایت کی-ان کا ذکر باب الشفقہ والرحمہ میں آتا ہے-امام احمد حنبلؒ نے فرمایا کہ :- بصرہ میں دینی و علمی پختگی ان پر ختم ہے- شوال سن ۱۸۲ھ میں بعمر ۸۱ سال وفات پائی-

۹۹۲- یزید بن ہرمز

یہ یزید ہیں' ہرمز کے بیٹے 'ہمدانی' مدینی- اور بنو لیث کے آزاد کردہ ہیں-انہوں نے ابو ہریرہؓ سے' اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ اور عمرو بن دینار اور زہری نے روایت کی-

۹۹۳- یزید بن ابی عبید

یہ یزید ہیں' ابو عبید کے بیٹے- سلمہ بن الاکوع کے آزاد کردہ ہیں-انہوں نے سلمہؓ اوران سے یحیی بن سعید وغیرہ نے روایت کی-

۹۹۴- یزید بن رومان

یہ یزید ہیں' رومان کے بیٹے-ان کی کنیت ابو روح ہے-اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں-ابن الزبیر اور صالح بن خوارت سے حدیث کی سماعت کی-اور ان سے امام زہری وغیرہ نے روایت کی-

۹۹۵- یزید بن الأصم

یہ یزید ہیں' اصم کے بیٹے- حضرت ام المومنین میمونہ کی ہمشیرہ زادہ ہیں- حضرت میمونہؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں-

۹۹۶- یزید بن نعیم

یہ یزید ہیں' نعیم بن ہزال کے بیٹے 'اور اسلمی ہیں-انہوں نے اپنے والد اور جابرؓ سے 'اور ان سے ایک جماعت نے روایت کی- نعیم میں نون پر فتحہ ہے اور عین مہملہ ہے-اور ہزال میں "ہا" مفتوح اور "زاء" مشدد ہے-

۹۹۷-یزید بن زیاد

یہ یزید ہیں' زیاد کے بیٹے اور دمشق کے باشندے ہیں-انہوں نے زہری اور سلمان ابن حبیب سے 'اور ان سے وکیع اور ابو نعیم نے روایت کی"-

(خطیب تبریزی 'الإکمال أسماء الرجال 'اردو ترجمہ مطبوعہ معہ مشکاۃ المصابیح' مکتبہ رحمانیہ' لاہور 'حرف الیاء' فصل تابعی مردوں کے بارے میں' ص ۴۱۸-۴۱۹)-

۱۹- محمد بن مسلم ابن قتیبہ الدینوریؒ (م ۲۷۶ھ)

مشہور قاضی و محدث و ادیب و مؤرخ ابو عبداللہ محمد بن مسلم، ابن قتیبہ سے منسوب "الامامۃ و السیاسۃ" میں مروی ہے کہ جب یزید نے پس ماندگان قافلہ حسینی کو دیکھا اور اسے شہادت حسینؓ کی خبر ملی:-

"فبکی یزید حتی کادت نفسہ تفیض و بکی أھل الشام حتی علت اصواتھم-" (ابن قتیبہ، الامامۃ و السیاسۃ، جلد ثانی، ص ۸).

ترجمہ: پس یزید اس قدر رویا کہ جان خطرے میں پڑ گئی- اور اھل شام بھی اس قدر روئے کہ چیخیں نکل گئیں-

ابن سعد کو تین حسینی شرطوں پر مبنی پیش کش کے حوالہ سے یزید کے پاس جانے کی پیش کش کے سلسلہ میں مذکور ہے:-

"أو تسیرنی الی یزید فأضع یدی فی یدہ فیحکم بما یرید-"
(الامامۃ و السیاسۃ، ۲/ ۶).

ترجمہ: یا مجھے یزید کے پاس بھیج دو تاکہ میں اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ دوں پھر وہ جیسا چاہے فیصلہ کر دے-

ان مشہور عالم و ادیب و مؤلف قاضی دینور ابن قتیبہ نے اپنی مستند تصنیف "عیون الاخبار" میں یزید کو انتہائی صابر شخص قرار دیا ہے:-

"کان یزید صبوراً-" (عیون الأخبار لابن قتیبۃ).

ترجمہ:- یزید بہت ہی صابر انسان تھا-

۲۰- مؤرخ اسلام بلاذری (م ۲۷۹ھ/۸۹۲ء)

عظیم عالم و مؤرخ اور "فتوح البلدان" وغیرہ عظیم الشان کتب کے مؤلف، علامہ بلا ذری خانہ کعبہ پر ریشمی دیباجی غلاف چڑھانے والا اول خلیفہ یزید کو قرار دیتے ہیں:-

"اول من کساہ (الکعبۃ المعظمۃ) الدیباج یزید بن معاویۃ-"

(البلا ذری، فتوح البلدان، ص ۴۳ و راجع ایضاً تاریخ الکعبۃ المعظمۃ، ص ۱۵۱)-

ترجمہ: سب سے پہلے جس (خلیفہ) نے اس (کعبہ معظمہ) پر دیباج (اعلی ریشمی کپڑا) کا غلاف چڑھایا وہ یزید بن معاویہ تھے-

بلاذری نے "انساب الاشراف" میں المدائنی کی روایت سے شاعر فضالہ بن شریک کے درج ذیل اشعار نقل کئے ہیں- جن میں یزید کے ساتھ ساتھ مختصر و جامع انداز میں سیدنا معاویہؓ و ابو سفیانؓ کی بھی باوقار و بلامبالغہ مدح موجود ہے:-

اذا ما قریش فاخرت بطرفیها
فخرت بمجد یا یزید تلید
بمجد امیر المؤمنینٌ و لم یزل
ابوک امین اللہ جد رشید

ترجمہ: جب قریش اپنے نجیب الطرفین ہونے پر مفاخرت کریں تو اے یزید آپ کے لئے بھی اپنی قدیم و عظیم خاندانی بزرگی قابل فخر قرار پائے گی-

آپ کے امیر المؤمنین ہونے کی عظمت و بزرگی قابل فخر ہے اور یہ بات بھی کہ آپ کے والد، اللہ کے امین (بحیثیت کاتب وحی) اور جد امجد صاحب رشد وھدایت ہیں-

۲۱- امام شہاب الدین، ابن عبدربہ الاندلسی (م ۳۲۹ھ)

عظیم اندلسی عالم و ادیب اور کئی جلدوں پر مشتمل عالمی شہرت یافتہ علمی و ادبی تصنیف "العقد الفرید" کے مؤلف امام شہاب الدین، ابن عبدربہ نے اس کتاب میں عظیم خطبائے عرب کے خطبات بھی درج کئے ہیں- چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد سیدنا ابوبکر و عمر و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم کے خطبات درج کئے ہیں اور ان کے بعد یزید کی اعلیٰ خطابت کا اعتراف کرتے ہوئے بحیثیت خلیفہ یزید کے بعض خطبات بھی درج ہیں- جو عربی فصاحت و بلاغت اور قرآن و اخلاق پر مبنی کلام کا عمدہ نمونہ ہیں- اس سلسلہ میں ابن عبدربہ کا پیش کردہ ایک خطبہ یزید ملاحظہ ہو:-

"الحمدلله احمده و استعينه و أومن به و اتوكل عليه- و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له-

و أشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريک له و أن محمداً عبده و رسوله، اصطفاه لوحيه و اختاره لرسالته و كتابه و فضله و اعزه و اكرمه و نصره و حفظه، و ضرب فيه الأمثال و حلل فيه الحلال و حرم فيه الحرام- و شرع فيه الدين اعذاراً و انذاراً لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل ويكون بلاغاً لقوم عابدين-

أوصيكم عباد الله بتقوى الله العظيم الذى ابتدأ الامور بعلمه، و اليه يصير معارها و انقطاع مدتها و تصرم دارها- ثم انى احذركم الدنيا فانها حلوة خضرة، حفت بالشهوات و راقت بالقليل و اينعت بالفانى و تحببت بالعاجل، لايدوم نعيمها و لايؤمن فجيعها، أكالة غوالة غرارة لاتبقى على حال، ولا يبقى لها حال- لن تعدوا الدنيا اذا تناهت الى امنية أهل الرغبة فيها و الرضابها أن تكون كما قال الله عز و جل:-

اضرب لهم مثل الحيوة الدنيا كماء انزلناه من السماء فاختلط به نبات الأرض فأصبح هشيماً تذروه الرياح و كان الله على كل شئى مقتدراً-

ونسأل ربنا و الهنا و خالقنا و مولانا أن يجعلنا واياكم من فزع

يومئذ آمنين-

ان أحسن الحديث و أبلغ الموعظة كتاب الله يقول الله به:-

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون-

أعوذ بالله من الشيطن الرجيم- بسم الله الرحمن الرحيم-

لقد جاء كم رسول من أنفسكم عزيز عليه ماعنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف رحيم- فان تولوا فقل حسبى الله لا اله الا هو عليه توكلت وهو رب العرش العظيم-"

(ابن عبدربه، العقد الفريد، جلد ۲، ص ۳۴۸، طبع مصر، ۱۳۵۳ھ)-

ترجمہ:- سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ میں اسی کی حمد و ثناء کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں۔ اسی پر ایمان رکھتا ہوں اور اس پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اور ہم اپنے نفسوں کے شر اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ھدایت دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے تو اس کے لئے کوئی ھدایت دینے والا نہیں۔

نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا و تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور اس بات کی گواہی کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ جنہیں اس نے اپنی وحی کے لئے منتخب کیا اور اپنی رسالت و کتاب و فضیلت کے لئے اختیار فرمایا۔ انہیں عزت و اکرام اور نصرت و حفاظت سے نوازا۔ اور اس (قرآن) میں مثالیں بیان فرمائیں۔ اس میں حلال کو حلال اور حرام کو حرام ٹھہرایا۔

نیز اس میں دین کے شرائع بیان کئے اور اعذار و انذار کئے تاکہ لوگوں کو رسولوں کے آجانے کے بعد اللہ کے خلاف کوئی حجت نہ مل پائے۔ نیز یہ قوم عابدین تک پہنچ جائے۔

اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اس خداوند عظیم کا تقوی اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں جس نے اپنے علم سے امور کی ابتداء فرمائی اور جس کی طرف تمام معاملات لوٹتے ہیں اور اختتام زمانہ و انتہائے مدت امور اسی کی طرف راجع ہے۔ اس کے بعد میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں کیونکہ یہ سرسبز و شیریں ہے، خواہشات سے ڈھکی ہوئی ہے، تھوڑے پر قناعت نہیں کرتی، فانی چیزوں سے انس رکھتی ہے اور عجلت والی چیز کو پسند کرتی ہے۔ جس کی نعمتوں کو دوام نہیں، جس کے حوادث سے امان نہیں۔ یہ برٹپ کر [illegible] جانے والی، مست و ہلاک کر دینے والی اور دھوکہ باز ہے۔ نہ تو اسے کسی ایک حالت پر قرار ہے اور نہ اس کے لئے کوئی حالت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ دنیا خواہ اپنی آخری حد تک پہنچ جائے، وہ دنیا کی رضا و رغبت

رکھنے والوں کی خواہشات کو پورا نہیں کر سکتی۔ اس کی صورت حال ویسی ہی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:۔

(اے پیغمبر!) ان کے لئے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کر دیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی۔ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اسے ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ (الکھف: ۴۵)۔

ہم اپنے رب و مولیٰ اور معبود و خالق سے التجا کرتے ہیں کہ روز قیامت کی پریشانی سے محفوظ رکھے۔

یقیناً بہترین کلام اور بلیغ ترین وعظ و نصیحت اللہ کی کتاب ہے، جس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ:۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ اور خاموشی سے سنو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الاعراف، ۲۰۴)۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

بے شک تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر آ گیا ہے۔ جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے۔ جو تمہاری بھلائی کی حرص رکھتے ہیں۔ پس اگر وہ لوگ پلٹ جائیں تو کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر توکل کیا اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ (التوبہ: ۱۲۸-۱۲۹)۔

۲۲- مؤرخ اسلام ابو الحسن علی المسعودی الشافعی (م ۳۴۶ھ)

مؤرخ اسلام ابو الحسن بن حسین بن علی المسعودی الشافعی نے قسطنطینیہ کے محل وقوع کا ذکر کرتے ہوئے کہ ساحل سمندر سے بجانب الشاطی بیس میل کا چکر کاٹ کر یزید سب سے پہلے اس شہر کا محاصرہ کرنے والا مجاہد تھا، لکھا ہے:۔

"وقد حاصر القسطنطينيه فى الاسلام من هذه العدوة ثلاثة امراء آباؤهم ملوک و خلفاء- اولهم يزيد بن معاوية بن أبى سفيان، والثانى مسلمة بن عبدالملک و الثالث هارون الرشيد بن المهدى-"

(المسعودی، کتاب التنبیه و الاشراف، مطبوعه لندن، ۱۸۹۴ء، ص ۱۳۰)

ترجمہ: اور زمانہ اسلام میں اسی ساحل سمندر سے چل کر تین ایسے امرائے لشکر نے

قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا جن کے آباء خلفاء و بادشاہ تھے۔ ان میں اولین یزید بن معاویہ بن ابی سفیانؓ ہیں، دوسرے مسلمہ بن عبدالملک اور تیسرے ھارون الرشید بن مھدی۔

۲۳۔ علامہ ابن حزم ظاہری اندلسیؒ (م ۴۵۶ھ)

مشہور محدث و فقیہ و مؤرخ اور "کتاب الملل و النحل" سمیت متعدد عظیم الشان کتب کے مصنف علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی نے شرعی امامت و خلافت کے سلسلہ میں طویل بحث فرمائی ہے۔ اور سیدنا معاویہؓ کی جانب سے یزید کی ولیعھدی کو شرعاً درست قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس میں سے اول اور افضل و صحیح ترین صورت یہ ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی پسند سے کسی کو ولی عھد نامزد کر دے۔ چاہے یہ نامزدگی حالت صحت میں ہو، بیماری کی حالت میں ہو یا عین مرنے کے وقت ہو۔ اس کے عدم جواز پر نہ کوئی نص ہے نہ اجماع۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ اور ابو بکرؓ نے عمرؓ کو، اور جس طرح سلیمان بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز کو نامزد کیا۔ یہ صورت ہمارے نزدیک مختار و پسندیدہ اور اس کے علاوہ دوسری صورتیں ناپسندیدہ ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں امت کا اتحاد اور امور اسلام کا انتظام قائم رہتا ہے۔ نیز اختلاف اور شور شرابے کا خوف نہیں رہتا۔ اس کے برعکس دوسری صورتوں میں یہ متوقع ہے کہ ایک خلیفہ کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد امت میں انارکی اور امور شریعت میں انتشار پیدا ہو جائے۔ اور حصول خلافت کی کوشش لوگوں کے اندر طمع کے جذبات پیدا کر دے۔"

(ابن حزم، الفصل فی الملل والاھواء والنحل، جلد ۴، ص ۱۶۹)

ابن حزم، یزید کو امیر المؤمنین قرار دیتے ہوئے ہاشمی النسب صحابی رسول سیدنا عبدالمطلبؓ بن ربیعہ کی ان کے حق میں وصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"عبدالمطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبدالمطلب بن هاشم- صحابى انتقل الى دمشق وله بهادار- فلما مات أوصى الى يزيد بن معاوية وهو امير المؤمنين و قبل وصيته-" (ابن حزم، جمهرة الانساب، ص ٦٣) -

ترجمہ: عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن ہاشم صحابی ہیں۔ آپ

دمشق منتقل ہو گئے تھے اور وہاں آپ کا مکان بھی تھا۔ پس جب آپ کی وفات ہوئی تو یزید بن معاویہ کو جو اس وقت امیر المؤمنین تھا، اپنا وصی و وارث بنا گئے اور اس نے آپ کی وصیت کو قبول کر لیا۔

ابن حزم نے ذکر کیا ہے کہ یزید بن معاویہؓ ۵۳ھ میں تیسری مرتبہ امیر حج کی حیثیت سے حجاز گئے تو سیدنا حسینؓ کے بہنوئی اور چچازاد (شوہر سیدہ زینبؓ) سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب کی بیٹی سیدہ ام محمد سے شادی کی (جمہرۃ الانساب لابن حزم، ص ۶۲)۔ جو یزید کی شخصیت کے باوقار و معتبر ہونے کی دلیل ہے۔

نیز یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یزید کی پھوپھی زاد بہن سیدہ آمنہ بنت میمونہ بنت ابی سفیان (والدہ علی اکبر) زوجہ حسین تھیں۔ (جمہرۃ الانساب لابن حزم، ص ۲۵۵، والطبری، ج ۱۳، ص ۱۹)

اور اگر یزید کی پھوپھی ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ کے رشتہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یزید کے پھوپھا ہیں، تو یزید کا داماد ابن جعفر ہونا اور اس کی پھوپھی زاد بہن کا زوجہ حسینؓ ہونا ان سب کے قریشی النسب ہونے نیز دیگر قرابتوں کی بناء پر کیونکر غلط قرار دیا جاسکتا ہے؟

۲۴- حجتہ الاسلام امام غزالی شافعیؒ (م ۵۰۵ھ، طوس، ایران)

آئمہ اربعہؒ کے بعد عظیم و معروف ترین امام اھل سنت و تصوف، امام ابو حامد غزالی جن کی دیگر تصانیف کے علاوہ کئی جلدوں پر مشتمل "احیاء علوم الدین" علوم قرآن و سنت و تصوف و معرفت کا خزینہ اور صدیوں سے لازوال و بے مثال ہے، آج سے نو سو سال پہلے شافعی فقیہ عماد الدین الکیاھراسی کے استفتاء کے جواب میں یزید کے بارے میں تفصیلی فتویٰ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"ویزید صح اسلامه و ما صح قتله الحسین ولا أمره به ولا رضی به- و مهما لایصح ذلک منه لایجوز أن یظن ذلک به فان اساءة الظن بالمسلم ایضاً حرام-

و قد قال الله تعالیٰ: اجتنبوا کثیراً من الظن، ان بعض الظن اثم-

و قال النبی صلی الله علیه وسلم:-

ان الله حرم من المسلم دمه و ماله و عرضه و أن یظن به ظن السوء-

و من زعم أن يزيد أمر بقتل الحسين أو رضی به فينبغی أن يعلم به غاية الحماقة- فان من قتل من الأكابر و الوزراء و السلاطين فی عصره لو اراد أن يعلم حقيقته، من الذی أمر بقتله و من الذی رضی به و من الذی كرهه لم يقدر علی ذلک- و ان كان الذی قد قتل فی جواره و زمانه وهو يشاهده، فكيف لوكان فی بلد بعيد و زمن قديم قد انقضیٰ عليه قريب من أربعمائة سنة فی مكان بعيد وقد تطرق التعصب فی الواقعة فكثرت فيها الأحاديث من الجوانب- فهذا الأمر لا يعلم حقيقته أصلاً- واذا لم يعرف وجب احسان الظن بكل مسلم يمكن الظن به-

وأما الترحم عليه فجائز بل هو مستحب بل هو داخل فی قولنا فی كل صلاة: اللهم اغفر للمؤمنين و المؤمنات- فانه كان مؤمنا-

والله اعلم:- كتبه:- الغزالی-"

(ابن خلکان، وفيات الأعيان، طبع مصر، جلد اول، ص ۳۶۵)

ترجمہ:- یزید صحیح الاسلام ہے اور یہ صحیح نہیں کہ اس نے حسینؓ کو قتل کرایا یا اس کا حکم دیا یا اس پر رضامندی ظاہر کی- پس جب یہ قتل اس تک پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا تو پھر یہ جائز نہیں کہ اس کے بارے میں ایسا گمان رکھا جائے کیونکہ کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی رکھنا بھی حرام ہے-

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:- بہت زیادہ گمان کرنے سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں-

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:- مسلمان کا خون، اس کا مال، اس کی عزت و آبرو اور اس کے بارے میں بدگمانی رکھنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے-

اور جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا یا اس پر راضی ہوا تو جان لینا چاہیے کہ وہ پرلے درجے کا احمق ہے- کیونکہ اکابر و وزراء و سلاطین میں سے جو لوگ بھی اپنے اپنے زمانے میں قتل ہوئے، اگر ان کے بارے میں وہ یہ حقیقت جاننا چاہے کہ کس نے ان کے قتل کا حکم دیا، کون اس پر راضی ہوا، اور کس نے اسے ناپسند کیا، تو وہ شخص اس پر ہرگز قادر نہ ہوگا- اگرچہ وہ قتل اس کے زمانے، اس کے پڑوس اور اس کی موجودگی میں ہوا ہو-

تو پھر اس واقعہ کی حقیقت تک کیونکر رسائی ہوسکتی ہے جو ایک دور کے شہر اور قدیم زمانہ میں گزرا ہے- پس اس واقعہ کی حقیقت کا کیونکر پتہ چل سکتا ہے جس پر چار سو برس کی

طویل مدت دور دراز کے مقام پر گزر چکی ہے۔ اور صورتحال یہ ہو کہ اس واقعہ کے بارے میں تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہو۔ جس کی بناء پر اس کے بارے میں (مختلف فرقوں کی جانب سے) کثرت سے (متضاد) روایتیں مروی ہوں۔ پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی صحیح حقیقت کا ہر گز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت کا پتہ نہیں چلایا جاسکتا تو پھر ہر مسلمان کے ساتھ جہاں تک ممکن ہو حسن ظن رکھنا واجب ہے۔

اور جہاں تک اسے "رحمۃ اللہ علیہ" کہنے کا تعلق ہے تو یہ جائز بلکہ مستحب ہے بلکہ وہ تو ہماری ہر نماز کے قول:- "اے اللہ مؤمنین و مومنات کی مغفرت فرما۔" میں شامل و داخل ہے کیونکہ وہ مومن تھا۔ واللہ اعلم۔ اس فتوی کو غزالی نے تحریر کیا۔"

علامہ ابن کثیر دمشقی نے بھی فقیہ عماد الدین الکیاھراسی کے اس استفتاء کے حوالہ سے فتوی غزالی کے بارے میں لکھا ہے:۔

"و منع من شتمه ولعنه لأنه مسلم و لم يثبت بأنه رضى بقتل الحسين- و اما الترحم عليه فجائز بل مستحب بل نحن نترحم عليه فى جملة المسلمين و المؤمنين عموماً فى الصلاة-"

(ابن كثير، البداية و النهاية، جلد ۱۲، ص ۱۷۳)

ترجمہ:- اور امام غزالی نے یزید کو برا کہنے اور لعن طعن کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان ہے اور یہ بات ثابت نہیں کہ وہ قتل حسینؓ پر راضی تھا۔ اور جہاں تک اسے "رحمۃ اللہ علیہ" کہنے (دعائے رحمت کرنے) کا تعلق ہے تو وہ جائز بلکہ مستحب ہے بلکہ ہم تمام مؤمنین و مسلمین کے لئے نماز میں عمومی دعائے رحمت میں اس کے لئے بھی دعائے رحمت کررہے ہوتے ہیں۔

۲۵- قاضی عیاض مالکیؒ (م ۵۴۴ھ)

قاضی عیاض مالکی جو کتاب "الشفاء" اور دیگر متعدد کتب کے مصنف، عظیم الشان فقیہ و مفتی و سیرت نگار ہیں، اس حدیث نبوی کی تشریح فرماتے ہیں جس میں بارہ قریشی خلفاء کے زمانہ تک اسلام کے بخیریت قائم و دائم و غالب رہنے اور امت کے خلفاء پر متفق رہنے کا ذکر ہے۔ (بخاری کتاب الاحکام، باب الاستخلاف، و مسلم کتاب الامارۃ باختلاف اللفظ، و ابو داؤد و طبرانی و مستدرک حاکم)۔

"مشکاۃ المصابیح" میں یہ حدیث یوں مروی ہے:-

"عن جابر بن سمرة قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشر خلیفة کلهم من قریش-

وفی روایة:- لا یزال امر الناس ماضیاً ما ولیهم اثنا عشر رجلا کلهم من قریش.

وفی روایة: لا یزال الدین قائماً حتی تقوم الساعة اویکون علیهم اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش- (متفق علیه، مشکاۃ المصابیح، باب مناقب قریش)

ترجمہ:- جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ: اسلام بارہ خلفاء تک قوی و غالب رہے گا جو سب قریش میں سے ہوں گے۔

اور ایک دوسری روایت کے مطابق: لوگوں کا معاملہ (درست) چلتا رہے گا جب تک ان پر بارہ آدمی حاکم رہیں گے۔ جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

ایک اور روایت میں ہے: دین قائم و دائم رہے گا جب تک قیامت برپا نہ ہو یا جب تک بارہ خلفاء لوگوں پر حکمران رہیں گے جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

اس حدیث کے حوالہ سے محقق اسلام علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:-

علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی۔ اور وہ متقی تھے۔ حافظ ابن حجر، ابو داؤد کے الفاظ کی بناء پر خلفائے راشدین اور بنو امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گنواتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجماع رہا۔

یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی، ھشام۔" (سیرۃ النبی، ۳/۶۰۴)

۲۶- قاضی ابو بکر ابن العربی (م ۵۴۶ھ)

امام غزالی کے شاگرد اور عظیم فقیہ و مصنف جن کی کتاب "العواصم من القواصم" عالمی شہرت یافتہ ہے، یزید کی عظمت و اعلیٰ کردار کا دفاع کرتے ہوئے ذکر فرماتے ہیں کہ امام

احمد بن حنبل نے ان کا تذکرہ صحابہؓ کے بعد اور دیگر تابعین سے پہلے اپنی کتاب "الزھد" میں کیا ہے۔ (واضح رہے کہ موجود کتاب الزھد میں یہ تذکرہ موجود نہیں مگر قاضی ابوبکر کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ چھٹی صدی ھجری تک اسے کتاب سے حذف کرنے کی سازش کامیاب نہیں ہوئی تھی۔)

قاضی ابوبکر ابن العربی یزید کے سلسلہ میں امام احمدؒ کی کتاب الزھد میں تذکرہ یزید کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"و ھذا یدل علی عظیم منزلتہ (ای یزید) عندہ حتی یدخلہ فی جملۃ الزھاد من الصحابۃ و التابعین الذین یقتدی بقولھم و یرعوی من وعظھم۔ و نعم و ما ادخلہ الا فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الی ذکر التابعین۔ فأین ھذا من ذکر المؤرخین لہ فی الخمر و انواع الفجور ألایستحیون؟"
(قاضی ابوبکر ابن العربی، العواصم من القواصم، ص ۲۳۳)۔

ترجمہ:۔ اور یہ اس (یزید) کی ان (امام احمد) کے نزدیک عظیم قدر و منزلت کی دلیل ہے کہ اسے ان جملہ زھاد صحابہؓ و تابعین کے زمرہ میں داخل و شمار کیا ہے جن کے قول کی پیروی کی جاتی ہے اور جن کے وعظ سے نصیحت پکڑی جاتی ہے۔ اور ہاں انہوں نے اس (یزید) کا ذکر دیگر تابعین کا ذکر شروع کرنے سے پہلے جملہ صحابہ کرامؓ کے زمرہ میں کیا ہے۔

پس کہاں یہ مقام اور کہاں مؤرخین کا اس کے بارے میں شراب نوشی اور مختلف قسم کے فسق و فجور کے الزامات کا ذکر کرنا۔ کیا ان لوگوں کو شرم نہیں آتی؟

۲۷۔ شیخ عبد المغیث بن زھیر الحربی الحنبلی (م ۵۸۳ھ)

بغداد کے عظیم حنبلی محدث و عالم شیخ عبد المغیث بن زھیر حربی حنبلی نے یزید کی حمایت و فضیلت میں ایک اہم کتاب تصنیف کر کے مخالفین یزید کے دلائل کا رد فرمایا تھا۔ ابن کثیر ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"کان من سنحاء الحنابلۃ و کان بزاراً. و لہ مصنف فی فضل یزید بن معاویۃ أتی فیہ بالغرائب و العجائب." (ابن کثیر، البدایۃ و النھایۃ، ج۱۲، ص ۳۳۸)۔

ترجمہ: وہ (شیخ عبد المغیث) حنبلی صالحین میں سے مرجع خلائق تھے۔ اور وہ کپڑوں کے

تاجر تھے۔ ان کی یزید بن معاویہ کی فضیلت میں ایک تصنیف ہے جس میں انہوں نے بہت سے حیرت انگیز، عجیب و غریب حالات بیان فرمائے ہیں۔

۲۸۔ امام مجد الدین عبد السلام ابن تیمیہؒ الحرانی (م ۶۵۲ھ)

احادیث احکام پر مشتمل نفیس تالیف "منتقی الأخبار" کے مؤلف اور جلیل القدر عالم و محدث مجد الدین عبد السلام بن تیمیہ الحرانی (م ۶۵۲ھ) مشہور امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کے جد امجد ہیں۔ ان کے حوالہ سے امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:۔

"و بلغنی أیضاً أن جدنا ابا عبد الله بن تیمیة سئل عن یزید فقال:۔ لا تنقص وَ لا تزید۔ و هذا أعدل الاقوال فیه و فی امثاله و أحسنها۔" (فتاوی ابن تیمیه، جلد ۴، ص ۴۸۳)

ترجمہ: اور مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ ہمارے جد امجد ابو عبداللہ بن تیمیہ سے یزید کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:۔ نہ اس کا مقام گھٹاؤ اور نہ بڑھاؤ۔

اور یہ (میرے نزدیک) یزید اور اس جیسے دوسرے لوگوں کے سلسلہ میں سب سے بہتر و متوازن بات ہے۔

۲۹۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ حنبلی حرانی (م ۷۲۸ھ)

آئمہ اربعہؒ (امام ابو حنیفہ و مالک و شافعی و احمد) کے بعد امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کی طرح امام ابن تیمیہ بھی آئمہ اهل سنت میں سرفہرست اور عالمی شہرت یافتہ ہیں۔ جنہوں نے سقوط بغداد (۶۵۶ھ) کے بعد کے دورِ زوال اور یورش تاتار میں چراغ اهل سنت کو روشن و غالب رکھا، اور بحیثیت محدث و مفسر، مجتہد و متکلم اور مجاہد و مؤلف ان کی علمی و دینی خدمات کیفیت و کمیت ہر دو لحاظ سے منفرد و لازوال نیز پورے عالم اسلام میں مقبول و معروف ہیں۔ ان کی ان خدمات کا ایک اہم اور عظیم الشان پہلو امت مسلمہ پر رفض و تشیع کے افکار و اثرات کا دلائل قاطعہ کے ساتھ خاتمہ ہے۔ جس میں ان سے پہلے کی سات صدیوں اور ان کے بعد کی سات صدیوں میں ان کی حیثیت ایک ایسے منفرد منارہ نور کی ہے جو چودہ سو سالہ تاریخ اسلام میں رفض و سبائیت کی تاریکیوں کو سنت و حقیقت کی ضیاء پاشیوں سے ختم کرنے کا باعث

ہے۔ چنانچہ بنو امیہ، یزید، تشیع اور واقعہ کربلا کے حوالہ سے بھی ان کی عظیم الشان تصانیف انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ بالخصوص ایک شیعہ رافضی ابن المطہر حلی کی "منہاج الکرامہ" کے رد و جواب میں ان کی "منہاج السنہ" جیسی چار جلدوں پر مشتمل ضخیم و عظیم کتاب لاجواب و نادر المثال ہے۔ اسی سلسلہ میں ان کی دیگر تصانیف مثلاً "رأس الحسین"، "الوصیتہ الکبریٰ" وغیرہ بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان قریش کی اموی شاخ جس سے ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ کا تعلق تھا، کے بارے میں لکھتے ہیں کہ نہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چار میں سے تین صاحبزادیوں (سیدہ زینبؓ زوجہ ابو العاص امویؓ، وسیدہ رقیہؓ و ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے زوجہ سیدنا عثمان امویؓ) کی شادیاں بنی امیہ میں کیں بلکہ انہیں اعلیٰ مناصب پر بھی فائز کیا:-

وکان بنو امیة اکثر القبائل عملاً للنبی صلی الله علیه وسلم فانه لما فتح مکة استعمل علیها عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیة- و استعمل خالد بن سعید بن ابی العاص بن امیة و اخویه ابان و سعید علی اعمال اخر- و استعمل ابا سفیان بن حرب و ابنه یزید و مات علیها- و صاهر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بناته الثلاث لبنی امیة-"

(ابن تیمیة، منهاج السنة، ج ۲، ص ۱۴۵)

ترجمہ:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال میں دیگر قبائل کی نسبت بنو امیہ کی تعداد زیادہ تھی، پس جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے عتاب بن اسید بن ابی العاصؓ کو وہاں کا عامل (گورنر) مقرر فرمایا اور خالد بن سعید بن ابی العاص اور ان کے دو بھائیوں ابان اور سعید کو دیگر علاقوں کا والی مقرر کیا۔ نیز ابو سفیان اور ان کے بیٹے یزید کو بھی عامل مقرر فرمایا جو آپ کی وفات تک اس منصب پر فائز رہے۔ نیز نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تین بیٹیوں کی شادیاں بھی بنو امیہ میں کیں۔

سیدنا ابو بکر و عمر و عثمان و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم کی شرعی امامت و خلافت کے ساتھ ساتھ یزید کی امامت و خلافت کی شرعی و عملی حیثیت کے بارے میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

"و کذلک الخلفاء الثلاثة و معاویة تولوا علی جمیع بلاد المسلمین- و علی رضی الله عنه لم یتول علی جمیع بلاد المسلمین- فیکون الواحد

من هؤلاء اماماً بمعنى انه كان سلطاناً و معه السيف يولى و يعزل و يعطى و يحرم و يحكم و ينفذ و يقيم الحدود و يجاهد الكفار ويقسم الأموال- و هذا امر مشهور و متواتر لا يمكن جحده-

و هذا معنى كونه اماماً و خليفة و سلطاناً كماأن امام الصلاة هوالذى يصلى بالناس، فاذا رأينا رجلاً يصلى بالناس كان القول بأنه امام امراً مشهوداً محسوساً لا تمكن المكابرة فيه- وأما كونه براً أو فاجراً أو مطيعاً أو عاصياً فذلك أمر آخر- فأهل السنة اذا اعتقدوا امامة الواحد من هؤلاء، يزيد أو عبدالملک أو المنصور أو غيرهم كان بهذا الاعتبار-

و من نازع فى هذا فهوشبيه بمن نازع فى ولاية ابى بكرؓ و عمر و عثمان و ملك كسرى و قيصر و النجاشى وغيرهم من الملوک-"

(ابن تيميه، منهاج السنة، ج ۲، ص ۲۳۰)-

ترجمہ:- اور اسی طرح خلفاء ثلاثہ (ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) اور معاویہؓ مسلمانوں کے تمام علاقوں پر حکمران رہے جبکہ علی کی حکومت تمام مناطق مملکت پر نہیں رہی- پس ان میں سے ہر ایک اس معنی میں امام تھا کہ اس کو اقتدار اور قوت شمشیر حاصل تھی- وہ والی مقرر و معزول کرتا تھا، عطا کرنے اور محروم کرنے کا اختیار رکھتا تھا- فیصلے کرتا اور انہیں نافذ کرتا تھا- شرعی حدود قائم کرتا اور کفار سے جہاد کرتا تھا اور اموال تقسیم کرتا تھا- اور یہ سب باتیں مشاہدہ اور تواتر سے اس طرح معلوم ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا-"

اور یہی ان میں سے ہر ایک کے امام و خلیفہ و سلطان ہونے کا مطلب ہے- بالکل اسی طرح جس طرح کہ امام نماز وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے- پس جب ہم کسی شخص کو لوگوں کو نماز پڑھاتے دیکھیں تو یہ کہنا کہ وہ امام ہے ایسا امر مشہود و محسوس ہے جس میں بحث و تکرار کی گنجائش نہیں- اور جہاں تک اس کے نیک یا بد، اطاعت گزار یا نافرمان و گنہ گار ہونے کا تعلق ہے تو یہ ایک علیحدہ معاملہ ہے- پس اہل سنت جب ان (حکمرانوں) میں سے کسی ایک مثلاً یزید، عبد الملک یا منصور یا دیگر حضرات کی امامت پر اعتقاد رکھتے ہیں تو وہ اس اعتبار سے ہے-

اور جو کوئی اس معاملے میں نزاع پیدا کرے تو وہ اس بات سے مشابہ ہے کہ جس طرح کوئی ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی حکمرانی کے بارے میں نزاع پیدا کرے- یا قیصر و کسریٰ و نجاشی وغیرہ بادشاہوں کے حکمران ہونے کو تسلیم نہ کرے-

اس بیان کی رو سے یزید کا بالفعل، امام و خلیفہ و سلطان ہونا ناقابل تردید اور اظہر من

الشمس ہے۔ اور چونکہ امام نماز کی طرح وہ امام و خلیفۃ المسلمین ہے۔ لہذا برو فاجر اور مطیع و عاصی کی بحث سے قطع نظر وہ ایک مسلمان امام و خلیفہ ہے جسے کم و بیش پورے عالم اسلام کی بیعت کی شرعی تائید بھی حاصل تھی۔

امام ابن تیمیہ یزید کے بارے میں مزید فرماتے ہیں:۔

"وكان من شبان المسلمين ولا كان كافراً ولا زنديقاً و تولى بعد أبيه على كراهة من بعض المسلمين و رضا من بعضهم- و كان فيه شجاعة و كرم و لم يكن مظهراً للفواحش كما يحكى عنه خصومه-"

(ابن تيميه، الوصية الكبرى)

ترجمہ:۔ اور وہ (یزید) مسلم نوجوانوں میں سے تھا۔ نہ تو وہ کافر تھا نہ زندیق۔ اس نے اپنے والد کے بعد منصب خلافت سنبھالا جسے بعض مسلمانوں نے ناپسند کیا اور دوسروں نے اس پر رضامندی ظاہر کی۔ اس کی ذات میں شجاعت و مہربانی کی صفات تھیں۔ اور اس میں وہ برائیاں نہیں پائی جاتی تھیں جو اس کے دشمن اس سے منسوب کر کے بیان کرتے ہیں۔

کردار یزید پر تنقید کرنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"ولم يكن أحد اذ ذاك يتكلم فى يزيد بن معاوية ولا كان الكلام فيه من الدين- ثم حدثت بعد ذلك اشياء فصار قوم يظهرون لعنة يزيد بن معاوية- و ربما كان غرضهم بذلك الطرق الى لعنة غيره-"

(ابن تيميه، الوصية الكبرى، ص ۳۰۰)۔

ترجمہ:۔ اس وقت (واقعہ کربلا) تک کوئی شخص بھی یزید بن معاویہ کی ذات کے بارے میں کوئی بات نہ کہتا تھا۔ اور نہ اس کے بارے میں بات کرنا جزو دین سمجھا جاتا تھا۔ پھر اس کے بعد کئی واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ پس ایک گروہ یزید بن معاویہ پر علی الاعلان لعنت کرنے لگا۔ اور اس سے ان کا زیادہ تر مقصد یہ تھا کہ ان کے علاوہ دیگر حضرات (صحابہؓ) پر لعنت کا راستہ کھولا جائے۔

یزید سے پہلے سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت کے حوالہ سے ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

"فان الثلاثة اجتمعت الأمة عليهم فحصل بهم مقصود الامامة و قوتل بهم الكفار و فتحت بهم الأمصار-

و خلافة على لم يقاتل فيها كافر ولا فتح مصر و انما كان السيف

بين اهل القبلة-" (ابن تيميه، منهاج السنة، ج١، ص ١٣٥).

ترجمہ:- (ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) تینوں پر امت کا کامل اجماع تھا- اور اس طرح ان کے ذریعے امامت کا مقصود حاصل ہو گیا- پس ان کی امامت و خلافت میں کفار کے ساتھ جہاد و قتال کیا گیا اور شہروں کو فتح کیا گیا-

جبکہ علی کی خلافت میں نہ تو کسی کافر کے ساتھ قتال و جہاد کیا گیا اور نہ ہی کوئی علاقہ فتح کیا گیا- بلکہ تلوار اہل قبلہ (مسلمانوں) کے درمیان ہی چلتی رہی-

پس اس بیان کی رو سے سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت جو اجماع امت یعنی امت کے کامل اتفاق رائے سے منعقد ہوئی، اس میں فتح و جہاد کا سلسلہ جاری رہا- اور سیدنا علیؓ کی کثرت رائے سے منعقدہ امامت و خلافت راشدہ میں فتح و جہاد کے بجائے مسلمانوں میں باہم خانہ جنگیاں ہوتی رہیں- ان افسوسناک خانہ جنگیوں کی ذمہ داری کے تعین سے قطع نظر اس کا جو نتیجہ نکلا اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

لم يظهر فی خلافته دين الاسلام بل وقعت الفتنة بين اهله و طمع فيهم عدوهم من الكفار و النصاری و المجوس بالشام و المشرق-"

(ابن تيميه، منهاج السنة، ج ٢، ص ١٣٨)

خلافت علی میں دین اسلام کو قوت و شوکت حاصل نہ ہو پائی بلکہ اہل اسلام کے مابین فتنہ برپا ہوا اور ان کے دشمن کفار و نصاریٰ و مجوس میں شام اور مشرقی ممالک میں مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی طمع اور حوصلہ پیدا ہونے لگا-

بقول ابن تیمیہ سیدنا علیؓ کو بے بس کرنے میں ان کے اعوان و انصار اہل کوفہ و عراق کے کرتوتوں کا بڑا دخل تھا، جبکہ سیدنا معاویہؓ کے اعوان و انصار اہل شام ان کے پوری طرح اطاعت گزار تھے:-

وكان علی عاجزاً عن قهر الظلمة من العسكريين و لم تكن أعوانه يوافقونه علی ما يأمربه- و أعوان معاوية يوافقونه-"

(ابن تيميه، منهاج السنة، ج ٢، ص ٣٠٢)-

ترجمہ:- علیؓ اپنے فوجی ظالموں کے قہر و غلبہ سے عاجز تھے- ان کے اعوان و انصار ان کے احکام کی موافقت و تعمیل نہیں کرتے تھے جبکہ معاویہؓ کے اعوان و انصار ان کی موافقت و اطاعت کرتے تھے-

چنانچہ سیدنا حسنؓ بن علیؓ ہمیشہ سیدنا علی کو صلح و مصالحت کا مشورہ دیتے تھے اور بالآخر

خود سیدنا معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے:۔

"وکذلک الحسن دائماً کان یشیر علی أبیه و أخیه بترک القتال و لما صار الأمر الیه ترک القتال و اصلح الله بین الطائفتین المقتتلتین- و علی فی آخر الأمر تبین له أن المصلحة فی ترک القتال اعظم منها فی فعله-" (ابن تیمیه، منهاج السنة، ۲ / ۲۳۳)-

ترجمہ: اور اسی طرح حسن ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو جنگ و جدال کے ترک کر دینے کا مشورہ دیتے تھے۔ جب حکومت ان کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے جنگ ترک کر دی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں برسر جنگ گروہوں کے درمیان ان کے ذریعے صلح کرا دی۔ اور حضرت علی پر بھی بالاخر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ لڑائی جاری رکھنے کی نسبت قتال ترک کر دینے میں مصلحت (مفاد امت کی خاطر) عظیم تر ہے۔

امام ابن تیمیہ کے ان تمام تر بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت اجماع امت کی رو سے ثابت شدہ اور عملاً بھی فتح و جہاد کے تسلسل سمیت بطور مجموعی کامل و اکمل ہے۔ جبکہ سیدنا علیؓ کی امامت و خلافت راشدہ، اجماع امت کے بجائے کثرت رائے سے منعقد شدہ اور فتح و جہاد کے انقطاع نیز باہم خانہ جنگیوں کے باوجود درست و تسلیم شدہ ہے۔اسی طرح سیدنا حسنؓ کی دستبرداری کے بعد سیدنا معاویہؓ کی امامت و خلافت بھی فرق حفظ مراتب کے ساتھ اجماع امت سے منعقد شدہ اور فتح و جہاد سمیت عملی لحاظ سے کامل غلبہ و اقتدار کی حامل ہے۔ اور ان کے بعد یزید کی امامت و خلافت بھی نہ صرف عملاً منعقد و ثابت ہے بلکہ شرعی لحاظ سے بھی بعض کے ناپسند کرنے کے باوجود کم و بیش پورے عالم اسلام کی تائید و بیعت سے منعقد شدہ اور درست ہے۔ اور یزید و خلافت یزید کے سلسلہ میں دشمنان بنو امیہ کی جانب سے جو کچھ منفی پروپیگنڈہ جاری و ساری ہے اس میں روافض کے کذب و افتراء کا وافر حصہ شامل ہے۔ جن کے اقوال کے بارے میں علماء امت کی رائے یوں ہے:۔

"ان العلماء کلهم متفقون علی أن الکذب فی الرافضة اظهر منه فی سائر طوائف أهل القبلة-" (ابن تیمیه، منهاج السنة، ص ۱۵)-

ترجمہ: تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ روافض میں کذب بیانی اہل قبلہ کے تمام گروہوں سے زیادہ ظاہر و نمایاں ہے۔

چنانچہ یزید پر قتل حسینؓ کے الزام کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"ولم یأمر ھو بقتل الحسین ولا اظھر الفرج بقتله- ولا نکت بالقضیب علی ثنایاہ ولا حمل رأس الحسین الی الشام لکن أمر بمنع الحسین و بدفعه عن الأمر ولوکان بقتاله-" (ابن تیمیه، الوصیة الکبری)-

ترجمہ:- اس (یزید) نے نہ تو قتل حسین کا حکم دیا اور نہ اس پر اظہار مسرت کیا- نہ اس نے ان کے (کٹے ہوئے سر کے) دانتوں پر چھڑی لگائی اور نہ ہی حسین کا سر شام لے جایا گیا- البتہ اس نے حسین کو (کوفہ میں داخل ہونے سے) روکنے اور اس معاملہ سے باز رکھنے کا حکم دیا تھا خواہ اس کے لئے لڑائی کرنا پڑے-

لیکن امام ابن تیمیہ سمیت تمام اکابر امت کے نزدیک چونکہ آخر وقت میں سیدنا حسینؓ نے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیش کش فرما کر خروج عن الجماعت کے موقف سے رجوع فرمالیا تھا، اس لئے لڑائی کی نوبت آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا- اور یزید کو مطلع کئے بغیر نیز امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کے مشورے کے برخلاف ابن زیاد نے پہلے اپنی بیعت کی شرط رکھ کر جو اقدام کیا، اس سے یزید قطعاً بری الذمہ ہے- حتیٰ کہ سیدنا حسینؓ کا سر مبارک دربار یزید میں پہنچائے جانے کی روایت کو دلائل سے رد کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

"وقد روی باسناد مجھول انه کان ھذا قدام یزید- و أن الراس حمل الیه- و انه ھوالذی نکت علی ثنایاہ- و ھذا مع انه لم یثبت ففی الحدیث ما یدل علی أنه کذب- فان الذین حضروا نکته بالقضیب من الصحابة لم یکونوا بالشام و انما کانوا بالعراق-"

(راجع ابن تیمیه، منھاج السنة، جلد ۲، ص ۳۲۱ و مابعد)-

ترجمہ:- اور مجہول سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ یہ سر کالانا یزید کے سامنے ہوا- اور وہی ہے جس نے سر کے دانتوں پر چھڑی لگائی- مگر یہ بات نہ صرف ثابت نہیں ہو پائی بلکہ اس روایت کے متن میں بھی وہ دلیل موجود ہے جو اسے جھوٹا ثابت کرتی ہے- کیونکہ صحابہ میں سے جن حضرات کی موجودگی میں دانتوں پر چھڑی لگانے کا ذکر ہے، وہ شام میں نہیں بلکہ عراق میں رہتے تھے-

اس سلسلہ میں اپنے رسالہ "رأس الحسین" میں فرماتے ہیں:-

"فمن نقل انه نکت بالقضیب ثنایاہ بحضرة أنس و أبی برزة قدام یزید فھو کاذب کذباً معلوماً بالنقل المتواتر-" (ابن تیمیة، رأس الحسین، ص ۱۸)-

ترجمہ:- جس نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حسین کے دانتوں کو چھڑی کی نوک سے چھوا گیا- جبکہ حضرت انس (بن مالک) اور ابی برزہ (اسلمی) بھی یزید کے سامنے موجود تھے تو وہ ایسا کذاب ہے جس کا جھوٹ نقل متواتر سے معلوم ہے-

سیدنا حسین کو ابتدائی مراحل میں اھل کوفہ کے بھروسے پر خروج سے باز رکھنے کے سلسلہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس و ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام وغیرہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کی جانب اشارہ فرمانے کے بعد ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

"فتبین أن الأمر علی ما قال له اولئک، اذ لم یکن فی الخروج مصلحة فی الدین ولا فی الدنیا بل تمکن اولئک الظلمة الطغاة من سبط رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی قتلوه مظلوماً شهیداً- و کان خروجه و قتله من الفساد مالم یکن یحصل لو قعد فی بلده-"

(ابن تیمیه، منهاج السنة، جلد ۲، ص ۲۴)-

ترجمہ:- پس یہ بات واضح ہو گئی کہ معاملہ اسی طرح تھا جس طرح ان صحابہ نے (حسین کو روکتے ہوئے) رائے ظاہر فرمائی تھی- کیونکہ خروج میں نہ تو کوئی دینی فائدہ تھا اور نہ دنیاوی بھلائی- بلکہ الٹا اس کی وجہ سے ظالموں سرکشوں کو نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قابو پانے کا موقع مل گیا- یہاں تک کہ آپ کو اس حال میں قتل کر دیا کہ آپ شہید مظلوم قرار پائے- آپ کا خروج اور قتل ایسے فساد کا باعث بنا جو (کوفہ آنے کے بجائے) آپ کے اپنے شہر میں مقیم رہنے کی صورت میں رونما نہ ہوتا-

ابن تیمیہ مزید فرماتے ہیں:-

فان ما قصده من تحصیل الخیر و دفع الشر لم یحصل منه شئی بل زاد الشر بخروجه و قتله و نقص الخیر بذلک- و صار سبباً لشر عظیم- و کان قتل الحسین مما أوجب الفتن کما کان قتل عثمان مما أوجب الفتن-" (ابن تیمیه، منهاج السنة، جلد ثانی، ص ۳۱۲ الخ)-

ترجمہ: پس انہوں نے اپنے خروج سے جس حصول خیر اور دفع شر کا ارادہ فرمایا تھا، اس میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا- بلکہ ان کے خروج اور قتل سے شر میں اضافہ ہوا، اور خیر میں کمی واقع ہوئی- اور یہ قصہ ایک شر عظیم کا سبب بن گیا- چنانچہ قتل حسین اسی طرح فتنوں کا موجب بن گیا جس طرح قتل عثمان سے فتنے اٹھے تھے-

بقول ابن تیمیہ یزید نہ صرف قتل حسینؓ سے بری ہے بلکہ اس نے اس پر اظہار غم

کرتے ہوئے ابن زیاد پر اس بناء پر لعنت بھیجی اور اہل قافلہ کا اکرام کیا:۔

"متعدد لوگوں کی روایت ہے کہ یزید نے نہ قتل حسین کا حکم دیا نہ اس کا یہ مقصد تھا۔ بلکہ وہ تو اپنے والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق آپ کا اعزاز و اکرام ہی پسند کرتا تھا۔ البتہ اس کی یہ خواہش تھی کہ آپ اس کی حکومت کے خلاف اقدام کے ارادے سے باز آئیں۔ اور چونکہ آخر میں یہی ہوا کہ کوفے کے قریب پہنچ کر آپ نے اپنا ارادہ ختم کر دیا اور یزید کے پاس جانے یا واپس ہو جانے یا کسی سرحد پر نکل جانے کی پیش کش کی، اس لئے جب یزید اور اس کے گھر والوں کو آپ کی شہادت کی خبر پہنچی تو ان کے لئے یہ نہایت تکلیف دہ ہوئی۔ یزید نے اس وقت یہاں تک کہا کہ خدا کی لعنت ہو ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر۔ اس کی حسین سے رشتہ داری ہوتی تو وہ کبھی ایسی حرکت نہ کرتا۔

پھر اس نے آپ کے اہل خاندان کے لئے نہایت اچھا واپسی کا سامان کیا اور ان کو مدینے پہنچوایا اور اس سے پہلے یہ پیش کش بھی کی کہ وہ چاہیں تو دمشق ہی میں اس کے پاس رہیں۔

اور یہ جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حضرت حسینؓ کے گھرانے کی خواتین کو قیدی اور باندی بنا کر شہر شہر گھمایا تو اللہ کا شکر ہے مسلمانوں نے کبھی کسی ہاشمی خاتون کو باندی نہیں بنایا۔ عام امت مسلمہ تو کیا خود بنی امیہ میں ہاشمی خواتین کی تعظیم کا یہ حال تھا کہ حجاج بن یوسف نے (جو قریشی نہیں ثقفی تھا) عبداللہ بن جعفر کی بیٹی سے شادی کر لی تھی تو خاندان بنو امیہ اس قدر برہم ہوا کہ دونوں کی علیحدگی کرائے بغیر نہ رہا۔"

(ابن تیمیہ، منہاج السنہ، ج ۲، ص ۳۲۴-۳۲۵، ترجمہ و تلخیص بحوالہ واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر از مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، مطبوعہ ملتان، ص ۲۴۰)۔

۳۰۔ مفسر و مؤرخ اسلام علامہ ابن کثیر دمشقی (م ۷۷۴ھ)

"تفسیر القرآن العظیم" المعروف بہ تفسیر ابن کثیر جیسی عظیم الشان تفسیر بالاقوال کے مؤلف، جلیل القدر محدث و عالم و مؤرخ علامہ ابن کثیر دمشقی نے یزید کے بارے میں اپنی مشہور تاریخ "البدایہ والنهایہ" میں جو تفصیلات درج فرمائی ہیں ان میں یہ بھی فرماتے ہیں:۔

"وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم و الحلم و الفصاحة و

الشعر و الشجاعة و حسن الرأی فی الملک و کان ذا جمال حسن المعاشرة-" (البداية و النهاية، ٨ / ٢٣٠)-

ترجمہ: یزید میں قابل تعریف صفات مثلاً حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی و شجاعت اور امور مملکت میں اصابت و عمدگی رائے پائی جاتی تھیں- نیز وہ خوبصورت تھا اور عمدہ آداب معاشرت کا حامل تھا-

یزید کے خلیفہ بننے پر تمام بلاد و امصار کے اس کی امامت و خلافت کی بیعت کرنے کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"فاتسقت البيعة ليزيد فی سائر البلاد و وفدت الوفود من سائر الأقاليم الى يزيد-" (البداية لابن كثير ج ٨، ص ٨٠)-

ترجمہ:- پس یزید کی (امامت و خلافت کی) بیعت تمام بلاد و امصار میں منعقد ہو گئی اور تمام علاقوں سے وفود (برائے بیعت) یزید کے پاس پہنچے-

سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت بھی کم و بیش تمام صحابہؓ و تابعین وعامۃ المسلمین نے کی تھی- اس حوالہ سے ابن کثیر ۵۶ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

و فيها دعا معاوية الناس الى البيعة ليزيد ولده ان يكون ولى عهده من بعده- فبايع له الناس فی سائر الأقاليم الاعبد الرحمن بن ابی بكر و عبدالله بن عمر و الحسين بن علی و عبدالله بن الزبير و ابن عباس-"

(ابن كثير، البداية والنهاية، ج٨، ص ٨٦)-

ترجمہ:- اس سال (۵۶ھ) میں حضرت معاویہ نے لوگوں کو اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی دعوت دی- پس تمام علاقوں کے لوگوں نے اس کی بیعت کرلی، سوائے عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس کے-

ان پانچ اکابر امت میں سے بھی ابن الاثیر وغیرہ کی روایت کے مطابق (الکامل فی التاریخ، ج ۳، ص ۲۴۶) سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کا انتقال مذکورہ ۵۶ھ سے پہلے ۵۳ھ میں ہو چکا تھا- سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کی بیعت امامت و خلافت یزید (رجب ۶۰ھ) ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے- سیدنا حسینؓ نے قتل مسلم بن عقیلؓ اور اہل کوفہ کی غداری و بیعت یزید کی اطلاع کے بعد یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے (دست در دست یزید) سمیت تین شرطوں پر مبنی پیش کش فرمائی جو تمام سنی شیعہ مصادر تاریخ میں درج ہے- مگر ابن زیاد نے پہلے اپنی بیعت کی شرط عائد کر کے صورت حال بگاڑ دی جو سیدنا حسینؓ کو

قابل قبول نہ تھی۔ البتہ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے وفات یزید (ربیع الاول ۶۴ھ) تک بیعت یزید نہیں کی اور وفات یزید کے بعد حجاز و عراق میں اپنی خلافت قائم فرمائی۔

اسی طرح ابن کثیر کے بیان کے مطابق یزید کی امامت و خلافت کی بیعت کم و بیش تمام صحابہ کرامؓ نیز پورے عالم اسلام نے کی ہے۔ حتی کہ واقعہ کربلا کے تقریباً تین سال بعد اواخر ۶۳ھ میں جب واقعہ حرہ پیش آیا یعنی اھل مدینہ کے ایک طبقہ نے بیعت یزید توڑ دی تو سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، محمد بن علی، ابن الحنفیہ، علی زین العابدین، محمد الباقر اور عبداللہ بن عمر سمیت کم و بیش تمام اہم اکابر قریش و بنی ہاشم رضی اللہ عنہم نے بیعت یزید کو سختی سے برقرار رکھا اور باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا:۔

"وقد كان عبدالله بن عمر بن الخطاب و جماعات اهل بيت النبوه، ممن لم ينقض العهد ولا بايع أحداً بعد بيعته ليزيد۔"

(ابن كثير، البداية و النهاية، ج ۸، ص ۲۱۸)۔

ترجمہ:۔ اور عبداللہ بن عمر بن خطاب نیز جماعات اہل بیت نبوت ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے بیعت نہ توڑی اور یزید کی بیعت کر لینے کے بعد کسی اور کی بیعت نہیں کی۔

اسی سلسلہ میں ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

"وكذلك لم يخلع يزيد احد من بنى عبدالمطلب۔ وسئل محمد بن الحنفية فى ذلك فامتنع من ذلك اشد الامتناع، وناظرهم وجادهم فى يزيد ورد عليهم ما اتهموه من شرب الخمرو تركه بعض الصلاة۔"

(ابن كثير، البداية و والنهاية، ج ۸، ص ۲۱۸)۔

ترجمہ:۔ اور اسی طرح بنو عبدالمطلب میں سے بھی کسی نے یزید کی بیعت نہ توڑی۔ اور محمد بن حنفیہ سے اس بیعت یزید توڑنے کے معاملے میں درخواست کی گئی تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا۔ اور ان (باغیوں) سے یزید کے حق میں بحث و مجادلہ کیا اور انہوں نے یزید پر شراب نوشی نیز بعض نمازوں کے قضا کر دینے کے جو الزامات لگائے تھے ان کو مسترد کرتے ہوئے یزید کی صفائی میں دلائل دیئے۔

اگرچہ ابن کثیر نے طبری کی بہت سی منفی روایات بھی یہ کہہ کر نقل کر دی ہیں کہ اگر یہ سابقہ کتب میں نقل نہ ہوئی ہوتیں تو وہ بھی انہیں نقل کرنے پر مجبور نہ ہوتے، مگر اس کے باوجود یزید کی امامت و خلافت کے سلسلہ میں ان کی مذکورہ و غیر مذکورہ مثبت روایات یزید

کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کے ازالہ کا باعث ہیں۔

۳۱- علامہ ابن خلدون المالکی المغربیؒ (م ۸۰۸ھ)

عالمی شہرت یافتہ مؤرخ و عالم و فقیہ علامہ ابن خلدون مالکی مغربی، مصنف "مقدمہ و تاریخ العبر فی دیوان المبتدأ والخبر" نے یزید کی امامت و خلافت کو شرعاً درست ثابت کرنے کے لئے تفصیلی دلائل دیئے ہیں۔

اس سلسلہ میں امام کے وفات سے پہلے کسی کو اپنا قائم مقام یعنی ولی عہد مقرر کرنے کے سلسلہ میں سیدنا ابوبکرؓ کے سیدنا عمرؓ کو امام و خلیفہ نامزد کرنے اور سیدنا عمرؓ کے چھ اصحاب عشرہ مبشرہ کی شوریٰ نامزد کرنے کے درست ہونے پر اجماع صحابہؓ کا تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"تمام صحابہ کرام ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے۔ اور اجماع، جیسا کہ معلوم ہے، کہ حجت شرعی ہے۔ پس امام اس معاملہ میں متہم نہیں ہو سکتا، اگرچہ وہ یہ کاروائی اپنے باپ یا بیٹے کے حق میں کیوں نہ کرے۔ اس لئے کہ جب اس کی خیر اندیشی پر اس کی زندگی میں اعتماد ہے تو موت کے بعد تو بدرجہ اولیٰ اس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہیے۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ باپ اور بیٹے کو ولی عہد بنانے میں امام کی نیت پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ اور بعض صرف بیٹے کے حق میں یہ رائے رکھتے ہیں۔ مگر ہمیں ان دونوں سے اختلاف ہے۔ ہماری رائے میں کسی صورت میں بھی امام سے بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں۔ خاص کر ایسے مواقع پر کہ جہاں ضرورت اس کی داعی ہو۔ مثلاً کسی مصلحت کا تحفظ یا کسی مفسدہ کا ازالہ اس میں مضمر ہو۔ تب تو کسی طرح کے سوء ظن کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ جیسے کہ حضرت معاویہؓ کا اپنے فرزند کو ولی عہد بنانے کا واقعہ ہے۔

اولاً تو حضرت معاویہ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے۔ اور پھر انہیں متہم یوں بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے پیش نظر یزید کو ترجیح دینے سے بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ امت میں اتحاد اور اتفاق قائم رہے۔ اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اہل حل و عقد میں اتفاق ہو اور اہل حل و عقد صرف یزید ہی کو ولی عہد

بنانے پر متفق ہو سکتے تھے۔ کیونکہ وہ عموماً بنو امیہ میں سے تھے اور بنی امیہ اس وقت اپنے میں سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقتور گروہ انہی کا تھا۔ اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی۔

ان نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولی عہدی کے لئے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس کے زیادہ مستحق سمجھے جاسکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا۔ تاکہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق رہے جس کی شارع کے نزدیک بیحد اہمیت ہے۔

قطع نظر اس کے کہ حضرت معاویہ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے، آپ کے اس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہ کا موجود ہونا اور اس پر ان کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امر میں حضرت معاویہ کی نیک نیتی مشکوک نہیں تھی۔ کیونکہ وہ صحابہ کرام حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہیں ہوسکتے تھے اور نہ معاویہ ہی ایسے تھے کہ قبول حق میں حب جاہ ان کے آڑے آجاتی۔ یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً مانع ہے۔"

(مقدمہ ابن خلدون، مطبوعہ مصر، ص ۱۷۵-۱۷۶)۔

ابن خلدون خلفاء اربعہ کے بعد بدلے ہوئے حالات میں سیدنا معاویہؓ کے اقدام نامزدگی یزید کو درست قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"پس اگر معاویہ کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا جاتے جس کو بنوامیہ کی عصبیت نہ چاہتی ہوتی (خواہ دین اسے کتنا ہی پسند کرتا) تو ان کی یہ کارروائی یقیناً الٹ دی جاتی۔ نظم خلافت درہم برہم ہو جاتا اور امت کا شیرازہ بکھر جاتا۔ تم نہیں دیکھتے کہ مامون الرشید (عباسی خلیفہ) نے زمانے کی تبدیلی کا یہ تحکم نظر انداز کر کے علی بن موسیٰ بن جعفر الصادق کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا، تو کیا نتیجہ ہوا۔ عباسی خاندان نے پورے معنی میں بغاوت کر دی۔ نظام خلافت درہم برہم ہونے لگا، اور مامون کو خراسان سے بغداد پہنچ کر معاملات کو قابو کرنا پڑا۔" (مقدمہ ابن خلدون، طبع مصر، ص ۱۷۶)۔

۳۲- علامہ ابن حجرؒ عسقلانی (م ۸۵۲ھ، قاہرہ)

شرح بخاری "فتح الباری" و "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" و "الدرر الکامنہ" نیز دیگر عظیم الشان کتب کے مصنف، مشہور محدث و مؤرخ علامہ ابن حجر عسقلانی یزید کی امامت و خلافت پر اجماع امت کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"كان امتنع أن يبايع لعلى و معاوية ثم بايع معاوية لما اصطلح مع الحسن بن على و اجتمع عليه الناس. و بايع لابنه يزيد بعد موت معاوية لاجتماع الناس عليه-" (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، جلد ۲۹، ص ۶۲۰)-

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت علی و معاویہ دونوں کی بیعت سے (اختلاف امت کے زمانہ میں) باز رہے- پھر حضرت معاویہ کی اس وقت بیعت کرلی جب انہوں نے حضرت حسن سے صلح کرلی تھی اور لوگوں کا ان پر اجماع ہو گیا تھا-

پھر حضرت معاویہ کی وفات کے بعد انہوں نے یزید کی بیعت کرلی کیونکہ یزید پر بھی لوگوں کا اجماع ہو گیا تھا-

علامہ ابن حجر عسقلانی، سیدہ ام حرام بنت ملحان زوجہ سیدنا عبادہ بن صامتؓ کی روایت کردہ حدیث نبوی مندرجہ بخاری بیان کر کے مہلب کے حوالہ سے اس کی تشریح فرماتے ہیں:-

"اول جيش من امتى يغزون البحر قد أوجبوا-

اول جيش من امتى يغزون مدينة قيصر مغفورلهم-

(صحيح البخارى، كتاب الجهاد، باب ما قيل فى قتال الروم).

ترجمہ:- میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس کے لئے مغفرت واجب ہے-

میری امت کا پہلا لشکر جو شہر قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب مغفرت یافتہ ہیں-

ابن حجر اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

قال المهلب: فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لأنه اول من غزا البحر- و منقبة لولده لأنه اول من غزا مدینة قیصر-(ابن حجر فتح الباری کتاب الجہاد)

ترجمہ:۔ مہلب کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں حضرت معاویہ کی منقبت (تعریف) ہے کیونکہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے (بحیثیت امیر لشکر) بحری جہاد کیا۔

نیز اس حدیث میں ان کے بیٹے (یزید) کی تعریف ہے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قیصر کے شہر پر حملہ کیا۔

واضح رہے کہ سیدنا معاویہؓ نے بحیثیت امیر شام خلافت عثمانی میں اہل اسلام میں پہلا بحری بیڑہ تیار کرنے کا شرف حاصل فرمایا اور پھر ۲۸ھ میں قبرص پر پہلا حملہ ان کی قیادت میں سمندری راستے سے کیا گیا۔

سیدنا معاویہ کے دور خلافت میں ۵۲ھ میں یزید کی قیادت میں (و بروایت دیگر سفیان بن عوفؓ کی قیادت میں جس میں سیدنا ابو ایوب انصاریؓ والے دستے کے امیر یزید تھے) قیصر کے شہر (قسطنطنیہ، موجودہ استانبول) پر اسلامی لشکر نے جہاد کرتے ہوئے حملہ و محاصرہ کیا۔

۳۳- علامہ احمد بن مصطفیٰ، طاش کبری زادہؒ (م ۹۲۲ھ)

مشہور عالم و محقق نیز "مفتاح السعادۃ" و دیگر کتب علمیہ کے مؤلف علامہ احمد بن مصطفیٰ طاش کبری زادہ، یزید کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"و اما لعن یزید فالأسلم عدمه، اذلم یثبت أنه قتله أو أمربه أو رضی به أو فرح به- وان ثبت ذلک فلم یثبت أنه مات بلا توبة-"۔

(طاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ، ج ۳، ص ۲۹۰)-

ترجمہ:- اور جہاں تک یزید پر لعن کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں محفوظ تر راستہ یہی ہے کہ ایسا نہ کیا جائے- کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ اس نے حسینؓ کو قتل کیا یا اس پر راضی ہوا یا خوش ہوا- اور اگر ان میں سے کوئی بات ثابت بھی ہو جائے تو پھر بھی یہ ثابت شدہ نہیں کہ وہ بغیر توبہ کے فوت ہوا-

۳۴- علامہ قسطلانی شارح صحیح البخاریؒ (م ۹۲۳ھ، قاہرہ)

شیخ ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب، شہاب الدین الشافعی القسطلانی (۸۵۱ - ۹۲۳ھ / ۱۴۴۸ - ۱۵۱۷ء) شارحین بخاری میں ممتاز و نمایاں ہیں- صحیح بخاری میں حدیث نبوی ہے:-

"اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم-"

(صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب : ماقیل فی قتال الروم)۔

ترجمہ: میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا وہ سب (مجاہد) مغفرت یافتہ ہیں-

اس حدیث میں مذکور "مدینہ قیصر" یعنی قیصر روم کے شہر کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد رومی نصرانیت کا صدر مقام قسطنطنیہ ہے- پھر اسی حدیث کے حاشیہ میں اس مغفرت یافتہ لشکر میں یزید بن معاویہؓ کی شمولیت و امارت کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"کان اول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة و معه جماعة من سادات الصحابة کابن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر و أبی ایوب

الأنصاری، رضی اللہ عنہم-"

(صحیح البخاری، جلد اول، ص ۴۱۰، مطبوعہ اصح المطابع، دھلی، ۱۳۵۷ھ)-

ترجمہ:- سب سے پہلے جس نے قیصر کے شہر پر جہاد کیا، وہ یزید بن معاویہ تھا جس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی- مثلاً ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم-

۳۵- علامہ ابن حجر مکی الھیثمیؒ (م ۹۷۴ھ، مکہ)

علامہ ابن حجر مکی اپنی مشہور تصنیف "الصواعق المحرقہ" میں امام غزالی کے خصوصی حوالہ سے لکھتے ہیں:-

ولا يجوز الطعن فى معاوية لأنه من كبار الصحابة ولا يجوز لعن يزيد ولا تكفيره فانه من جملة المؤمنين و أمره الى مشيئة الله ان شاء عذبه و ان شاء عفا عنه- قال الغزالى وغيره: و يحرم على الواعظ و غيره رواية مقتل الحسن و الحسين و حكاياته وما جرى بين الصحابة من التشاجر و التخاصم فانه يهيج على بغض الصحابة و الطعن فيهم وهم اعلام الدين-" (ابن حجر مکی، الصواعق المحرقة، ص ۱۳۲)

ترجمہ: اور حضرت معاویہ پر طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ اکابر صحابہ میں سے ہیں- اور نہ ہی یزید پر لعن کرنا یا اسے کافر قرار دینا جائز ہے- کیونکہ وہ مومنین کے زمرہ میں شامل ہے اور اس کا معاملہ مشیت الہیٰ کے سپرد ہے، چاہے تو اللہ اسے سزا دے اور چاہے تو معاف فرما دے-

امام غزالی نیز کئی دیگر حضرات کا یہی قول ہے کہ وعظ کرنے والے نیز دیگر افراد کے لئے بھی حرام ہے کہ وہ قتل حسن و حسین کی روایات و حکایات نیز صحابہ کے باہم اختلافات و مجادلات کا ذکر کریں- کیونکہ ایسی باتیں بغض صحابہ اور ان کے بارے میں طعن زنی پر بھڑکاتی ہیں، حالانکہ وہ (صحابہ کرام) دین کے ستون ہیں-

۳۶- علامہ علی قاری حنفیؒ (م ۱۰۱۴ ھ)

جلیل القدر عالم و مصنف اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کی مشہور تصنیف "الفقہ الاکبر" کے شارح علامہ علی بن سلطان الحنفی المعروف بہ ملا علی قاری درج ذیل حدیث کی تشریح فرماتے ہیں:-

عن جابر بن سمرة قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يزال الاسلام عزيزاً الى اثنى عشر خليفة كلهم من قريش-

وفى رواية : لا يزال امر الناس ماضيا ما وليهم اثنا عشر رجلاً كلهم من قريش-

وفى رواية : لا يزال الدين قائماً حتى تقوم الساعة أو يكون عليهم اثنا عشر خليفة كلهم من قريش- (متفق عليه)-

(مشكاة المصابيح، باب مناقب قريش، و راجع ايضاً صحيح البخارى، كتاب الأحكام، باب الاستخلاف و صحيح مسلم، كتاب الامارة و سنن ابى داؤد و الطبرانى و المستدرك للحاكم باختلاف اللفظ-)

ترجمہ:- جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ:- اسلام بارہ خلفاء تک غالب رہے گا جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

اور دوسری روایت کے مطابق:- لوگوں کا معاملہ (درست) چلتا رہے گا جب تک ان پر بارہ آدمی حکمران رہیں گے جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

نیز ایک اور روایت کے مطابق:- دین تا قیامت قائم و دائم رہے گا یا جب تک ان پر بارہ خلفاء حاکم رہیں گے۔ جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

اس حدیث کی تشریح میں ملا علی قاری، یزید کو چھٹا خلیفہ شمار فرماتے ہیں:-

فالاثنى عشر هم الخلفاء الراشدون الأربعة و معاوية و ابنه يزيد و عبدالملك بن مروان و أولاده الأربعة و بينهم عمر بن عبدالعزيز-"

(على القارى شرح الفقة الاكبر، ص ۸۳)-

ترجمہ:- پس بارہ خلفاء سے مراد ہیں چار خلفائے راشدین، حضرت معاویہ، ان کا بیٹا یزید، عبدالملک اور اس کے چار بیٹے۔ نیز ان کے درمیان عمر بن عبدالعزیز ہیں۔

۳۷- مجدد الف ثانی شیخ احمد سرھندیؒ (م ۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۴ء۔ سرھند)

برصغیر پاک و ہند میں دین الٰہی، رفض و تشیع اور دیگر ادیان و عقائد باطلہ کا طلسم پاش پاش کرنے والے جلیل القدر عالم و مجاہد و صوفی امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرھندی (۱۵۶۳ - ۱۶۲۴ء) کی ذات بابرکات محتاج تعارف نہیں۔ تین ضخیم جلدوں پر مشتمل آپ کے مجموعہ ہائے مکتوبات۔ نیز "رد روافض" و دیگر تصانیف و خدمات بھی لازوال و بے مثال ہیں۔ سیدہ عائشہ و طلحہ و زبیر و معاویہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کا مقام و منصب بھی آپ نے کماحقہ واضح فرمایا ہے۔

قصاص سیدنا عثمانؓ کے حوالہ سے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:-

حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ ہیں اور آپ کی حیات مبارکہ کے آخری لمحات تک منظور نظر رہیں۔ آپ کے حجرہ مبارک میں ہی حضور ﷺ نے رفیق اعلیٰ کو لبیک کہا۔ آپ کی آغوش خدمت ہی میں جان جان آفرین کے حوالے کی۔ آپ کے حجرہ میں ہی آج تک آرام فرما ہیں۔

سیدہ عائشہؓ کے علمی اور عملی فضائل و مراتب کے علاوہ علم و اجتہاد میں آپ کا مقام نہایت ارفع ہے۔ حضور ﷺ نے دین کی نصف تعلیم سیدہ عائشہؓ کے سپرد کر دی تھی۔ صحابہ کرامؓ اور خواتین امت کو جب کسی مسئلہ میں مشکل درپیش آتی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کا فیصلہ ہی مشکلات دین کا حل تسلیم کیا جاتا تھا۔

ایسی بلند منصب اور عالی مرتبت ام المومنین کی شان میں صرف اس لئے پست گفتگو کرنا کہ انہیں قصاص عثمانؓ کے مسئلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اختلاف تھا کتنی نامناسب بات ہے۔ پھر آپ سے بغض رکھ کر حضور نبی کریم ﷺ کی نسبت کو پامال کرنا کتنی گستاخی ہے۔

ہرگز باور نمی آید ز روئے اعتقاد
ایں ہمہ با کردن و دین پیمبر داشتن

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ بلاشبہ حضور ﷺ کے داماد ہیں، حضورؐ کے چچا زاد بھائی ہیں تو حضرت صدیقہؓ بھی بلاشبہ آپ کی زوجہ محترمہ اور محبوب ترین شریک زندگی ہیں۔"

(پیر زادہ اقبال احمد فاروقی، صحابہ کرام مکتوبات مجدد الف ثانی کے آئینے میں، ص ۳۰)

قصاص عثمانؓ میں سیدہ عائشہؓ کے ساتھی سیدنا طلحہؓ و زبیرؓ کے مناقب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں- وہ عشرہ بشرہ میں داخل تھے- ان پر طعن و تشنیع کسی طرح زیب نہیں دیتا- اگر کوئی بد نصیب ان حضرات کو لعن طعن کرتا ہے تو وہ خود اس قسم کے رویہ کا مستحق ہے-

یہ وہی طلحہ اور زبیر ہیں جنہیں فاروق اعظم نے ان چھ حضرات میں شامل کیا تھا جو خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کے لئے بااختیار صحابہ تھے- پھر انہیں یہ بھی حکم تھا کہ ان چھ میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کیا جائے- ان دونوں حضرات نے اعزازی طور پر اپنے نام واپس لے لئے تھے اور ہر ایک نے کہہ دیا تھا کہ: "ہم خلافت نہیں چاہتے-"

یہ وہی طلحہؓ ہیں جنھوں نے اپنی تلوار سے اپنے والد کا سر کاٹ کر حضور کے قدموں میں لا رکھا تھا کیونکہ وہ حضور کی بے ادبی کا مرتکب تھا- یہ وہی طلحہ ہیں جن کے اس جذبہ کو خود قرآن پاک نے سراہا ہے-

یہ وہی زبیرؓ ہیں جن کے قاتل کے حضور ﷺ نے قطعی جہنمی ہونے کا اعلان فرمایا تھا- اور فرمایا:- "قاتل الزبیر فی النار-" ہمارے خیال میں حضرت زبیرؓ پر لعن طعن کرنے والے آپ کے قاتل سے کم نہیں- اس لئے تمام اہل ایمان اس بات پر یقین رکھیں اور اسلام کے اس مایہ ناز فرزند اور دین کے ستون کی بد گوئی سے بچیں- یہ حضرت زبیر تھے جنھوں نے اپنی زندگی اسلام کے پودے کی آبیاری کے لئے وقف کر دی تھی- یہ حضرت زبیر تھے جنھوں نے حضور ﷺ کی حفاظت اور نصرت کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی-"

(صحابہ کرام مکتوبات مجدد الف ثانی کے آئینے میں، بحوالہ مکتوب ۳۶، دفتر دوم)-

واضح رہے کہ حضرت زبیر قرشیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی کی پھوپھی صفیہ اور سیدہ خدیجہؓ کے بھائی عوام بن خویلد کے فرزند، سیدہ اسماء بنت ابی بکر کے شوہر، سیدہ عائشہ کے بہنوئی، داماد ابوبکر، اور مدعی خلافت بمقابلہ یزید و حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر کے والد تھے- رضی اللہ عنہم اجمعین-

اور سیدنا طلحہؓ بن عبیداللہ تمیمی قرشی کی دختر ام اسحاق زوجہ سیدنا حسنؓ بن علیؓ تھیں

جن کے بطن سے سیدنا حسن کے تین بچے حسین اثرم، طلحہ و فاطمہ متولد ہوئے۔

(بحوالہ مجلہ "وحدت اسلامی" محرم، ۱۶ جون ۱۹۹۵ء، اسلام آباد مقالہ ایس اے سید بعنوان زید بن الحسن، ص ۲۴)

نیز عبداللہ بن زبیر سیدنا حسنؓ بن علیؓ کے داماد اور ان کی صاحبزادی سیدہ ام الحسن، ہمشیرہ زید بن الحسن کے شوہر تھے۔ زید کربلا نہیں گئے اور شہادت حسینؓ کے بعد ابن زبیر کی بیعت فرمائی۔

(مقالہ زید بن الحسن از ایس اے سید، مطبوعہ مجلہ "وحدت اسلامی"، اسلام آباد، جون ۱۹۹۵ء، ص ۲۴)

امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے ایک مکتوب میں "شارح مواقف" کی اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یہ بات صحت سے مانی ہوئی ہے کہ حضرت امیر معاویہ حقوق اللہ اور حقوق عباد المسلمین دونوں کو پورا کرتے تھے۔ وہ خلیفہ عادل تھے۔ حضور نے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں خصوصی دعا فرمائی:۔

(اے اللہ اسے کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا۔

خداوندا اسے ھادی اور مہدی بنا)۔

حضور کی یہ دعائیں یقیناً قبول ہوئیں۔"

(صحابہ کرامؓ مکتوبات مجدد الف ثانی کے آئینے میں، مرتبہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ص ۳۸، مکتبہ نبویہ، لاہور)

مذکورہ حدیث نبوی کے الفاظ یوں ہیں:۔

اللهم علمه الكتاب و الحساب وقه العذاب- اللهم اجعله هاديا و مهديا- (كنز العمال وغيره)

حضرت مجدد الف ثانی مزید فرماتے ہیں:۔

"حضرت امام مالک تابعین میں ایک جلیل القدر امام ہیں۔ وہ مدینہ پاک کے ممتاز علمائے حدیث مانے جاتے ہیں۔ ان کے علم و تقوی پر کسی کو اختلاف نہیں۔ آپ کا یہ فتوی ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفیق کار حضرت عمرو بن العاصؓ کو گالی دینے والا واجب القتل ہے۔ امیر معاویہ کو گالی دینا حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کو گالی دینا ہے۔ یہ معاملہ (اختلافات و محاربات) صرف حضرت معاویہ کا نہیں ان کے ساتھ نصف سے زیادہ صحابہ رسول ﷺ بھی شامل ہیں۔ اس طرح اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مخالفت یا اختلاف کرنے والے کو کافر یا فاسق کہا جائے تو امت مسلمہ کے

نصف سے زیادہ جلیل القدر صحابہ دائرہ اسلام سے باہر نظر آئیں گے۔ اگر اس نظریہ کو نقل اور عقل کے خلاف ہوتے ہوئے بھی تسلیم کر لیا جائے تو دین کا انجام بجز بربادی کے کیا ہو سکتا ہے؟ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ خلافت کا مسئلہ نہیں تھی۔ یہ تو حضرت عثمان کے قصاص کا اجتماعی مسئلہ تھا۔ شیخ ابن حجر نے تو اسے اہل سنت کے عقائد کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔

ہمارے نزدیک اس سلسلہ میں سلامت روی کی راہ یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات اور محاربات پر خاموشی اختیار کی جائے اور زبان پر ناگوار الفاظ نہ لائے جائیں۔ سید المرسلین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:۔

''میرے صحابہ میں جو اختلاف اور نزاعات ہوں ان سے الگ تھلگ رہو۔''

آپ نے فرمایا:۔

''میرے اصحاب کے بارہ میں خدا کا خوف کرو۔ اس کے مؤاخذہ سے ڈرو اور ان کو اپنی درشت کلامی اور بدگوئی کا نشانہ نہ بناؤ۔''

(پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، صحابہ کرام مکتوبات مجدد الف ثانی کے آئینے میں، ص ۳۹-۴۰، لاہور، مکتبہ نبویہ، ۱۹۹۱ء)۔

چنانچہ اس پس منظر میں صحابی رسول سیدنا معاویہؓ کا یزید کو ولی عہد خلافت مقرر فرمانا، صحابہ کرامؓ کی غالب اکثریت کا بیعت یزید کرنا، ابن زبیرؓ کا مکہ میں خروج، سیدنا حسینؓ کا خروج بسلسلہ خلافت اور اھل کوفہ کی غداری و بیعت یزید کے بعد یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیش کش نیز عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کی بقول ابن حجر عصر نبوی میں ولادت اور مکہ میں خروج ابن زبیرؓ ایسے امور ہیں جن کی موجودگی میں فکر مجدد کی روشنی میں انتہائی محتاط طرز کلام و طرز عمل اختیار کرنا لازم ہے۔ کیونکہ ان تمام امور کا براہِ راست یا بالواسطہ تعلق صحابہ کرامؓ سے ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مجدد الف ثانیؒ سے منسوب ایک مکتوب میں یزید کے بارے میں درج ذیل کلمات ہیں:۔

"و یزید بے دولت از اصحاب نیست- در بدبختی او کرا سخن است- کارے که آں بدبخت کرد، ہیچ کافر فرنگ نکند- بعضے از علماء اهل سنت که درلعن او توقف کرده اند، نه آنکه از وے راضی اند، بلکه رعایت احتمال رجوع و توبه کرده اند-"

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، جلد اول، ص ۵۴، نور کمپنی، لاہور، ۱۹۶۵ء)

ترجمہ:- یزید بے مایہ، صحابہؓ میں سے نہیں ہے۔ اس کی بد نصیبی میں کسے کلام ہو سکتا ہے؟ اس بد نصیب نے جو کام کیا، کوئی کافر فرنگی بھی نہیں کرتا۔ بعض علمائے اہل سنت نے اس پر لعنت بھیجنے میں توقف کیا ہے، تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس سے راضی ہیں، بلکہ انہوں نے اس احتمال کو ملحوظ رکھا ہے کہ شاید اس نے توبہ و رجوع کر لیا ہو۔

بہر حال مجدد الف ثانیؒ کی جانب سے سیدنا معاویہؓ سمیت جملہ صحابہ کرامؓ کے دفاع و تعظیم میں عظیم الشان علمی و شرعی دلائل و جہاد کے ساتھ اگر یزید کے بارے میں ان سے منسوب مذکورہ عبارت کو درست تسلیم کیا جائے، تب بھی اس عبارت کی رو سے یزید کی جانب سے بحیثیت مسلمان توبہ و رجوع کے امکان کی بناء پر جواز لعن کا مسئلہ اکابر اہل سنت کے نزدیک اختلافی قرار پاتا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی جواز لعن یزید کا قائل ہوتے ہوئے لعنت بھیجنا چاہے تو متعدد اکابر امت کے نزدیک اس کا محتاط تر راستہ یہ ہے کہ وہ صحابہؓ دشمن فرقوں سے مشابہت سے بچنے کی خاطر درج ذیل طریق پر بغیر نام لئے جامع و مانع لعنت بھیجنے پر اکتفاء کرے:-

لعنة الله على قاتل عمر و عثمان و طلحة والزبير و علي و الحسين، لعنة الله على الظالمين، أعداء الصحابة وأهل البيت أجمعين-

ترجمہ:- عمرؓ و عثمانؓ و طلحہؓ و زبیرؓ و علیؓ و حسینؓ کے قاتلوں پر خدا کی لعنت ہو۔

تمام ظالمین، دشمنان صحابہؓ و اہل بیتؓ پر خدا کی لعنت ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) سے صدیوں پہلے امام اہل سنت و تصوف، امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) جیسے اکابر امت کے مذکورہ سابقہ تفصیلی فتوی کو پیش نظر رکھنا بھی ناگزیر ہے، جس کے ابتدائی کلمات درج ذیل ہیں:-

"ويزيد صح اسلامه و ما صح قتله الحسين، ولا أمره به ولا رضى به- ومهما لا يصح ذلك منه، لا يجوز أن يظن ذلک به، فإن اسائة الظن بالمسلم أيضاً حرام--- الخ"-

(ابن خلكان، وفيات الأعيان، طبع مصر، جلد اول، ص ۳۶۵)-

ترجمہ:- یزید صحیح الاسلام ہے۔ اور یہ درست نہیں کہ اس نے حسینؓ کو قتل کرایا، یا اس کا حکم دیا، یا اس پر رضامندی ظاہر کی۔ پس جب یہ قتل اس تک پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا، تو پھر یہ جائز نہیں کہ اس کے بارے میں ایسا گمان رکھا جائے، کیونکہ کسی مسلمان کے

بارے میں بدگمانی رکھنا بھی حرام ہے۔ الخ۔

امام اہل سنت، علامہ ابن کثیر دمشقی نے بھی امام غزالی کے مذکورہ تفصیلی فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:-

"ومنع من شتمه و لعنة لأنه مسلم و لم يثبت بأنه رضى بقتل الحسين-

و أما الترحم عليه فجائز بل مستحب بل نحن نترحم عليه فى جملة المسلمين والمؤمنين عموماً فى الصلاة-"

(ابن كثير، البداية والنهاية، جلد ١٢، ص ١٧٣)-

ترجمہ:- امام غزالی نے یزید کو برا کہنے اور لعن طعن کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ وہ مسلمان ہے اور یہ بات ثابت نہیں کہ وہ قتل حسینؓ پر راضی تھا۔

اور جہاں تک اس کے لئے دعائے رحمت (رحمۃ اللہ علیہ) کا تعلق ہے، تو وہ جائز بلکہ مستحب ہے۔ بلکہ ہم تو اس سمیت تمام مسلمین و مؤمنین کے لئے ہر نماز میں عمومی دعائے رحمت کرتے ہی ہیں۔

امام غزالی کا اشارہ نماز میں شامل "ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین" اور اس کے متبادل "اللهم اغفر للمؤمنين" جیسے دعائیہ کلمات کی طرف ہے۔

۳۸- شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ (م ۱۰۵۲ھ، دہلی)

برصغیر کے کثیر التصانیف اور مشہور و معروف محدث و مجدد امام المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۶-۱۰۵۲ھ / ۱۵۵۱-۱۶۴۲ء) جنہوں نے بالخصوص شمالی ہندوستان میں علوم حدیث کا احیاء فرمایا اور باون برس تک دہلی میں تدریس و اشاعت حدیث و علوم دینیہ کے علاوہ "مشکاۃ المصابیح" کی فارسی و عربی شروح (لمعات التنقیح و اشعۃ اللمعات) لکھ کر برصغیر کے کروڑوں عوام و خواص کو حدیث نبوی کی طرف متوجہ فرمایا، آپ نے بھی اپنی تصنیف "ما ثبت بالسنۃ فی ایام السنہ" میں سیدنا حسینؓ کی یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیش کش کا ذکر فرمایا ہے۔ جو دیگر کتب میں بھی بایں الفاظ وارد ہوئی ہے کہ یا مجھے دمشق جانے دو:-

"فأضع يدى فى يده فيحكم فى رأيه-"

بارے میں فیصلہ کر دے)۔

(راجع تالیف الشیخ عبدالحق محدث الدھلوی، ما ثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ، عربی، ص ۳٦ بدون تاریخ و اردو ترجمہ، مطبوعہ ۱۳۸۰ھ، ص ۴۰)

۳۹- حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ (م ۱۰٦۷ھ، قسطنطینیہ)

عالمی شہرت یافتہ ترک محقق و دانش ور حاجی مصطفیٰ بن عبداللہ، کاتب چلپی المعروف بہ حاجی خلیفہ (۱۰۱۷-۱۰٦۷ھ / ۱٦۰۸-۱٦۵۷ء) جنہوں نے عربی زبان میں تحریر شدہ مؤلفات کے اسماء کی تحقیق اور کتب کے تعارف پر مشتمل عظیم کتاب "کشف الظنون عن آسامی الکتب و الفنون" مرتب فرمائی ہے اور یہی ان کی لازوال شہرت کا باعث اساسی ہے، آپ نے یزید بن معاویہ کے اشعار کو قلیل التعداد ہونے کے باوجود نہایت درجہ حسن و خوبی کا مظہر قرار دیا ہے۔ اور مثبت و منفی حوالوں سے منقول جو اشعار تحقیق سے جعلی ثابت ہوئے ہیں، ان کو بھی علیحدہ بیان فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں یزید کی بحیثیت شاعر تعریف کرتے ہوئے "دیوان یزید بن معاویہ" کے زیر عنوان فرماتے ہیں:-

"اول من جمعه ابو عبدالله محمد بن عمران المرزبانی البغدادی- و هو صغير الحجم فی ثلاث كراريس- وقد جمعه من بعده جماعة و زادوا فيه اشياء ليست له-

و شعر يزيد مع قلته فی نهاية الحسن- و ميزت الأبيات التی له من الأبيات التی ليست له و ظفرت بكل صاحب البيت-"

(حاجی خلیفه، کشف الظنون عن آسامی الکتب و الفنون، طبع قسطنطینیه، ۱۳٦۰ھ، ج ۱، ص ۸۲۰)

ترجمہ:- دیوان یزید کو سب سے پہلے ابو عبداللہ محمد بن عمران المرزبانی نے جمع کیا جو تین کراسوں (فل سکیپ اوراق) پر مشتمل چھوٹے حجم کا تھا۔ ان کے بعد مختلف لوگوں کی ایک جماعت نے اسے جمع کیا۔ اور اس میں ایسے اشعار کا بھی اضافہ کر دیا جو یزید کے نہیں ہیں۔

اور یزید کی شاعری قلیل ہونے کے باوجود نہایت درجہ حسن و خوبی کی حامل ہے۔ اور

میں نے ان اشعار کو جو یزید کے ہیں ان اشعار سے علیحدہ کر دیا ہے جو اس کے نہیں ہیں۔ نیز میں ان (غلط طور پر یزید سے منسوب) اشعار کے نظم کرنے والے تمام شعراء کے نام معلوم کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا ہوں۔

۴۰- امام الھند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
(م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۳ء، دہلی)

برصغیر کے ممتاز مفسر و مترجم، جلیل القدر فقیہ و محدث، عظیم المرتبت عالم و صوفی، سلسلہ ولی اللہی کے امام اول اور "حجة الله البالغة" سمیت کثیر تعداد میں معروف و متنوع تصانیف کے مصنف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فاروقی (۱۷۰۳-۱۷۶۳ء) عالمی شہرت یافتہ شخصیت ہیں۔ سیدنا ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی خلافت راشدہ منتظمہ اور سیدنا علیؓ کی خلافت راشدہ مفتونہ نیز خلافت سیدنا معاویہؓ و من بعدہ پر جامع و بلیغ انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"باید دانست که آنحضرت صلی الله علیه وسلم در احادیث متواتر بالمعنی افاده فرمودند که حضرت عثمان مقتول خواہد شد- و نزدیک بقتل او فتنۂ عظیم خواہد برخاست که تغیر اوضاع و رسوم مردم کند و بلائے آں مستطیر باشد- زمانے که پیش ازاں فتنه است آنرا باوصاف مدح ستودند و مابعد آنرا باصاف ذم نکوہیدند و استقصاء نمودند در بیان آں فتنه تا آنکه مطابقت موصوف بر آنچه واقع شد بر هیچ خردے مخفی نماند- و بأبلغ بیان واضح ساختند که انتظام خلافت خاصه باں فتنه منقطع خواہد شد- و برکات ایام نبوت روئے باختفاء خواہد آورد- و ایں معنیٰ را تا بحدے ایضاح کردند که پرده از روئے کار برخاست و حجة الله ثبوت آں خبر در خارج متحقق گشت باں وجه که حضرت مرتضیٰ باوجود رسوخ قدم در سوابق اسلامیه در خور اوصاف خلافت خاصه و انعقاد بیعت برائے او ووجوب انقیاد رعیت فی حکم الله بنسبت او متمکن نه شد در

خلافت، و در اقطار ارض حکم او نافذ نه گشت و تمامه مسلمین تحت حکم او سرفرود نیاوراند- و جهاد در زمان وے رضی اللہ عنه بالکلیه منقطع شد- و افتراق کلمه مسلمین بظهور پیوست- و ائتلاف ایشاں رخت بعدم کشید- و مردم بحروب عظیمه باو پیش آمدند و دست او را از تصرف ملک کوتاه ساختند- و ہر روز دائره سلطنت لا سیما بعد تحکیم تنگ تر شدن گرفت تا آنکه در آخر بجز کوفه و ماحول آں برائے ایشاں صافی نماند- و ہر چند ایں خللها در صفات کامله نفسانیۂ ایشاں خللے نینداخت لیکن مقاصد خلافت علی وجهها متحقق نگشت-

و بعد حضرت مرتضیٰ چوں معاویه بن ابی سفیان متمکن شد- و اتفاق ناس بروے بحصول پیوست و فرقت جماعت مسلمین از میان برخاست، وے سوابق اسلامیه نداشت ولوازم خلافت خاصه در وے متحقق نبود-

بعد ازاں بادشاہاں دیگر از مرکز حق دور تر افتادند کما لا یخفی- پس خبر آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم بانقطاع خلافت خاصه منتظمه نافذه ازیں جهت متحقق گشت-" (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء- مطبع صدیقی، دہلی، جلد اول، فصل پنجم، ص ۱۲۲-۱۲۳)-

ترجمہ:- جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی حدیثوں میں جو معنی کے لحاظ سے درجہ تواتر کی حامل ہیں، ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت عثمان شہید ہوں گے۔ اور ان کی شہادت کے ایام میں ایسا عظیم فتنہ برپا ہو گا کہ لوگوں کے احوال و عادات کو بدل ڈالے گا۔ اور اس کی مصیبت ہمہ گیر ہو گی۔ نیز آپ نے اس فتنہ سے پہلے کے زمانے کو تعریفی کلمات سے یاد فرمایا اور اس کے بعد کے زمانے کو مذموم بتلایا۔ اور اس فتنہ کے بیان میں انتہائی وضاحت فرمائی کہ جو کچھ پیش آنے والا تھا اس کا معاملہ کسی عقل والے سے پوشیدہ نہ رہ پائے۔ اور نہایت بلیغ الفاظ میں واضح فرمایا کہ اس فتنہ کی آمد سے خلافت خاصہ (راشدہ) کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا اور زمانہ نبوت کی برکات غائب ہو جائیں گی۔

یہ بات آپ نے اس قدر وضاحت سے بیان فرمائی کہ معاملے کا کوئی پہلو مخفی نہ رہا۔ اور اس پیش گوئی کے امر واقعہ کے طور پر ثابت ہونے کے سلسلہ میں اللہ کی حجت قائم ہو

گئی، اس طور پر کہ حضرت مرتضیٰ میں باوجود اس کے کہ خلافت خاصہ کے جملہ اوصاف آپ میں پائے جاتے تھے اور سبقت فی الاسلام کے فضائل میں آپ کا مقام راسخ و برتر تھا، نیز آپ کے لئے بیعت بھی منعقد ہوئی اور حکومت الٰہیہ میں رعایا پر آپ کی اطاعت بھی واجب قرار پائی، مگر نہ تو آپ کی خلافت مضبوطی سے قائم ہو سکی اور نہ ہی سرزمین مملکت کے تمام علاقوں میں آپ کا حکم نافذ ہو سکا۔ نہ ہی تمام مسلمانوں نے (متفق ہو کر) آپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ نیز آپ کے زمانہ خلافت میں سلسلہ جہاد بالکل منقطع ہو گیا۔ مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار ظاہر ہوا اور مسلمانوں کا اتحاد و وحدت راہی ملک عدم ہو گئے۔ لوگوں نے بڑی بڑی جنگوں کی صورت میں آپ (علیؓ) کا مقابلہ کیا۔ مملکت میں آپ کے دست تصرف کو محدود تر کر دیا اور روز بروز آپ کا دائرہ سلطنت بالخصوص تحکیم (جنگ صفین میں لشکر علی و معاویہ کے مابین فیصلہ ثالثوں پر چھوڑنے) کے واقعہ کے بعد تنگ تر ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ آخر کار آپ کے لئے کوفہ اور اس کے گرد و نواح کے سوا کوئی علاقہ خالص نہ رہا۔ اگرچہ ان خلل انداز ہونے والی باتوں سے آپ کے ذاتی اوصاف کاملہ پر کوئی حرف نہیں آتا مگر مقاصد خلافت بہر حال کماحقہ پورے نہ ہو پائے۔

حضرت مرتضیٰ کے بعد جب معاویہ بنؓ ابی سفیان (منصب خلافت پر) متمکن ہوئے تو تمام لوگوں کا ان پر اتفاق ہو گیا اور امت مسلمہ کا تفرقہ مٹ گیا۔ مگر وہ سوابق اسلامیہ (فضائل سابقون اولون) کے حامل نہ تھے اور خلافت خاصہ کی خصوصی شرائط ان میں موجود نہ تھیں۔

ان کے بعد جو بادشاہ آئے وہ مرکز حق سے جیسا کہ معلوم ہے دور تر ہوتے چلے گئے۔

پس اس طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش گوئی جو انہوں نے خلافت خاصہ منتظمہ و نافذہ کے (شہادت عثمان پر) ختم ہو جانے کے بارے میں فرمائی تھی، حقیقت واقعی بن گئی۔

شاہ ولی اللہ نے طالبین قصاص عثمان (سیدہ عائشہ و طلحہ و زبیر و معاویہ و دیگران رضی اللہ عنہم) کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے:-

"دوم آنکہ قصاص حق است و حضرت مرتضیٰ قادر است بر اخذ قصاص ذی النورین و اخذ آں نمی کند بلکہ مانع آں است۔ و حضرت مرتضیٰ نیز بہ خطائے اجتہادی حکم فرمود۔"

(شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ج ۲، ص ۲۷۹)۔

ترجمہ: دوسرے یہ کہ قصاص لینا برحق ہے اور حضرت مرتضیٰ اس پر قادر تھے کہ

(عثمان) ذی النورین کا قصاص لیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کے مانع ہیں۔ پس حضرت مرتضیٰ نے بھی خطائے اجتہادی سے کام لیا۔

مزید فرماتے ہیں کہ سیدنا علی کی خلافت میں ان کی تمام لڑائیاں اپنی خلافت اور اس کی بیعت کو مستحکم بنانے کے سلسلے میں تھیں۔ ان کی حیثیت کفار سے اسلامی جہاد کی نہ تھی۔

"مقاتلات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔" (شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ج ۱، ص ۲۷۷)۔

ترجمہ:- (شہادت عثمان کے بعد) علیؓ کی لڑائیاں طلب خلافت کے لئے تھیں نہ کہ (جہاد) اسلام کی خاطر۔

مزید فرماتے ہیں:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیث بسیار تلویح فرمودند کہ خلافت خاصہ بعد حضرت عثمان منتظم نہ خواہد شد۔"
(شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، ج ۲، ص ۲۳۹)

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں وضاحت فرمائی تھی کہ خلافت خاصہ حضرت عثمان کے بعد منظم نہ رہ پائے گی۔

سیدنا ابو بکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کے متوازی سیدنا علیؓ و حسنؓ کے موقف نیز بعد ازاں سیدنا حسینؓ و زید و نفس زکیہ وغیرہ کے خروجوں میں جو صورت حال پیدا ہوئی، اس کے باوجود ایک فرقہ کے اصرار امامت و خلافت علی و اولاد علی کے حوالہ سے تبصرہ کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ شاید امامت و خلافت کے عملی انعقاد میں کامیابی اللہ تعالیٰ کی بعض حکمتوں کی بناء پر آل علی کے مقدر ہی میں نہیں۔

"در عنایت ازلی مقرر بود کہ ہیچگاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد او تا دامان قیامت منصور نشوند و ہیچگاہ خلافت ایشاں علی وجہہا صورت نگیرد بلکہ ازمیان ایشان ہر کہ دعوت بخود کند و سر بقتال بر آرد مخذول بلکہ مقتول گردد۔"

(شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء، ج ۲، ص ۲۸۴)۔

ترجمہ:- (شاید) تقدیر ازلی میں یہ طے ہو چکا ہے کہ حضرت مرتضیٰ اور ان کی اولاد تاقیامت (عملی انعقاد امامت و خلافت میں) کامیاب نہ ہو پائیں گے اور ان کی خلافت کہیں بھی کماحقہ منعقد نہ ہو پائے گی بلکہ ان میں سے جو بھی اپنی طرف دعوت دے گا اور بر سر پیکار ہو

گا، شکست کھائے گا بلکہ مقتول ہو گا۔

سیدنا معاویہؓ کے بارے میں سیدنا عمرؓ کا قول نقل کرتے ہوئے شاہ صاحب رقمطراز ہیں:-

"ذم معاوية عند عمر يوماً فقال: دعونا من ذم فتى قريش، من يضحك في الغضب ولا ينال ما عنده الا على الرضى ولا يؤخذ ما فوق رأسه الا من تحت قدميه-" (ازالۃ الخفاء، ج ۲، ص ۷۵)-

ترجمہ:- ایک دن حضرت عمر کے سامنے حضرت معاویہ کی برائی کی گئی تو حضرت عمر نے فرمایا کہ قریش کے اس جوان کی عیب جوئی ہمارے سامنے نہ کرو، جس کی شان یہ ہے کہ وہ غصہ کی حالت میں بھی مسکراتا ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے، اس کی رضامندی کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ نیز جو کچھ اس کے سر پر ہے، وہ صرف اس کے قدموں کے نیچے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (یعنی صرف ان کی تکریم و رضا سے)۔

امام الھند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ان چند فرمودات سے خلفاء ثلاثہ و سیدنا علی و حسن و معاویہ رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت نیز بعد ازاں خلافت یزید و خروج حسینی کے سلسلہ میں جملہ امور کو سمجھنا فرق حفظ مراتب کو ملحوظ رکھنے کے باوجود آسان تر ہو جاتا ہے۔ فمن شاء ذکرہ۔

۱۴- علامہ عبدالعزیز فرھاروی رامپوری حنفیؒ (م ۱۲۳۹ھ)

برصغیر کے معروف عالم و مصنف علامہ عبدالعزیز فرھاروی رامپوری حنفی یزید پر لعنت کو غلط فعل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لعن یزید سے روکنے والے اہل سنت کو خارجی قرار دینا قواعد شریعت کے منافی ہے:-

"لا يجوز لعن كل شخص بفعله، فاحفظ هذا ولا تكن من الذين لا يراعون قواعد الشرع ويحكمون بأن من نهى عن لعن يزيد فهو من الخوارج-" (النبراس، شرح العقائد، ص ۳۳۲)-

ترجمہ:- کسی شخص کو اس کے کسی فعل کی بنا پر لعنت ملامت کرنا جائز نہیں۔ پس اس بات کو یاد رکھو اور ان لوگوں میں سے نہ بنو جو قواعد شریعت کا لحاظ نہیں کرتے اور ہر

اس شخص پر خارجی ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں جو یزید کو لعن طعن کرنے سے روکتا ہے۔

۴۲- علامہ نور الدین حنفی رامپوریؒ (م ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۳ء)

علامہ نور الدین حنفی رامپوری اپنی کتاب "البیعة بید خلیفة الرحمن علی مذهب النعمان" میں یزید کے تعارف میں فرماتے ہیں:-

"ان یزید کان شاعراً عالماً دبیراً حسن الوجه- و کانت عمته ام حبیبة زوجة رسول الله صلی الله علیه وسلم-

کان خلافته باختیار معاویة بن ابی سفیان و بایعه الصحابة کلهم أو بعضهم- و اتباع الصحابة واجبٌ و کان اتباع خلافتهم و استخلافهم ایضاً واجباً-

و اذا عرفت هذا، نسبة الفسق و الکفر الی یزید بن معاویة حرام و استحلاله کفر--- و شرب الخمر و ظلم الناس وغیر ذلک، فهذا کله بهتان عظیم لا یجوز سمعه-

(بحواله عبدالحی لکھنوی، نزهة الخواطر، جلد ۷، ص ۵۱۳، مطبوعه ۱۳۷۸ھ، حیدر آباد دکن)-

ترجمہ:- یزید شاعر، عالم، کاتب اور خوبصورت تھا- اس کی پھوپھی ام حبیبہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں- اس کی خلافت حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے اختیار و انتخاب کی بناء پر تھی- اور اس کی بیعت تمام صحابہ یا ان کی ایک تعداد نے کی تھی- اور صحابہ کی پیروی واجب ہے- نیز ان کی خلافت اور ان کے بنائے ہوئے خلیفہ کی اتباع بھی واجب ہے-

اور جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا ہے تو پھر یزید بن معاویہ کی طرف فسق اور کفر کی نسبت کرنا حرام اور اسے جائز سمجھنا کفر ہے۔

اور یزید پر شراب نوشی، لوگوں پر ظلم کرنے وغیرہ کے تمام الزامات بہتان عظیم ہیں جن کا سننا بھی جائز نہیں۔

۴۳- نواب صدیق حسن خانؒ (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء، بھوپال)

شہرہ آفاق عربی تفسیر قرآن "فتح البیان فی مقاصد القرآن" سمیت متعدد مشہور و معروف عربی و فارسی کتب کے مؤلف، جلیل القدر عالم و محدث نواب صدیق حسن خان القنوجی خلافت یزید کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

"بیعت برائے یزید گرویدہ بود- پس حسین بروے باغی شد- زیرا کہ کسان بسیار اقوام بر بیعت وے نمودند- و استخلاف پدر او برائے وے اختیار کردند- باوجود استخلاف ایں چنیں بغاوت کہ حسین کرد شرط نہ باشد- و شک نیست کہ پدرش معاویہ خلیفہ برحق بود-"

(نواب صدیق حسن خان، جمع الکرامة، و راجع ایضاً، نواب امداد امام، مصباح الظلم، مطبوعہ رامپور، ص ۱۴۴)

ترجمہ:- یزید کے لئے بیعت منعقد ہو گئی تھی- پس حسین نے اس کے خلاف بغاوت کی- چونکہ لوگوں کی کثیر تعداد نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور اس کے والد (معاویہ) کی جانب سے اسے خلیفہ و جانشین مقرر کرنے کے اقدام کو تسلیم کر لیا تھا، لہذا استخلاف (جانشینی یزید) کے باوجود ایسی بغاوت جو حسین نے کی اس کا موقع نہ تھا- اور اس میں شک نہیں کہ یزید کے والد معاویہ (جنھوں نے جانشین بنایا) خلیفہ برحق تھے-

۴۴- قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(م ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)

قطب العالم، فقیہ الامہ مولانا رشید احمد گنگوہی جو مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا مملوک علی نانوتوی اور شاہ عبد الغنی دہلوی کے تلامذہ اور دار العلوم دیوبند کے بانیان و سرپرستان میں سے تھے، نیز اپنے عہد کے ایک عالم باعمل اور صوفی متشرع تھے، اور "براہین قاطعہ"، "ہدایۃ المہتدی" اور "سبیل الرشاد" وغیرہ متعدد اہم کتب کے مصنف ہیں، آپ جواز و عدم جواز لعن یزید کے حوالہ سے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:-

جواب

"حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے، اگر وہ شخص قابل لعن کا ہے تو لعن اس پر پڑتی ہے۔ ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے۔ پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا متحقق نہ ہو جائے، اس پر لعنت نہیں کرنا چاہیئے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے۔ لہذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہرچند موجب لعن کے ہیں، مگر جس کو محقق اخبار اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی و خوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدون توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یوں ہی ہے۔

اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا۔ اس کے بعد ان افعال کا وہ مستحق تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا، تحقیق نہیں ہوا۔ پس بدون تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ لہذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔

پس جواز لعن اور عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے۔ اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے۔ کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت محض مباح ہے۔ اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔" (رشید احمد)

(۱۰۰) رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ، کتاب ایمان اور کفر کے مسائل، ص ۳۵۰)

۴۵- اعلی حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ

(م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء)

برصغیر کے کثیر التصانیف، معروف و منفرد عالم و فقیہ و متکلم، اعلی حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی ایک سوال کے جواب میں امام ابو بکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم نیز دیگر صحابہ کرامؓ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

مسئلہ:- امیر معاویہؓ کی نسبت مجلسی کہتا ہے کہ وہ لالچی شخص تھے یعنی انہوں نے حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امام حسنؓ سے لڑ کر خلافت لے لی اور ہزار ہا صحابہؓ کو شہید کیا۔

جعفری کہتا ہے کہ:- میں ان کو خطا پر جانتا ہوں ان کو امیر نہ کہنا چاہیے عمرو کا یہ قول ہے کہ وہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں ان کی توہین گمراہی ہے ایک اور شخص جو اپنے آپ کو سنی المذہب کہتا ہے اور کچھ علم بھی رکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ سب صحابہ اور خصوصاً حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ ذوالنورین (نعوذ باللہ منہا) لالچی تھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک رکھی تھی اور وہ اپنے اپنے خلیفہ ہونے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ ان چاروں شخصوں کی نسبت کیا حکم ہے ان کو اہل سنت جماعت کہہ سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب

"اللہ عزوجل" نے سورۃ الحدید میں صحابہؓ سید المرسلین کی دو قسمیں فرمائیں۔ ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا، جہاد کیا۔ دوسرے وہ کہ بعد (فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے)۔ پھر فرمادیا **وکلا وعد اللہ الحسنی**۔" اور دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔

تو جو کسی صحابی پر طعنہ کرے، اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔ اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں، ارشاد الہیٰ کے مقابل پیش کرنا، اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں ان کا منہ بھی بند فرما دیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا:۔ "**واللہ بما تعملون خبیر**۔" اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے۔ بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔

اس کے بعد جو کوئی بکے، اپنا سر کھائے، خود جہنم میں جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی "نسیم الریاض" شرح "شفاء" امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:۔

ومن یکون یطعن فی معاویۃ

فذاک من کلاب الھاویۃ

ترجمہ:۔ جو حضرت معاویہؓ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔

ان چار شخصیتوں میں عمرو کا قول سچا ہے۔مجلسی اور جعفری جھوٹے ہیں۔ایک اور جو شخص ہے سب سے بدتر خبیث رافضی تبرائی ہے۔

امام کا مقرر کرنا ہر مہم سے زیادہ اہم ہے۔ تمام انتظام دین و دنیا اسی سے متعلق ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ انور اگر قیامت تک رکھا رہتا تو اصلاً کوئی خلل محتمل نہ تھا۔ انبیاء علیہم السلام کے اجسام طاہرہ بگڑتے نہیں۔سیدنا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد انتقال ایک سال کھڑے رہے سال بھر بعد دفن ہوئے۔

(حضور اکرم ﷺ کا) جنازہ مبارک حجرہ ام المومنین صدیقہ میں تھا جہاں اب مزار انور ہے

اس سے باہر لے جانا نہ تھا۔ چھوٹا سا حجرہ اور تمام صحابہؓ کو اس سعادت سے مشرف ہونا ایک ایک جماعت آتی صلوۃ پڑھتی اور باہر جاتی یوں یہ سلسلہ تیسرے دن ختم ہوا اگر تین برس میں ختم ہوتا تو جنازہ اقدس یوں ہی رکھا رہنا تھا کہ اس وجہ سے تاخیر دفن اقدس ضروری تھا۔ ابلیس کے نزدیک یہ اگرلالچ کے سبب تھا تو سب سے سخت الزام امیرالمؤمنین مولا علی پر ہے یہ تو لالچی نہ تھے اور کفن دفن کا کام گھر والوں ہی سے متعلق ہوتا ہے یہ کیوں تین دن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے انہوں نے ہی رسول کا یہ کام کیا ہوتا؟ پچھلی خدمت بجالائے ہوتے۔ تو معلوم ہوا کہ اعتراض ملعون ہے اور جنازہ انور کا جلد دفن نہ کرنا ہی مصلحت دینی تھا جس پر علی مرتضی اور سب صحابہ نے اجماع کیا مگر ؎

چشم بداندیش کہ برکندہ با
عیب نماید بہ نگاہش ہنر

یہ خبثاء خذلہم اللہ تعالی، صحابہ کرامؓ کو ایذا نہیں دیتے بلکہ اللہ اور رسول کو ایذا دیتے ہیں۔

حدیث میں ہے:۔

"جس نے میرے صحابہؓ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے گرفتار بلا کرے۔

والعیاذ باللہ تعالی واللہ تعالی اعلم۔

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ۔ بمحمدن المصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

(مولانا احمد رضا خاں بریلوی، احکام شریعت، حصہ اول، ص ۱۲۲-۱۲۳)

اعلی حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ خاصہ کے بعد صحابی راشد سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ میں شمار فرماتے ہیں۔ آپ "خلافت راشدہ کی تعریف" کے زیر عنوان فرماتے ہیں:۔

"ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولا علی، امام حسن، امیر معاویہ، عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہم کی خلافت، راشدہ تھی۔"

(علامہ سید محمود احمد رضوی، شان صحابہؓ، ص ۳۲، بحوالہ اعلی حضرتؒ، الملفوظ، حصہ سوم، ص ۷۱)

جانشین اعلی حضرتؒ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم ہند، (بریلی) سیدنا ابو سفیان و معاویہ و مغیرہ و عمرو بن عاص سمیت جملہ صحابہ کرامؓ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے

ہیں:-

"کسی صحابی کے ساتھ سوء عقیدت (بد عقیدگی) بد مذہبی و گمراہی و استحقاق جہنم ہے۔ کہ حضور اقدس کے ساتھ بغض ہے۔ ایسا شخص مثلاً حضرت امیر معاویہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابو سفیان اور والدہ ماجدہ حضرت ہند، اور اسی طرح حضرت سیدنا عمرو بن عاص و حضرت مغیرہ بن شعبہ و حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہم، حتی کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جنہوں نے قبل اسلام حضرت سیدنا سید الشہداء حمزہؓ کو شہید کیا۔ اور بعد اسلام اخبث الناس مسلیمہ کذاب ملعون کو جہنم واصل کیا---، ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی تبرا ہے اور اس کا قائل رافضی۔"

(بحوالہ مفتی ابو سعید، غلام سرور قادری، افضلیت سیدنا صدیق اکبر، مکتبہ فریدیہ، ساہیوال، ص ۱۵۵)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ و جانشین اعلیٰ حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان بریلوی کے ان ارشادات و فتاوی کی رو سے تمام صحابہ کرامؓ از روئے قرآن و سنت اہل مغفرت و جنت اور انعام خداوندی کے مستحق نجوم ہدایت ہیں۔ اور سیدنا ابو سفیان و سیدہ ہند نیز سیدنا معاویہ و عمرو بن عاص و مغیرہ بن شعبہ و قاتل مسلیمہ کذاب، وحشی رضی اللہ عنہم سمیت کسی بھی صحابیؓ کے ساتھ سوء عقیدت رکھنا بد مذہبی و گمراہی و استحقاق جہنم ہے۔ اور ان کے بعض معاملات و مشاجرات کو جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں، ارشاد الہیٰ (وکلاًوعد اللہ الحسنی وغیرہ) کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ ان واجب التعظیم و التکریم صحابہ کرامؓ میں درج ذیل صحابہؓ مجتہدین بھی شامل ہیں:-

۱- سیدنا حسنؓ و حسینؓ و دیگر جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔
(سیدنا معاویہؓ کی امامت و خلافت کی بیعت کرنے والے)۔

۲- سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ۔
(یزید کی ولی عھدی کی تجویز نیک نیتی کے ساتھ پیش کرنے والے)

۳- سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ۔
(یزید کی ولی عھدی کی تجویز پر استصواب کروا کر عالم اسلام سے اس کی بیعت لینے والے)

۴- ڈھائی سو سے زائد باطل شکن صحابہ کرامؓ۔
(بیعت کنندگان ولایت یزید در خلافت سیدنا معاویہؓ)۔

۵- ڈیڑھ سو سے زائد باطل شکن صحابہ کرامؓ۔

(بیعت کنندگان خلافت یزید بعد وفات سیدنا معاویہؓ، نیز خلافت یزید میں موجود اور اس کے خلاف خروج نہ کرنے والے اور واقعہ کربلا و حرہ کے بعد بھی بیعت یزید کو برقرار رکھنے والے جملہ صحابہ کرام بشمول سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس و غیرھم، رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

۶۔ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما۔

(یزید کے مقابلے میں اعلیٰ و برتر خلافت حسینی کے قیام کی خاطر خروج کرنے والے اور پھر شیعان کوفہ و عراق کی غداری و بیعت ابن زیاد کے بعد یزید سے ملاقات و مذاکرات کی پیشکش کرنے والے۔ جسے ابن زیاد نے پہلے دست در دست ابن زیاد کی شرط سے مشروط کر کے صورتحال کو بگاڑ دیا اور سانحہ کربلا پیش آیا)۔

۷۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔

(یزید کے خلاف مکہ میں خروج کر کے وفات یزید تک بیعت یزید نہ کرنے والے۔)

۸۔ سیدنا مسلم بن عقبہ المریؒ۔

(واقعہ حرہ یعنی اواخر ۶۳ھ میں اہل مدینہ کے ایک طبقہ کی یزید مخالف بغاوت کچلنے والے امیر لشکر یزید)۔

۹۔ سیدنا حصین بن نمیرؒ۔

(مکہ میں حصار لشکر ابن زبیرؓ (اوائل ۶۴ھ) کے دوران میں امیر لشکر یزید)۔

۱۰۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن جعفر طیارؓ و دیگر صحابہؓ و اہل بیت در مدینہ منورہ۔

(واقعہ کربلا کے بعد اواخر ۶۳ھ میں واقعہ حرہ کے دوران میں بھی بیعت یزید کو برقرار رکھنے والے اور یزید مخالف حامیان ابن زبیرؓ کی بغاوت کی مخالفت کرنے والے، بشمول تابعینؒ اہل بیت سیدنا محمد بن علی، ابن الحنفیہؒ و علی زین العابدینؒ و محمد الباقرؒ)۔

بقول ابن کثیر:۔

"وکان عبداللہ بن عمر بن الخطاب و جماعات اہل بیت النبوۃ ممن لم ینقض العہد ولا بایع أحداً بعد بیعتہ لیزید-"

(البدایۃ و النہایۃ، ج ۸، ص ۲۳۲)

ترجمہ:۔ عبداللہ بن عمر بن خطاب اور جماعات اہل بیت نبوت ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے عہد شکنی نہیں کی اور یزید کی بیعت کر لینے کے بعد پھر کسی اور کی بیعت نہیں کی۔

ابن کثیر یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ:۔

"وکذلک لم یخلع یزید أحد من بنی عبدالمطلب- وسئل محمد بن الحنفیه فی ذلک فامتنع من ذلک اشد الامتناع، و ناظرهم و جادلهم فی یزید ورد علیهم ما اتهموه من شرب الخمر و ترکه بعض الصلاة-

(ابن کثیر، البدایة والنهایة، ج ۸، ص ۲۱۸)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح بنو عبدالمطلب میں سے بھی کسی نے یزید کی بیعت نہ توڑی۔ اور محمد بن حنفیہ سے اس (بیعت یزید توڑنے کے) معاملے میں درخواست کی گئی تو انہوں نے سختی کے ساتھ انکار کر دیا، اور ان (باغیوں) سے یزید کے بارے میں مناظرہ و مجادلہ کیا۔ اور انہوں نے یزید پر شراب نوشی نیز بعض نمازوں کے قضا کر دینے کے جو الزامات لگائے، ان کو مسترد کرتے ہوئے یزید کی صفائی میں دلائل دیئے۔

۱۱۔ عمزاد نبیؐ و علیؓ سیدنا عبداللہ بن عباس الہاشمی القرشیؓ و دیگر صحابہؓ و اہل بیتؓ در مکہ و طائف وغیرہ۔

(سیدنا حسینؓ کو شیعان کوفہ کے بھروسے پر خروج سے منع کرنے والے اور کربلا و حرہ و حصار ابن زبیرؓ کے بعد بھی وفات یزید تک مذکورہ بالا صحابہؓ و اہل بیتؓ کے ہمراہ بیعت یزید کو برقرار رکھنے والے)۔

خلاصہ کلام یہ کہ مسلک اعلیٰ حضرتؒ کی روشنی میں یزید پر تنقید کرنے والے کے لئے بھی کوئی ایسی بات زبان و قلم سے نکالنا جس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر بیعت کنندگان و عدم بیعت کنندگان یزید، صحابہؓ و اہل بیتؓ میں سے کسی کی شان میں گستاخی لازم آتی ہو، بد مذہبی، گمراہی اور استحقاق جہنم ہے۔

و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا-

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کتب شہادت نیز سانحہ کربلا کے حوالہ سے رائج مختلف رسوم محرم وغیرہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"کتب شہادت جو آج کل رائج ہیں، اکثر حکایات موضوعہ و روایات باطلہ پر مشتمل ہیں۔ یونہی مرثیے۔ ایسی چیزوں کا پڑھنا سننا سب گناہ وحرام ہے حدیث میں ہے:۔

نهی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم عن المراثی-

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا۔

رواہ ابوداؤد و الحاکم عن عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالی

عنہ۔

ایسے ہی ذکر شہادت کو امام حجۃ الاسلام وغیرہ علمائے کرام منع فرماتے ہیں۔ کما ذکر الامام ابن حجر المکی فی الصواعق المحرقۃ۔

ا ل اگر صحیح روایات بیان کی جائیں اور کوئی کلمہ کسی نبی یا ملک یا اہل بیت یا صحابی کی توہین، شان کا مبالغہ، مدح وغیرہ میں مذکورہ نہ ہو، نہ وہاں بین یا نوحہ یا سینہ کوبی یا گریبان دری یا ماتم یا تصنع یا تجدید غم وغیرہ ممنوعات شرعیہ ہوں، تو ذکر شریف فضائل و مناقب حضرت سیدنا امام حسینؓ موجب ثواب ورحمت ہے۔"

(اعلی حضرت احمد رضا خان بریلوی، مجموعہ رسائل رد روافض تقدیم و ترتیب فاروق کلیمی ص ۲۳)

اعلی حضرتؒ اسی سلسلہ میں تفصیل ووضاحت کے ساتھ مزید بیان فرماتے ہیں :۔

"شہادت نامے نثریا نظم جو آج کل عوام میں رائج ہیں اکثر روایات باطلہ و بے سروپا سے مملو اور اکاذیب موضوعہ پر مشتمل ہیں۔ ایسے بیان کا پڑھنا، سننا، وہ شہادت ہو، خواہ کچھ اور، مجلس میلاد مبارک میں ہو، خواہ کہیں اور، مطلقاً حرام و ناجائز ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ بیان ایسی خرافات کو متضمن ہو، جن سے عوام کے عقائد میں تزلزل واقع ہو، کہ پھر تو اور بھی زیادہ زہر قاتل ہے۔

ایسے ہی وجوہ پر نظر فرما کر امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی وغیرہ آئمہ کرام نے حکم فرمایا کہ شہادت نامہ پڑھنا حرام ہے۔ علامہ ابن حجر مکی قدس سرہ صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں :"امام غزالیؒ" کا فرمان ہے کہ واعظین پر قتل حسن و حسین کی روایات دہرانا حرام ہے۔ جبکہ اس سے مقصود غم پروری و تصنع و حزن ہو تو یہ نیت بھی شرعاً نا محمود ہے۔ شرع مطہر نے غم میں صبر و تسلیم اور غم موجود کو حتی المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ غم معدوم بتکلف و زور لانا، نہ کہ بتصنع و زور بنانا، نہ کہ اسے باعث قربت و ثواب ٹھہرانا یہ سب بدعات شنیعہ روافض ہیں جن سے سنی کو احتراز لازم ہے۔ ماشاء اللہ اس میں کوئی خوبی ہوتی تو حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اقدس کی غم پروری سب سے زیادہ اہم و ضروری ہوتی دیکھو! حضور اقدس صلوات اللہ تعالی و سلامہ علیہ و علی آلہ کا ماہ ولادت و ماہ وفات وہی ماہ مبارک ربیع الاول شریف ہے پھر علمائے امت و حامیان سنت نے اسے ماتم وفات نہ ٹھہرایا۔ عوام مجلس خواں اگرچہ بالفرض صرف روایات صحیح بروجہ صحیح پڑھیں بھی تاہم جو ان کے حال سے آگاہ ہے خوب جانتا ہے کہ ذکر شہادت شریف پڑھنے سے ان کا مطلب یہی

بہ تصنع رونا، بہ تکلف رولانا اور اس رونے رلانے سے رنگ جمانا ہےاس کی شناعت میں کیا شبہ ہےہاں اگر خاص بہ نیت ذکر شریف حضرات اہل بیت اطہار صلی اللہ تعالی علی سید ہم و علیہم و بارک وسلم ان کے فضائل جلیلہ و مناقب جمیلہ روایات صحیح سے بروجہ صحیح بیان کرے اور اس کے ضمن میں ان کے فضل جلیل صبر جمیل کے اظہار کو ذکر شہادت بھی آجاتا اور غم پروری و ماتم انگیزی کے انداز سے کامل احتراز ہوتا تو اس میں حرج نہ تھامگر ہیہات ان کے اطوار ان کی عادات اس نیت خیر سے یکسر جدا ہیں ذکر فضائل شریف مقصود ہوتا تو کیا ان محبوبان خدا کی فضیلت صرف یہی شہادت تھی؟بے شمار مناقب عظیم اللہ عزوجل نے انہیں عطا فرمائےانہیں چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا اور اس میں طرح طرح سے بالفاظ رقت خیز، و نوحہ نما، و معانی حزن انگیز و غم افزا بیان کو وسعتیں دینا انہیں مقاصد فاسدہ کی خبریں دے رہا ہے۔ غرض عوام کے لئے اس میں کوئی وجہ سالم نظر آنا سخت دشوار ہے۔پھر مجلس ملائکہ انس میلاد اقدس تو عظیم شادی و خوشی و عید اکبر کی مجلس ہیں اذکار غم و ماتم اس کے مناسب نہیں فقیر اس میں ذکر وفات والا بھی جیسا کہ بعض عوام میں رائج ہے پسند نہیں کرتا حالانکہ حضور کی حیات بھی ہمارے لئے خیر اور حضور کی وفات بھی ہمارے لئے خیر صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

اس تحریر کے بعد علامہ محدث سیدی محمد طاہر فتنی قدس الشریف کی تصریح نظر فقیر سے گزری۔ انہوں نے بھی اس رائے فقیر کی موافقت فرمائی۔ و الحمدللہ رب العالمین۔ آخر کتاب مستطاب "مجمع بحار الانوار" میں فرماتے ہیں:۔

"ماہ مبارک ربیع الاول خوشی، شادمانی کا مہینہ ہے اور سرچمہ انوار رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا زمانہ ظہور ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ ہر سال اس میں خوشی ظاہر کریں، تو ہم اسے وفات کے نام سے مکدر نہ کریں گے۔ یہ تجدید ماتم کے مشابہ ہے اور بے شک علماء نے تصریح کی کہ ہر سال جو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا ماتم کیا جاتا ہے شرعاً مکروہ ہے اور خاص اسلامی شہروں میں اس کی کچھ بنیاد نہیں۔ اولیاء کرام کے عرسوں میں نام ماتم سے احتراز کرتے ہیں تو حضور پر نور سید الاصفیاء صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کےمعاملہ میں اسے کیونکر پسند کرسکتے ہیں۔"

فالحمدللہ علی ما الھم۔ واللہ سبحانہ و تعالی اعلم۔"

(اعلی حضرت احمد رضا خاں بریلوی، مجموعہ رسائل رد روافض، تقدیم و ترتیب، علامہ فاروق کلیمی، ادارہ معارف اعلی حضرت، کراچی)۔

حدیث نبوی "من کثر سواد قوم فھو منھم"(جس نے کسی گروہ کا مجمع بڑھایا تو وہ انہی میں شمار ہوگا) کے حوالہ سے اعلی حضرت مجلس شیعہ میں شرکت سے منع

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

حدیث میں ہے:- رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: من کثر سواد قوم فھومنھم-

وہ بد زبان ناپاک لوگ اکثر تبرا بک جاتے ہیں، اس طرح کہ جاہل سننے والوں کو خبر نہیں ہوتی- اور متواتر سنا گیا ہے کہ سنیوں کو جو شربت دیتے ہیں، اس میں نجاست ملاتے ہیں- اور کچھ نہیں تو اپنے ہاں کے تھلتین کا پانی ملاتے ہیں-اور کچھ نہ ہو تو وہ روایات موضوعہ و کلمات شنیعہ ماتم حرام سے خالی نہیں ہوتیں- اور یہ دیکھیں سنیں گے اور منع نہ کرسکیں گے، ایسی جگہ جانا حرام ہے-

اللہ تعالی فرماتا ہے:- فلا تقعد بعد الذکر مع القوم الظالمین- واللہ تعالی اعلم"

(اعلی حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی، مجموعہ رسائل رد روافض، تقدیم و ترتیب علامہ فاروق کلیمی، ادارہ معارف اعلی حضرت، کراچی، ص ۲۳) -

۴۶- میرزا حیرت دہلوی

(م ۱۹۲۸ء، دھلی)

عربی، فارسی اور اردو زبان کے ماہر، عصر جدید کے ممتاز عالم و ادیب میرزا حیرت دہلوی جہاں اردو زبان و ادب کے حوالہ سے مشہور و معروف ہیں، وہیں واقعہ کربلا کے سلسلہ میں ان کی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب شہادت" نے انہیں علمی و دینی لحاظ سے لازوال شہرت عطاء کی ہے۔ چھ ضخیم جلدوں میں ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل آپ کی یہ تصنیف اثبات امامت و خلافت سیدنا معاویہؓ و یزید کے سلسلہ میں بے مثال ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سیدنا حسینؓ کے مقام و عظمت کا اعتراف و تعظیم بھی اس کتاب کی نمایاں خصوصیات میں سے ہے۔ اپنے تفصیلی دلائل و شواہد کی رو سے میرزا حیرت دہلوی نے بڑی شدومد سے یہ بات بھی ثابت کی ہے کہ سیدنا حسینؓ بن علیؓ نہ صرف سپہ سالار امیر یزید کے ہمراہ لسان نبوی سے بشارت مغفرت کے حامل اولین لشکر مجاہدین قسطنطینیہ میں شامل تھے بلکہ انہوں نے اسی معرکہ میں شہادت پائی۔

ان امور کے سلسلہ میں میرزا حیرت دہلوی نے ۱۹۱۵ء میں "کرزن گزٹ" میں باقاعدہ اعلان شائع کروا کر تمام علمائے اہل تشیع کو چیلنج کیا کہ وہ ان کے اس نقطہ نظر کی تردید کر سکتے ہوں تو باقاعدہ علمی مباحثہ و مجادلہ کر کے تردید فرمائیں۔ مگر کہا جاتا ہے کہ ان کا چیلنج کسی نے قبول نہ کیا۔

میرزا حیرت دہلوی کی معرکتہ الاراء تصنیف "کتاب شہادت" چھ جلدوں پر مشتمل کرزن پریس، واقع شاہ گنج، دہلی سے ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی۔ آپ بذات خود مالک و اڈیٹر کرزن گزٹ و ڈائریکٹر و سیکرٹری، اسلامیہ پرنٹنگ و پبلشنگ کمپنی، دہلی تھے۔ آپ کی دیگر علمی و ادبی و دینی تصانیف میں درج ذیل کتب سرفہرست ہیں:۔

۱۔ اردو ترجمہ قرآن (مقدمہ تفسیر القرآن) ۶۸۷ صفحات، مطبوعہ کرزن پریس، دہلی، ۱۹۰۱ء۔

۲۔ ترجمہ صحیح بخاری (اردو)۔

۳۔ سیرت محمدیہ ﷺ، مطبع جیون پرکاش، دہلی، ۱۸۹۵ء۔

۴۔ خلافت شیخینؓ، کرزن پریس، دہلی، ۱۹۰۱ء۔

۵۔ خلافت عثمانی، کرزن پریس، دہلی، ۱۹۰۱ء۔

۶۔ حیات طیبہ (سیرت شاہ اسماعیل شہید) اسلامی پبلشنگ کمپنی، دہلی۔

۷۔ تذکرہ سلطان محمود غزنوی، لاہور، پیسہ اخبار، ۱۹۱۰ء۔

۸۔ حیات فردوسی، لاہور، پیسہ اخبار، ۱۹۱۰ء۔

۹۔ تیمور و حمیدہ بانو بیگم، میسور پریس، دہلی، ۱۸۹۸ء۔

۱۰۔ نور تن اکبری مع سوانح اکبری۔

۱۱۔ سوانح عمری زیب النساء بیگم۔

۱۲۔ چراغ دہلی، کرزن پریس، دہلی، ۱۹۰۳ء۔

"میرزا حیرت دہلوی اپنے زمانے کے مشہور و ممتاز ادیبوں میں سے تھے۔ دہلی پر ان کی "کتاب چراغ دہلی" بہت اہم تصنیف ہے جو کرزن پریس، دہلی سے ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں محمد حسین آزاد کی "آبِ حیات" اور سرسید کی "آثار الصنادید" کے انداز پر اردو زبان و ادب کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ اور آثار الصنادید کو نمونہ بنا کر دہلی کی تاریخی عمارات کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔"

(پیش لفظ "چراغ دہلی" از ڈاکٹر خلیق احمد انجم، چیرمین تحقیقی و اشاعتی کمیٹی، اردو اکادمی، دہلی، مطبوعہ اردو اکادمی، دہلی، مارچ ۱۹۸۷ء)۔

میرزا حیرت دہلوی کو اپنی مختلف و متنوع علمی و دینی اور ادبی و صحافتی خدمات کی بناء پر بیسویں صدی کے ربع اول میں برصغیر میں منفرد و ممتاز مقام اور وسیع تر شہرت حاصل ہوئی۔ نیز منکرین ختم نبوت اور اہل رفض و تشیع کے عقائد و روایات باطلہ کے رد و ابطال کے سلسلہ میں آپ نے بے مثال جرأت و عزیمت کے ساتھ علمی و تحقیقی و عملی لحاظ سے شاندار خدمات سر انجام دیں۔ اور بالآخر اسی جہاد مسلسل میں ۴، مارچ، ۱۹۲۸ء کو وفات پا کر دہلی میں مدفون ہوئے۔ (تاریخ وفات بحوالہ مالک رام، ماہ و سال، استدراک)۔

میرزا حیرت کی "کتاب شہادت" مطبوعہ کرزن پریس، دہلی، ۱۹۱۳ء کی جلد اول دوبارہ ۱۹۷۶ء میں "مکتبہ جاء الحق" کراچی نے شائع کی۔ اس اشاعت ثانیہ (۵۲۸ صفحات) کی ابتداء میں "عرض ناشر" کے زیر عنوان ایک اقتباس سے اس کتاب کی نوعیت و انفرادیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے:۔

"بابائے اردو مولوی عبدالحق آتے وقت "کتاب شہادت" کی چھ جلدیں، جو ہندوستان کے کونے کونے سے خرید کر تلف کی جارہی تھیں، ساتھ لائے اور اپنے دوست محمود احمد عباسی کو دیں کہ ان کا خلاصہ تیار کر دیا ان کو دوبارہ چھپواؤ۔

عباسی صاحب نے اس کے چیدہ چیدہ مضامین اپنی زبان میں لکھ کر ایک مقامی رسالے میں قسط وار شائع کئے۔ جس کا نام تھا ماہنامہ "تذکرہ" ۔ یہ رسالہ مذہبی تھا، ملاؤں نے توجہ نہ کی۔ وہ ایسے رسالے نہیں پڑھتے جو ان کے مسلک کے مطابق نہ ہوں۔ لیکن جب وہ مضامین یکجا ہو کے کتاب کی شکل میں پیش ہوئے اور اس کا نام "خلافت معاویہ و یزید" رکھا گیا، تو گویا مولوی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ تہذیب لکھنؤ کے قصر میں زلزلہ آگیا اور دیواریں شق ہو گئیں۔ مسجدوں، امام باڑوں اور خانقاہوں میں صف ماتم بچھ گئی۔"

(عرض ناشر "کتاب شہادت"، جلد اول، ص ۲۱-۲۲، ناشر مکتبہ جاء الحق، کراچی، ۱۹۷۶ء)

حیرت دہلوی کی چھ جلدوں میں ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل "کتاب شہادت" عمومی پروپیگنڈہ کی فضا سے متاثر ہوئے بغیر سیدنا علیؓ و حسنؓ و حسینؓ و معاویہؓ و یزیدؒ و جمل و صفین و کربلا سمیت اہم تاریخی حقائق و نقد تاریخی پر مشتمل لاجواب و نادر المثال کتاب ہے۔

جلد اول کے اختتام پر میرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:۔

تبصرہ

آپ نے جنگ جمل کی کہانیاں پڑھیں اور امیر معاویہ، حضرت علی اور دیگر صحابہ کی سرگوشیوں اور خط و کتابت کو بھی ملاحظہ کیا۔ دنیا کی کوئی تاریخ بھی ایسی نہیں ملنے کی، جس میں سرگوشیوں کی لفظ لفظ نقل اور باہمی نج کی گفتگو ملاحظہ فرمائیں گے۔ خیال کیجئے اس ہولناک اور مہیب دروغ کو کہ معاویہ اپنے محل میں بند عمرو بن العاص سے باتیں کر رہے ہیں اور اس کے چار صدی کے بعد ایک شیعہ مؤرخ یہ سرگوشی نقل کر رہا ہے۔ جتنی باتیں نقل ہوئی ہیں، وہ اول سے آخر تک غلط ہیں۔ کیونکہ کسی خط یا گفتگو کی ضعیف سے ضعیف سند موجود نہیں ہے۔

یہ شیعی داستان نویسوں کی عنایت ہے کہ کہانیوں کا اتنا انبار ہو گیا۔

حضرت علی کے واقعات زندگی کے بیان میں پہلی جلد ختم ہوئی ہے۔ دوسری جلد اس کے بعد آپ دیکھیں گے۔ اس جلد میں جنگ صفین کا پورا قصہ وضاحت سے بیان ہو گا۔ آپ کے سیاسی، اخلاقی اور انتظامی معاملات پر پوری روشنی ڈالی جائے گی۔ "نہج البلاغہ" اور ایک دیوان جس کی نسبت آپ سے دی جاتی ہے، پوری بحث ہو گی۔ آپ کی شہادت کی من و عن ساری کیفیت بیان کی جائے گی۔ آپ کی نصائح اور ضرب الامثال کی پوری حقیقت کھولی جائے گی۔ غرض یہ دوسری جلد اور زیادہ دلکش ہو گی۔ انشاء اللہ۔

اس کے بعد اصلی حالات سارے بیان کر دیئے جائیں گے۔ جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہ بھی اس صدی کا ایک معجزہ ہے کہ وہ حالات جن سے علماء بھی ناواقف تھے، عامہ خلائق کے سامنے آ گئے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہو گیا۔"

(حیرت دہلوی، کتاب شہادت، جلد اول، مطبوعہ کرزن پریس، دہلی، ۱۹۱۳ء، و طبع ثانی مکتبہ جاء الحق، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۵۲۷-۵۲۸)۔

۴۷- سلطان المشائخ پیر سید مہر علی شاہؒ

(م ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء)

سلطان المشائخ پیر طریقت سید مہر علی شاہ گیلانی، چشتی (م مئی ۱۹۳۷ء / ۱۳۵۶ھ، گولڑہ شریف، راولپنڈی) ایک سائل کے جواب میں (مؤرخہ ۷ رجب ۱۳۳۴ھ) امامت و خلافت کے حوالہ سے سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کو خلافت خاصہ کاملہ مع ریاست عامہ، سیدنا علیؓ کی خلافت کو خلافت خاصہ مع نقص ریاست عامہ، سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو خلافت صحیحہ مع نقص قرب بنفوس انبیاء اور بعد ازاں تدریجاً خلافت کے جبری خلافت میں تبدیل ہو جانے کا نقطہ نظر پیش فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"بودن ائمه اثنا عشر بعد آنحضرت صلى الله عليه وسلم باخبار صحاح سته ثابت- چنانچه در بخاری بروایت جابر بن سمره آمده- قال سمعت النبى صلى لله عليه وسلم يقول: (يكون اثنا عشر أميراً) فقال كلمة لم اسمعها ، فقال أبى انه قال: (كلهم من قريش)-

ـــ٥ـــ

و در روایت سفیان بن عینیه:-

(لا یزال امر الناس ما ضیاً ما ولیهم اثنا عشر رجلاً)-

و در روایت ابو داؤد: (ولا یزال هذا الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلهم تجتمع علیه الأمة)-

و طبرانی بلفظ: (لا یضرهم عدواة من عاداهم)-

و حاکم از ابی جحیفه بلفظ: (لا یزال امر أمتی صالحاً حتی یمضی اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش)-

۲- و مراد خلفاء اربعه و من بعدهم هستند لکن لا مطلقاً- بلکه کسانیکه اسلام در عهد اوشان صورت اعزاز و قیام پذیرفته- چه خلافت عبارت است از ریاست عامه برائے اقامت دین از احیاء علوم دینیه و قیام بالجهاد و قضا و رفع مظالم بطریق نیابت از نبی صلی الله علیه وسلم- و مستحق این نیابت از امت مرحومه کسانے هستند که جوہر نفس اوشان قریب به جوہر نفس انبیاء مخلوق شده- پس جامع باشند صورت خلافت یعنی ریاست عامه و معنی او را یعنی قرب بنفوس انبیاء مثل خلفائے اربعه علیهم الرضوان-

فرق این قدر هست که در عهد خلفائے ثلاثہؓ نفاذ تصرف و اجتماع مسلمین علی سبیل الکمال صورت پذیرفته- و در عهد مرتضویؓ معنی کامل یعنی قرب بنفوس انبیاء بود، و صورت ناقص یعنی ریاست عامه و اجتماع مسلمین مثل زمانه خلفائے ثلاثه نبود- باز صورت باقی و معنی بروجه اتم مفقود- چنانچه در زمانه امیر معاویہؓ و در حدیث (هدنة علی دخن) همین معنی دارد-

باز تدریجاً تدریجاً خلافت جابره یا دعوت بر ابواب جهنم کما جاء فی الحدیث پیدا گشت- باز انقلاب زمانه حسب مشیت ایزدی رنگ تشبیه بخلافت راشده بظهور آمد چنانچه خلافت عمر بن عبدالعزیز-

الحاصل خلافت مجموع امرین را می گویند- ریاست عامه و تشبه بالأنبیاء علیهم السلام- و گاہے مجازاً ہر یکے از دو امر نیز اطلاق کرده شود- و مراد از حدیث مذکور یعنی اثنا عشر امیراً أو خلیفة مطلق خلافت است، در صورت مجموع امرین باشد یا در رنگ یکے ازاں ہر دو- چنانچه در حدیث "الخلافة من بعدی ثلثون سنة-" خلافت خاصه کامله مراد است نه مطلقه-"

(فیض احمد، مقالات مرضیه المعروف به "ملفوظات مهریه، ص ۱۱۳، بار دوم، مطبوعه پاکستان پریس انٹرنیشنل لاہور، جولائی ۱۹۷۴ء)-

ترجمہ: ۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ اماموں کا ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ بخاری میں جابر بن سمرہ کی روایت سے آیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ:- (بارہ امیر ہوں گے)۔ پھر آپ نے جو کلمہ ارشاد فرمایا وہ میں نہ سن سکا تو میرے والد نے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا:- (وہ سب قریش میں سے ہوں گے)۔

اور سفیان بن عینیہ کی روایت میں ہے کہ:-

(لوگوں کا معاملہ چلتا رہے گا جب تک ان پر بارہ آدمی حاکم رہیں گے)۔

اور ابو داوٗد کی روایت کے مطابق:- (یہ دین قائم رہے گا جب تک تم پر وہ بارہ (قریشی) خلفاء رہیں گے جن سب پر امت متفق رہے گی)۔

اور طبرانی کے الفاظ میں: (انہیں دشمنوں کی عداوت نقصان نہ دے پائے گی)۔

اور حاکم نے ابی جحیفہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:-

(میری امت کا معاملہ درست رہے گا جب تک بارہ خلفاء رہیں گے جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے)۔

۲- ان (بارہ خلفاء) سے مراد خلفاء اربعہؓ اور ان کے بعد آنے والے وہ خلفاء ہیں جن کے زمانہ میں اسلام کو اعزاز و قیام حاصل ہوا۔ کیونکہ خلافت کا معنی وہ ریاست عامہ ہے جو حضور ﷺ سے بطور نیابت حاصل ہو۔ اور جس کا مقصد اقامت دین بشمول احیاء علوم دینیہ و قیام بالجہاد و عدل و انصاف و رفع مظالم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے طور پر ہو۔ اور امت مرحومہ میں سے اس نیابت کے مستحق وہ حضرات ہیں کہ جن کا جوہر نفس انبیاء کے جوہر نفس سے قریب تخلیق شدہ ہے۔ پس انہیں صورت خلافت یعنی ریاست عامہ اور معنی خلافت یعنی قرب بنفوس انبیاء کا جامع ہونا چاہئے، جیسا کہ خلفاء اربعہ علیہم رضوان تھے۔

البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ خلفائے ثلاثہؓ کے عہد میں نفاذ تصرف و اجتماع مسلمین کامل

شکل میں موجود تھا جبکہ عہد مرتضیٰؓ میں معنیٰ کامل یعنی قرب بنفوس انبیاء تو تھا مگر صورت خلافت ناقص تھی یعنی ریاست عامہ و اجتماع مسلمین خلفائے ثلاثہ کے زمانہ جیسا نہ تھا۔ بعد ازاں صورت خلافت تو باقی رہی مگر معنیٰ بدرجہ اتم مفقود تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت اور حدیث (هدنة علی دخن) صلح برفساد، یہی معنیٰ رکھتے ہیں۔

پھر تدریجاً تدریجاً جبری خلافت یا بمطابق حدیث: دعوت بر ابواب جهنم، کی صورت پیدا ہو گئی۔ پھر انقلاب زمانہ نے مشیت الہی کے مطابق خلافت راشدہ سے مشابہت کا رنگ ظاہر کر دیا، جیسا کہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت تھی۔

حاصل کلام یہ کہ خلافت دو باتوں کے مجموعے کو کہتے ہیں، ریاست عامہ (اقتدار عام) اور انبیاء علیہم السلام سے مشابہت۔ اور کبھی مجازاً ان دو میں سے کسی ایک امر پر بھی خلافت کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ اور حدیث مذکور یعنی بارہ امراء یا خلفاء سے مطلقاً خلافت مراد ہے چاہے وہ دو باتوں کی جامع ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک رنگ کی حامل ہو۔ پس حدیث (میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی) میں خلافت خاصہ کاملہ مراد ہے، مطلقاً (اختتام خلافت) مراد نہیں۔

شاہ صاحب کے بیان کے مطابق سیدنا معاویہؓ کے بعد تدریجاً تدریجاً خلافت جبری خلافت اور دعوت برابواب جہنم میں بدل گئی۔

یزید کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں تفتازانی کا قول جواز نقل کرتے ہوئے جواز و عدم جواز لعن کے حوالہ سے علمائے امت کے اختلاف کی جانب اشارہ کرنے کے بعد قائلین جواز کے ہاں بھی اس کے لازم نہ ہونے کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"بعض اہل علم نے اس میں تامل کیا ہے، اور کہا ہے کہ آخرت کا حال معلوم نہیں، ممکن ہے یزید نے توبہ کی ہو۔

تفتازانی نے اس کے رد میں کیا خوب فرمایا ہے کہ قتل ذریت طیبہ اور اہانت بطور یقین امر مشہود ہے اور توبہ امر محتمل۔ پس احتمال وظن، یقین سے کیا نسبت رکھتے ہیں؟ اور بہت سے دوسرے محققین بھی لعن کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

"ہاں جواز اور لزوم میں فرق ہے۔ لعن کو عادت بنانا ضروری اور لازم نہیں۔ بہتر ہے بحکم عام فرمودہ حق تعالیٰ "فلعنة الله علی الظالمین-" پر کفایت کی جائے۔ بجائے لعن کے اللہ اللہ کرنا اولین و آخرین کے حق میں بہتر کام ہے۔" (ملفوظات مہریہ. ص ۱۳۴)

۴۸- حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

(م ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء)

حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی یزید کے حوالہ سے مختلف احادیث و روایات کا جائزہ لیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں بڑی متوازن اور قیمتی تفصیلات درج فرماتے ہیں:-

"سوال:- یزید کو لعنت بھیجنا چاہیے یا نہیں، اگر بھیجنا چاہیے تو کس وجہ سے، اور اگر نہ بھیجنا چاہیے تو کس وجہ سے؟ بینوا توجروا۔

جواب:- یزید کے بارے میں علماء قدیماً و حدیثاً مختلف رہے ہیں۔ بعض نے تو اس کو مغفور کہا ہے، بدلیل حدیث صحیح بخاری:-

ثم قال النبی صلی اللہ علیه وسلم:اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم- (مختصراً من حدیث طویل بروایة ام حرام)-

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں پہلا وہ لشکر جو مدینہ قیصر (روم) پر لشکر کشی کرے گا، بخشا ہوا ہو گا۔

(یہ حضرت ام حرامؓ کی روایت کردہ طویل حدیث کا اختصار ہے۔

قال القسطلانی:. کان اول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة و معه جماعة من سادات الصحابة کابن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر و ابی ایوب الانصاری، و توفی بها أبو ایوب سنة اثنتین و خمسین من الهجرة- کذا قاله فی خیر الجاری-

چنانچہ قسطلانی (شارح بخاری) فرماتے ہیں کہ مدینہ قیصر پر پہلا لشکر کشی کرنے والا یزید بن معاویہ ہے اور اس کے ساتھ کبار صحابہ کی جماعت تھی، جیسے ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم۔ اور حضرت ابو ایوب انصاری کا تو اسی مقام پر ۵۲ھ میں وصال ہوا۔

اسی طرح "خیر جاری" میں ہے۔

وفی الفتح قال المهلب:- فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر و منقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر-

اور فتح الباری میں ہے:- مہلب کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت معاویہؓ کی منقبت

ہے، کیونکہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے بحری جنگ کی، اور ان کے بیٹے کی بھی منقبت ہے اس لئے کہ وہی ہے جس نے پہلے پہل مدینہ قیصر پر لشکر کشی کی۔

اور بعضوں نے اس کو ملعون لکھا ہے۔ (لقولہ تعالیٰ) کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فهل عسيتم ان توليتم أن تفسدوا فى الارض وتقطعوا ارحامكم اولئک الذين لعنهم الله فاصمهم وأعمى أبصارهم (الاية)

پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں، یہ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں۔ (پارہ ۲۶، سورہ محمد، آیت ۲۳)۔

فى التفسير المظهرى:- قال ابن الجوزى انه روى القاضى ابويعلى فى كتابه (معتمد الاصول) بسنده عن صالح بن احمد بن حنبل انه قال قلت لأبى: يا ابت يزعم بعض الناس أنا نحب يزيد بن معاوية، فقال احمد: يا بنى هل يسوغ لمن يئومن بالله أن يحب يزيد؟ ولم لايلعن رجل لعنه الله فى كتابه؟ قلت: يا ابت اين لعن الله يزيد فى كتابه؟ قال: حيث قال فهل عسيتم- (آلاية، ۵۱)-

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے کہ ابن جوزیؒ نے فرمایا کہ قاضی ابو یعلی نے اپنی کتاب "معتمد الاصول" میں اپنی سند کے ساتھ جو صالح بن احمد بن حنبل سے ہے، روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ ابا جان بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت کرتے ہیں، امام احمد نے فرمایا کہ بیٹے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ یزید بن معاویہ سے دوستی رکھے؟ اور ایسے شخص پر کیونکر لعنت نہ کی جائے جس پر خود حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت فرمائی ہے، میں نے کہا ابا جان! اللہ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے۔ فرمایا اس موقع پر جہاں یہ ارشاد ہے: فهل عسيتم۔۔ الخ۔

مگر تحقیق یہ ہے کہ چونکہ معنی لعنت کے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے دور ہونا اور یہ ایک امر غیبی ہے، جب کہ شارع بیان نہ فرمائے کہ فلاں قسم کے لوگ یا فلاں شخص خدا کی رحمت سے دور ہے، کیونکر معلوم ہو سکتا ہے؟ اور تتبع کلام شارع سے معلوم ہوا، نوع ظالمین و قاتلین پر تو لعنت وارد ہوئی ہے کما قال تعالیٰ:-

ألا لعنة الله على الظالمين- (هود، پ ۱۲)- سن لو پھٹکار ہے اللہ کی نا انصاف لوگوں پر۔

ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزائه جهنم خالداً فيها و غضب الله عليه ولعنه وأعد له عذاباً عظيماً- (النساء، پ ۵)-

(اور فرمایا) جو کوئی قتل کرے کسی مسلمان کو جان کر اس کی سزا دوزخ ہے، پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔

پس اس کی تو ہم کو بھی اجازت ہے، اور یہ علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کون نوع میں داخل ہے اور کون خارج؟ اور خاص یزید کے باب میں کوئی اجازت منصوصہ ہی نہیں، پس بلادلیل اگر دعویٰ کریں کہ وہ خدا کی رحمت سے دور ہے، اس میں خطر عظیم ہے۔ البتہ اگر نص ہوتی تو مثل فرعون، ہامان و قارون وغیرہم کے لعنت جائز ہوتی، واذلیس فلیس (جب نص نہیں تو لعنت نہیں)۔ اگر کوئی کہے کہ جیسے کسی شخص معین کا ملعون ہونا معلوم نہیں تو کسی خاص شخص کا مرحوم ہونا بھی تو معلوم نہیں، پس صلحاء مظلومین کے واسطے رحمۃ اللہ علیہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ یہ بھی اخبار عن الغیب بلادلیل ہے۔

جواب یہ ہے کہ رحمۃ اللہ علیہ سے اخبار مقصود نہیں بلکہ دعا مقصود ہے اور دعا کا مسلمانوں کے لئے حکم ہے۔ اور لعن اللہ میں یہ نہیں کہہ سکتے، اس واسطے کہ وہ بددعا ہے اور اس کی اجازت نہیں۔ فافہم۔

اور آیت مذکورہ میں نوع منفسدین و قاطعین پر لعنت آئی ہے، اس سے لعن یزید پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے؟ اور امام احمد بن حنبل نے جو استدلال فرمایا ہے، اسمیں تاویل کی جائے گی، یعنی ان کان منھم (اگر یزید ان میں سے ہو) یا مثل اس کے لحسن الظن بالمجتھد۔ البتہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قاتل و آمر و راضی بقتل حسینؓ پر، وہ لعنت بھی مطلق نہیں بلکہ ایک قید کے ساتھ یعنی اگر بلا توبہ مرا ہو۔ اس لئے کہ ممکن ہے ان سب لوگوں کا قصور قیامت میں معاف ہو جائے، کیونکہ ان لوگوں نے کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کے ضائع کئے اور کچھ ان بندگان مقبول کے۔ اللہ تعالیٰ تو تواب اور رحیم ہے ہی، یہ لوگ بھی بڑے اہل ہمت اور اولوالعزم تھے، کیا عجب کہ بالکل معاف کر دیں۔ بقول مشہور:- ع "صد شکر کہ ہستم میان دو کریم"۔ پس جب یہ احتمال قائم ہے تو ایک خطر عظیم میں پڑنا کیا ضرور؟ اھ۔

اسی طرح اس کو مغفور کہنا بھی سخت نادانی ہے ،

- کیوں کہ اس میں بھی کوئی نص صریح نہیں.

رہا استدلال حدیث مذکور سے تو وہ بالکل ضعیف ہے، کیونکہ وہ مشروط ہے بشرط وفات علی الایمان کے ساتھ، اور وہ امر مجہول ہے۔ چنانچہ قسطلانی میں بعد نقل قول مہلب کے

لکھا ہے:۔

وتعقبه ابن التين و ابن المنير بما حاصله انه لا يلزم من دخوله فی ذلک العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذلا يختلف اهل العلم ان قوله عليه السلام مغفورلهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة، حتى لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذلک لم يدخل فی ذلک العموم اتفاقاً، فدل على ان المراد مغفور لهم لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم۔

(حاشیہ بخاری، ج ۱، ص ۴۱۰، مطبوعہ احمدی)۔

ترجمہ:۔ اور ابن التین اور ابن المنیر نے مہلب کے بیان پر اعتراض کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی خاص دلیل کی بناء پر وہ اس عموم سے خارج نہ ہو۔ اب اہل علم کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ حدیث پاک میں جو مغفرت کا وعدہ ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل بھی ہوں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ اس غزوہ میں شریک ہونے والا اگر کوئی شخص اس کے بعد مرتد ہو گیا تو وہ بالاتفاق اس مغفرت کے عموم میں داخل نہ ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ مغفرت کی شرط موجود ہو (اور جس میں شرط مفقود ہو وہ اس مغفرت میں داخل نہ ہوگا)۔

پس توسط اس میں یہ ہے کہ اس کے حال کو مفوض بعلم الٰہی کرے اور خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہے، لأن فیہ خطراً۔ (کیونکہ اس میں خطرہ ہے)۔ اور کوئی اس کی نسبت کچھ کہے تو اس سے کچھ تعرض نہ کرے، لأن فیہ نصراً۔ (کیونکہ اس میں یزید کی حمایت ہے)۔

اس واسطے خلاصہ میں لکھا ہے:۔

انه لا ينبغى اللعن عليه ولا على الحجاج لأن النبى عليه السلام نهى عن لعن المصلين ومن كان من اهل القبلة۔ و مانقل من النبى عليه السلام من اللعن لبعض من اهل القبلة فلما انه يعلم من احوال الناس مالا يعلمه غيره۔ اھ۔

ترجمہ:۔ یزید اور حجاج پر لعنت مناسب نہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے نمازیوں اور اہل قبلہ پر لعن کرنے سے روکا ہے، اور جو نبی ﷺ سے بعض اہل قبلہ پر لعن منقول ہے، وہ تو محض اس وجہ سے ہے کہ آپ لوگوں کے حالات کے ایسے جاننے والے تھے جو دوسرے نہیں جانتے۔ اھ۔

اور احیاء العلوم، ج ثالث، باب آفۃ اللسان، ثامنہ میں لعنت کی خوب تحقیق لکھی

ہے۔ خوف تطویل سے عبارت نقل نہیں کی گئی۔ من شاء فلیراجع الیہ۔

اللھم ارحمنا و من مات و من یموت علی الایمان،
واحفظنا من آفات القلب واللسان یا رحیم یا رحمن۔"

(فتوی مولانا محمد اشرف علی تھانوی، امداد الفتاوی، جلد خامس، ص ۴۲۵ تا ۴۲۷)

۴.۹- مفکر و مجاہد اسلام، مولانا عبید اللہ سندھیؒ (م ۱۹۴۴ء)

مفکر و مجاہد اسلام مولانا عبید اللہ سندھی (۱۸۷۲ - ۱۹۴۴ء) جیسے عالمی شہرت یافتہ انقلابی مجاہد اور جلیل القدر عالم کا درج ذیل بیان، خلافت یزید سمت بنو امیہ کے دور حکومت کے سلسلہ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے:-

"اموی دور کا تاریخی تجزیہ

حضرت علیؓ کی شہادت کے ساتھ "السابقون الاولون کا دور اقتدار ختم ہوتا ہے اور اب عربوں کی قومی حکومت شروع ہوتی ہے۔ جب اسلام کی تحریک کی حفاظت عربوں نے اپنا قومی مسلک بنا لیا تو ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے قریش کے جس خاندان کے ہاتھ میں اقتدار تھا، وہ برسر عروج ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کی قومی حکومت کی قیادت بنو امیہ کو ملی۔

حضرت امیر معاویہؓ مسلمان عربوں کی قومی حکومت کا بہترین نمونہ تھے اور اس میں شک نہیں کہ وہ مسلمان عربوں کے بہت بڑے آدمی تھے۔ عام عربوں کا رجحان بنو ہاشم کے مقابلہ میں امویوں کی طرف زیادہ تھا۔ اور اس کے اپنے اسباب ہیں۔ خلافت راشدہ کے بعد امویوں کا اقتدار میں آنا، اموی دور اسلام کی بین الاقوامی تحریک کے ارتقاء کی ایک لازمی کڑی کا حکم رکھتا ہے۔ ہمارے تاریخ نگاروں نے بنو امیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اور بنو امیہ کے سیاسی مخالفوں نے بھی جو بعد میں ان کے تخت و تاج کے وارث بنے انہیں بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ پہلے ہم بنی امیہ کے خلاف اپنے مؤرخوں کی باتیں پڑھ کر متاثر ہو جاتے تھے۔ لیکن اب جو ہم نے دنیا کی انقلابی تحریکوں کا بغور مطالعہ کیا اور ایک انقلابی تحریک کو جن جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، ان کو جانا تو ہم پر اموی دور کی اصل حقیقت واضح ہو گئی۔

ہم نے بنو امیہ کی غلطیوں کو تو خوب اچھالا لیکن ان کی حکومت کی جو اچھائیاں تھیں ان کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام لیا۔ بے شک امویوں نے اسلامی حکومت کو قومی اور

عربی رنگ دیا لیکن انہوں نے اسلام کے بین الاقوامی فکر کو اپنی حکومت کے تابع نہ بنایا۔ چنانچہ عہد اموی میں اسلام کا سیاسی مرکز دمشق تھا لیکن ذہنی اور علمی مرکز مدینہ ہی رہا۔ دوسرے لفظوں میں اسلامی فکر کی بین الاقوامیت بحال رہی۔"

(فرمان مولانا عبید اللہ سندھی، مطبوعہ ماہنامہ دار العلوم، دیو بند، ستمبر ۱۹۹۲ء)۔

۵۰۔ مؤرخ اسلام امیر شکیب ارسلانؒ (م ۱۹۶۴ء بیروت)

"حاضر العالم الاسلامی" جیسی شہرہ آفاق تصنیف نیز دیگر عظیم الشان تصانیف کے مصنف اور عصر جدید کے عظیم مفکر اسلام لبنانی الموطن امیر شکیب ارسلان (۱۸۶۹ء تا ۹، دسمبر ۱۹۴۶ء) حدیث نبوی میں مذکور اول جہاد قسطنطنیہ میں یزید کے شامل ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ان السنة التی حاصر فیها یزید بن معاویة القسطنطینیة سنة ۵۱ للهجرة- و وفق سنة ٦٧٢ مسیخیة- وقد جاء ها یزید براً- وکان بسر بن ارطاة ماسکا البحر- وقد انتشرت السفن الحربیة العربیة علی طول ساحل بحر مرمرة- وهاجمَ العرب القسطنطینیة بین شهری ابریل و سیبتمبر-" (امیر شکیب ارسلان، حاضر العالم الاسلامی، ص ۲۱۳)

ترجمہ:۔ جس سن میں یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، وہ سن اکاون (۵۱) بمطابق سن ۶۷۲ء تھا۔ یزید بری راستے سے اور بسر بن ارطاۃ سمندری راستہ طے کر کے پہنچے۔ اور عربوں کے جنگی بحری سفینے بحر مرمرہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ دور تک پھیل گئے۔ عربوں نے قسطنطنیہ پر حملہ اپریل اور ستمبر کے مہینوں کے درمیان کیا تھا۔

امیر شکیب ارسلان نے کتاب "حاضر العالم الاسلامی" کے تعلیقات کے زیر عنوان "محاصرات العرب القسطنطینیہ" میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے:۔

"ولما مرض (ابو ایوبؓ) اتاه یزید بن معاویة بعوده فقال: حاجتک؟ قال نعم حاجتی اذا انامت فارکب بی ثم سغ بی فی ارض عدو ما وجدت مساغاً فادفنی ثم ارجع- فلما مات رکب به ثم سار به فی أرض العدو ما وجد مساغاً ثم دفنه ثم رجع-

ان ابا ایوب قال لیزید بن معاویة حین دخل علیه:- اقرئ الناس منی السلام- وسأحد ثکم بحدیث سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم

يقول:- (من مات لا يشرك بالله شيئاً دخل الجنة)

يحدث يزيد الناس بما قال ابو ايوب-

و توفی ابو ایوب عام غزا یزید بن معاویة القسطنطینیة فی خلافة أبیه سنة ٥٢، صلی علیه یزید بن معاویة و قبره بأصل حصن القسطنطینیة بأرض الروم- ان الروم یتعاهدون قبره و یزورونه و یستسقون به اذا قحطوا-" (امیر شکیب ارسلان، حاضر العالم الاسلامی، محاصرات العرب القسطنطینیة، تعلیق ص ٢١٥ بحواله طبقات ابن سعد)

ترجمہ:- جب ابو ایوب انصاری بیمار ہوئے تو یزید بن معاویہ ان کی عیادت کے لئے آیا- پس اس نے عرض کیا کہ کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں میری خواہش ہے کہ جب میں مر جاؤں تو میرے (جسد کے) ہمراہ سوار ہو جانا پھر دشمن کی سرزمین میں جہاں تک تمہیں راستہ ملے چلتے جانا، پھر جب راہ نہ پاؤ تو وہاں مجھے دفن کر دینا اور واپس چلے آنا-

پس جب ان کا انتقال ہوا تو یزید ان کا جسد لے کر (گھوڑے پر) سوار ہوا پھر جہاں تک اسے راستہ ملا، دشمن کی سرزمین میں آگے بڑھتا رہا، پھر انہیں دفن کیا اور واپس چلا آیا-

حضرت ابو ایوب نے یزید بن معاویہ سے اس وقت فرمایا جب وہ ان کے پاس آیا تھا کہ:- "لوگوں کو میرا اسلام دینا- اور میں تمہیں ایک حدیث بھی سناؤں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنی ہے کہ:-

"جو اس حالت میں وفات پائے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا-"

چنانچہ جو ابو ایوب نے بیان فرمایا، یزید لوگوں سے بیان کرتا تھا- اور ابو ایوبؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ پر اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں سن باون (۵۲ھ) میں جہاد کیا- یزید بن معاویہ ہی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ کی فصیل کے پاس ارض روم میں ہے- رومی ان کی قبر پر باہم معاہدے کرتے ہیں، ان کی زیارت کرتے ہیں، اور قحط کے زمانہ میں ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے ہیں-

۵۱- علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء، کراچی)

برصغیر کے معروف محقق و عالم، مؤلف "سیرۃ النبی" و دیگر کتب علمیہ، علامہ سید سلیمان ندوی بارہ قریشی خلفاء تک اسلام کے عزیز و غالب رہنے والی حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی درج ذیل حدیث کی تشریح فرماتے ہیں:-

"لا يزال الاسلام عزيزاً الى اثنى عشر خليفة كلهم من قريش-

(متفق عليه، مشكاة، باب مناقب قريش وغيره)

ترجمہ:- اسلام بارہ خلفاء تک غالب رہے گا جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

اس حدیث کے حوالہ سے علامہ سلیمان ندوی فرماتے ہیں:-

"علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔

حافظ ابن حجر ابو داؤد کے الفاظ کی بناء پر خلفائے راشدین اور بنو امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گنواتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجماع رہا۔

یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ، یزید عبد الملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبد العزیز، یزید ثانی، ھشام۔"

(سلیمان ندوی، سیرت النبی، جلد سوم، ص ۶۰۴)

شہر قیصر (قسطنطینیہ) پر پہلا حملہ کرنے والے لشکر اسلام کے مغفرت یافتہ ہونے کی حدیث نبوی (صحیح البخاری، کتاب الجہاد) کے حوالہ سے سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں:- "یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے عہد میں پوری ہوئی۔ اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے۔ اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا کو عبور کر کے قسطنطینیہ کی چار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔"

(سلیمان ندوی، سیرت النبی، جلد سوئم، ص ۲۰۱، مطبوعہ لاہور)۔

۵۲- شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

(م ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء، ہند)

امام المرشدین شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی یزید کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتی کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بری افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں۔

(مکتوبات شیخ الاسلام حسین احمد مدنی، جلد اول، ص ۲۴۲-۲۵۲ بعد)

۵۳- مولانا مطلوب الرحمن ندوی نگرامیؒ

جلیل القدر عالم و مصنف مولانا مطلوب الرحمن ندوی نگرامی نصف صدی سے زائد عرصہ پہلے اپنے ایک مدلل و مفصل مقالہ بعنوان "تصویر کا دوسرا رخ" میں بنوامیہ کے محاسن و خدمات بیان کی ہیں اور واقعہ حرہ میں یزید کو بری الذمہ ثابت کرتے ہوئے یزید کے بارے میں مزید فرماتے ہیں:-

"اس میں شک نہیں کہ یزید سے زندگی میں اہم خلطیاں ہوئیں۔ لیکن ساتھ اس کی مغفرت کی بشارت بھی زبان نبوی سے ایک طرح مل چکی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رسالہ "حسین و یزید" میں لکھتے ہیں کہ بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- "سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جو فوج لڑے گی اس کی بخشش ہو گی۔"

اور معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ یزید نے یہ حدیث سن کر فوج کشی کی ہو گی۔ بسا ممکن ہے لیکن اس سے اس کے فعل پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی۔

ان حالات میں یزید کے معاملہ میں بھی زبان و قلم پر پورا قابو رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔" (مطلوب الرحمن ندوی نگرامی، تصویر کا دوسرا رخ، دوبارہ مطبوعہ در ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ ستمبر و اکتوبر ۱۹۹۲ء)

۵۴- عبقری الاسلام، مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء، دہلی)

عبقری اسلام، لسان الھند، صاحب "ترجمان القرآن"، لاثانی و نادر المثال مولانا محی الدین احمد ابو الکلام آزاد (۱۸۸۹ء - ۱۹۵۸ء) جو برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں اور لاکھوں علماء و خواص پر گہرے علمی و دینی اثرات کے حامل ہیں، یزید کی امامت و خلافت کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت امام حسین اس حالت میں لڑے کہ وہ خود مدعی امامت اور طالب خلافت تھے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں انہوں نے واقعہ کربلا کا دقت نظر کے ساتھ مطالعہ نہیں کیا۔ حالات میں اچانک ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اس غلط فہمی کا پیدا ہو جانا عجیب نہیں۔ حضرت امام جب مدینہ سے چلے تو ان کی حیثیت دوسری تھی۔ جب کربلا میں حق پرستانہ لڑ کر شہید ہوئے تو ان کی حیثیت دوسری تھی۔ دونوں حالتیں مختلف ہیں اس لئے دونوں کا حکم بھی شرعاً مختلف۔

جب وہ مدینہ سے چلے ہیں تو حالت یہ تھی کہ نہ تو ابھی یزید کی حکومت قائم ہوئی تھی نہ اہم مقامات و مراکز نے اس کو خلیفہ تسلیم کیا تھا۔ نہ اہل حل و عقد کا اس پر اجماع ہوا تھا۔ ابتداء سے معاملہ خلافت میں سب سے پہلی آواز اہل مدینہ کی رہی ہے۔ پھر حضرت علیؓ کے زمانہ میں مدینہ کی جگہ کوفہ دار الخلافہ بنا۔ اصل مدینہ اس وقت تک متفق نہیں ہوئے تھے۔ کوفہ کا یہ حال تھا کہ تمام آبادی یک قلم مخالف تھی اور حضرت امام حسینؓ سے بیعت کرنے کے لئے پیہم اصرار والحاح کر رہی تھی۔ انہوں نے خود خلافت کی حرص نہ کی بلکہ ایک ایسے زمانے میں جب تخت حکومت سابق حکمران سے خالی ہو چکا تھا اور نئے حکمران کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی ایک بہت بڑی مرکزی و مؤثر آبادی (کوفہ و عراق) کے طلب و سوال کو منظور کر لیا۔"

(ابو الکلام آزاد، مسئلہ خلافت، ص ۱۳۸-۱۳۹، داتا پبلشرز لاہور، ۱۹۷۸ء)۔

بعد ازاں فرماتے ہیں کہ کوفیوں کی غداری و بیعت یزید کے بعد طلب امامت و خلافت سے دستبردار ہو کر یزید سے براہ راست اپنے معاملہ کا فیصلہ کرنے پر تیار ہو گئے تھے۔

"لیکن جب وہ کوفہ پہنچے تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کر چکے ہیں اور سرزمین عراق کی وہ بے وفائی غداری جو حضرت امیر کے عہد میں بارہا ظاہر ہو چکی تھی، بدستور کام کر رہی ہے۔ یہ حال دیکھ کر وہ معاملۂ خلافت سے دستبردار ہو گئے اور فیصلہ کیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں۔ لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کر لیا اور مع اھل و عیال کے قید کرنا چاہا۔ وہ اس پر بھی آمادہ ہو گئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہ راست یزید سے اپنے معاملہ کا فیصلہ کر لیں مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا۔

اب امام کے سامنے دو راہیں تھیں یہ اپنے تئیں مع اھل و عیال قید کرا دیں یا مردانہ وار لڑ کر شہید ہوں۔ شریعت نے کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ناحق ظالموں کے ہاتھ اپنے تئیں قید کرا دے۔ پس انہوں نے دوسری راہ کمال عزیمت دعوت کی اختیار کی اور خود فروشانہ لڑ کر حالت مظلومی و مجبوری میں شہید ہوئے۔

پس جب وقت کربلا میں میدان کارزار گرم ہوا ہے اس وقت حضرت امام حسین مدعی خلافت و امامت نہ تھے۔ نہ اس حیثیت سے لڑ رہے تھے ان کی حیثیت محض ایک مقدس اور پاک مظلوم کی تھی جس کو ظالموں کی فوج ناحق گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو زندہ گرفتار کرا دینا پسند نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ طاقتور ظلم کے مقابلے میں بے سروسامان حق کی استقامت کا ایک یادگار منظر دنیا کو دکھلا دے۔

تعجب ہے کہ یہ غلط فہمی صدیوں سے پھیلی ہوئی ہے۔ جس کو مفصل اور محققانہ بحث دیکھنی ہو وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنہ جلد دوم کا مطالعہ کرے۔"

(ابوالکلام آزاد، مسئلہ خلافت، ص ۱۳۹-۱۴۰)

اسی سلسلہ کلام میں یہ رائے بھی ظاہر کرتے ہیں کہ ابتداء میں خروج حسین اس بناء پر تھا کہ ابھی خلافت یزید عملاً منعقد نہیں ہوئی تھی جبکہ ولی عہدی کی سابقہ بیعت بالفعل خلافت منعقد ہونے سے پہلے حجت نہ تھی۔

"اگر کہا جائے کہ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرعاً اولاد کی ولی عہدی کوئی شے نہیں ہے۔ اصل شرط خلافت کی انعقاد حکومت ہے۔ یزید کو گو ولی عہد مقرر کر دیا ہو لیکن جب تک اس کی خلافت بالفعل قائم نہ ہو جاتی صرف یہ بات کوئی حجت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب یزید کی ولی عہدی کے لئے حضرت

عبداللہ بن عمر سے بیعت طلب کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا:

"لا أبايع لأميرين- میں دو امیروں سے بیک وقت بیعت نہ کروں گا-"

یعنی خلیفہ کا اپنی زندگی میں ولی عہدی کے لئے بیعت لینا ایک وقت میں دو امیروں کی بیعت ہے جس کی شرعاً کوئی اصل نہیں- "رواہ ابن حبان و نقلہ فی الفتح" (مسئلہ خلافت، ص ۱۳۹)

چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد بھی امام ابن تیمیہ اور دیگر متعدد اکابر امت کی طرح یزید کی امامت و خلافت کو شرعاً درست قرار دیتے ہوئے اس کو عملاً منعقد ہو جانے کے بعد واجب الاطاعت قرار دیتے ہیں- اور سیدنا حسینؓ کی اھل کوفہ کی بیعت یزید کی اطلاع پر یزید کے مقابلے میں طلب امامت و خلافت سے دستبرداری اور یزید سے براہ راست معاملہ طے کرنے کی پیش کش نے انہیں خروج عن الجماعت کے اقدام سے بچا لیا- مگر یزید کو مطلع کئے بغیر امیر کوفہ (ابن زیاد) کی پہلے اپنی بیعت کی شرط نے معاملہ بگاڑ دیا- البتہ ابتداء میں سیدنا حسین کا اقدام خروج مولانا ابوالکلام آزاد کے نزدیک حجاز و کوفہ میں بیعت یزید مکمل ہونے اور یزید کی خلافت عملاً منعقد ہونے سے پہلے کا اقدام ہونے کی بناء پر قابل قبول ہے- اور ولی عہدی کی بیعت سے چونکہ بقول ابوالکلام بیعت عملاً منعقد نہیں ہو جاتی لہذا یزید کی خلافت کے عملاً منعقد ہونے سے پہلے اس کو خروج کے خلاف دلیل نہیں بنایا جا سکتا-

اھل کوفہ کے حوالہ سے مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ ارشاد بھی قابل توجہ ہے جس سے ابن زیاد کے سخت مؤقف کو سمجھنے میں بھی مدد مل سکتی ہے-

"عراق شروع ہی سے شورش پسند قبائل کا مرکز تھا- یہاں کی بے چینی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی- والیوں پر والی آتے تھے اور بے بس ہو کر لوٹ جاتے تھے- لیکن حجاج بن یوسف کی تلوار نے اپنی ایک ہی ضرب میں عراق کی ساری شورہ پشتی ختم کر ڈالی- خود اس عہد کے بڑے بڑے لوگوں کو اس پر تعجب تھا- قاسم بن سلام کہا کرتے تھے کہ کوفہ کی خودداری و نخوت اب کیا ہو گئی- انہوں نے امیر المؤمنین علی کو قتل کیا- حسینؓ ابن رسول کا سر کاٹا- مختار جیسا صاحب جبروت ہلاک کر دیا- مگر حجاج کے سامنے بالکل ذلیل ہو کر رہ گئے-"

(تحریر مولانا ابوالکلام آزاد، مطبوعہ "الہلال" کلکتہ، ۱۲ اگست، ۱۹۲۷ء)-

مولانا ابوالکلام آزاد مسئلہ خلافت پر مختلف پہلوؤں سے طویل و متنوع، عالمانہ و محققانہ مباحث و دلائل کے بعد بطور خلاصہ کلام لکھتے ہیں:-

نتائج بحث

"گزشتہ مباحث و تفصیلات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

۱- اسلام کا قانون شرعی یہ ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا خلیفہ و امام ہونا چاہیئے۔ "خلیفہ" سے مقصود ایسا خود مختار مسلمان بادشاہ اور صاحب حکومت و مملکت ہے۔ جو مسلمانوں اور ان کی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجراء و نفاذ کی پوری قدرت رکھتا ہو، اور دشمنوں کے مقابلے کے لئے پوری طرح طاقتور ہو۔

۲- اس کی اطاعت و اعانت ہر مسلمان پر فرض ہے اور مثل اطاعت خدا و رسول کے ہے۔ تاوقتیکہ اس سے کفر بواح (صریح) ظاہر نہ ہو۔ جو مسلمان اس کی اطاعت سے باہر ہوا، وہ اسلامی جماعت سے باہر ہو گیا۔ جس مسلمان نے اس کے مقابلے میں لڑائی یا لڑنے والوں کی مدد کی۔ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں تلوار کھینچی۔ وہ اسلام سے باہر ہو گیا۔ اگرچہ نماز پڑھتا ہو۔ روزہ رکھتا ہو، اور اپنے تئیں مسلم سمجھتا ہو۔

۳- ایک خلیفہ کی حکومت اگر جم چکی ہے اور پھر کوئی مسلمان اس کی اطاعت سے باہر ہوا اور اپنی حکومت کا دعوی کیا تو وہ باغی ہے اس کو قتل کر دینا چاہیے۔

۴- صدیوں سے اسلامی خلافت کا منصب سلاطین عثمانیہ کو حاصل ہے اور اس وقت از روئے شرع تمام مسلمانانِ عالم کے خلیفہ و امام وہی ہیں۔ پس ان کی اطاعت و اعانت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ جو ان کی اطاعت سے باہر ہوا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔ اور اسلام کی جگہ جاہلیت مول لی۔ جس نے ان کے مقابلے میں لڑائی کی یا ان کے دشمنوں کا ساتھ دیا اس نے خدا اور اس کے رسول سے لڑائی کی۔ الخ

(ابو الکلام آزاد، مسئلہ خلافت، ص ۲۸۳-۲۸۴، خاتمہ سخن)۔

بارہ قریشی خلفاء والی حدیث کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ:-

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی تمام روایات بسلسلہ حدیث مذکور کا مطلب یہ ہے کہ بارہ قریشی خلفاء کا زمانہ ضرور آئے گا جن کو کسی دشمن کی دشمنی نقصان نہ پہنچائے گی اور جب تک یہ بارہ خلفاء حکمران رہیں گے اسلام باعزت رہے گا اور لوگ خوشحال۔ البتہ ان تمام روایات حدیث کا مقصد اطلاع دینا تھا نہ کہ ہمیشہ کے لئے قریشی ہونا شرط خلافت شرعاً قرار دینا۔

امام بخاری نے جابر بن سمرہ سے بطریق ایک اور حدیث روایت کی ہے:۔

"سمعت النبی صلی اللہ علیه وسلم یقول ان یکون اثنا عشر امیراً، فقال کلمة لم اسمعها فقال أبی انه قال: کلهم من قریش-(میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بارہ امیر ہوں گے۔ پھر آپ نے ایک جملہ فرمایا جو میں نہ سن پایا تو میرے والد نے بتایا کہ آپ نے فرمایا: وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔)

یہ حدیث مختلف طریقوں اور لفظوں سے تمام اصحاب سنن و مسانید نے روایت کی ہے۔ صحیح مسلم میں سفیان بن عینہ کے طریق سے:۔

"لا یزال امر الناس ماضیاً ما ولیهم اثنا عشر رجلاً- ثم تکلم النبی بکلمة خفیفة علی فسألت أبی ماذا قال؟ فقال: کلهم من قریش-"(لوگوں کا معاملہ چلتا رہے گا جب تک ان پر بارہ شخص حکمران رہیں گے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جملہ فرمایا جو میں نہ سن پایا تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا تو انہوں نے بیان کیا: وہ سب قریش میں سے ہوں گے)۔

اور حصین بن عمران کے طریق سے:۔

"ان هذا الأمر لا ینقضی حتی یمضی فیهم اثنا عشر خلیفة-"

(یہ معاملہ ختم نہیں ہو پائے گا جب تک ان میں بارہ خلفاء رہیں گے۔)

اور سماک بن حرب سے:۔ "لا یزال الاسلام عزیزاً منیعاً الی اثنی عشر خلیفة-" مروی ہے۔ (اسلام غالب باعزت و محفوظ رہے گا بارہ خلفاء تک)۔

شعبی کے طریق عند ابی داؤد میں ہے:۔

"فکبر الناس و ضجوا-" (پس لوگوں نے اللہ اکبر کہا اور کھل اٹھے۔)

اور اسماعیل بن ابی خلد عن ابیہ سے اسی میں ہے:۔

"لا یزال هذا الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلهم تجتمع الأمة علیه-" (یہ دین قائم رہے گا جب تک تم لوگوں پر بارہ خلفاء رہیں گے۔ جن میں سے ہر ایک پر امت کا اجماع ہو گا۔)

طبرانی نے اسود بن سعید کے طریق سے اس پر زیادت کی:۔ "لا تضرهم عداوة من عاداهم-" (انہیں ان کے دشمنوں کی دشمنی کوئی نقصان نہ دے پائے گی۔)

بعض طریق میں ہے:۔

"لا یزال هذا الأمر صالحاً" او "ماضیا-" (رواهما احمد)-

(یہ معاملہ درست رہے گا، چلتا رہے گا (دونوں روایتیں مسند احمد کی ہیں)
اور بزار و طبرانی نے ابو جحیفہ سے روایت کی ہے:۔

لا یزال امر أمتی قائماً حتی یمضی اثناً عشر خلیفة کلهم من قریش۔
(میری امت کا معاملہ قائم و دائم رہے گا جب تک بارہ خلفاء نہ گزر جائیں جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔)

یہی روایت ابو داؤد میں اس اضافہ کے ساتھ ہے:۔ فلما رجع الی منزله اتته قریش فقالوا:۔ ثم یکون ماذا؟ فقال: ثم یکون الهرج۔
(پس جب آپ اپنے گھر واپس تشریف لائے تو قریش آپ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے پھر اس کے بعد کیا ہوگا تو آپ نے فرمایا پھر فتنہ و فساد ہوگا۔)

حاصل تمام روایتوں کا یہ ہے کہ آپ آئندہ کی نسبت خبر دے رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں:۔ ضرور ہے کہ بارہ خلیفہ ہوں، سب قریش سے ہوں گے۔ کسی دشمن کی دشمنی ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ جب تک یہ بارہ خلیفہ حکمران رہیں گے، اسلام باعزت رہے گا اور لوگ خوشحال۔

اس طرز بیان کی وضاحت نے ظاہر کر دیا کہ اس بارے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے اس سے صرف آئندہ کی نسبت اطلاع دینا مقصود ہے، حکم و تشریع نہیں ہے۔ ہم نے تمام روایات و طرق نقل کر دیئے۔ کسی روایت اور طریق سے بھی ایسا لفظ ثابت نہیں جس سے حکم و تشریع نکل سکے۔"

(ابوالکلام آزاد، مسئلہ خلافت، ص ۱۵۲-۱۵۳، نیز ہر حدیث کے ساتھ قوسین میں درج شدہ اردو ترجمہ قارئین کی سہولت کے لئے اضافی ہے، اصل متن کتاب میں موجود نہیں)۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد اس حدیث کی جملہ اسناد و طرق کی رو سے اس بات کو تو تسلیم فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ قریشی خلفاء ہوں گے جن کے دور میں اسلام باعزت اور لوگ خوشحال رہیں گے اور کسی دشمن کی دشمنی انہیں نقصان نہ پہنچا پائے گی۔ مگر قرشیت کو کم از کم اس حدیث کی رو سے مولانا آزاد کی رائے میں ان بارہ قریشی خلفاء کے حوالہ سے ہمیشہ کے لئے شرائط خلافت میں سے ایک شرعی شرط قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بہرحال مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تصنیف "مسئلہ خلافت" کے آخر میں ضمیمہ بعنوان (جدول سنین خلافت اسلامیہ) میں خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ (۱۱ھ) سے عثمانی خلیفہ

السلطان محمد خان (۱۹۱۸ء / ۱۳۳۶ھ) تک کل ستانوے (۹۷) خلفاء (بشمول اموی و عباسی و عثمانی) کے نام گنوائے ہیں۔ (ص ۳۲۴ تا ۳۲۹)۔ جن میں سے اولین بارہ خلفاء قریش کے نام یزید بن معاویہؓ سمیت یوں درج فرمائے ہیں:۔

ضمیمہ

جدول سنین خلافت اسلامیہ

عدد	خلفاء	سن ہجری	سن مسیحی
۱۔	ابو بکر صدیقؓ	۱۱	۶۳۲
۲۔	عمر بن الخطابؓ	۱۳	۶۳۴
۳۔	عثمان بن عفانؓ	۲۳	۶۴۴
۴۔	علی بن ابی طالبؓ	۳۵	۶۵۲
	سلسلہ بنو امیہ		
۵۔	معاویہ بن ابی سفیانؓ	۴۱	۶۶۱
۶۔	یزید بن معاویہ	۶۰	۶۸۰
۷۔	معاویہ بن یزید	۶۴	۶۸۳
۸۔	مروان بن الحکم	۶۴	۶۸۳
۹۔	عبدالملک بن مروان	۶۴	۶۸۴
۱۰۔	الولید بن عبدالملک	۸۶	۷۰۵
۱۱۔	سلیمان بن عبدالملک	۹۶	۷۱۴
۱۲۔	عمر بن عبدالعزیز	۹۹	۷۱۷ الخ۔

(ابوالکلام آزاد، مسئلہ خلافت، ص ۳۲۴-۳۲۵، ضمیمہ جدول سنین خلافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۸ء)

۵۵- امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (م ۱۹۶۱ء ملتان)

نقیب ختم نبوت، پیکر جلال و جمال، درویش خدامست، رئیس الاحرار اور برصغیر کے منفرد و بیمثال شہباز خطابت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۸۹۱ - ۱۹۶۱ء م ۲۱، اگست ۱۹۶۱ء، ملتان) اور ان کا عظیم الشان علمی خانوادہ ختم نبوت کے ساتھ ساتھ دفاع صحابہؓ کے سلسلہ میں بھی بیمثال جدوجہد اور عظیم قربانیوں کی علامت ہے۔

اس سلسلہ میں شاہ جی کے بعد ان کے عالم و مجاہد، سیرت و فقر نبوی کے پیروکار فرزندوں سید ابو معاویہ ابوذر بخاری (سید عطاء المنعم) سید عطاء المحسن، سید عطاء المومن اور سید عطاء المہیمن شاہ صاحب بخاری بالقابھم نیز سید عبدالوکیل و سید محمد کفیل و ذوالکفل بخاری اور دیگر افراد خانہ و وابستگان خانوادہ بخاری نے دنیاوی بے سروسامانی کے عالم میں قید و بند کی صعوبتوں کے ہمراہ جو عظیم الشان علمی و دینی خدمات انجام دی ہیں اور جن کا سلسلہ جاری و ساری ہے انہی کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی سیدنا معاویہؓ کی سیرت نویسی اور ان کے اسم گرامی و خدمات کی ہزاروں خانوادوں میں تبلیغ و ترویج ہے۔ اس پر مستزاد یزید کے بارے میں امام غزالی و قاضی ابوبکر ابن العربی و امام ابن تیمیہ جیسے عظیم اکابر امت کی مثبت آراء و افکار کی بلاخوف لومۃ لائم تائید و تشہیر ہے۔ اس حوالہ سے خانوادہ امیر شریعت کی خدمات لازوال و بیمثال، قابل تقلید اور وسیع تر قومی و برصغیر سطح کے گہرے اثرات کی حامل ہیں۔ جس کا اندازہ "الولد سر لابیہ" کے مصداق تمام فرزندان امیر شریعتؒ نیز دیگر افراد خانہ کی عربی، اردو اور دیگر زبانوں میں موجود تحریر و تقریر، تصنیف و تالیف اور جہاد و خدمات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ نیز سید ابومعاویہ ابوذر بخاری سے مروی ہے کہ انہوں نے "شاہ جیؒ" کے آخری ایام میں انہیں جناب محمود عباسی کی "خلافت معاویہ و یزید" پڑھ کر سنائی تو فرمایا: اچھا! ہم تو پھر بھولے ہی رہے۔

یزید بن معاویہ سلام اللہ علیہ کے متعلق تاثر

"یزید کے متعلق میرا تو کوئی تاثر نہیں، بہ قول محقق دوراں، برکت العصر جانشین امیر شریعت سیدی و مرشدی، حضرۃ اقدس سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ، البتہ سیدنا حسینؓ

کا تاثر یہ ہے کہ وہ اسے مسلمان سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے:۔

اگر وہ میری بات سن کر مان لے تو میں اس کی بیعت کرنے کو تیار ہوں۔

لہذا میرا اپنا تو کوئی تاثر نہیں۔ نہ میں نے یزید کو دیکھا، نہ اس کے پیچھے نماز پڑھی۔ سیدنا حسینؓ نے اپنے بڑے بھائی سیدنا حسنؓ سمیت سیدنا امیر معاویہؓ سے بیعت کے بعد دمشق جا کر اس کے ساتھ نمازیں بھی پڑھیں، اکٹھے کھانا کھایا، وہ ان کے ہاتھ بھی دھلاتا رہا۔ سیدنا امیر معاویہ سامنے بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔

پھر ۵۱ھ، محرم کے مہینے میں قسطنطینیہ کے میدان میں قائد لشکر ہونے کی وجہ سے اس کے پیچھے نمازیں بھی پڑھیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری بھی تھے، سیدنا حسین بھی تھے، عبداللہ بن عمر بھی تھے، عبداللہ ابن عمرو بھی تھے، عبداللہ ابن زبیر بھی تھے، عبداللہ ابن عباس بھی تھے، اور بہت سے جلیل القدر صحابہؓ بھی تھے۔ ان سب نے ۵۱ھ کے معرکہ میں اس دور میں قسطنطینیہ کے فوجی کمانڈر یزید کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ اور جب اسی میدان میں میزبان رسول ﷺ حضرۃ ابوایوب انصاری کا انتقال ہو گیا تو شرعی ضابطہ اور مسنون عمل کے مطابق یزید نے ابو ایوب کا جنازہ پڑھایا۔ تو تمام صحابہ سمیت سیدنا حسین نے بھی یزید کی قیادت میں شرکت جہاد کی طرح اس کی امامت میں نماز جنازہ بھی ادا کی تھی۔

اب تاثر سمجھ آ گیا؟ دل ٹھنڈا ہو گیا؟ بہر حال کیف وہ کلمہ گو تھا، مسلمان تھا۔ کیریکٹر ہم نے نہیں دیکھا، اور عام روایات جعلی اور مشکوک ہیں۔ سیدنا حسین نے اس کو یہ نہیں کہا جو آپ عام طور سے کہتے ہیں۔ اور جو کچھ نام کے مولوی یا ذاکر اس کے متعلق کہتے ہیں۔

سیدنا حسینؓ نے وہ نہیں کہا۔ وہ فرماتے تھے، یہ ان کی باتوں کا خلاصہ ہے کہ:۔ ہم میں اپنے اپنے باپ کی وجہ سے اختلاف ہے، وہ دونوں لڑے تھے۔ اب ہم دونوں کی لڑائی ختم ہو سکتی ہے۔ وہ میری شرائط مان لے، مجھ سے وہ گفتگو کرے تو:۔

أضع يدي في يده-

میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے اور بیعت کرنے کو بھی تیار ہوں۔"

(اقتباس از مقالہ مولانا محمد عبدالرحمن جامی نقشبندی، بعنوان "شہید کربلا سیدنا حسینؓ" مطبوعہ پندرہ روزہ "الاحرار" لاہور، ص ۱۵، سیدنا حسینؓ نمبر، یکم تا پندرہ جولائی ۱۹۹۲ء، ۲۲ ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ تا ۷ محرم ۱۴۱۳ھ)۔

۵۲- باباۓ اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحقؒ (م ۱۹۶۲ء، کراچی)

علامہ محمود احمد عباسی کی معرکتہ الاراء تصنیف "خلافت معاویہ و یزید" جو تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور سیدنا معاویہؓ و یزید کی سیرت و شرعی امامت و خلافت کو اصول تحقیق و تنقید کے تمام تر تقاضے پورے کرتے ہوئے عظیم الشان ثابت کرنے کے سلسلہ میں منفرد و لاثانی ہے۔ جس پر تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل "تحقیق مزید" مستزاد ہے، وہ دراصل باباۓ اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق جیسی عظیم الشان علمی و ادبی شخصیت کی فرمائش کی مرہون منت ہے۔ علامہ عباسی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"محترمی ڈاکٹر مولوی عبدالحق مدظلہ باباۓ اردو کی فرمائش سے کتاب "الحسین" پر مختصر سا تبصرہ کیا تھا۔ جو سہ ماہی رسالہ "اردو" جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ پھر اس تبصرے پر تبصرہ رسالہ "تذکرہ" کراچی میں دو سال تک ہوتا رہا۔ اس سلسلہ میں بارہ قسطیں راقم الحروف کے مضامین کی شائع ہوئیں۔ چند ہی قسطوں کے شائع ہونے پر پاکستان اور بھارت کے اہل علم حضرات کے ہمت افزا اور ستائشی خطوط بکثرت آنے شروع ہوئے جن میں سے اکثر میں تقاضا تھا کہ ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۵۰، عرض مؤلف، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء)۔

میرزا حیرت دہلوی "کتاب شہادت" (طبع ثانی) کے ناشر رقمطراز ہیں:۔

"باباۓ اردو مولوی عبدالحق ہجرت کر کے پاکستان آتے وقت "کتاب شہادت" کی چھ جلدیں، جو ہندوستان کے کونے کونے سے خرید کر تلف کی جا رہی تھیں، ساتھ لائے اور اپنے دوست محمود احمد عباسی کو دیں کہ ان کا خلاصہ تیار کر دیا ان کو دوبارہ چھپواؤ۔

عباسی صاحب نے اس کے چیدہ چیدہ مضامین اپنی زبان میں لکھ کر ایک مقامی رسالے میں قسط وار شائع کئے۔ جس کا نام تھا ماہنامہ "تذکرہ"۔ یہ رسالہ مذہبی تھی، ملاؤں نے توجہ نہ کی۔ وہ ایسے رسالے نہیں پڑھتے جو ان کے مسلک کے مطابق نہ ہوں۔ لیکن جب وہ مضامین یکجا ہو کے کتاب کی شکل میں پیش ہوئے اور اس کا نام "خلافت معاویہ و یزید" رکھا گیا، تو گویا مولوی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ تہذیب لکھنؤ کے قصر میں زلزلہ آ گیا اور دیواریں شق ہو گئیں۔ مسجدوں، امام باڑوں اور خانقاہوں میں صف ماتم بچھ گئی۔"

(عرض ناشر "کتاب شہادت"، جلد اول، ص ۲۱-۲۲، ناشر مکتبہ جا، الحق، کراچی، ۱۹۷۶ء، طبع ثانی)

۵۷- مؤرخ اسلام شاہ معین الدین احمد ندویؒ

جلیل القدر عالم و مؤلف شاہ معین الدین احمد ندوی جن کی دو جلدوں (چار حصوں) اور تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل "تاریخ اسلام" برصغیر میں مستند و مقبول خواص و عوام کتب میں شمار ہوتی ہے، اس میں یزید و واقعہ کربلا کے حوالہ سے درج شدہ تفصیلات میں سے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:-

اہل بیت کا سفر شام اور یزید کا تاثر

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اہل بیت کا قافلہ ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجا گیا- اس نے معائنہ کے بعد شام بھجوا دیا- یہ حادثہ عظمیٰ یزید کی لاعلمی میں اور بغیر اس کے حکم کے پیش آیا تھا- کیونکہ اس نے صرف بیعت لینے کا حکم دیا تھا، لڑنے کی اجازت نہ دی تھی- اس لئے جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو اس کے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا: "اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا- ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو- اگر میں موجود ہوتا تو خدا کی قسم حسین کو معاف کر دیتا- خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے-"

(طبری، ج ۷، ص ۳۷۵، والاخبار الطوال ص ۳۷۲)

اس کے بعد جب اہل بیت کا قافلہ شام پہنچا تو یزید ان کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور ان سے کہا "خدا ابن مرجانہ کا برا کرے- اگر اس کے اور تمہارے درمیان قرابت ہوتی تو وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا اور اس طرح تم کو نہ بھیجتا-

فاطمہ بنت علیؓ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے تو ہماری حالت دیکھ کر اس پر رقت طاری ہو گئی- ہمارے ساتھ بڑی نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا- اور ہمارے متعلق احکام دیئے- (طبری، ج ۷، ص ۳۷۷)-

(شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، جلد اول، حصہ دوم، ص ۳۶۸، مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ، اردو بازار لاہور)

"نقصان کی تلافی

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اموی فوج کے وحشی سپاہیوں نے اہل بیت کا

کل سامان لوٹ لیا تھا۔ یزید نے پوچھ پوچھ کر جتنا مال لٹا تھا، اس کا دونا دلوا دیا۔ سکینہ بنت حسینؓ کا شریف اور منت پذیر دل اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوا۔"

(ندوی، تاریخ اسلام، ج ا، ص ۳۶۹، بحوالہ طبری، ج ۷، ص ۳۳۵)۔

یزید کے گھر میں ماتم

یزید کا پورا کنبہ اہل بیت نبوی کا عزیز تھا اس لئے انہیں حرم سرائے شاہی میں ٹھہرایا گیا۔ جیسے ہی مخدرات عصمت ماب زنانخانہ میں داخل ہوئیں یزید کے گھر میں کھرام مچ گیا اور تین دن تک ماتم بپا رہا۔ یزید امام زین العابدینؓ کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلاتا تھا۔ (معین ندوی، تاریخ اسلام، جلد اول، حصہ دوم، لاہور، ص ۳۶۸-۳۶۹، بحوالہ طبری، ج ۷، ص ۳۷۸)

اہل بیت کی واپسی اور یزید کا شریفانہ برتاؤ

چند دن ٹھہرانے کے بعد جب اہل بیت کرام کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انہیں بڑے اہتمام کے ساتھ رخصت کیا۔ امام زین العابدین کو بلا کر ان سے کہا، ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو۔ اگر میں ہوتا تو خواہ میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی میں حسینؓ کی جان بچا لیتا۔ لیکن اب قضائے الٰہی پوری ہو چکی، آئندہ تم کو جس قسم کی بھی ضرورت پیش آئے، مجھے لکھنا۔ (طبری، جلد ۷، ص ۳۷۹)۔

اس کے بعد بڑی حفاظت اور اہتمام کے ساتھ قافلہ کو روانہ کیا۔ چند دیانت دار اور نیک آدمیوں کو حفاظت کے لئے ساتھ کیا۔ ان لوگوں نے بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچایا۔ ان کے شریفانہ سلوک سے اہل بیت کی خواتین اتنی متاثر ہوئیں کہ فاطمہ اور زینب نے اپنے زیور اتار کر ان کے پاس بھیجے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ ہم نے دنیاوی منفعت کے خیال سے نہیں بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ اور قرابت نبوی کے خیال سے یہ خدمت انجام دی اس لئے اس کی ضرورت نہیں۔" (معین ندوی، تاریخ اسلام، جلد اول، ص ۳۶۹)

شمر ذی الجوشن کی آمد

"تیسری محرم کو عمر بن سعد چار ہزار فوج لے کر کربلا پہنچا۔ یہ حضرت حسینؓ کا قریبی عزیز تھا۔ (معین ندوی، تاریخ اسلام، جلد اول، ص ۳۶۵)

"عمر بن سعد حکومت کی طمع میں حضرت امام حسینؓ سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا تھا لیکن تلوار اٹھانے کی ہمت نہ پڑتی تھی اور اس امید پر جنگ کو ٹالتا رہا تھا کہ شاید مصالحت کی

کوئی صورت نکل آئے۔ ابن زیاد کو اس کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے شمر ذی الجوشن کو بھیجا اور عمر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ میں نے تم کو حسین کی خیر خواہی اور ان کو بچانے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ میرا حکم پہنچتے ہی ان سے بیعت لے کر ان کو میرے پاس بھیج دو۔ اگر تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو فوج ذی الجوشن کے حوالہ کر دو۔ ابن سعد پر یہ حکم بہت گراں گزرا۔"

(معین ندوی، تاریخ اسلام، جلد اول، ص ۳۶۵-۳۶۶)۔

قاتلین حسینؓ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"ایک طرف چار ہزار مسلح سپاہ تھی، دوسری طرف کل ۷۲ آدمی۔ تاہم یہ مٹھی بھر آدمی بڑی شجاعت سے لڑے۔ دوپہر تک حضرت حسین کے بہت سے آدمی کام آ گئے۔

ان کے بعد باری باری سے حضرت علی اکبر، عبداللہ بن مسلم، جعفر طیار کے پوتے عدی، عقیل کے فرزند عبدالرحمن، ان کے بھائی حضرت حسنؓ کے صاحبزادے قاسم اور ابوبکر وغیرہ میدان میں آئے اور شہید ہوئے۔ ان کے بعد حضرت امام حسینؓ نکلے۔ عراقیوں نے ہر طرف سے یورش کر دی۔ آپ کے بھائی عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان آپ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور چاروں نے شہادت حاصل کی۔ اب امام حسین بالکل خستہ اور نڈھال ہو چکے تھے۔ پیاس کا غلبہ تھا۔ فرات کی طرف بڑھے۔ پانی لے کر پینا چاہتے تھے کہ حسین بن نمر نے تیر چلایا۔ چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ آپ فرات سے لوٹ آئے۔ اب آپ میں کوئی سکت باقی نہ تھی۔ عراقیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔

زرعہ بن شریک تمیمی نے ہاتھ اور گردن پر وار کئے۔ سنان بن انس نے تیر چلایا اور آپ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ آپ کے گرنے کے بعد سنان بن انس نے سر اقدس تن سے جدا کر دیا۔ یہ حادثہ عظمیٰ ۱۰ محرم ۶۱ھ، مطابق ستمبر ۶۸۱ء میں پیش آیا۔

اس معرکہ میں ۷۲ آدمی شریک ہوئے۔ جس میں بیس خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ شہادت کے دوسرے دن غاغریہ والوں نے شہداء کی لاشیں دفن کیں۔ حضرت امام حسینؓ کا جسد مبارک بغیر سر کے دفن کیا گیا۔ سر ابن زیاد کے ملاحظہ کے لئے کوفہ بھیج دیا گیا۔"

(تاریخ اسلام، معین الدین ندوی، حصہ اول (جلد دوم) ص ۳۶۷، حاشیہ ۱ میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعات طبریؒ اخبار الطوال دینوری، یعقوبی اور ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔)

۵۸- محقق اسلام علامہ سید محمود احمد عباسی ھاشمیؒ
(م ۱۹۷۴ء کراچی)

علامہ سید محمود احمد عباسی ھاشمی کا مولد و منشا و موطن اصلی امروہہ (یوپی) ہے۔ تقسیم ہند کے بعد ہجرت کر کے کراچی میں مقیم ہوئے۔ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں کے عالم، دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ اور کثرت مطالعہ کے ساتھ ساتھ تحقیقی و تنقیدی نقطہ نظر کے حامل تھے۔ تقسیم ہند سے پہلے عرصہ تک کانگرس سے فعال و متحرک وابستگی رہی اور آپ امروہہ کانگرس کمیٹی کے صدر تھے۔ بعد ازاں عملی سیاست سے علیحدہ ہو کر آزیری مجسٹریٹ بھی رہے۔ مگر تقسیم ہند سے کچھ عرصہ پہلے یوپی کے مغربی اضلاع میں مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے گئے حتیٰ کہ گڑھ مکتیشر کے زمیندار اور وہاں کی کانگریس کمیٹی کے صدر علامہ عباسی کے بھانجے کو بقول علامہ عباسی بعض کانگریسیوں نے ہی وحشیانہ بربریت سے قتل کرا دیا۔ اس کانگریسی طرز عمل کو دیکھتے ہوئے نہ صرف آزیری میجسٹریٹی کے منصب سے مستعفی ہو گئے بلکہ کانگریس کی چار آنے کی بنیادی رکنیت سے بھی استعفیٰ دیدیا۔ تاہم کئی اکابر "جمعیت علماء ھند" سے دینی و ذاتی تعلقات قائم رہے جن میں جلیل القدر عالم و قائد مولانا حفظ الرحمن سیوھاروی سابق ناظم جمعیت سر فہرست ہیں۔ ان کے ساتھ طویل ذاتی و سیاسی رفاقت رہی اور تادم آخر تعلقات محبت قائم رہے۔

(راجع خلافت معاویہ و یزید حاشیہ ص ۱۶-۱۷، کراچی، جون ۱۹۶۲ء، عرض مؤلف طبع سوم)

علامہ سید محمود احمد عباسی ھاشمی کو برصغیر کے طول و عرض میں حمایت و مخالفت ہر دو حوالوں سے عظیم الشان شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب ان کا سلسلہ مقالات مئی ۱۹۵۹ء میں "خلافت معاویہ و یزید" کے نام سے تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل کتابی شکل میں کراچی سے شائع ہوا اور بعد ازاں جون ۱۹۶۱ء میں کم و بیش پانچ سو صفحات ہی پر مشتمل اس کتاب کی دوسری کڑی "تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید" منظر عام پر آئی۔ آپ کی دیگر کتب و مقالات سے قطع نظر ان دو کتابوں کے مصنف نے برصغیر کی تاریخ میں غالباً پہلی بار موضوع زیر بحث میں اولین مؤرخ ناقد علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) کا طرز تحقیق و تنقید تاریخ اختیار کیا اور مستند کتب کے سینکڑوں تاریخی و تحقیقی حوالہ جات کے ذریعے امام و خلیفہ ثالث سیدنا

عثمانؓ کی امامت و شہادت، ام المومنین سیدہ عائشہ و طلحہ و زبیر و معاویہ رضی اللہ عنہم کے موقف طلب قصاص عثمانؓ کو درست ثابت کرنے کے سلسلے میں لاجواب و فیصلہ کن دلائل و حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ نیز سیدنا معاویہ و یزید کی امامت و خلافت کو شرعاً درست ثابت کرتے ہوئے ان کی سیرت و سیاست کے بارے میں منفی پروپیگنڈہ کو دلائل و شواہد کی رو سے بے بنیاد ثابت کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی غالب اکثریت کی بیعت یزید، سیدنا حسینؓ کے خروج نیز شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید کے بعد سابقہ موقف سے رجوع، واقعہ کربلا و حسینؓ و یزید، بنوھاشم و بنوامیہ کی واقعہ کربلا سے پہلے اور بعد کی قرابتیں، باہم تعلقات، نکاح و ازدواج، شہادت حسینؓ کی اطلاع پر یزید کے اظہار رنج و غم اور مذمت ابن زیاد، پسماندگان قافلہ حسینی کے ساتھ حسن و سلوک و اعزاز و اکرام وغیرہ کے حوالہ سے موثر و مسکت دلائل پیش کئے ہیں۔ علاوہ ازیں علویوں کے مختلف خروجوں، اہل تشیع کے مختلف فرقوں کے ائمہ و متبعین کے طرز عمل، شیعہ فرقہ قرامطہ کے حجراسود اکھاڑ کر کعبہ کا تقدس پامال کرنے غرض مختلف و متنوع مگر خلافت معاویہؓ و یزید سے مربوط و منسلک جملہ احوال و امور پر علمی و تحقیقی انداز میں کلام کیا ہے۔ اگرچہ ان کتب کے چند اقتباسات کو آپ کی ہر دو تصانیف کے مکمل و تنقیدی مطالعہ کا بدل قرار نہیں دیا جا سکتا، مگر پھر بھی برصغیر کی اس منفرد و نادر تصنیف کے چند قدرے تفصیلی اقتباسات، امامت و خلافت یزید کی شرعی حیثیت اور اس کی سیرت حسنہ نیز امامت و خلافت سیدنا معاویہؓ و یزید کے پس منظر اور شہادت عثمانؓ کے اثرات و نتائج کے حوالہ سے درج کئے جا رہے ہیں۔ جن کے مطالعہ کے بعد قارئین مندرجات سے اتفاق و اختلاف سے قطع نظر اس بات کی یقیناً تائید کریں گے کہ ہر دو کتب کے خزینہ معلومات کا مطالعہ ہر عالم و محقق اور تعلیم یافتہ مسلمان کیلئے ناگزیر ہے۔ علامہ عباسی اسوہ عثمانی کے زیر عنوان فرماتے ہیں:۔

اسوہ عثمانی

خلفائے راشدین میں پہلی شہادت حضرت عمرؓ کی تھی جو عجمی سازش سے ہوئی۔ قاتل اور سازش کے شرکاء کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ حضرت علیؓ کو ابن ملجم نے دیگر خارجی مقتولین کے انتقام میں یہ کہہ کر شہید کیا "کہ:۔ **انہ قتل اخواننا الصالحین**۔ (تاریخ الخمیس ص ۳۱۴، ج ۳)۔ ان کے قاتل کو بھی حضرت حسینؓ نے ایک ایک عضو کاٹ کر آگ میں جلوا دیا۔ (ص ۳۱۵، ایضاً)۔

حضرت عثمان ذی النورینؓ کی خلافت کے خلاف پروپیگنڈہ برسوں سے جاری تھا حتیٰ کہ اس عظیم کارنامے پر کہ اختلاف قرأت کو مٹا کر مسلمانوں کو ایک مصحف پر متحد کر دیا، اعتراضات کئے گئے۔ حالات مخدوش ہوتے گئے۔ حضرت معاویہؓ نے امیرالمؤمنین کی حفاظت کے لئے تجویزیں پیش کیں جو یہ کہہ کر مسترد کر دیں کہ جوار رسول اللہ میں نہ کسی کلمہ گو کا خون بہانے کا روادار ہوں، نہ تحفظ جان کے لئے کسی فوجی دستہ کا بار بیت المال پر ڈالنے کا۔

بلوائی قاتلین نے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے عصائے نبوی دست مبارک سے چھین کر توڑ ڈالا۔ پتھر مار کر زخمی کیا۔ بیہوشی کی حالت میں گھر پہنچائے گئے۔ پھر مسجد میں نماز بھی نہ پڑھنے دی۔ پانی بھی اس دریادل داماد رسول پر بند کر دیا جس نے میٹھے پانی کے کنویں بصرف کثیر خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیئے تھے۔ اسی مخیر صحابی جلیل کے گھر غلہ بھی نہ پہنچنے دیا جس نے سینکڑوں من غلہ ایام قحط سالی میں مسلمانوں میں مفت تقسیم کر دیا تھا۔ جو مال سے جہاد کرنے میں سب سے آگے رہا۔ غزوہ تبوک میں نو سو اونٹ مع ساز و سامان کے مجاہدین کو عطا کئے۔ ایک ہزار دینار رسول اللہ کی خدمت میں پیش کئے، آپ نے دعائیں دیں۔ جنت کی بشارتیں دیں۔

جس نے دو ہجرتیں کیں۔ دو مرتبہ رسول اللہ کی دامادی کا شرف حاصل کیا۔ جو آپ کے بڑے چہیتے، مسلمانوں کے نہایت ہمدرد، حلیم الطبع اور اس درجہ سنجیدہ و شرمیلے تھے کہ آنحضرتؐ فرمایا کرتے کہ:۔ عثمان سے تو ملائکہ بھی شرم کرتے ہیں۔

ایک اشارے میں ان کے چاروں طرف سے فوجی دستے پہنچ جاتے۔ بلوائیوں کا قلع قمع کر دیتے۔ مگر ارشادات نبوی اور احکام شریعت کی متابعت میں عدم تشدد و صبر و استقامت کی ایسی عدیم النظیر مثال پیش کی جو تاریخ عالم میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتی۔ رسول اللہ کا یہ فرمان ہر وقت یاد رکھتے:۔ "خبردار میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔" (بخاری)۔

آپ کے دوسرے فرمان کی تعمیل میں کہ:۔ "دیکھنا کبھی اپنے مسلمان بھائی کی طرف تلوار سے اشارہ بھی نہ کرنا، شاید ہتھیار لگ کر خون ہو جائے اور تم جہنم کے گڑھے میں پڑ جاؤ۔" (بخاری)، وہ سب تیر جو ان پر پھینکے جا رہے تھے اٹھا اٹھا کر پھینکنے والوں کو ہی واپس کر دیئے۔ فرماتے جاتے تھے:۔ "دیکھو مجھے مت قتل کرو، مجھے قتل کر دیا تو پھر کبھی اکٹھے ہو کر

نماز نہ پڑھ سکو گے، نہ ساتھ مل کر دشمن سے جہاد کر سکو گے۔"

جو لوگ مسلح ہو کر مدافعت کے لئے آتے، لڑنے سے منع کرتے اور واپس چلے جانے پر مجبور کرتے۔ حاجیوں کے موسومہ خط میں یہ لکھ کر کہ:- "جو لوگ بجبر و بلاحق منصب خلافت حاصل کرنا چاہتے ہیں، میری عمر کے ساتھ اقتدار کے لئے ان کی امیدیں بھی طویل ہو چکی ہیں، وہ عجلت سے کام لے رہے ہیں۔" رسول اللہ ؐ سے ملنے کی تیاری کرنے لگے اور تلاوت قرآن میں مصروف ہو گئے اور اسی حالت میں ذبح کر دیئے گئے۔ خون کی چھینٹیں اس مصحف پر پڑیں جو آج تاشقند میں موجود ہے۔ قاتلین اور بلوائیوں کی حمایت اور اثر سے نئی خلافت قائم ہوئی۔ یہی لوگ جب سیاستِ وقت میں دخیل رہے، ان سے قصاص کون لیتا کیسے لیتا؟ بقولیکہ:-

وہی قاتل وہی حاکم وہی منصف ٹھہرے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

قصاص بعد میں کس کس طرح لیا گیا، اس کا ذکر آچکا۔ بہر حال یہ ہے صبر و استقامت کی بے مثال مثال، شفقت و اخوت اسلامی کی بے نظیر نظیر، باوجود قدرت کے، باوجود معاونین و مدافعین کی موجودگی کے، عدم تشدد پر عمل پیرا ہونے کا شاندار نمونہ کہ جان دیدی اور نہ اٹھے کلمہ گو قاتل پہ ہاتھ۔ یہ ہے تابناک و روشن ترین اسوہ عثمانی جو رسول اللہ کے اس فرمان کی پوری پوری تعمیل ہے کہ:-

من حمل السلاح فليس منا - (بخاری و مسلم)۔

یعنی جس مسلمان نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے وہ ہم سے نہیں۔

مارنا منظور نہیں مرنا قبول:-

کس نے پائی ہے شہادت ایسی پامردی کے ساتھ
جان دیدی اور نہ اٹھے کلمہ گو قاتل پہ ہاتھ
دست بستہ حاضر خدمت ہوں گو صدہا غلام
پر وہ رحم مجسم نہ دے اذن انتقام -
کیوں نہ خون اس غم میں ٹپکیں دیدہ نمناک سے
صفحہ قرآن پہ گل کاری ہو خون پاک سے
خون عثمانی ہو اسلامی سیاست کا زوال

خون یحیی کی طرح ملت پہ ہو اس کا وبال
- خانہ جنگی کا اسی تاریخ سے آغاز ہو
ٹولیاں بننے لگیں باب مفاسد باز ہو

امت مسلمہ اس ذبحہ عظیم و اسوۂ عثمانی سے سبق حاصل کرتی تو طلب خلافت کی خونریزیوں سے اسلامی سیاست کے خدوخال اس درجہ مسخ نہ ہوتے جن کا قدرے اندازہ مسلسل خروجوں کے حالات سے ہوگا جو آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہوں"۔

(محمود احمد عباسی، تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، ص ۱۷۵-۱۷۶، مطبوعہ انجمن پریس کراچی، جون ۱۹۶۱ء)

"حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ کے خط کے مضمون سے جو انہوں نے اپنے عالی مقام شوہر کی مظلومانہ شہادت کے بعد حضرت معاویہؓ کو قاصد کے ہاتھ بھیجا تھا اور اپنے چشم دید واقعات تحریر کئے تھے، ان حالات کا انکشاف ہوتا ہے جو اکثر تاریخ میں بیان نہیں ہوئے۔ یہ خط شعبی اور مسلمہ بن محارب، نیز حضرت معاویہؓ کے پروتے حرب بن خالد بن یزید بن معاویہؓ کی اسناد سے ایک شیعہ مؤلف یعنی ابوالفرج الاصبہانی، متوفی ۳۵۶ھ، نے اپنی مشہور کتاب "اغانی" (ج ۱۰، ص ۶۸) رج کیا ہے۔ ابتدائی فقرات کے بعد خط کا مضمون یہ بتایا گیا ہے:-

مضمون خط سیدہ نائلہ بیوہ حضرت عثمانؓ

وانی قد أقص عليكم خبره لأنى كنت مشاهدة امره كله حتى قضى الله عليه:-

ان أهل المدينة حصروه فى داره يحرسونه ليلهم و نهارهم، قياماً على ابوابه بسلاحهم، يمنعونه كل شى قدروا عليه، حتى منعوه الماء، يحضرونه الاذى و يقولون له الآفك-

و اهل مصر امتدوا امرهم الى محمد بن ابى بكر و عمار بن ياسر- وكان على مع الحضبيين من اهل المدينة ولم يقاتل مع اميرالمؤمنين، ولم ينصره و لم يامر بالعدل الذى امر الله تبارک و تعالى به-

فظلت تقاتل خزاعة و سعد بن بكر و هذيل و طوائف من مزينة و جهينة- ولا أرى سائرهم ولكنى سميت لكم الذين كانوا اشد الناس اليه فى اول امره و آخره-

ثم انه رمى بالنبل والحجارة، فقتل ممن كان فى داره، ثلاثة نفر، فأتوه يصرخون اليه ليأذن لهم فى القتال فنهاهم عنه، وامرهم ان يردوا

عليهم نبلهم، فردوها اليهم، فلم يزدهم ذلک علی القتال الا جراءة و فی الامر الا اغراءً-

-ثم احرقوا باب الدار فجائهم ثلاثة نفر من اصحابه فقالوا: ان فی المسجد ناسا یریدون ان یاخذوا امر الناس بالعدل، فاخرج الی المسجد حتی یاتوک- فا نطلق فجلس فیه ساعة، و اسلحة القوم مظلة علیه من کل ناحیة، ما اری احداً یعدل- فدخل الدار، وقد کان نفر من قریش علی مامنهم السلاح فلبس درعه و قال لاصحابه: لو لا انتم، مالبست درعاً- فوثب علیه القوم فکلمهم ابن الزبیر، واخذ علیهم میثاقاً فی صحیفة و بعث بها الی عثمان ان علیکم عهد الله و میثاقه الا تغزوه بشیٔ فکلموه فخرجوا، فوضع السلاح-

فلم یکن الا وضعه حتی دخل علیه القوم، یقدمهم ابن ابی بکر حتی اخذوا بلحیته و دعوا باللقب- فقال: انا عبدالله و خلیفته فضربوه علی راسه ثلاث ضربات، و طعنوه فی صدره ثلاث طعنات، و ضربوه علی مقدم الجبین فوق الانف ضربة اسرعت فی العظم- فسقت علیه و قد اثخنوه و به حیاة وهم یریدون قطع راسه لیذهبوا به- فاتتنی بنت شیبة بن ربیعة، فألقت نفسها معی علیه، فتوطئنا و طأً شدیداً و عرینا من ثیابنا، و حرمة امیرالمؤمنین اعظم، فقتلوه، رحمة الله علیه، فی بیته، وعلی فراشه، وقد ارسلت الیکم بثوبه، و علیه دمه-

و انه لئن کان اثم من قتله، لما سلم من خذله- فانظروا این انتم من الله عز وجل؟ فانا نشتکی مامنا الیه، و نستنصر ولیه و صالح عباده-

میں ان کا پورا واقعہ تم سے بیان کرتی ہوں، جو میرا اپنا چشم دید ہے- اہل مدینہ ان کے گھر کا چاروں طرف سے پورا سخت مسلح محاصرہ کر رکھا تھا- دن رات دروازوں پر پہرا تھا- ہر گز کوئی چیز یہاں تک کہ پانی سے بھی منع کر دیا تھا- ان پر الزامات لگاتے، بہت گالیاں دیتے رہے-

مصری جماعت کے سرغنہ محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسر تھے- اور علی بھی مدینہ میں لوگوں کے ساتھ تھے- انہوں نے نہ امیرالمومنین کی کوئی مدد کی، نہ ان کی جانب سے لڑے اور نہ انہوں نے اس عدل سے کام لیا، جس کا حکم اللہ تبارک وتعالی سے ہے-

خزاعہ، سعد بن بکر، ہذیل، مزینہ و جہینہ کے قبائل لڑائی کرتے رہے- سب نہ سہی اکثر ضرور تھے- میں نے ان میں سے جو شدید تھے، ان کے نام لکھ دیئے ہیں-

ان لوگوں نے گھر میں تیر اور پتھروں کی بھرمار کر دی۔ تین آدمی گھر میں قتل ہو گئے۔ مجبور ہو کر گھر کے اور آدمیوں نے عثمانؓ سے لڑائی کی اجازت مانگی، انہوں نے اجازت نہیں دی، بلکہ حکم دیا کہ تیر دشمنوں کو واپس کر دو۔ مگر اس سے وہ کچھ نرم نہ پڑے بلکہ اور دلیر ہو گئے۔

پھر انہوں نے دروازہ میں آگ لگا دی۔ آخر تین آدمیوں کی کوشش سے مسجد میں ان لوگوں کے سامنے مصالحت کے لئے رودررو بات کرنے کے لئے بلوایا۔ وہ اسلحہ کے سایہ میں تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اور پھر وہ گھر واپس آ گئے۔ اس وقت سب قریش مسلح تھے۔ عثمانؓ نے بھی زرہ پہن لی تھی، یہ کہہ کر کہ میں تمہاری وجہ سے پہنتا ہوں ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔ اتنے میں ان پر حملہ کیا گیا۔ ابن زبیرؓ نے ان لوگوں کو سمجھایا اور ان سے تحریری معاہدہ کیا، جس میں پختہ عہد کیا گیا تھا کہ اب کوئی حملہ نہ ہو گا۔ وہ باز آ گئے۔ ابن زبیرؓ نے بھی ہتھیار اتار دیئے۔

مگر فوراً موقع پا کر ان لوگوں کی ایک جماعت نے جس کے آگے آگے محمد بن ابو بکر تھے، اندر آ کر حملہ کر دیا۔ اور آتے ہی داڑھی پکڑلی اور گالی دی (حضرت) عثمان نے کہا میں تو اللہ کا بندہ اور اس کا خلیفہ ہوں۔ اسی اثناء میں ان لوگوں نے تین وار نیزے کے آپ کے سینے پر کئے اور تین وار سر پر کئے۔ اور ایک تلوار سر کے اگلے حصے پر ایسی ماری کہ ہڈی تک بیٹھ گئی۔ میں عثمان پر چھا گئی تا کہ ان کو بچا سکوں۔ کیونکہ انہوں نے آپ کو لہولہان کر دیا تھا اور ابھی آپ زندہ تھے اور وہ سر کاٹ کر لے جانا چاہتے تھے۔ اتنے میں شیبہ بن ربیعہ کی بیٹی بھی عثمان پر چھا گئی۔ ان لوگوں نے ہم دونوں کو کھینچ کر زمین پر پٹخ دیا اور ہمارے کپڑے پھاڑ دیئے۔ مگر عثمانؓ کی حرمت کے آگے ہمیں اپنی عزت کی پرواہ نہ تھی۔ اس طرح ان کے بستر پر، ان کے گھر میں ان کو مار ڈالا۔ میں ان کا خون لگا کرتہ تم کو بھیجتی ہوں۔

اگر قاتل مجرم ہیں تو وہ بھی مجرم ہیں، جنہوں نے انہیں رسوا ہوتے دیکھا اور مدد نہ کی۔ اب سوچ لو خدا کو منہ دکھانا ہے۔ فریاد ہے۔ مصیبت کا پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑا ہے۔ عثمانؓ کے ولی اور اللہ کے نیک بندوں سے مدد کے طالب ہیں۔۔ (نائلہ بیوہ عثمان)۔

مضمون خط کے بیان کرنے میں راویوں سے سہواً یا عمداً کوئی غلطی بھی ہوئی ہو تو خلیفہ وقت کو اس سفاکانہ بے رحمی کے ساتھ ان کے گھر میں گھس کر قتل کرنا، اور اس وقت قتل کرنا جب کہ وہ تلاوت قرآن میں مصروف ہوں، ایسا حادثہ تھا کہ اگر بیوہ عثمان فریادی نہ بھی

ہوتیں، قاتلین سے قصاص لینا، خصوصاً مقتول کے رشتہ داروں کا، نص قرآن کی رو سے فرض اولین تھا۔ حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کو جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے، شاید یہ گمان نہ تھا کہ بلوائی اس فعل شنیع کا ارتکاب کر سکیں گے یسازش کا الزام تو کسی طرح ثابت نہیں؛ بلاذری کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ اپنے گھر گئے، ان کی بیٹیاں رو رہی تھیں، انہیں دیکھ کر آنسو پونچھنے لگیں۔ پوچھا کیوں رو رہی ہو؟

قلن:نبکی علی عثمان فبکی و قال: ابکین۔ (انساب الاشراف)

انھوں نے کہا کہ:(خالو) عثمان پر۔ یہ سن کر حضرت علی خود) رونے لگے اور کہا: ہاں روؤ!

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۳۹۶-۳۹۹، کراچی، جون ۱۹۶۲ء)۔

شہادت و قصاص عثمانؓ کے حوالہ سے ام المومنین سیدہ عائشہؓ و سیدنا طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ کے موقف کو درست قرار دیتے ہوئے عباسی رقمطراز ہیں:۔

"حالت جب اس درجہ بگڑ چکی تھی کہ خلیفہ مظلوم شہید کی تدفین میں رکاوٹیں ڈالی گئی تھیں، نماز جنازہ کی شرکت سے گریز کیا گیا تھا، مقتول امیرالمومنین کی بیوہ کی چیخوں پر، ان کی یتیم اولاد کی آہ و زاری پر کوئی کان بھی نہ دھرتا تھا، قصاص سے پہلو تہی کی جا رہی تھی، قاتلین سیاست وقتی پر چھائے ہوئے تھے، نسلی و خاندانی عصبیت کا عفریت کروٹیں بدلنے لگا تھا، ام المومنین اصلاح احوال کے جذبات صادقہ کے ساتھ اور حجت دینیہ کے تحت میدان میں آئیں۔ ان کے چشم تصور میں یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک رہا ہو گا جو قصاص عثمانؓ کی بیعت کے لئے اٹھا تھا اور آج بیس برس بعد وہ آپ کی بیعت قصاص پوری کرنے اور مجرموں کو سزا دینے کے لئے مکہ سے بائیس منزلوں کی دشوار گزار راہ طے کرتے ہوئے صحابہؓ و تابعین کی معیت میں بصرہ تشریف لے گئیں۔

ام المومنینؓ اور حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کا یہ اقدام حالات اور واقعات کی رو سے بالکل صحیح اقدام تھا اور قاتلین و مجرمین سے انتقام لینے کی غرض سے تھا۔ حضرت علیؓ کی مخالفت کا کوئی شائبہ تک اس اقدام میں شامل نہ تھا کیونکہ ان کے جلو میں تین ہزار سواروں کے لشکر نے بصرہ کی جانب کوچ کیا تھا، نہ مدینہ کی جانب۔ حضرت علیؓ کا مادر مومنین کے مقابلہ میں آنا ہر اعتبار سے غلط تھا(۱) جو مفاد ملیہ کے لئے سخت مضرت رساں ثابت ہوا۔ جمل و صفین وغیرہ کی خانہ جنگیوں میں تقریباً ایک لاکھ مسلمان کٹ مرے اور ان کے نتیجہ میں مفاسد کا جو باب وا ہوا، وہ آج تک بند نہ ہو سکا۔"

(تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، ص ۸۳-۸۵، مطبوعہ کراچی جون ۱۹۶۱ء)

علامہ عباسی حاشیہ ا، ص ۸۴، میں لکھتے ہیں:-

''حضرت علیؓ جب مدینہ سے چلنے لگے صحابہؓ نے سمجھایا کہ نہ جائیں مگر انہوں نے کہنا نہ مانا اور روانہ ہو گئے۔

جب مقام ربذہ پر پہنچے، ان کے بڑے صاحبزادے حسنؓ آ کر ملے اور اپنے والد سے شکایت کرنے لگے کہ مدینہ سے کیوں نکلے اور کیوں ہر دفعہ میری بات نہیں مانتے؟ حضرت علیؓ نے پوچھا: بتاؤ میں نے تمہاری کونسی بات نہیں مانی؟ حسنؓ نے کہا: جب عثمان کا محاصرہ ہو رہا تھا، میں نے کہا تھا کہ آپ مدینہ سے باہر چلے جائیں اور ان کے قتل کے وقت مدینہ میں موجود نہ رہیں۔ پھر وہ قتل ہو گئے، میں نے آپ سے کہا تھا کہ جب تک عرب کے وفود اور باہر شہروں کی بیعت نہ آ جائے، بیعت نہ لیں۔ پھر ان لوگوں (یعنی المؤمنین عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ) کے اقدام کے وقت میں نے کہا کہ آپ گھر میں بیٹھ رہیں، مگر آپ نے میری ایک بات بھی نہ مانی۔

علیؓ نے جواب میں اپنی بیعت لینے کے بارے میں فرمایا:- مجھے ڈر تھا کہ خلافت ضائع نہ ہو جائے۔ اہل حل و عقد مدینہ والے تھے، نہ کہ سارے عرب اور تمام شہروں کے لوگ۔ رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوا تو آپ کے بعد میں ہی خلافت کا سب سے زیادہ حق دار تھا لیکن لوگوں نے دوسروں کے ہاتھ پر بیعت کر لی، میں نے ان پر کوئی جبر نہیں کیا۔ اب جو شخص مخالفت کرے گا، میں اپنے فرمانبرداروں کے ساتھ اس سے لڑوں گا، حتیٰ کہ خدا فیصلہ فرما دے۔''

(ابن خلدون، ص ۱۴۳، ملخصاً)۔

(محمود عباسی، تحقیق مزید، ص ۸۴، حاشیہ ا، کراچی جون ۱۹۶۱ء)

سیدہ عائشہ کا مقصود صرف طلب قصاص عثمان تھا، مخالفت خلافت علی مقصود نہ تھی۔ اسی حوالے سے فرماتے ہیں:-

''ام المؤمنین کے اس اقدام میں حضرت علیؓ کی مخالفت کا کوئی جذبہ اگر کار فرما ہوتا تو بجائے بصرہ جانے کے مدینہ جاتیں، معاویہؓ سے مدد طلب کرتیں، شامی فوجیں شمال سے چلتیں اور طالبین قصاص کا یہ تین ہزار سواروں کا لشکر جنوب سے۔ مالک اور اس کے ساتھی تاب مقاومت نہ لا سکتے۔ حضرت علیؓ کی خلافت گو شرعاً قائم ہو چکی تھی مگر جس طرح اور جس نوعیت

کی ہوئی تھی اس کا ذکر گزر چکا۔ خود ایک شیعہ مؤرخ فرماتے ہیں کہ:۔

"جن لوگوں نے علی مرتضیٰ کا تعلق اور رسول خدا سے ان کی خصوصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا---- انہوں نے علی سے بیعت تک نہ کی تھی۔ درآنحالیکہ یزید اور عبد الملک جیسوں کی بیعت کو بخوشی گوارا کر لیا۔ ان بزرگوں میں (۱) سعد بن ابی وقاص (۲) عبد اللہ بن عمر (۳) عبد اللہ بن سلام (۴) صہیب بن سنان (۵) اسامہ بن زید (۶) قدامہ بن مظعون (۷) مغیرہ بن شعبہ (مہاجرین) اور (۱) حسان بن ثابت (۲) کعب بن مالک (۳) مسلمہ بن مخلد (۴) محمد بن مسلمہ (۵) نعمان بن بشیر (۶) زید بن ثابت (۷) رافع بن خدیج (۸) فضالہ بن عبید (۹) کعب بن عجرہ (۱۰) مسلمہ بن سلامہ (انصار) جیسے اکابر اور مشاہیر اسلام شامل ہیں، جنہوں نے جناب امیر سے بیعت تک نہ کی، امداد دینا تو درکنار۔ یہاں تک کہ آپ نے دل برداشتہ ہو کر مدینہ سے ہجرت اختیار کی، کوفہ کو اپنا دار السلطنت قرار دیا اور پھر جیتے جی قدم نہ رکھا۔"

(تحقیق مزید، ص ۷۷-۷۸۔ بحوالہ شاکر حسین نقوی امروہوی، مجاہد اعظم، ص ۱۴۹)

مدینہ سے کوفہ منتقل ہونے کے حوالہ سے عباسی رقمطراز ہیں:۔

"اکابر صحابہؓ نے اس اقدام کی مخالفت کی۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا:۔

لاتخرج منها (اى مدينة الرسولؐ) فوالله لئن خرجت منها لاترجع اليها ولا يعود اليها سلطان المسلمين- فسبوه فقال:- دعوا الرجل فنعم الرجل من اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، وسارحتى انتهى الى الربذة. (ص ۱۷۰، ج ۵، طبری)

اے علی تم (مدینہ رسول کو) چھوڑ کر مت جاؤ، خدا کی قسم مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو پھر کبھی لوٹ کر نہ آؤ گے اور نہ مسلمانوں کی حکومت (خلافت) ادھر کبھی پلٹے گی۔ یعنی مدینہ مستقر خلافت نہ رہے گا۔ (ان صحابی کی گفتگو پر سبائیوں نے) ان کو سب و شتم کیا۔ اس پر (حضرت علیؓ نے) کہا ان کو چھوڑو الگ رہو، یہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھے شخص ہیں۔ یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گئے یہاں تک کہ مقام ربذہ میں پہنچ گئے۔ (عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۱۵۷۔

اقدام سیدہ عائشہؓ کے حوالہ سے مزید فرماتے ہیں:۔

"مادر ملت کا مرتبہ اور ان کی پوزیشن اہم فرد ملت سے خواہ وہ زمام حکمرانی اپنے ہاتھ میں

رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو بفرمان خداوندی کہ:- أزواجه امهاتهم - ان کی (رسول کی) بیبیاں تمہاری (مسلمانوں کی) مائیں ہیں، بلند و بالا ہے۔ حضرت عثمانؓ درجہ و فضیلت میں حضرت علیؓ سے بلند و برتر تھے۔ رسول اللہ ؐ کے چہیتے اور دوہرے داماد "ذی النورین"۔ (تحقیق مزید، ص ۸۷)

شہادت عثمانؓ کے بعد جو اختلاف و انتشار رونما ہوا، اس میں مسلم بن عقیل کے والد اور سیدنا علیؓ کے برادر بزرگ عقیلؓ بن ابی طالب (وجوہات خواہ کچھ بھی ہوں) سیدنا معاویہؓ سے جا ملے۔ عباسی لکھتے ہیں:-

"حضرت علیؓ کے بڑے بھائی کا ان کے خلاف ہو کر حضرت معاویہؓ کے ساتھ صفین کے میدان جنگ میں ان کے ساتھ ہونے کو شیعہ مؤرخ نے بھی ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے:-

"وفارق (عقيل) اخاه علياً اميرالمؤمنين فى ايام خلافته وهرب الى معاوية و شهد صفين معه-" (عمدة الطالب، ص١٥، مطبع لكهنو)-

اور (عقیل) اپنے بھائی علی امیرالمؤمنین سے ان کے ایام خلافت میں جدا ہو گئے اور معاویہ کے پاس بھاگ گئے اور ان ہی کے ساتھ صفین کی جنگ میں موجود تھے۔

(خلافت معاویہ و یزید مطبوعہ جون ۱۹۶۲ء، ص ۵۹۔ بحوالہ عمدۃ الطالب فی انساب آل أبی طالب مؤلفہ جمال الدین عنبہ، م ۸۲۸ھ، طبع لکھنؤ، ص ۱۵)

"حضرت طلحہؓ نے واضح الفاظ میں سامعین سے کہا تھا:-

"وان تركتم (أعنى قصاص) لم يقم لكم سلطان و لم يكن لكم نظام"
(ص ١٧٥، ج ٥ طبرى و ص ١٢٧، جمهرة الخطب)

"اگر قصاص لینا تم نے ترک کر دیا تو پھر نہ تمہارے لئے حکومت قائم رہ سکتی ہے اور نہ نظام حکومت۔" (خلافت معاویہ و یزید، ص ۵۸)۔

عباسی حضرت علیؓ کا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ باغیوں کی جماعت پر ہمیں قدرت حاصل نہیں۔ اس وقت ان کا غلبہ ہے۔ اس دوران میں بعض صحابہؓ کی مساعی سے طالبین قصاص اور حضرت علیؓ میں مفاہمت کی شکل پیدا ہو گئی۔ اور حضرت علی تکمیل صلح کی غرض سے جب روانہ ہونے پر تیار ہوئے تو یہ اعلان کیا کہ جس شخص نے بھی عثمان کے معاملے میں کچھ کیا ہو وہ ہمارے ساتھ نہ چلے:- (ألا و لايرتحلن غداً أحد أعان على عثمان رضى الله عنه-

ص ۱۹۴، ج ۵، طبری)۔

یہ سن کر ان سبائیوں نے جن میں ابن سبا اور اس کا خاص ایجنٹ الاشتر نیز دوسرے باغی اور قاتل شامل تھے، خفیہ میٹنگ کر کے طے کیا کہ اس صلح و مفاہمت کو ناکام بنا دیا جائے۔ کیونکہ صلح کی صورت میں ہماری خیر نہیں۔

مؤرخین کا متفقہ بیان ہے کہ عبداللہ بن سبا کی تجویز کے مطابق ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں اور متبعین کے ذریعے جن کی تعداد ڈھائی ہزار بیان کی گئی ہے، رات کو شب خون مار کر آتش جنگ مشتعل کرادی۔

حضرت علیؓ نے اس خانہ جنگی اور برادر کشی کو روکنے کیلئے قرآن شریف دکھا دکھا کر کہا کہ یہ کلام اللہ ہمارے تمہارے درمیان ہے، اس کے مطابق فیصلہ ہو۔ (طبری، ج ۵، ص ۲۰۴)۔ لیکن سبائیوں کا تیر نشانہ پر بیٹھ چکا تھا۔ ہر فریق نے اسی غلط فہمی میں قتال کیا کہ دوسرے نے شرائط صلح سے غداری کی۔

اس سانحہ کے بعد بھی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ نہ ہوا۔ اہل شام سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سبائیوں کی من مانی کارروائیاں دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے ہیں کسی نہ کسی حیلے بہانے سے حضرت علیؓ سے کرا لیتے ہیں، ان کے بعض عزیز و اقارب بھی بیزار ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے برادر بزرگ حضرت عقیلؓ کی دور بین نگاہوں نے اس صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائی کے گردوپیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں، وہ ملت کا بیڑہ غرق کئے بغیر نہ رہیں گے۔ اس ضمن میں وضاعین نے کتنے ہی لطیفے اور کتنی پھبتیاں کسی ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار کا امکان نہیں کہ حضرت علی کے سگے بڑے بھائی حضرت عقیل جو بزرگ خاندان تھے، وہ اپنے بھائی سے علیحدہ ہو کر ان کے مدمقابل حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے ولی الدم اور طالب قصاص تھے۔ صفین کے میدان میں وہ ان کے کیمپ میں موجود رہے۔ انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ وفاداری اسی میں سمجھی تھی کہ ان کی سیاست پر جو لوگ مستولی ہیں، وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۵۸-۵۹)۔

قصاص عثمانؓ ہی کے حوالہ سے عباسی مزید بیان فرماتے ہیں کہ:-

"اکثر صحابہؓ، امہات المومنینؓ، حرمین شریفین کے اکثر باشندے، کل اہل شام اور امت کا سواد اعظم قصاص عثمانؓ کے مسئلہ پر متحد و متفق تھا اور اس امر کا شدت سے احساس

عام طور سے صحابہؓ کو تھا کہ خلیفہ برحق کو یوں ظلماً قتل کر کے قاتلین کا اپنے اثر سے دوسرے کو اس کی جگہ قائم کر دینا نظام خلافت کی بربادی اور خلافت نبوت کے ختم ہو جانے کے مترادف ہے۔ دور و نزدیک کے سب صحابہؓ اس خیال کے تھے۔

حضرت ثمامہ بن عدی القرشی صحابی کو جو عہد عثمانی میں صنعاء (یمن) کے عامل تھے، جب ان اندوہناک حالات کی اطلاع ملی، مسجد میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے، شدت غم سے رونے لگے اور دیر تک روتے رہے، پھر کہا: آج امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اب ملوکیت اور جبری حکومت کا دور دورہ شروع ہوا۔ (الاستیعاب، ص ۷۹، ج ا وازالۃ الخفاء، ص ۳۵۱، ج ۲)۔

اس حالت میں صحابہ کرامؓ وام المومنینؓ نے یہ دیکھ کر کہ حضرت علیؓ وقتی مصلحتوں کی بناء پر قصاص کو مؤخر کر رہے ہیں اور اپنی بیعت کی تکمیل کو مقدم سمجھتے ہیں، یہ طے کر لیا کہ نظام خلافت کی حرمت کے تحفظ کے جذبہ صادقہ کے ساتھ قصاص لینے کا خود ہی اقدام کریں، شرعاً واجب اور تقاضائے وقت کے اعتبار سے اہم اقدام تھا۔ حضرت علیؓ سے کچھ تعرض نہ کریں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

حضرت عثمانؓ رشتہ کے اعتبار سے ام المومنین عائشہؓ کے داماد تھے۔ ان کی دو سوتیلی بیٹیوں سیدہ رقیہؓ وام کلثومؓ دختران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر تھے۔ ان کو یہ حق بھی پہنچتا تھا کہ داماد کے مظلومیت کے ساتھ ناحق قتل کر دیئے جانے کا قصاص لے سکیں۔

ومن قتل مظلوماً جعلنا لولیہ سلطاناً۔ (جو کوئی مظلوم قتل کیا جائے اس کے ولی وارث کو قصاص کا ہم نے ضرور اختیار دیا ہے)۔

پھر حضرت عائشہؓ کی ذہنی و نفسیاتی کیفیات بھی اس اقدام کے لئے مجبور کر رہی تھیں۔ ہر فرمانبردار اور محبت والی بیوی اپنے شوہر کی ایک ایک بات، ایک ایک ادا کو نہاں خانۂ دل میں محفوظ رکھتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کب اس واقعہ کو فراموش کر سکتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان محبوب صحابی اور چہیتے داماد حضرت عثمانؓ کو صلح حدیبیہ سے چند دن پہلے کفار قریش سے گفتگو کرنے مکہ بھیجا تھا اور واپسی میں دیر ہوئی اور یہ غلط خبر مشہور ہو گئی کہ عثمان قتل کر دیئے گئے تو آنحضور ؐ نے اپنے چودہ یا پندرہ سو صحابہؓ سے خون عثمان کے انتقام و قصاص کے لئے بیعت لی تھی جو بیعت الرضوان اور بیعت الشجرۃ کہلاتی ہے۔ سورہ فتح کی آیتیں اس پر نازل ہوئیں۔ (محمود عباسی تحقیق مزید، ص ۸۱-۸۳)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا مقام و مرتبہ واضح کرتے ہوئے عباسی رقمطراز ہیں:۔

"ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبوب ترین زوجہ امیر یزید کے زمانہ ولی عہدی میں کئی سال حیات رہیں۔ محبوبیت کا یہ درجہ حسن و جمال کی بدولت نہیں بلکہ فطری ذکاوت و ذہانت، غیر معمولی فراست و فرزانگی نیز دیگر اوصاف و صفات حسنہ، روشن نگہی و بلند خیالی و اصابت رائے اور معاملات کی سوجھ بوجھ کے سبب حاصل تھا۔ سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے محترم شوہر کی نگاہوں میں وہ بلند مقام حاصل کیا جو اور کسی کو حاصل نہ ہوا۔

وہ ایسی زوجہ تھیں جو اپنے شوہر کی عظیم شخصیت سے تبادلہ احساس و شعور کرتیں اور ایسی ذہین و فطین شاگرد تھیں جو معلم اعظم واکمل سے "کتاب و حکمت" کا درس لیتیں اور اس میں ایسی پختگی پیدا کر لیتیں کہ آنحضور ؐ کی وفات کے بعد فقہ و سنت کے مسائل میں مرجع خلائق بن گئیں۔ اسی کے ساتھ وہ ایسی فرمانبردار رفیقہ حیات تھیں کہ کاشانہ نبوت کی روز افزوں و گوناگوں ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اپنے عالی مرتبت شوہر کی نہ صرف شریک و سہیم تھیں بلکہ چند سال بعد خانگی معاملات کی ذمہ داریوں کو اکثر و بیشتر خود ہی انجام دیتیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پبلک مصروفیات اس زمانہ سے آخر وقت تک اتنی کثیر و متوافر و متنوع ہوتی گئیں کہ پرائیویٹ معاملات کی جانب متوجہ ہونے کا نہ وقت تھا نہ فرصت۔" (عباسی، تحقیق مزید، ص ۶۳)۔

اسی سلسلہ کلام میں مزید فرماتے ہیں:-

"علوم دینیہ میں ایسا تبحر تھا کہ اکابر صحابہؓ علمی مسائل اور مشکلات میں ان ہی کی جانب رجوع کرتے۔ ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ جیسے فاضل صحابہ کی روایت ہے کہ:-

. ما اشكل علينا اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم حديث قط فسألنا عائشة الا وجدنا عندها منه علماً-

ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کوئی مشکل بات پیش نہیں آتی جس کو ہم نے عائشہ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس سے اس کے متعلق معلومات نہ ملی ہوں۔

اسی طرح امام زہری فرماتے ہیں کہ:-

حضرت عائشہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ اکابر صحابہ ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ (يسألها الأكابر من اصحاب رسول الله)-

حضرت عروہ بن الزبیرؓ جو علم میں ان کے فیض یافتہ تھے، لکھتے ہیں:-

مارأیت أحداً اعلم بالقرآن ولا بفریضة ولا بحلال و لابفقه ولا بشعر ولا بطب ولا بحدیث العرب ولا بنسب من عائشة-

قرآن و فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، واقعات، تاریخِ عرب اور انساب کا عالم میں نے عائشہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا- (عباسی، تحقیق مزید، ص ۶۴)-

علامہ عباسی "زمانہ بیوگی" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:-

زمانہ بیوگی

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ کے آخری ایام اپنی اسی حبیبہ ہی کے حجرے میں بسر کئے- علالت کے دنوں میں وہی زیادہ تر تیمارداری کرتیں- وفات سے ذرا پہلے آپ کی خواہش کا احساس کر کے حضرت عائشہؓ نے اپنے دانتوں سے مسواک نرم کر کے پیش کی جسے آپ نے دندان مبارک ؐ پر اچھی طرح ملا اور اس طرح ان کا اور آپ کا لعاب دہن دنیا کی آخری اور حیات ابدی کی اولین ساعت میں اللہ تعالیٰ نے یکجا کر دیا- پھر انہی محبوب رفیقہ حیات کے باری کے دن انہی کے حجرے میں انہی کے آغوش میں اور انہی کے سینے سے لگ کر روح پاک عالم قدس کو صعود کر گئی- اور بعد وفات انہی کے حجرے میں مدفون ہوئے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہؓ اڑتالیس (۴۸) برس حیات رہیں- بیوگی کی یہ طویل مدت علم دین کی خدمت میں بسر کی- دو ہزار سے زیادہ حدیثیں ان سے مروی ہیں- خلفائے ثلاثہؓ کے زمانوں میں فتوے دیتیں- بعض معرکتہ الاراء مسائل یعنی معراج، علم غیب، رویت باری تعالیٰ، عصمت انبیاء کے بارے میں جو تشریحات کی ہیں، وہ ان کے تبحر علمی، ذکاوت و ذہانت و بالغ نظری کا ثبوت ہیں- مجتہدین صحابہ میں ان کی علمی حیثیت سب سے بلند و بالا تھی- علم الفرائض میں یکتا حیثیت رکھتی تھیں- وضعی روایتوں میں "باب العلم" کی کیسی کچھ شہرت ہے مگر حضرت عائشہؓ تو بجا طور سے "شہر علم" کی ملکہ تھیں- سینکڑوں تابعین کرام ان کے دامن تربیت سے پروان چڑھے جن میں ان کے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ اور بھانجے عروہ بن زبیرؒ ممتاز تھے-

نہایت فصیح البیان، شیریں زبان، بلند آواز تھیں- مسائل دینیہ کے علاوہ اکابر صحابہؓ امت محمدیہ کے سیاسی معاملات میں بھی مشورہ لیتے- حضرت عثمان ذی النورینؓ کو جب سبائی انقلابی اور ان کے حامی طرح طرح ستا رہے تھے، انہوں نے اپنی مشکلات ام المومنینؓ کے

سامنے پیش کیں اور مشورہ لیا۔" (عباسی، تحقیق مزید، ص ۶۷-۶۹)۔

سیدہ عائشہؓ کے تربیت یافتہ انہی عالم و فقیہ بھتیجے قاسم بن محمد بن ابی بکر کی بیٹی ام فروہ والدہ جعفر صادق تھیں۔ لہٰذا سیدنا جعفر الصادق انکے نواسے اور محمد الباقر داماد تھے۔ اور چونکہ سیدنا جعفر الصادق کے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ نیز نانی اسماء بنت عبد الرحمن بن ابی بکر تھیں اس لئے آپ کا یہ قول شیعہ کتب میں موجود ہے کہ :-

ولدنی ابوبکر مرتین- (ابوبکر نے مجھے دو مرتبہ جنم دیا)۔

سیدہ عائشہؓ کی عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے وقت سترہ اٹھارہ برس کے بجائے عموماً آٹھ نو برس بتائی جاتی ہے۔ اسے غلط قرار دیتے ہوئے عباسی لکھتے ہیں:-

"علامہ ابن کثیر محقق مؤرخ کہلاتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے تذکرے میں تو وہی چلتی سی بات ان کی عمر کے بارے میں کہہ جاتے ہیں۔ لیکن ان کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کے حالات بیان کرتے ہوئے حق برزبان جاری ہے، اس امر کا صراحتاً اظہار بھی کر دیتے ہیں کہ اسماء کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی۔ بوقت وفات وہ سو برس سے زائد عمر کی تھیں۔ اور اپنی چھوٹی بہن عائشہ سے دس برس بڑی تھیں:-

(وھی اکبر من اختھا عائشۃ بعشر سنین- ص ۳۴۶، ج ۸، البدایۃ)-

اب دیکھئے ۷۳ھ میں جس خاتون کی وفات سو برس سے زیادہ عمر میں ہو، سن ۱ھ میں وہ ستائیس برس کی ہوں گی اور ان سے دس برس چھوٹی سترہ برس کی۔

علامہ موصوف ہی کی مندرجہ بالا تصریحات سے نیز "اکمال فی اسماء الرجال" و "تجرید بخاری" وغیرہ کی تشریحات سے جب یہ ثابت ہے کہ حضرت عائشہؓ رخصتی کے وقت آٹھ نو برس کی نہیں بلکہ سترہ اٹھارہ برس کی تھیں تو کیا یہ روایت پرستانہ تقلید جامد کا نتیجہ نہیں کہ حقائق سے چشم پوشی کر کے چھ اور آٹھ نو برس کی وضعی روایتوں کو بھی درج کر دیا؟ (عباسی، تحقیق مزید ص ۶۶)۔

اس سلسلہ میں بعض جدید محققین کا کہنا ہے کہ ممکن ہے جناب ہشام بن عروہ وغیرہ کی روایات میں شادی کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر کے بارے میں سیدہ عائشہ سے نقل کردہ اصل بیان میں موجود "تسع عشرۃ" میں سے "عشرۃ" کا لفظ سہواً ساقط التحریر والروایہ ہوتا چلا گیا ہو جس سے تقریباً اٹھارہ انیس برس کی عمر میں شادی کے بجائے آٹھ نو برس کا مغالطہ ہوا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، کشف الغمۃ عن عمر ام الأمۃ، مؤلفہ حکیم نیاز احمد، مشہور اکیڈمی، کراچی۔ نیز اس موقف

کی تردید کے حوالہ سے ملاحظہ ہو مقالہ سید سلیمان ندوی، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر پر تحقیقی نظر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، لاہور، ۱۹۷۸ء)۔

بہر حال اس ضمنی بحث سے قطع نظر سیدہ عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کے اقدام طلب قصاص کے حوالہ سے عباسی فرماتے ہیں:-

"طالبان قصاص کو بظاہر ناکامی و شکست ہوئی، مگر ان کی یہی شکست نتیجہ میں بالآخر فریق ثانی کی سیاسی شکست اور ناکامی کا موجب بن گئی اور طالبان قصاص بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ تمام قاتلین عثمان کیفر کردار کو پہنچے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔" (عباسی، تحقیق مزید، ص ۹۸)۔

عباسی بعد ازاں سیدنا معاویہ اور تکمیل قصاص عثمان کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

حضرت معاویہؓ اور تکمیل قصاص

حضرت علیؓ کو ایک خط میں حضرت معاویہؓ نے تحریر کیا تھا کہ یا تو قاتلین عثمانؓ سے خود قصاص لو یا انہیں ہمارے حوالے کرو کہ ہم قصاص لیں۔ ایسا ہوا تو ہم سے زیادہ کوئی تمہاری بیعت میں سبقت نہ کرے گا۔ ورنہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لئے ہمارے پاس تلوار ہے۔ اسی کے ساتھ لکھا تھا:-

"فوالله الذی لااله غیره لنطلبن قتلة عثمان فی البروالبحر حتی نقتلهم-"

پس قسم بخدا جس کے سوائے کوئی اللہ نہیں ہم قاتلین عثمان کو خشکی و تری ہر جگہ تلاش کریں گے حتیٰ کہ انہیں (قصاصاً) قتل کر دیں۔

اپنے اس ارادے کو انہوں نے کس کس طرح پورا کیا اس کی تفصیلات اوراق تاریخ میں جابجا ملتی ہیں۔ مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکرؓ وغیرہ کو حضرت علیؓ کے ایام میں قصاصاً قتل کرایا۔ پھر اپنے ایام میں دوسرے مجرمین کو جو ملک کے مختلف گوشوں میں پوشیدہ ہو گئے تھے، تلاش کرا کے گرفتار کیا، قید خانہ میں رکھا۔ بعض مجرمین قید خانہ سے فرار ہو جاتے ان کی تلاش ہوتی، پکڑے جاتے۔ اس لئے انہوں نے حمص کے قریب الجلیل پہاڑ پر ایک مضبوط قید خانہ بنوایا جس میں یہ قاتلین عثمانؓ اس وقت تک محبوس رہتے جب تک تحقیقات سے جرم ثابت ہو کر سزا یاب نہ ہوتے۔ یاقوت حموی نے اس قید خانہ کا تذکرہ کیا ہے اور "جبل الجلیل" کے تحت لکھا ہے:-

کان معاویة یحبس فی موضع منه من یظفربه ممن ینبز بقتل عثمان

بن عفان- (کتاب معجم البلدان، ص ۱۱۰، ج ۲)

معاویہ (اس پہاڑ کے) ایک مقام پر ان اشخاص کو قید رکھتے جن پر وہ قابو پالیتے اور وہ قتل عثمان بن عفانؓ میں متہم ہوتے۔" (عباسی، تحقیق مزید، ص ۹۸)۔

سیدہ عائشہ کی سیدنا طلحہ و زبیر نیز ہزاروں صحابہؓ و تابعین کے ہمراہ طلب قصاص کے لئے بصرہ روانگی کے حوالہ سے حوءب کے کتے بھونکنے والی حدیث کا بڑا چرچا ہے۔ اس حوالہ سے علامہ عباسی نے تفصیلی دلائل سے ثابت فرمایا ہے کہ اس حدیث کا نہ تو سیدہ عائشہؓ پر انطباق درست ہے۔ اور نہ اس کے حوالہ سے ان کے درست اقدام طلب قصاص کو شرعاً غلط قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں ان کا قدرے تفصیلی و مدلل بیان درج ذیل ہے:-

ایک وضعی حدیث اور جھوٹی روایت

ام المؤمنین عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو ان کے اقدام قصاص میں مطعون کرنے کی غرض سے بہت سی جھوٹی باتیں کہی گئی ہیں۔ ان میں یہ کذب بیانی سب سے زیادہ شرمناک ہے کہ بصرہ کے راستے جب ایک مقام الحوءب آیا، وہاں کتے بھونکنے لگے۔ ام المؤمنین نے فرمایا کہ مجھے واپس لوٹاؤ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ازواج سے یہ فرماتے سنا ہے کہ نہ معلوم تم میں وہ کون ہوگی جس پر الحوءب کے کتے بھونکیں گے۔

ابن جریر طبری نے اسی مکذوبہ روایت کا خاص باب قائم کیا ہے اور ابو مخنف کی اسناد ترک کرکے خود اپنی اسناد اس طرح لکھی ہیں کہ:-

حدثنی اسماعیل (۱) بن موسی الفزاری قال اخبرنا علی بن عابس الأرزق، قال حدثنا ابو الخطاب (۲) الهجری عن صفوان (۴) بن قبیصه الاخمسی قال حدثنی العرنی (۵) صاحب الجمل- (طبری، ص ۱۴۰، ج ۵)-

اب اس سلسلہ اسناد اور ان راویان پنج تن کی کیفیت و حالت ملاحظہ ہو:-

(۱) پہلا راوی جس سے علامہ ابن جریر طبری یہ جھوٹی روایت کرتے ہیں، اسماعیل بن موسی الفزاری ہے۔ اس کے بارے میں امام ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں محدث ابن عدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:- وہ غالی شیعہ تھا اور ایسا فاسق تھا کہ سلف پر سب و شتم کرتا تھا۔ وہ کوفی تھا، ۲۴۵ھ میں فوت ہوگیا تھا۔ (میزان الاعتدال، ص ۱۱۷، ج ۱)۔ اور ابن جریر طبرستان کے مقام آمل میں ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے تھے یعنی اس غالی راوی کے مرنے سے کوئی بیس برس پہلے تو کیا یہ روایت اس نوعمری میں انہوں نے طبرستان سے کوفہ آکر اس

فاسق سے اس وقت سنی تھی جب وہ دنیا سے کوچ کر رہا تھا اور بالفرض سنی بھی تھی تو اس سلسلہ کذب و افترا کے دوسرے راویوں کی حالت بھی ذرا دیکھئے:-

(۲) دوسرا راوی جس نے الفزاری جیسے غالی و فاسق سے روایت کی ہے علی بن عابس ہے۔ محدث نسائی اسے ضعیف بتاتے ہیں۔

(۳) تیسرے راوی کا نام ابوالخطاب الہجری بتایا گیا ہے، اس کو حافظ ابن حجر نے "تقریب التہذیب" میں مجہول کہا ہے۔

(۴) پھر اس تیسرے راوی کی روایت اپنی ہی طرح کے ایک اور مجہول راوی صفوان بن قبیصہ الاحمسی سے ہے۔ (میزان الاعتدال، ص ۴۶۷، ج ۱)۔

(۵) مندرجہ بالا دونوں مجہولوں کا سلسلہ اسناد عرنیہ قبیلے کے کسی نامعلوم الاسم اونٹ والے تک پہنچتا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا اونٹ ام المؤمنین کی سواری کے لئے صحرا میں خریدا گیا تھا اور خریداری کے ساتھ یہ شرط بھی کی گئی تھی کہ رہبری کی خدمت بھی انجام دے اور راستہ کے ہر ہر مقام کا نام اور حال بھی بتاتا چلے۔

ام المؤمنین کے قافلہ اور اس کی روانگی کے مندرجہ ذیل حالات و واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکایت تمام تر وضعی ہے، نہ اونٹ والے کا کوئی وجود تھا، نہ اس کی رہبری کا۔

(۱) بصرے کے عامل حضرت عبداللہ بن عامر ہی کی تجویز کے مطابق بصرہ جانا اور بصری بلوائیوں کو سزا دینا طے ہوا تھا۔ عامل موصوف نہ صرف راستہ کی منزلوں سے پوری طرح واقف تھے بلکہ اس راستہ میں انہوں نے اپنے زمانہ میں حاجیوں کی سہولت کے لئے حوض و کنویں تعمیر کرائے تھے۔ مقام بستان ابن عامر جو آج تک موجود ہے ان سے منسوب ہے۔ ان کی اور ان کے لوگوں کی موجودگی میں اونٹ والے کی رہبری و رہنمائی محض لغو ہے۔

(۲) ام المؤمنین کی سواری کے لئے کوئی اونٹ نہ صحرا میں خریدا گیا تھا اور نہ مکہ میں۔ ان کی سواری کے لئے حضرت یعلی بن امیہؓ نے اپنا اونٹ پیش کیا تھا جو یمن سے ساتھ لائے تھے۔ وہ اس علاقہ کا بہترین اونٹ تھا جس کا نام عسکر تھا۔ اسی پر سوار ہو کر وہ بصرہ تشریف لے گئی تھیں۔ (معارف ابن قتیبہ، ص ۱۲۰)۔ مؤرخین نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ عہد عثمانی کے یہ عامل جب یمن سے مکہ کو چلے ہیں اپنا تمام مال و متاع ساتھ لے گئے تھے۔ ان کے ساتھ اونٹوں کی بھی کثیر تعداد تھی۔ انہوں نے مجاہدین کے لئے سامان و اسلحہ کا بھی اپنے پاس سے

انتظام کیا تھا۔

(۳) مکہ سے بصرے تک کاروانی راستہ میں اکیس منزلیں پڑتی ہیں۔ قدیم مولف ابوالفرج قدامہ بن جعفر متوفی ۲۹۰ھ کی تالیف (كتاب الخراج وصنعة الكتابة) میں ممالک اسلامیہ کے تمام اہم و مرکزی مقامات کے راستوں اور منزلوں کے نام درج ہیں، مکہ سے بصرہ کی درمیانی منزلوں میں الحؤب کسی منزل کا نام نہیں ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ مقام قافلے کے اترنے کی کوئی منزل نہ تھی۔ اثنائے راہ کا کوئی چھوٹا سا مقام ہوگا۔

(۴) بالفرض الحؤب اس زمانہ میں قافلہ کی منزل بھی رہی ہو تو کتوں کے بھونکنے کی خصوصیت اسی منزل کی کیوں تھی۔ دوسری بیس منزلوں کے کتے کیا نہ بھونکے ہوں گے۔ اجنبیوں کو دیکھ کر کتے کہاں نہیں بھونکتے؟ کیا حضرت علیؓ کے قافلہ پر نہ بھونکے ہوں گے؟ پھر حضرت عائشہؓ کے قافلہ ہی کی یہ خصوصیت کیوں اور کس بناء پر؟

(۵) قبیلہ الفزارہ کی ایک عورت ام زمل سلمیٰ کی ایک حکایت بیان کی جاتی ہے جسے یاقوت حموی نے بھی کتاب معجم البلدان (ص ۳۵۲، ج ۲) میں الحؤب کے تحت لکھا ہے کہ یہ عورت ایام قرفہ میں گرفتار ہو کر آئی اور لونڈی کی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو دیدی گئی۔ انہوں نے اسے آزاد کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر یہ اپنی قوم والوں کے پاس واپس چلی گئی اور مرتد ہو گئی۔ جب حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے مرتدین کے لیڈر طلیحہ کے خلاف معرکہ آرائی کی تھی، غطفان وہوازن واسد وطے قبیلوں کی کثیر جماعت اس عورت کے ساتھ ہو گئی تھی، یہ ایک اونٹ پر سوار تھی، مسلمانوں نے اس کو بھی گھیرے میں لے کر اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں، یہ مع اپنے ساتھیوں کے ہلاک ہو گئی تھی۔

اس حکایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ الحؤب کے کتے بھونکنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اسی عورت کی جانب تھا:- فكانوا يرون انها التى عناها النبى صلى الله عليه وسلم- (ص ۳۵۲ ایضاً)-

یہ ہے وہ مکذوبہ روایت جسے علامہ ابن جریر طبری نے اپنے دل کی بیماری تقیہ کے آڑ سے چھپا کر خاص عنوان کے تحت حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو خطا کار ثابت کرنے کے لئے درج کر دیا۔ پھر کیا تھا، بعد کے ہر مؤرخ و مصنف نے روایت کی آنکھ پر پٹی باندھ کر نقل در نقل شروع کر دی۔ حالانکہ ان مجہول اور فاسق راویوں کی حالت و مجہولیت کتب اسماء الرجال سے باسانی معلوم کی جا سکتی تھی اور ہرزہ گویوں کی

شرمناک بد گوئی سے حرم رسول اللہ، آپ کی محبوب زوجہ مطہرہ اور اہل بیت حقیقی کو بچایا جا سکتا تھا جنکی طہارت طینت و پاکیزگی پر خود کلام اللہ گواہ ہے اور جن کے لحاف میں ہونے کی حالت میں آنحضور ؐ پر وحی آتی تھی۔

اس الحوئب کی وضعی روایت کے علاوہ بھی منافقین نے ام المؤمنین کے اس مخلصانہ اقدام کی عظمت گھٹانے کے لئے اور بھی حربے استعمال کئے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات سے فرمادیا تھا کہ بس اب یہ تمہارا آخری حج ہے۔ اس کے بعد سے تم اپنے گھروں میں ہی بیٹھی رہنا:- انما هذه الحجة ثم الزمن ظهور الحصر- (مسند احمد حنبل)- نیز:- وقرن نے بیوتکن- کی بھی یہی تاویل کرتے ہیں کہ کسی ضرورت سے مکان سے باہر نہ نکلیں۔ لیکن آپ کی سب ازواج آخر ایام زندگی تک ادائے حج کے لئے مدینہ سے مکہ تشریف لیجاتیں اور ہر سال حج کرتی تھیں۔ ان کے اس عمل سے ہی وضعی حدیثوں اور تاویلات باطلہ کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس سال یعنی سن ۳۵ھ میں جیسا کہ کتب تاریخ میں بالتصریح مذکور ہے، یہ سب ازواج مطہرات حج کے لئے مکہ تشریف لے گئیں تھیں اور حضرت عثمانؓ کے شہید ہو جانے کے بعد وہیں ٹھہری رہی تھیں۔

ام المؤمنین عائشہؓ کا یہ اقدام قصاص خون عثمانؓ ایک روشن مثال اور عظیم کارنامہ ہے۔ تاریخ عالم کی بعض بلند پایہ خواتین کے اقدامات کی طرح کہ جب قوم و ملت پر کوئی نازک وقت آپڑا، ذاتی مصلحتوں کی بناء پر اصول سے انحراف کیا جانے لگا، اتحاد و یک جہتی کے بجائے سیاسی پارٹیاں بننے لگیں، مظلوم مقتولوں کی بیوہ اور یتیم اولاد کی فریاد رسی نہ کی گئی، حق و انصاف کی خاطر یہ خواتین میدان عمل میں آنے پر مجبور ہوئیں۔ حضرت عائشہؓ کا یہ مخلصانہ اقدام اصلاح بین الناس کے مقصد سے تھا، جیسا خود موصوفہ نے صحابی جلیل حضرت قعقاع التمیمی سے ان کے سوال کے جواب میں اس وقت فرمایا تھا جب وہ فریقین کے مابین افہام و تفہیم کی کوشش کر رہے تھے۔ سبائیوں کی سازش سے اس میں بالآخر کھنڈت پڑ گئی مگر موصوفہ کا ضمیر ہمیشہ مطمئن رہا، منافقین نے اظہار تاسف کے جو کلمات ان سے منسوب کئے ہیں، وضعی حدیثوں و روایتوں کی طرح محض بے اصل ہیں۔ (عباسی، تحقیق مزید، ص ۸۵-۸۹)

علامہ عباسی کی طرح شہید اہل سنت میاں عبد الرشید حنفیؒ بھی "حوئب کے کتوں" والی روایت کو سیدہ عائشہ پر منطبق کرنے کو باطل قرار دیتے ہیں۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور میں

اپنے کالم "نور بصیرت" میں رقمطراز ہیں:-

نور بصیرت

میاں عبدالرشید

سیدہ عائشہ صدیقہؓ

تاریخ آیات الہیٰ میں سے ایک آیت ہے۔ اس کا تقدس ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ورنہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں نے تاریخ کا تقدس برقرار رکھنے کے لئے پوری کوشش کی۔ اس کا اصل ماخذ قرآن پاک قرار دیا، جس کا قابل اعتماد ہونا ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ پھر اسماء الرجال کا فن مرتبہ کیا۔ روایت کرنے والے ہر شخص کی فہمید گی، سچائی کو جانچا اور پرکھا۔ یہ بھی دیکھا کہ اس کی پیدائش کس دور کی ہے اور جو واقعہ وہ بیان کر رہا ہے، وہ کب پیش آیا۔ لیکن اس کے باوجود شیطان پارٹی نے بعض واقعات کو اس طرح مسخ کیا کہ عوام تو عوام پڑھے لکھے لوگ بھی فریب میں آ گئے اور صحیح واقعات کی بجائے مسخ شدہ قصے کہانیوں کو واقعات بنا کر آگے بیان کرنے لگے۔ اس کی بین مثال حؤب کا ایک واقعہ ہے، جسے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:-

جناب رسالت مآب ؐ نے ۶ سن ہجری میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ایک سریہ کا سالار مقرر فرما کر بنو فزارہ کی طرف بھیجا۔ اس سریہ کے دوران ام قرفہ نامی ایک عورت مع اپنی بیٹی ام زمل سلمیٰ گرفتار ہوئی اور مدینہ منورہ لائی گئی۔ ام قرفہ واجب القتل تھی۔ وہ اپنے انجام کو پہنچی۔ اس کی بیٹی ام زمل سلمیٰ بطور لونڈی سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو ملی۔ آپ نے اسے آزاد کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ ایک روز یہ ام زمل سلمیٰ مدینہ منورہ کی چند اور خواتین کے ہمراہ سیدہ عائشہؓ کے پاس بیٹھی تھی۔ جناب رسالت مآب ؐ تشریف لائے۔ آنجناب ؐ نے ان خواتین کو دیکھ کر فرمایا:- "تم میں سے وہ کون ہوگی جس پر حؤب کے کتے بھونکیں گے؟" کچھ عرصہ بعد ام زمل سلمیٰ اپنے قبیلے بنو فزارہ میں واپس چلی گئی اور مرتد ہو گئی۔ (معجم)

سیدنا صدیق اکبرؓ نے عنان خلافت سنبھالا، تو کئی جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے، جن میں سے ایک طلیحہ بن خویلد اسدی تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اس کی سرکوبی پر

مامور ہوئے۔ طلیحہ کے لشکر میں ام زمل سلمیٰ بھی تھی۔ اسے اپنی ماں کے قتل کا دکھ تھا۔ حضرت خالدؓ سے شکست کھانے کے بعد طلیحہ یمن کی طرف بھاگ گیا۔ مگر اس کے حلیف قبائل غطفان، ہوازن وغیرہ کے بچے کھچے لوگ حوئب کے مقام پر جمع ہو گئے۔ انہوں نے اسی ام زمل سلمیٰ کی قیادت میں دوبارہ مقابلہ کی ٹھانی۔ حضرت خالدؓ کو خبر ملی تو انہوں نے حملہ کر کے اس لشکر کو شکست فاش دی۔ لڑائی کے دوران ام زمل سلمیٰ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ سلمیٰ گری اور مقتول ہوئی۔ (تاریخ اسلام، اکبر نجیب آبادی)

جناب رسالت مآب ؐ نے حوئب کے کتے بھونکنے کی جو بات فرمائی تھی، وہ اسی ام سلمیٰ کے بارہ میں تھی، جو بعد میں مرتد ہو کر اسلامی لشکر کے مقابلہ پر لشکر لے کر آئی اور مقتول ہوئی۔

اس بات کو سیدہ عائشہ پر منطبق کر کے ان کی شخصیت عظیمہ پر کیچڑ اچھالنے کی مذموم کوشش کی گئی اور اسے اس چابک دستی سے اچھالا گیا کہ آج صحیح واقعہ تو کتب تاریخ سے محو ہے اور من گھڑت داستان زبان زد عوام (بلکہ خواص) ہے۔

(میاں عبدالرشید، نور بصیرت، مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، وراجع حکیم نیاز احمد، تحقیق عمر عائشہ الصدیقہؓ، کراچی، مشکور اکیڈمی، ص ۲۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یزید کی پھوپھی سیدہ ام حبیبہؓ (رملہ) بنت ابی سفیانؓ ہمشیرہ سیدنا معاویہؓ سے نکاح فرما کر قریش بنوامیہ سے اپنا رشتہ مضبوط فرمایا بلکہ آپ کی تین صاحبزادیاں سیدہ زینبؓ (زوجہ ابوالعاص امویؓ) اور سیدہ رقیہؓ و ام کلثومؓ (یکے بعد دیگرے زوجہ سیدنا عثمانؓ بن عفان اموی) بھی اموی قریشی خاندانوں میں بیاہی گئی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے داماد اور سیدہ خدیجہؓ کے بھانجے سیدنا ابوالعاص امویؓ مکہ میں شعب ابی طالب میں بنوہاشم کی محصوری کے تین سالوں میں اپنے اموی النسب ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے غلے اور کھجوروں سے لدے ہوئے اونٹ شعب ابی طالب میں ہانک کر خاندان نبوت اور جملہ بنوہاشم کے خورد و نوش کا انتظام فرماتے رہے۔ جس پر خوش ہو کر شیعہ کتب کے مطابق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"ابوالعاص نے ہماری دامادی کا حق ادا کر دیا۔"

(ناسخ التواریخ مؤلفہ میرزا محمد تقی سپہر کاشانی، جلد دوم، ص ۵۱۸)

ابوالعاصؓ کے بارے میں یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے جنگ یمامہ میں لشکر مسیلمہ کذاب سے لڑتے ہوئے شہادت پائی اور اس طرح، شہید ختم نبوت قرار پائے۔ چنانچہ

اپنی کتاب میں مذکورہ حوالہ درج کرنے کے علاوہ عباسی مزید فرماتے ہیں:-

"آپ نے اپنے ان بڑے داماد حضرت ابو العاصؓ کی تعریف بھی کی ہے اور فرمایا ہے کہ انہوں نے جو عہد مجھ سے کیا پورا کیا- جو وعدہ کیا وفا کیا- یہ ارشاد آپ کا اس وقت کا ہے جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ پر سوت لانے کا ارادہ کیا تھا اور ابوجہل کی بیٹی کو پیام دیا تھا-

آپ کے یہ بڑے داماد ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے حقیقی بھانجہ تھے- اور قریش کے بڑے تاجر- قبل فتح مکہ اسلام لائے، ہجرت کی اور جہادوں میں حصہ لیا- ۱۳ھ میں فوت ہو گئے-

مناقب و فضائل کی اکثر و بیشتر روایتوں اور حدیثوں میں آپ کی تینوں محبوب بیٹیوں سیدہ زینبؓ ورقیہؓ وام کلثومؓ کا نہ تو کچھ ذکر آتا ہے، نہ جمعہ و عیدین کے خطبوں میں ان کے نام لئے جاتے ہیں- کیا محض اس بناء پر کہ وہ بنی امیہ کے خاندان میں بیاہی گئیں- صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد کے نام تو لئے جاتے ہیں مگر ان ہی کی حقیقی بہنوں کے نام ترک کر دیئے جاتے ہیں آخر یہ تفریق و امتیاز کیوں-؟

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، جون ۶۲ء، کراچی، ص ۴۴)

عباسی سب سے بڑے نواسہ رسول ؐ سیدنا علی بن ابی العاصؓ الاموی القرشی کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"حضرت علی بن ابی العاصؓ سبط رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سعادت عظمٰی حاصل تھی کہ بچپن سے اپنے مقدس نانا کے دامن شفقت میں رہے- اور سن تمیز میں آپ کے شرف صحبت سے مشرف ہوئے- ان کی والدہ ماجدہ سیدہ زینبؓ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں جو آپ کو بہت محبوب تھیں- ان ہی کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد منقول ہے:-

"ھی افضل بناتی-" یعنی میری بیٹیوں میں سب سے افضل و برتر ہیں-

انہی کے یہ فرزند اور آپ کے سب سے بڑے نواسہ حضرت علی بن ابی العاصؓ تھے- جو آپ کی وفات کے وقت ریعان شباب کی حد تک پہنچ گئے تھے- یعنی پندرہ سولہ سال کے نوجوان تھے- اور آنحضور ؐ کو ان سے ایسی محبت والفت تھی کہ فتح مکہ کے دن یہی بڑے نواسہ جو بنی امیہ کی دوسری شاخ سے تھے، آپ کے ردیف تھے- یعنی آپ کی سواری پر آپ کے ساتھ تھے اور اسی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے تھے- (الاصابہ والاستیعاب و کتاب نسب

قریش)"۔

(عباسی، خلافت معاویہ و یزید۔ ص ۳۴۶ نیز الاصابہ علامہ ابن حجر عسقلانی، الاستیعاب علامہ ابن عبدالبر اور کتاب نسب قریش مصعب الزبیری کی تصنیف ہے وراجع "کنز العمال" وغیرہ للحدیث حتی افضل بناتی)۔

سب سے بڑی نواسی رسول سیدہ امامہؓ بنت ابی العاص الاموی القرشی کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"حضرت علی بن ابی العاص کی حقیقی بہن سیدہ امامہ بنت زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم آنحضور کی سب سے بڑی نواسی تھیں۔ جن سے آپ کی محبت و شفقت کے اس واقعہ کا امام بخاری نے خاص باب باندھا ہے۔ یعنی:-

"باب اذا حمل جارية صغيرةً على عنقه فی الصلاة-"

(یعنی چھوٹی سی بچی کو حالت نماز میں گردن پر چڑھا لینے کے بارے میں)

اور ایک بدری صحابی حضرت ابو قتادہ انصاریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے امامہ کو دوش مبارک پر بٹھا لیتے۔ سجدہ میں جاتے وقت اتار دیتے، کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے۔

عن ابی قتادة الأنصاری أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى وهو حامل امامة بنت زينب بنت رسول الله ولأبى العاص بن الربيع فاذا سجد وضعها و اذا قام حملها. (بخاری، ج ۱، ص ۷۴)۔

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید۔ ص ۳۴۶-۳۴۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور نواسے سیدنا عبداللہ بن عثمان بن عفان الاموی القرشی سیدہ رقیہ بنت رسول ؐ کے بطن سے تھے۔ چنانچہ اس طرح زوجہ رسول ؐ ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ (رملہ) بنت ابی سفیان الاموی القرشی، داماد رسول ؐ سیدنا ابوالعاص الاموی القرشی، دوسرے داماد رسول ؐ سیدنا عثمان بن عفان الاموی القرشی، نواسہ رسول ؐ سیدنا علی بن ابی العاص الاموی القرشی و سیدنا عبداللہ بن عثمان الاموی القرشی اور نواسی رسول ؐ سیدہ امامہ بنت ابی العاص الاموی القرشی رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کے سب اموی قریشی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اور نبی ؐ سے براہ راست رشتہ قرابت رکھتے تھے۔ جبکہ دوسری جانب داماد رسول ؐ سیدنا علی الہاشمی القرشی، اور نواسہ و نواسی ہائے رسول ؐ سیدنا حسن و حسین و ام کلثوم و زینب و رقیہ رضی اللہ عنہم بھی ہاشمی قریشی خاندان کے چشم و چراغ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست رشتہ قرابت رکھتے تھے۔ جبکہ دختران رسول ؐ سیدہ زینب و رقیہ

وام کلثوم و فاطمہ نیز سیدنا قاسم و عبداللہ و ابراہیم رضوان اللہ علیہم اجمعین براہ راست آل نبی ؑ اور قریشی و ہاشمی النسب اولاد رسول ؑ ہیں۔ اور ان سات دختران و فرزندان سے پہلے بارہ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کی کثیر تعداد مختلف قبائل قریش سے اور بقیہ دیگر معزز غیر قریشی خاندانوں سے تعلق رکھتی تھی ازروئے نص قرآنی امہات المؤمنین اور اہل بیت رسول ؑ ہیں۔ (یعنی سیدہ خدیجہ و سودہ و عائشہ و حفصہ و زینب بن خزیمہؓ زینب بنت جحش و جویریہ و صفیہ و میمونہ و ام سلمہ و ام حبیبہ و ماریہ قبطیہ، رضی اللہ عنہن)۔

ازواج رسول ؑ بطور اہل بیت کی نص قرآنی کے حوالہ سے عباسی لکھتے ہیں:-

"سورۃ الاحزاب کا چوتھا رکوع، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ یہ رکوع اس جملہ سے شروع ہوتا ہے:-

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے۔ اور آخر رکوع تک یانسا ء النبی کہہ کر براہ راست ان ہی سے خطاب ہے۔

اور ان ہی کے فرائض اور ذمہ داریوں پر وعظ و تذکیر اور وعدو وعید ہے، اور ان ہی سے فرمایا گیا ہے کہ: اے نبی کی اہل خانہ اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی کو دور ہٹا دے اور اچھی طرح تمہیں پاک کر دے:-

(انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا)۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی اہلِ خانہ (اہلبیت) یعنی آپ کی ازواج مطہرات سے رکوع کی آخری آیت میں پھر یہ خطاب ہے کہ:-

(و اذ کرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات اللہ و الحکمۃ - ان اللہ کان لطیفاً خبیراً-)۔

اور (اے نبی کی اہل خانہ) تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے ہی گھروں میں (نزول وحی کے بعد) پڑھی جاتی ہیں یاد کرتی رہو۔ اور اللہ بھیدوں کو جاننے والا خبیر ہے۔

اس آیت میں ازواج نبی کے جن "بیوت" یعنی گھروں کا ذکر ہے، وہ ہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکونہ گھر تھے۔ وہ ہی تو مہبط وحی تھے۔ وہیں تو آیات قرآنی کا نزول ہوتا تھا۔ وہی تو فرشتوں کے اترنے کی جگہ تھے۔ ان ہی بیوت میں آپ کے ساتھ سکونت رکھنے والی آپ کی ازواج مطہرات ہی تو تھیں جن کو "اہل البیت" کہہ کر آیت تطہیر میں

مخاطب کیا گیا ہے۔ آپ کے مسکونہ گھروں میں نہ آپ کے چچا (عباسؓ) رہتے تھے، نہ آپ کے داماد (علیؓ) اور نہ آپ کی بیٹی فاطمہؓ اور نہ ان کی اولاد۔ صاحبِ "روح المعانی" نے صحیح کہا ہے کہ:۔

"اہل بیت میں الف لام عوض مضاف الیہ کے آیا ہے۔ یعنی "بیت النبی" اور اس سے مراد صاف طور سے مٹی اور لکڑی سے بنے ہوئے گھر سے ہے نہ کہ قرابت اور نسب کے گھرانے سے۔ اور یہ بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت سکونت ہے نہ کہ مسجد نبوی۔ پس اس بناء پر آپ کے اہل سے مراد آپ کی ازواج مطہرات سے ہے، باعتبار ان قرائن کے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ اور بلحاظ ان آیات کے جو اس آیت سے قبل وما بعد کی ہیں۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت کا کوئی اور علیحدہ گھر نہیں تھا، سوائے آپ کی ان ازواج کے گھروں کے"۔

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، عرض مؤلف طبع سوم، ص ۲۹-۳۰، طبع کراچی، جون ۱۹۶۳ء)

بہرحال اس بیان سے بھی یہ ثابت شدہ ہے کہ اہل بیت سے از روئے نص قرآنی ازواج مطہرات مراد ہیں اور ان کے بعد اولاد رسول ؐ نیز آپ کے دیگر افراد خاندان کا اہل بیت میں شامل ہونا نص قرآنی کے بجائے مختلف احادیث کی رو سے ہے۔

اسی مناسبت سے عباسی صاحب کا شاہ ولی اللہ کی "ازالۃ الخفاء" کے حوالہ سے اہل بیت رسول میں سے ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ کے بھائی سیدنا معاویہؓ کے بارے میں سیدنا عمرؓ کا یہ قول بھی قابل توجہ ہے:۔

"ذم معاوية عند عمر يوماً فقال: دعونا من ذم فتى قريش، من يضحک فى الغضب ولا ينال ما عنده الا على الرضى، ولا يؤخذ مافوق رأسه الا من تحت قرميه۔" (ج ۲، ص ۷۵)۔

ایک دن حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کی برائی کی گئی تو حضرت عمر نے فرمایا کہ: قریش کے اس جواں مرد کی عیب جوئی سے مجھے معاف رکھو، وہ ایسا جواں مرد ہے کہ غصہ میں ہنستا ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں کیا سکتا بغیر اس کی رضا کے۔ اور جو کچھ اس کے سر پر ہو وہ صرف اس کے قدموں ہی کے نیچے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یعنی اس کی تکریم و رضا ہی کے ساتھ۔"

(عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۷۲، عرض مؤلف، طبع سوم، کراچی، جون ۱۹۶۳ء)۔

سیدنا معاویہؓ و یزید سے شروع ہونے والی اموی خلافت کے بارے میں عباسی تبصرہ

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اموی خلافت اپنے وقت (۴۰-۱۳۲ھ) میں جیسی کامیاب اور امت کے لئے موجب فوز و فلاح رہی، حقائق تاریخ شاھد عادل ہیں- اسی کی برکت تھی کہ دین خالص رہا اور ایک صدی کے اندر اندر تین چوتھائی متمدن دنیا حلقہ بگوش اسلام ہو گئی- بنی امیہ سے بڑھ کر کوئی خاندان مسلمانوں میں فاتح و مدبر نہیں گزرا- ظاہری و باطنی کوئی نعمت نہ تھی جو امت مسلمہ کو اس دور میں میسر نہ آئی ہو- اور جسے اموی حکمت عملی کا ثمرہ نہ کہا جا سکے- ہر طرف مادی ترقیاں، روحانی برکتیں اور علوم دینیہ کی روز افزوں اشاعت تھی-

مسلمانوں کی تاریخ میں اموی دور اپنی درخشانی و تابانی میں ہمیشہ مایۂ ناز اور موجب صد افتخار رہے گا- خیر القرون کا یہ دور ابتداً صحابہ کرامؓ کا اور بعد ازاں تابعین عظامؒ کا دور تھا- خلفاء سے لیکر ادنی امراء تک کو جن میں متعدد صحابہؓ و تابعین شامل تھے جو کاروبار خلافت چلا رہے تھے، فیض یافتگان نبوی سے اکتساب فیض کا شرف حاصل رہا- جگہ جگہ اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے- جن سے استنارت پر یہ امت حریص تھی- اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ پر ہی سب کا مدار تھا- یہی وجہ تھی کہ اس دور میں چند سیاسی اختلافات و مناقشات کے باوجود کوئی مذہبی فرقہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہو سکا-

اموی دور کے تقریباً ایک صدی بعد سے جو مخصوص کتب حروب داخلیہ کے بارے میں تالیف ہوئیں، ان کے مؤرخین نے جو کلیتہً خاص ذہنیت کے حامل تھے نیز مؤرخین سابقین نے اس عہد کے حالات قلم بند کرنے میں نہ صرف بخل و ناانصافی سے کام لیا بلکہ خاص خاص واقعات کو وضعی روایات کی بناء پر اس درجہ مسخ کر کے پیش کیا کہ دے خوئے (Dekhuie) جیسے آزاد و بے لاگ محقق کو بھی یہ کہنا پڑا:-

"تہمت تراشی و افتراء پردازی کا جو منظم پروپیگنڈا بنی امیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے مسلسل ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا، اس کی مثال شاید ہی کہیں اور ملے- ہر قسم کی برائی اور معصیت کو جو تصور کی جا سکتی ہے، بنو امیہ سے منسوب کیا گیا- ان پر یہ اتہام لگایا گیا کہ مذہب اسلام ان کے ہاتھوں میں محفوظ نہیں- اس لئے یہ مقدس فریضہ ہو گا کہ دنیا سے انہیں نیست و نابود کر دیا جائے- اس عہد کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے اس میں ان ہی خیالات اور پروپیگنڈے کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جا سکتا ہے-"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید ص، ۴۵-۴۶، عرض مؤلف مطبوعہ کراچی جون ۱۹۶۲، و بیان ڈی خوئے بحوالہ مقالہ بعنوان خلافت ملخصاً، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارہواں ایڈیشن)۔

عباسی مزید فرماتے ہیں:-

"کذب بیانیوں کی یہی حالت الاماشاء اللہ برابر قائم رہی۔ صدیوں پر صدیاں گزرتی گئیں۔ نامور سے نامور مؤرخ عہد بہ عہد پیدا ہوئے۔ مبسوط سے مبسوط کتب تاریخ مرتب و مدون کرکے پردہ عدم میں روپوش ہوتے رہے۔ مگر بقول دے خوئے سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنے کی یا وضعی روایتوں اور مبالغات کو جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں، نقد و روایت سے جانچنے کی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور مؤرخ نے نہیں کی۔

خصوصاً ابتدائے دور اموی کے بعض مشہور واقعات کے اخلاق و مبالغات کے بارے میں روایت پرستی کی اس زمانے میں ایسی وبا پھیلی کہ متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مؤرخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفاء کرتے رہے۔ علامہ ابن کثیر نے تو بعض ایسی روایتوں کو جنہیں وہ صحیح نہ سمجھتے تھے طبری سے نقل کرتے ہوئے یہ کہہ کر اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کا معناً اعتراف کیا ہے کہ:-

"ولولا أن ابن جرير وغيره من الحفاظ والأئمة ذكروا ماسقته."

(ص نمبر۲۱۳، ج ۸، البداية والنهاية)

اور اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ جو حفاظ (روایات) اور ائمہ میں سے ہیں، ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔" (محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۴۶)۔

علامہ عباسی مقدمہ ابن خلدون کی بحث "ولایت عہد یزید" کے حوالے سے فرماتے ہیں:-

"راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مؤرخ ہیں جنہوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو تاریخی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین ورق (یعنی چھ صفحے) جو اس حادثے کے بارے میں تھے، ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فرد بشر کو چار دانگ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے۔ تاریخ ابن خلدون (عربی) کے جتنے ایڈیشن اب تک طبع ہوئے ہیں ان کے حاشیہ پر تشریح کر دی گئی ہے کہ یہ تین ورق نیز وہ چند سطریں جو امیر یزید کی ولایت کے بارے میں تھیں، اصل میں سے غائب ہیں۔

اس کو بھی پانچ سو برس کا طویل زمانہ گزر گیا۔ کسی دوسرے مؤرخ کو پھر بھی توفیق نہ

ہوئی۔ البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ نے "منہاج السنہ" میں کہ وہ کتب تاریخ میں شامل نہیں، حضرت معاویہؓ و یزید کی سیرۃ کے بعض امور کی بابت انکشاف کیا ہے۔

اسی طرح حجتہ الاسلام امام غزالیؒ اور بعض دیگر مورخین، ابن کثیر و بلدذری وغیرہ کی تحریرات میں بھی ضمنی طور سے بیان ہوا ہے۔ پچھلی صدی سے مستشرقین نے اس باب میں بھی داد تحقیق دی ہے۔ لیکن بقول امام غزالیؒ تعصبات کے پردے میں حقیقت روپوش ہوتی چلی گئی۔ اس پردے کو ہٹانے اور اس عہد کی سچی تاریخ کی ترتیب و تدوین کی شدید ضرورت کا احساس نہ صرف فن تاریخ کے تقاضے کے لحاظ سے بلکہ مصالح ملیہ کے اعتبار سے بعض زعمائے ملت کو ہوتا رہا۔

قیام پاکستان کے بعد سے ہزہائی نس سر آغا خان (سر سلطان محمد بالقابہ) نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین و مورخین کو بار بار متوجہ کیا تھا۔ ہزھائی نس سر آغاخان نے اپنی ایک تحریر میں فرمایا تھا:۔

"دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے۔ اس لئے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنوامیہ کے دور صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے۔ جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرے کی شدید حاجت ہے۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۴۷ - ۴۸ عرض مولف، و بیان آغاخان بحوالہ پیش لفظ نوشتہ سر آغاخان مندرجہ "دی گریٹ امیہ" مولفہ محمد حارث)۔

"بنی ہاشم اور اموی خلافت

تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ ۴۰ھ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے حضرت علیؓ کے مقتول ہو جانے کے بعد سے بنی ہاشم نے اپنے بنو العم (بنی امیہ) کی خلافت کی بالفاظ دیگر ان کی سیاسی قیادت کی، خوش دلی کے ساتھ پوری پوری حمایت اور تائید کی۔ کسی قسم کی کوئی سیاسی یا نسلی و خاندانی مخالفت و مغایرت ان دونوں خاندانوں میں جو ایک ہی دادا کی اولاد تھے ہرگز نہ تھی۔ جمل اور صفین کی خانہ جنگیاں تو سب جانتے ہیں کہ سبائی گروہ کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھیں۔ سبائی لیڈر الاشتر نخعی اور اس کے ساتھی آتش جنگ مشتعل کرنے والوں میں

پیش پیش رہے۔ یہی لوگ "المرضین علی القتال" تھے۔ (ص ۲۲۴، ج ۲، منہاج السنہ)۔

ان لوگوں کی تحریضوں کے بر خلاف حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے (حسنؓ) ہمیشہ اپنے والد ماجد اور چھوٹے بھائی (حسینؓ) کو جدال و قتال کے جھگڑوں میں پڑنے سے روکتے رہے اور صلح و مصالحت کا مشورہ دیتے رہے۔

وکذلک الحسن دائماً کان یشیر علی ابیه واخیه بترک القتال- ولماصار الأمر الیه ترک القتال و اصلح الله بین الطائفتین المقتتلتین- و علی فی آخرالأمرتبیین له أن المصلحة فی ترک القتال اعظم منهافی فعله- (ص ۲۲۳، ج ۲، منهاج السنة لا بن تیمیه)-

اور اسی طرح حسنؓ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو جنگ و جدل کے ترک کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔ جب حکومت ان کے ہاتھ میں آئی، انہوں نے جنگ ترک کر دی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں نبرد آزما گروہوں میں صلح (ان کے ذریعہ) کرا دی۔ (حضرت) علیؓ پر بھی یہ بات آخرالامر واضح ہو گئی تھی کہ جنگ ترک کر دینے میں مصلحت (مفاد امت کی خاطر) اس سے بڑھ کر ہے کہ جدال و قتال جاری رہے۔

حضرت حسنؓ طبعاً جتھہ بندی سے متنفر اور صلح و مصالحت کے حامی تھے۔ لسان نبوی سے ان کے اقدام صلح کی پیش گوئی کی گئی۔ اور اس اقدام کو مستحسن عمل فرمایا گیا۔ جس سے واضح ہے کہ صاحب شریعت علیہ الصلواۃ والسلام کے نزدیک امت کے متحارب گروہوں میں صلح و مصالحت کس درجہ پسندیدہ اور نصوص قرآنیہ کی متابعت میں مستحسن کام تھا۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۱۳۲-۱۳۳)۔

سیدنا معاویہؓ کی بیس سالہ عظیم الشان اور متفق علیہ امامت و خلافت جو صلح کے بعد سیدنا حسنؓ و حسینؓ کی بیعت معاویہؓ کے نتیجے میں قائم ہوئی اور حسنینؓ سمیت تمام صحابہؓ و تابعین و عامتہ المسلمین کے اس پر تادم آخر مستقیم رہنے کی وجہ سے برقرار رہی، اس کے بعد یزید کی امامت و خلافت کے حوالہ سے عباسی سیدنا حسینؓ و ابن زبیرؓ کے سوا جملہ صحابہ کرامؓ کی بیعت یزید کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"جن صحابہ کرامؓ نے یزید کی ولایت عہد اور پھر دس برس بعد ان کی خلافت پر اجماع کیا، وہ کون تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، سیدنا جابر بن عبداللہ، سیدنا انس بن مالک رضوان اللہ علیہم اور سینکڑوں دیگر صحابہؓ جن کے تذکرے اور ترجمے راقم الحروف کی مبسوط کتاب میں درج ہیں۔ ان سب نے امیر المومنین یزید کی ولایت عہد کی

منظوری دی اور جو ان کی خلافت کے وقت زندہ تھے، انہوں نے ان کی خلافت و امامت کی تائید و توثیق کی۔ صرف دو حضرات ان کے خلاف کھڑے ہوئے۔ صحابہ کرامؓ نے ان حضرات کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے اقدامات کو درست نہیں سمجھا۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۳۶-۳۷)۔

"موقف صحابہ رسولؐ" کے زیر عنوان فرماتے ہیں:۔

"موقف صحابہ رسولؐ

حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے وقت جیسا کہ پہلے ضمناً ذکر ہو چکا ہے۔ حجاز و عراق و دیگر ممالک اسلامیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی وہ بزرگ و مقدس ہستیاں موجود و ضوفشاں تھیں جنھوں نے سالہا سال شمع نبوت سے براہ راست اخذ نور کیا تھا۔ ان میں سے متعدد وہ حضرات تھے جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات اور آپ کے بعد جہادوں میں شریک ہو کر باطل قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لاسکتے تھے۔ مگر ان میں سے کسی صحابی نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسینؓ کا ساتھ کسی طرح نہیں دیا۔ مؤلف "اتمام الوفاء فی سیرة الخلفاء" لکھتے ہیں:۔

"وقدکان فی ذلک العصر کثیر من الصحابة بالحجاز و الشام و البصرة و الكوفة و مصر و کلهم لم يخرج على يزيد، ولا وحده ولا مع الحسين" (ص ۱۳)۔

(اس زمانہ میں صحابہ (رسول اللہ ﷺ) کی کثیر تعداد حجاز و شام و بصرہ و کوفہ و مصر میں موجود تھی۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ ازخود یزید کے خلاف کھڑا ہوا اور نہ (حضرت) حسینؓ کے ساتھ ہو کر)۔

"صحابہ کرامؓ کے اس موقف سے ثابت ہے کہ نظام خلافت یا کردار خلیفہ مین کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۱۲۹-۱۳۰، اور مذکورہ "اتمام الوفاء" علامہ خضری کی تصنیف ہے)۔

"نظام خلافت" کے زیر عنوان عباسی فرماتے ہیں:۔

"نظام خلافت

نظام خلافت بالکل اسی طرح برپا تھا جس طرح امیر یزید سے پہلے خلفاء کے زمانے میں رہا۔ خلیفہ کے عمال میں متعدد صحابہ موجود تھے۔ مہاجرین و انصار اور ان کی اولاد جو تابعین کے زمرہ میں شامل تھی، کاروبار مملکت چلا رہے تھے۔

امراء ولایت، امراء عساکر اور قضاۃ میں متعدد صحابہ کرامؓ کے اسماء کتب تاریخ و سیرو رجال کے صفحات پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کے مختصر حالات و ترجمے راقم الحروف نے اپنی دوسری مبسوط کتاب میں شامل کئے ہیں جو امیر المؤمنین یزید کے عہد خلافت نیز ان کے زمانہ ولایت عہد میں حیات تھے۔ ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۱۳۰ اور دوسری مبسوط کتاب سے عباسی صاحب کی مراد ہے۔ "تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید")۔

"برادران حسین کا موقف" کے زیر عنوان فرماتے ہیں:۔

"برادران حسینؓ کا موقف

قطع نظر اس امر کے کہ حضرت حسینؓ نے امیر یزید کی ولایت عہد کی بیعت مثل دیگر صحابہؓ و تابعین کرام کی تھی یا نہیں، یہ حقیقت ثابت ہے کہ ان کے اس اقدام کی تائید میں مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ یا حجاز کا ایک متنفس بھی سوائے ان کے چند نوجوان عزیزوں کے ان کے ساتھ نہ ہوا۔ اور ان کے اپنے گھر کی بھی یہ کیفیت تھی کہ حضرت علیؓ کے منجملہ پندرہ صاحبزادوں کے جو اس زمانہ میں حیات تھے، صرف چار اپنے بھائی کے ساتھ گئے اور گیارہ برادران حسین نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی حضرت محمدؒ (ابن الحنفیہ) پر جو فرزندان علیؓ میں علم و فضل و ورع و تقویٰ میں امتیازی شان رکھتے تھے، جسمانی قوت اور شجاعت میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے، اس مہم میں ان کا ساتھ دینے کے لیے بہت زور ڈالا۔ یہاں تک کہا کہ اگر خود ساتھ نہیں دیتے تو اپنی اولاد ہی کو اجازت دیں کہ میرے ساتھ چلیں مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ (ص ۱۶۵، ج ۸، البدایہ النہایہ)۔

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۱۳۶)۔

حضرت ابن الحنفیہ نے واقعہ کربلا ۶۱ھ کے بعد اہل مدینہ کی بغاوت (واقعہ حرہ در اواخر ۶۳ھ) کے دوران میں بھی سیدنا ابن جعفر و زین العابدین سمیت اکثر اکابر بنی ہاشم و قریش

کی طرح بیعت یزید کو برقرار رکھا- اس حوالے سے عباسی فرماتے ہیں:-

"حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) نے بلاتامل اور بطیب خاطر ابتداءً امیر یزید کی ولیعہدی کی اور پھر خلافت کی بیعت کی تھی اور اس بیعت پر اس درجہ مستقیم رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں جب امیر المومنین کے خلافت بغاوت کی آگ بھڑکائی گئی تو انہوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی- بلاذری نے اپنی مشہور تالیف "انساب الاشرافؒ" (ج نمبر ۳) میں باغیوں کے ایک وفد کے مکالمے کو جو حضرت ابن الحنفیہ سے ان کا ہوا تھا، ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

"عبداللہ ابن مطیع وغیرہ ایک وفد لیکر ابن الحنفیہ کے پاس آئے اور کہا کہ یزید کی بیعت توڑ کر ہمارے ساتھ اس سے لڑنے نکلو-

ابن الحنفیہ نے کہا: یزید سے کیوں لڑوں اور بیعت کس لئے توڑ دوں؟

ارکان وفد: اس لئے کہ وہ کافروں کے سے کام کرتا ہے، فاجر ہے شراب پیتا ہے اور دین سے خارج ہو گیا ہے-

ابن الحنفیہ: خدا سے نہیں ڈرتے ہو- کیا تم میں سے کسی نے اس کو یہ کام کرتے دیکھا ہے؟ میں اس کے ساتھ تم سے زیادہ رہا ہوں، میں نے تو اس کو یہ کام کرتے نہیں دیکھا-

ارکان وفد: تو کیا وہ تمہارے سامنے بُرے کام کرتا؟

ابن الحنفیہ: تو کیا تم کو اس نے اپنے کرتوتوں سے باخبر کر دیا تھا؟ اگر اس نے یہ برائیاں تمہارے سامنے کی تھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم بھی اس میں شریک تھے- اور اگر تمہارے سامنے نہیں کی تھیں تو تم ایسی باتیں کہہ رہے ہو جن کا تمہیں علم نہیں-

یہ سنکر ارکان وفد ڈرے کہ کہیں ابن الحنفیہ کے عدم تعاون سے لوگ یزید کے خلاف شریک جنگ ہونے سے انکار نہ کر دیں- اس لئے انہوں نے کہا کہ اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور تمہیں خلیفہ بناتے ہیں، اگر تم ابن الزبیرؓ کی بیعت کے لئے تیار نہیں ہو-

ابن الحنفیہ: میں تو لڑوں گا نہیں- نہ اپنی خلافت کے لئے اور نہ کسی اور کی-

(لست اقاتل تابعاً أو متبوعاً) - (جلد ۳، انساب الاشراف، بلاذری)-

اس مکالمہ کو دیگر مورخین نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں بیان کیا ہے- خاص کر علامہ ابن کثیر نے- (صفحہ ۲۳۳، جلد ۸، البدایہ والنہایہ)-

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۱۲۶-۱۲۷، کراچی، جون ۱۹۶۲ء)۔

ابن الحنفیہ کے بارے میں مشہور شیعہ مؤلف جمال الدین عنبہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"فرزندان علی مرتضیٰ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ خود ایک شیعہ مؤرخ و نسابہ مؤلف "عمدۃ الطالب فی انساب آل أبی طالب" نے ان کے بارے میں لکھا ہے:-

"كان محمد بن الحنفية أحد رجال الدهر فى العلم والزهد و العبادة و الشجاعة وهو افضل ولد على بن أبى طالب بعد الحسن و الحسين"

(صفحہ ۳۴۷، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، طبع اول، لکھنو)

یعنی محمد بن الحنفیہ علم و زہد و عبادت اور شجاعت میں اپنے زمانہ کی ایک بلند شخصیت تھے اور وہ علی بن ابی طالب کی اولاد میں حسن اور حسین کے بعد سب سے افضل تھے۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۱۲۷-۱۲۸)۔

ابن الحنفیہ کے حوالہ سے عباسی مزید فرماتے ہیں:-

"حضرت حسینؓ کے ان بھائی اور حضرت علیؓ کے ایسے قابل اور شجیع، زاہد و عالم فرزند کا امیر یزید سے بیعت کرنا، اس پر مستقیم رہنا اور باوجود خلافت کی پیش کش کے اپنے موقف سے جنبش نہ کرنا، ان کے بار بار اصرار کرنے پر نہ خود ساتھ دینا اور نہ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو بھی ان کے ساتھ جانے دینا، آخر کس بات کا ثبوت ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی دیگر تمام صحابہ کرامؓ کی طرح اس خروج کو طلب حکومت و خلافت کا ایسا سیاسی مسئلہ سمجھتے تھے جو مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۱۲۸)۔

عباسی مزید فرماتے ہیں:-

"حضرت حسینؓ کے ایک دوسرے بھائی عمر الأطرف بن علی بن ابی طالب تھے۔ جن سے نسل چلی اور ان کی نسل کے بعض افراد ابتدائے عہد اسلامی میں علاقہ ملتان پر حاکمانہ اقتدار بھی رکھتے تھے۔ وہ بھی حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے مخالف تھے۔ شیعہ مؤرخ و نساب، مؤلف "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" ان کے اختلاف کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

"وتخلف عمر عن اخيه الحسين ولم يسارمعه الى الكوفة وكان قد دعاه الى الخروج معه فلم يخرج"-

(ص ۳۵۷، عمدة الطالب فی انساب، آل ابی طالب مطبوعہ لکھنو)-

اور عمر نے اپنے بھائی حسین سے اختلاف کیا اور ان کے ساتھ کوفہ کو خروج نہ کیا حالانکہ انہوں نے ان کو اپنے ساتھ خروج کی دعوت بھی دی مگر یہ ان کے ساتھ نہ گئے۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۱۲۸-۱۲۹)-

چنانچہ علامہ عباسی کی تصریحات کے مطابق سیدنا حسین کے اکثر بھائی، نیز بہنوئی سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، شوہر سیدہ زینب، بزرگ بنی ہاشم سیدنا عبداللہ بن عباس (عم زاد نبی و علی) رضی اللہ عنہم اور دیگر متعدد اکابر بنی ہاشم نہ صرف آپ کے ساتھ کوفہ نہیں گئے بلکہ یزید کی بیعت کر کے آپ کو بھی خروج سے روکنے کی حتی الامکان کوشش فرمائی۔ خود سیدنا حسین کو جب کوفہ کے قریب شہادت مسلم بن عقیل اور شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید کی اطلاع ملی تو بدلے ہوئے حالات میں آپ نے یزید سے مصالحت اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیشکش فرمائی۔ عباسی لکھتے ہیں:-

"اجماع امت کی اہمیت اور کوفیوں کے غدر کا احساس

مؤرخین کے بیان سے واضح ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حضرت حسینؓ کو مدعیان وفاداری کے دعاوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی اور ان سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے تو آپ نے جان لیا کہ امیر المؤمنین کی بیعت پر تمام امت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے فیصلے یا عمل کا استخفاف اب ممکن نہیں ہے، آپ نے دمشق جانے کے لیے باگ موڑ دی۔ جیسا ابھی تفصیلاً بیان ہوا۔

اسی کے ساتھ مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کی تھیں۔ پہلی یہ کہ مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے۔ یہ منظور نہ ہو تو ممالک اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہوں۔ یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیج دیا جائے تاکہ اپنے ابن عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں:-

(حتی أضع یدی فی ید یزید بن معاویة)-

طبری اور دوسری کتب تاریخ سے لے کر سیوطی کی ادنی "تاریخ الخلفا" اور امام ابن حجر عسقلانی کی "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" تک میں یہی شرطیں موجود ہیں۔ شیعہ مؤرخین و مؤلفین خصوصاً ناسخ التواریخ (ص ۲۳۷، ج ۶) وغیرہ نے بھی یہی شرطیں لکھی ہیں۔ اور امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کا وہ مکتوب بھی درج کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ ابن زیاد کو ان شرائط کے متعلق تحریر کیا تھا۔ جس میں آخری شرط کے یہ الفاظ لکھے تھے:- "أویأتی أمیرالمؤمنین یزید فیضع یده فی یده فیری رأیه فیما بینه و بینه و فی هذالک رضی و للأمة صلاح"-

(ص ۲۳۷، ناسخ التواریخ، جلد ۶، از کتاب دوم، مطبوعه ایران)

بہر حال حضرت حسینؓ کی یہ طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالاخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔" (محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۰۱-۲۰۲)

بقول عباسی اگر حسینؓ اپنے موقف سے رجوع نہ کرتے تو ان کے خلاف کارروائی شرعاً غلط قرار نہیں دی جا سکتی تھی:-

"امیر المؤمنین یزید جو متفق علیہ خلیفہ تھے جن کا پرچم تمام عالم اسلام پر لہراتا تھا جن کی بیعت میں سینکڑوں صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ، نیز حضرت حسینؓ کے

بھائی حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) جیسی مقتدر و مقدس ہستیاں داخل تھیں، وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی تلوار اگر حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ زوجہ مطہرہ حبیبہ رسول اللہ صلوٰت اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے۔ اور اس ہودج پر تیر برسائے جا سکتے ہیں جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہو اور ماں بھی وہ جو حجت و بنیہ کے تحت میدان میں آئی ہو، تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے۔ باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی۔ حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، نہ تعامل خلفائے راشدین اور عزائم آل البیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ امت اس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی بلکہ کسی درجہ میں بھی اسے قابل اعتناء نہیں سمجھا۔" (محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۳۰۲)۔

بہر حال علامہ محمود عباسی نے کم و بیش چار سو اسی صفحات پر مشتمل اپنی تصنیف "خلافت معاویہ و یزید" نیز تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل دوسری تصنیف "تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید" یعنی بطور مجموعی کم و بیش ایک ہزار صفحات پر مشتمل اپنی مذکورہ دو تصانیف میں عصر خلفائے اربعہؓ، خلافت معاویہؓ و یزید اور واقعہ کربلا و حرہ و حصار ابن زبیرؓ سمیت جو علمی و تحقیقی تفصیلات پیش کی ہیں، ان کا سرسری احاطہ بھی یہاں ناممکن ہے۔ اور تمام علماء و محققین کے لئے معلومات اور تنقیدی جائزہ ہر دو حوالوں سے ان کی تصانیف کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ دیگر تفصیلات کے علاوہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدہ آمنہ بنت میمونہ بنت ابی سفیانؓ والدہ علی اکبر (عمر) بن حسین، یزید کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور یزید کی ایک زوجہ سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر طیار تھیں۔ نیز شہر بانو دختر یزد گرد زوجہ حسین نہ تھیں بلکہ سیدنا علی زین العابدین کی والدہ سلافہ سندھیہ خاتون تھیں۔ (بحوالہ طبری و المعارف لابن قتیبہ و تحقیق مزید۔ خلافت معاویہ و یزید، ص ۳۱۴)۔

اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مفکر ایران ڈاکٹر علی شریعتی شیعی اثنا عشری نے بھی اپنی مشہور تصنیف "تشیع علوی و تشیع صفوی (ص ۹۱-۱۰۲ بذیل عروس مدائن درمدینہ) میں بھی شہر بانو بنت یزد گرد کے زوجہ حسینؓ ہونے کی شیعی روایات کا تنقیدی جائزہ لے کر نہیں

مسترد کر دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پس امامت و خلافت سیدنا حسینؓ اور واقعہ کربلا کے حوالہ سے گذشتہ سابقہ اقتباسات کے علاوہ بھی سینکڑوں صفحات پر مشتمل تفصیلات کا بیان یہاں ممکن نہیں۔ تاہم گذشتہ سے پیوستہ واقعات و تفصیلات سانحہ کربلا کے سلسلہ میں عباسی صاحب نے جو کچھ بیان کیا ہے، اس کے حوالہ سے مختصراً یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ علامہ عباسی کے نقل کردہ مستند دلائل کے مطابق واقعہ کربلا کے بعد بقیہ قافلہ حسینی کو پوری عزت و احترام کے ساتھ دمشق بھجوایا گیا، یزید نے قتل حسینؓ سے اعلان برأت اور اس پر اظہار رنج و غم کیا۔ سیدنا علی زین العابدین و سیدہ زینبؓ و دیگر تمام خواتین و اطفال کے ساتھ انتہائی حسن سلوک کیا گیا۔ انہیں دمشق میں مستقل قیام کی پیش کش بھی کی گئی۔ بالآخر مالی نقصان کی تلافی اور اموال زائدہ کے ساتھ ان کی خواہش کے مطابق مدینہ منورہ بھجوا دیا گیا۔

"حسینی قافلہ کے شرکاء و باقی ماندگان" کے زیر عنوان محمود عباسی نے "خلافت معاویہ و یزید میں (ص ۳۱۲ تا ۳۱۷) مقتولین و مرد پس ماندگان کی فہرست (ص ۳۱۷) بھی درج کی ہے۔ مقتولین میں سیدنا حسین و عباس و عثمان و جعفر و عبداللہ فرزندان علیؓ، ابوبکر و قاسم و عبداللہ فرزندان حسنؓ، علی اکبر بن حسینؓ، عون و محمد فرزندان عبداللہ بن جعفر، عبداللہ و عبدالرحمن فرزندان عقیلؓ و عبداللہ بن مسلم بن عقیل الخ شامل ہیں۔ (ص ۳۱۷)۔ پس ماندگان میں سیدنا علی زین العابدین سمیت ۲۱ اسمائے شباب و صغار اور ان کی عمریں درج کی ہیں (ص ۳۱۷)۔ رأس الحسین (سر حسین) کے زیر عنوان (ص ۲۸۱ تا ۲۸۵) اس سلسلہ میں عمومی و شیعی مصادر کی مختلف و متضاد روایات پر مشتمل تفصیلات نیز "کیفیت تدفین کی وضعی روایات" کے زیر عنوان چارٹ میں آٹھ مقامات کی تفصیل بمطابق روایات بھی یکجا کی ہے جن میں کربلا و مدینہ و دمشق و عسقلان و نجف و قاہرہ وغیرہ شامل ہیں۔ (ص ۲۸۵)۔ نیز امام ابن تیمیہ وغیرہ کے حوالہ سے یزید کے پاس سر مبارک دمشق لے جانے جانے کی تردید کی ہے کیونکہ یہ روایت مجہول السند ہونے کے علاوہ جن صحابہؓ کی موجودگی اس موقع پر دربار یزید میں بتائی جاتی ہے وہ شام کے بجائے عراق میں رہتے تھے۔ **وعلی ھذا القیاس**۔

کربلا کے حوالہ سے عباسی صاحب نے لشکر حسینی کے پیاس سے تڑپنے کی روایات کو بھی رد کیا ہے جس کی منفرد دلیلوں میں سے ایک مثال شیعہ مؤلف مرزا محمد تقی سپہر کاشانی کی تصنیف "ناسخ التواریخ" سے یوں درج کی ہے کہ بندش آب کے بعد:-

"آنحضرت تبرے برگرفت و از بیرون خیمۂ زنان نوزدہ گام بجانب قبلہ برفت آنگاہ زمیں را باتبر لختے حفر کرد۔ ناگاہ آبے زلال و گوارا بجوشیدہ اصحاب آنحضرت بنو شیدند و مشکہا پر آب کردند۔

(ص ۲۳۵، ج ٦، از کتاب، دونم مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)۔

آنحضرت یعنی حسینؓ نے ایک کدال لی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر کی طرف انیس قدم قبلہ کی جانب چل کر گئے اور زمین کو تھوڑا سا کھودا کہ ناگاہ آب زلال و گوارا زور سے نکل پڑا۔ آپ کے ساتھیوں نے نوش کیا اور مشکیں بھی پانی سے بھر لیں۔

(محمود عباسی، خلافت معاویہ ویزید، ص ۲۱۱)

"دست در دست یزید" کی حسینی پیشکش کے تسلسل میں سیدنا علی زین العابدین کا واقعہ کربلا کے بعد بیعت یزید کرنا اور مدینہ پر عبداللہ بن مطیع کی قیادت میں یزید کے خلاف حامیان ابن زبیر و مخالفان یزید کی بغاوت (واقعہ حرہ اواخر ۶۳ھ) کے دوران سیدنا ابن جعفر و ابن عمر و ابن الحنفیہ و دیگر اکثر اکابر بنی ھاشم و قریش کی طرح سیدنا علی کی زین العابدین کا بیعت یزید برقرار رکھنا نیز بنو امیہ کے ساتھ بنو ھاشم و اولاد علی کی صفین و کربلا کے بعد کی قرابتیں، واقعہ کربلا کے بعد حسنی و حسینی سید زادیوں کی سادات بنو امیہ سے شادیاں وغیرہ (ص ۲۶۴-۲۸۱) کی تفصیلات بھی عباسی صاحب نے یزید کے بجائے شیعان کوفہ کے واقعہ کربلا کا ذمہ دار ہونے کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ بہر حال دیگر تفصیلات کی گنجائش نہ ہونے کی بناء پر عباسی صاحب کا درج ذیل بیان بطور مثال کفایت کرتا ہے۔

"موقف علی بن الحسینؓ

حضرت علی بن الحسینؓ (ابن العابدین) اپنے جذبات و خیالات اور فرائض ملیہ کی ادائیگی میں اپنے عم بزرگوار حضرت حسنؓ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سیاسی امور میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا۔ سبائیوں کی بڑی کوشش رہی کہ آپ کو اپنے جال میں پھانس لیں لیکن آپ ان کے دھوکے میں نہیں آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں آپ کا نام عزت سے نہیں لیا جاتا۔ ان کے نزدیک آپ نے اموی خلفاء سے جو بیعت کی وہ محض اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے تھی۔ ورنہ حقیقی جذبات باغیانہ رکھتے تھے۔ آپ کی مظلومیت اور طبیعت کی کمزوری کی داستانیں مشہور کی گئیں اور ایسی روایتیں وضع ہوئیں کہ ناواقف یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ عزیمت سے آپ کو کچھ بھی حصہ نہیں ملا تھا۔ لیکن جب واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو ہویدا ہو

جاتا ہے کہ یہ امت حضرت علی (زین العابدینؒ) کے کردار پر جتنا فخر کرے اور آپ کے طریقہ کار کی پیروی میں جتنی سعادت برتے درست۔ آپ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے اور تفرقہ کی کارروائیوں سے بیزار و برکنار۔

میدان کربلا میں آپ موجود تھے، اول سے آخر تک سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر جب آپ کو دمشق لے جایا گیا اور وہاں جس خلوص و محبت و مودت کا برتاؤ آپ کے ساتھ اور آپ کے دوسرے عزیزوں کے ساتھ ہوا، وہ بھی آپ کا ذاتی تجربہ تھا جو وضعی روایات سے دھندلا نہیں پڑسکا۔

آپ نے دمشق میں امیر المؤمنین یزید سے مع اپنے دوسرے عزیزوں کے جن میں آپ کے تین حقیقی بھائی محمد و جعفر و عمر، بنو الحسینؓ اور تین چچیرے بھائی حسن و عمر و زید، بنو الحسنؓ شامل تھے، بیعت کی اور اس بیعت پر مستقیم رہے۔ پھر جب بعض اھل مدینہ نے امیر المؤمنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی اور بنی امیہ کے تمام افراد کو خارج البلد کر دیا گیا تو دوسرے ھاشمیوں، قریشیوں اور انصاریوں کی طرح آپ بھی اس بغاوت سے الگ رہے۔ واعتزل الناس علی بن الحسین (زین العابدین) (ص ۲۱۸، البدایۃ و النھایۃ)۔ اور محض الگ ہی نہ رہے۔ بارگاہ خلافت کو اپنے موقف سے بذریعہ تحریر مطلع کر دیا۔" (محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۵۱-۲۵۲)۔

یزید نے مدینہ ارسال کردہ لشکر کے امیر مسلم بن عقبہ المزنی کو سیدنا علی زین العابدین سے حسن سلوک کی جو ہدایت کی، اس کا ذکر کرتے ہوئے عباسی لکھتے ہیں:-

"(یزید نے) فرمایا:-

"دیکھو تم علی بن الحسینؓ سے مراعات سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔ توقیر کے ساتھ بٹھانا۔ وہ اس مخالفت سے علیحدہ ہیں جو ان لوگوں نے ہماری کی ہے۔ ان کی تحریر میرے پاس آگئی ہے۔ (طبری، ج ۷، ص ۳۰)

بلاذری نے مسلم کا یہ فقرہ یوں نقل کیا ہے:-

ان امیرالمؤمنین امرنی ببرہ و اکرامہ (صفحہ ۳۹، ج ۴، قسم ثانی، مطبوعہ یروشلم)۔ یعنی امیر المؤمنین (یزیدؒ) نے ان (علی زین العابدین) کے ساتھ نیکی اور توقیر و اکرام کا مجھے حکم دیا ہے۔

"حضرت علی زین العابدینؒ نے یہ سن کر امیر المؤمنین یزیدؒ کے حسن سلوک پر

خوشنودی کا اظہار کیا، ان کو دعائیں دیں اور کہا:۔ "وصل الله امیرالمؤمنین"۔
یعنی اللہ تعالیٰ امیر المومنین (یزیدؒ) کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔" (خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۵۳)

"طبقات ابن سعد جیسی مستند کتاب میں یہی روایت آپ کے صاحبزادے حضرت ابو جعفر محمد (الباقرؒ) سے ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:۔

"سأل یحیی بن شبل ابا جعفر عن یوم الحرة. هل خرج فیها احد من اهل بیتک؟ فقال: ماخرج فیها أحد من آل ابی طالب ولا خرج فیها احد من بنی عبدالمطلب، لزموا بیوتهم الخ"۔

یحیی بن شبل نے ابو جعفر (محمد الباقر) سے واقعہ حرہ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا ان کے گھرانے کا کوئی فرد لڑنے نکلا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ نہ خاندان ابوطالب میں سے کوئی فرد نکلا تھا اور نہ عبدالمطلب (یعنی بنوهاشم) کے گھرانے سے کوئی فرد لڑنے نکلا۔ سب اپنے اپنے گھروں میں گوشہ گیر رہے الخ۔ (خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۵۳، ۲۵۴)

اسی روایت کے مطابق جب علی زین العابدین سے ملاقات کے وقت امیر لشکر یزید مسلم بن عقبہ نے یزید کی ان کے ساتھ حسن سلوک کی خصوصی ھدایات کا ذکر کیا تو علی زین العابدین نے یزید کے بارے میں دعائیہ کلمات کہے:۔

"وصل الله امیرالمؤمنین۔ یعنی اللہ امیر المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔"
(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۵۴)۔

عباسی اسی مفہوم کی روایت "الامامہ والسیاسہ (ج ۱، ص ۲۳۰) کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے سیدنا زین العابدین کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:۔

"فقال علی بن الحسین:۔ وصل الله امیرالمؤمنین و احسن جزائه۔
(یہ سنکر حضرت علی بن الحسین زین العابدین نے کہا کہ:۔ وصل اللہ امیر المومنین یعنی اللہ تعالیٰ امیر المومنین۔ کو اپنی رحمت سے ڈھانکے اور ان کو جزائے خیر دے۔"
(عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۵۴، ۲۵۵)۔

علامہ عباسی نے "کردار عمر بن سعد" کے زیر عنوان واقعہ کربلا کی جو تفصیلات بیان کی ہیں اور جو آئندہ صفحات میں درج ہیں ان سے پہلے عباسی صاحب کے عمر بن سعد کے خاندانی پس منظر کے بارے میں درج ذیل بیانات ملاحظہ ہوں:۔

"عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ خروج حسینی کے زمانے میں کوفہ کے امیر عسکر تھے۔

حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت تھی۔ وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند ہیں۔ اور حضرت سعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ میں ماموں، سیدہ آمنہ کے ابن عم تھے۔ سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے۔ اور ان چھ صحابہ میں تھے جنہیں حضرت فاروق اعظم نے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ بڑے شجاع تھے۔ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ جنگ احد میں ان کی تیر اندازی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا:۔ (یعنی اے سعد) تیر پھینکے جاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا۔

پھر فرمایا: یہ میرے ماموں ہیں اور اب لائے کوئی آدمی اپنا ایسا ماموں۔

(ص ۱۰۶، المعارف، ابن قتیبہ۔ طبع اول مصر۔)

فاتح ایران تھے اور ان صحابہؓ میں سے تھے جو دولت و ثروت، علوئے مرتبت میں ممتاز رہے۔'' (عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۲۹-۲۳۰)

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات اور عمر بن سعد کا نسب و مقام کا ذکر کرتے ہوئے عباسی لکھتے ہیں:۔

''حادثہ کربلا سے صرف پانچ سال پہلے وفات پائی۔ ان ہی کے یہ فرزند عمر بن سعد امیر عسکر کوفہ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تولد ہوئے۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابة فی تمییز الصحابة" میں در ''صغار صحابہ'' ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔ عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری. انه ولد فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم (ص ۱۷۳، ج ۳)۔

عمر بن سعد ابی وقاص زہری۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تولد ہوئے۔

عہد نبوی کے یہ مولود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کے فرزند، بچپن میں جن کی آنکھیں جمال نبوی سے منور ہوئیں۔ جنہوں نے عشرہ مبشرہ کے جنتی صحابی کی گود میں پرورش پائی۔ جن کے گھرانے کے چند در چند تعلقات قرابت خاندان نبوت سے قائم تھے۔ جن کے دادا کی حقیقی بہن ہالہ بنت وہب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حمزہؓ کی والدہ تھیں۔ جن کے حقیقی چچا حضرت عامر بن ابی وقاصؓ ان صحابیوں میں تھے جنہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ جن کے دوسرے چچا حضرت مخرمہؓ اور ان کے فرزند حضرت المسورؓ نیز چچیرے بھائی حضرت نافع بن عتبہ بن ابی وقاصؓ سب صحبت یافتگان نبوی ہیں۔ وہ صحابی بزرگ تھے جن کی نسبت باطینہ ایسی قوی تھی کہ مابعد کے اولیاء بھی ان صحابہ کرام کے درجہ

تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان ہی بزرگوں کی گودوں میں، ان ہی کے آغوش محبت و شفقت میں اور ایسے پاک ماحول میں عمر بن سعد نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں۔ خود بھی صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے اور قرابت کے کتنے ہی قوی سلسلے خاندان نبوت سے انکو پیوستہ کئے ہوئے تھے۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۲۳۰)۔

"کردار عمر بن سعدؓ

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو "قاتل حسین" کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مورخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افترا ہی ثابت ہو گا۔ خود ابو مخنف ہی کی روایت ہے کہ حضرت حسینؓ اور ابن سعدؓ کے مابین تین چار ملاقاتیں ہوئی:-

انهما كانا التقيا مرارا ثلاثا او اربعا حسين و عمر بن سعد-

(ص ۲۳۵، ج ٦، طبری)۔

ان ملاقاتوں کے نتیجہ میں اس خط کا ابن زیاد کے پاس بھیجا جانا بتایا گیا ہے۔ جس کے ابتدائی الفاظ یہ تھے:-

فان الله قد أطفأ النائرة و وحد الكلمة واصلح امر الامة-

(ص ۲۳۵، ایضاً)۔

خدا نے آتش (اختلاف) کو بجھا دیا اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا اور امت کی اس سے بہتری چاہی۔

اس کے بعد وہ تین شرطیں بھی لکھیں جو مؤرخین نے نقل کی ہیں۔ گذشتہ اوراق میں جن کا ذکر آ چکا ہے۔ راویوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ خط پڑھ کر ابن زیاد کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے:-

"هذا كتاب رجل ناصح لأميره و مشفق على قومه نعم قد قبلت"-

(ص ۲۳٦، ج ٦، طبری)- یہ خط ایک ایسے شخص نے لکھا ہے جو اپنے امیر کا صحیح مشیر ہے اور اپنی قوم کا مشفق ہے۔ ہاں تو میں نے قبول کیا۔

راویوں کے اس بیان سے کیا یہ واضح نہیں ہوتا کہ حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح و آشتی سے نمٹانا چاہتے تھے۔ دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں۔ ایک تو برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام

لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دینی پڑیں۔ دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلے کے ساتھ آرہے تھے۔ اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی۔ وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے کیونکہ ان کے لئے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی۔ کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رُخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر۔ انہوں نے اپنے ان پیش رو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی جنہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرادی تھی۔

جنگ جمل تو ان ہی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اسی بات پر تھی کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ موقف پر قائم رہیں۔ ابو مخنف ہی کی روایت یہ بھی ہے کہ کوفیوں نے جن میں چار نووارد کوفی بھی شامل تھے، حضرت موصوف کو یہ ترغیب دینی شروع کی کہ کوہستان آجاء و سلمیٰ پر چل کر ڈیرے ڈالیں۔ بنی طے کے بیس ہزار سوار اور پیادے بہت جلد مدد اور نصرت کو آموجود ہونگے۔ ان کوفیوں نے اپنے اسلاف کے قصے بیان کرنے شروع کئے کہ ہم لوگ شاہان غسان و حمیر اور نعمان بن منذر سے جن کی حکومت حیرہ اور اس کے نواح میں تھی، ان ہی پہاڑوں کی پناہ میں محفوظ رہے تھے۔ حکومت وقت کے نمائندوں کو حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہو کر کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلاب حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا مگر ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے، ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا قطعی طور پر خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی یعنی عمر بن سعدؓ کی ملاقاتوں کے نتیجے میں حضرت حسینؓ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المؤمنین سے بیعت کر لیں، ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر یہیں بیعت کریں۔ تمام اقطاع مملکت اسلامی میں عام و خاص حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ جیسی بلند و بالا ہستیوں نے اسی طرح عاملان حکومت کے ہاتھ پر امیر المؤمنین کی بیعت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ:۔

"تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے۔"

آپ کا یہ قول اگر صحیح نقل ہوا ہے تو باعث استعجاب ہے کیونکہ آئینی حیثیت سے

نمائندے کی حیثیت ذاتی نہیں رہتی- امیر کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا- آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ بمزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں، نمائندگان حکومت کے حوالے کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سد باب ہو جائے جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا تھا کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کے لئے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے، مگر حضرت ابن الزبیرؓ سے گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے تھے- حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادران مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوش انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے، مشتعل کر دیا نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے اور جنہیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آرہی تھی، یہ موقعہ ہاتھ آگیا- انہوں نے اپنے پیش رووں کی تقلید میں جنہوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا، اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی عاقبت نااندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا- آزاد محققین و مستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ:-

گورنر (کوفہ) عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی قافلہ کے) ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور (صوبہ) عراق میں ان کے داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے- کوفہ کے شیعان علی میں سے کوئی بھی (مدد کو) کھڑا نہ ہوا- حسین اور ان کے مٹھی بھر متبعینؓ نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جو ان سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا تھا، غیر مآل اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا- (ص ۱۱۶۲)-

عمر بن سعدؓ امیر عسکر نے جیسا وضعی روایتوں میں متہم کیا گیا، کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا تھا- ان کے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے رہے- یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکایک جدال و قتال میں بدل گئی- حضرت حسینؓ اور ان کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہو جانے کا تصور تو آج بھی ہمارے دلوں میں حزن و ملال کے تاثرات پیدا کر دیتا ہے چہ جائیکہ جس کسی کی آنکھوں دیکھا یہ حادثہ ہو- عمر

بن سعدؓ کو "قاتل حسین" کہتے ہیں لیکن ان ہی ژاویوں خاص کر ابو مخنف نے اپنی ایک روایت میں گویا حق بر زبان جاری یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت حسینؓ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعدؓ پر رنج اور صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زارو قطار رونے لگے۔ ان کے رخسار اور داڑھی آنسوں سے تر بتر ہو گئی۔ ابو مخنف کی اس روایت میں یہ فقرہ ہے:-

قال فكانى انظر دموع عمر (بن سعد) وهى تسيل على خديه ولحيته- (ص ۲۵۹، ج ٦، طبری)-

(راوی نے) کہا گویا میں نے عمر (بن سعد) کے آنسوؤں کو دیکھا کہ (بہ سبب گریہ) ان کے رخساروں اور داڑھی پر بہنے لگے تھے۔

اس قدر قلق اور صدمہ ابن سعدؓ کو کیوں نہ ہوتا۔ حسینؓ سے قرابت قریبہ کے علاوہ انہوں نے مفاد ملت کی خاطر بہتری کی کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سبائیوں کی دراندازی سے ان کی مساعی ناکام ہو گئیں۔ لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا۔ جس کا بین ثبوت خود ان ہی راویوں کے بیان سے ملتا ہے جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلے کے بہتر مقتول ہوئے جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے۔ اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے۔ گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؓ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زارو قطار رونے لگے۔ پھر انہوں نے حضرت حسینؓ کے اہلِ خاندان کو، ان کی بیبیوں کنیزوں اور دوسری خواتین خاندانِ نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پردہ دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔ قدیم ترین مورخ (صاحب اخبار الطوال) لکھتے ہیں:-

وامر عمر بن سعد بحمل نساء الحسينؓ واخواته وجواريه و حشمه فى المحامل المستورة على الابل. (ص ۲٤۰، سطر ۱۱، الأخبار الطوال)-

اور عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسینؓ کی بیبیوں، بہنوں، کنیزوں اور خاندان کی دیگر خواتین کو پردہ دار محملوں میں اونٹوں پر سوار کرا کے لے جایا جائے۔

ولندیزی محقق دے خوے نے صحیح کہا ہے کہ جب اس حادثہ کے بیانات نے افسانہ کی سی نوعیت اختیار کر لی، ابن سعدؓ کو بھی قاتل کہا جانے لگا۔ اسی غرض سے یہ چند امور پیش کئے گئے کہ ایک طرف تو یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ "قتل حسین" پر ایسا رنج و قلق ہوتا ہے کہ زارو قطار رونے لگتے ہیں، رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے، خواتین اور پس ماندگان کو عزت و حرمت سے سوار کرا کے بھیجتے ہیں۔

دوسری طرف یہی راوی وہ بھیانک تصویر ان کے وحشیانہ مظالم کی کھینچتے ہیں جن کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے۔ مگر ان حقائق کو جب پیش نظر رکھا جائے جو بعد مسافت (مکہ و کربلاء) تعداد منازل و مراحل، روانگی کی صحیح تاریخ، کربلا کے محل وقوع وغیرہ کے بارے میں مستند کتب جغرافیہ و بلدان وغیرہ کے حوالہ جات سے پیش کئے گئے ہیں تو یہ سب وضعی روایات، اختراعی داستانیں اور مبالغات ہباءً منثوراً ہو جاتے ہیں اور عمر بن سعدؓ کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جا سکتی ہے۔ طبقات ابن سعد میں بذیل الطبقة الاولی من اهل المدینة من التابعین، تابعین کے زمرہ میں ان کا ذکر ہے۔ اور شیخ الاسلام ابن حجرؒ عسقلانی نے "تہذیب التہذیب" میں مندرجہ ذیل عبارت میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیسے کیسے لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزهری ابوحفص المدنی سکن الکوفة- روی عن ابیه وابی سعید الخدری وعنه ابنه ابراهیم و ابن ابنه ابوبکر بن حفص و ابو اسحاق السبیعی و العیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم وقتادة والزهری و یزید بن ابی حبیب وغیرهم- وقال العجلی کان یروی عن ابیه احادیث وهو تابعی ثقة- (ص ۴۵۰، ج ۷، تهذیب التهذیب)-

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی ساکن کوفہ۔ انہوں نے اپنے والد ماجد اور ابو سعید الخدری سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابوبکر بن حفص نے نیز ابواسحق السبیعی اور العیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم و قتادہ والزہری و یزید بن ابی حبیب وغیرہ نے۔ اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ (عمر بن سعدؓ) نے اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے۔ اور وہ خود ثقہ تابعی تھے۔

عمر بن سعدؓ کو "قتل حسینؓ" سے جب متہم کیا جانے لگا، متاخرین میں سے بعض کو ان کی مروی احادیث لینے میں تامل ہوا۔ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ فی نفسہ تو غیر متہم تھے، لیکن قتال الحسین علیہ السلام میں حصہ لیا تھا اس لئے وہ کیسے ثقہ سمجھے جائیں (میزان الاعتدال، ج ۲، ص ۲۵)۔

علامہ ذہبی کا زمانہ ان کے زمانہ سے تقریباً سات سو برس بعد کا زمانہ ہے جب ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کی اشاعت سے حادثہ کربلا کی صورت کا ذہبہ عام طور سے لوگوں کے ذہن نشین ہو چکی تھی اور کسی مورخ کو ان وضعی روایات کی تنقید کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی جو

صحیح حالات کا انکشاف ہو جاتا۔ ابن خلدون کی کتاب کے دو تین ورق جو حادثہ کربلاء کے بارے میں تھے، ایسے غائب ہوئے کہ تقریباً پانچسو برس کی مدت گذر جانے پر بھی آج تک کسی کو دستیاب نہ ہوسکے۔ بایں ہمہ عمر بن سعدؓ سے حدیث روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے پوتے کے علاوہ زمرہ تابعین کے جن راویان حدیث کے نام شیخ الاسلام ابن حجر نے مندرجہ بالا عبارت میں درج کئے ہیں، ان میں مشہور تابعی محدثین شامل ہیں جو صریحاً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے معاصرین ان کو متہم نہیں سمجھتے تھے۔ مثلاً ابو اسحق عمرو بن عبداللہ السبیعی متوفی ۱۲۷ھ بعمر ۹۵ سال و قتادہ بن ودعامہ سدوسی و محمد بن مسلم الزہری وغیرہم۔ غالی راویوں کے پروپیگنڈے کے تاثرات ہی کی شاید وجہ تھی کہ بعض لوگوں نے ان کے مولود عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بارے میں بھی شبہات کا اظہار کیا تھا۔

محدث ابوبکر بن فتحون مالکی کی روایت سے اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ یہ بزرگوار محدثین کی اس جماعت میں شامل تھے جس نے صحابہ کرامؓ کے حالات کی معتبر کتاب "الاستیعاب" کا ذیل لکھا تھا۔ چنانچہ وہ ابن اسحاق کی سند سے یہ روایت لکھتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ عہد فاروقی کے مجاہدین میں کب اور کیونکر شامل ہوئے تھے۔

قال کتب عمر بن الخطاب الی سعد بن ابی وقاص:- ان اللّٰہ فتح الشام و العراق فابعث من قبلک جنداً الی الجزیرۃ، فبعث جیشاً مع عیاض بن غنم و بعث معہ عمر بن سعد و ھو غلام حدیث السن- ھکذا رواہ یعقوب بن سفیان والطبری من طریق سلمۃ بن الفضل عن اسحق- وکان ذلک تسع عشرۃ- قال ابن فتحون:- ممن کان فی ھذہ السنۃ یبعث فی الجیوش فقد کان لا محالۃ مولوداً فی عھد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم. قال ابن عساکر:- ھذا یدل علی أنہ ولد فی عھد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم--- الی آخرہ- (ص ۱۴۷، ج ۲، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، مطبوعۃ مصر)-

راوی نے بیان کیا کہ (حضرت) عمر بن الخطابؓ نے (حضرت) سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک مکتوب بھیجا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شام و عراق پر مسلمانوں کو فتح یاب کیا تو اب تم الجزیرہ پر لشکر کشی کرو۔ چنانچہ (ابن سعدؓ نے) عیاض بن غنم کی سرکردگی میں لشکر غازیان بھیجا اور ان کے ساتھ (اپنے فرزند) عمر بن سعد کو بھی بھیجا جو اس وقت نو عمر تھے۔ اسی کو یعقوب بن سفیان اور طبری نے بھی سلمہ بن فضل سے اور انہوں نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۹ھ کا ہے۔ ابن فتحون اس پر کہتے ہیں کہ جس فرد کو اس سن میں فوج میں شامل کر کے

بھیجا گیا ہو، وہ لامحالہ عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مولود ہو گا۔ ابن عساکر بھی یہی کہتے ہیں:۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (عمر بن سعدؓ) عہد نبوی میں پیدا ہوئے تھے۔۔۔''

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۲۴۴-۲۴۳)۔

ان چند اقتباسات سے امامت و خلافت یزید، کربلا و حرہ اور دیگر متعلقہ اہم تاریخی موضوعات کے حوالہ سے علامہ محمود عباسی کے علمی و تحقیقی نقطہ نظر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم تفصیلی معلومات کے لئے ان کی تصانیف بالخصوص "خلافت معاویہ و یزید" اور "تحقیق مزید" کا مکمل مطالعہ ناگزیر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۵۹۔ ترجمان الاسلام مولانا عامر عثمانیؒ

(مدیر ماہنامہ "تجلی" دیوبند،

م-۱۹۷۵ء، ہند)

برصغیر کے نامور عالم وادیب و مصنف مولانا عامر عثمانی، فاضل دیوبند کا رسالہ ماہنامہ "تجلی" دیوبند برصغیر کے صف اول کے علمی و دینی مجلات میں مشہور و معروف نیز وسیع تر مقبولیت و اثرات کا حامل ہے۔ آپ کے نہ صرف افکار و تصانیف مقبول عام ہیں، بلکہ مولانا سید ابوالاعلی مودودی اور جماعت اسلامی کی علمی و دینی خدمات کے اعتراف و تائید نیز بطور مجموعی دفاع و تکریم اکابر جماعت کے ساتھ ساتھ دیگر علمی و دینی شخصیات و تحاریک پر بھی غیر منصفانہ و غیر علمی تنقید و الزام تراشی کا مدلل و مسکت جواب دینے میں بھی آپ کا موقف ہمیشہ منفرد و ممتاز رہا ہے۔ آپ کا انتقال بمبئی کے ایک نعتیہ مشاعرے میں شرکت کے دوران ۱۲ اور ۱۳، اپریل ۱۹۷۵ء کی درمیانی شب میں ہوا۔ (بحوالہ ماہنامہ "فاران" کراچی، جون ۱۹۷۵ء)۔

جناب محمود احمد عباسی کی تصنیف "خلافت و معاویہ و یزید" کی تائید و حمایت بھی آپ نے پوری شد و مد سے فرمائی اور اکثر ناقدین کو مدلل و مسکت جواب دیکر لاجواب کر دیا۔ اس سلسلہ کلام میں ماہنامہ "تجلی دیوبند" کے شمارہ جون، جولائی ۱۹۶۱ء میں فرماتے ہیں:۔

"خلافت معاویہ و یزید" جناب محمود احمد عباسی کی تصنیف ہے۔ ذمہ توانہی کا ہے کہ اپنے ناقدین سے پنجہ کشی کریں یا نہ کریں۔ لیکن تبصرے میں ہم نے بھی اس کتاب کو سراہا تھا اور پھر مہینوں اس موضوع کی بحثوں میں سر مارتے رہے ہیں۔ اس لئے کوئی مضائقہ نہیں اگر پھر تھوڑا وقت اس موضوع کی نذر کر دیا جائے۔

قصہ معمولی نہیں ہے۔ رفض و تشیع نے عقائد کی جڑوں سے لیکر ٹہنیوں اور برگ و بار تک جو زہر پھیلایا ہے اس پر بڑے بڑے اساطین مطمئن ہو بیٹھے ہیں۔ اچھے اچھے بالغ نظر علماء کا یہ حال ہے اور پہلے بھی رہا ہے کہ بعض ایسی روایات و اخبار کو انہوں نے مسلمہ حقائق کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے جنہیں بعض لوگوں نے خاص مقصد کے تحت سو فی صد گھڑا تھا یا مشکل سے دس فیصدی ان میں حقیقت تھی۔ اور نوے فیصدی افسانہ طرازی۔ اس دائرہ سائر فریب خوردگی کا دبیز پردہ چاک کرنے کے ارادہ سے اگر کوئی شخص جرأت رندانہ کا مظاہرہ کرتا ہے تو ضروری نہیں کہ یہ جرأت رندانہ ہر پہلو سے بے عیب ہی ہو۔ نقص و عیب بشریت کا جزو لاینفک ہے۔ محمود احمد عباسی بشر ہیں فرشتے نہیں۔ ہو سکتا ہے حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ان کے خیالات کسی پہلو سے قابل اصلاح ہوں۔ ہو سکتا ہے رفض و شیعیت کی لاانتہاہی فساد انگیزیوں کے رد عمل میں وہ ذہنی تشدد، فکری بے اعتدالی اور جذباتی تعصب سے بھی ملوث ہو گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا تحقیقی زاویہ نظر تھوڑا بہت کج ہو۔ لیکن جو معاندانہ سلوک بعض حلقوں میں ان کی جرأت رندانہ سے کیا گیا ہے، وہ منصفانہ نہیں ظالمانہ ہے۔ اس میں اعتدال نہیں اشتعال ہے۔"

(مولانا عامر عثمانی، تبصرہ از قلم مدیر بر تبصرہ عبدالحمید صدیقی در ماہنامہ "تجلی" دیوبند شمارہ جون، جولائی ۱۹۶۱ء نیز ملاحظہ ہو۔ تحقیق مزید بسلسلہ "خلافت معاویہ و یزید" مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۳۵۱-۳۵۲)۔

مولانا عامر عثمانی صحیح بخاری، کتاب الجہاد، کی اس حدیث کے حوالہ سے، جس میں قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرنے والے پہلے لشکر کے مغفرت یافتہ ہونے کا ذکر ہے، امیر لشکر یزید کے مغفرت یافتہ ہونے کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"لعنت بھیجو، گالیاں دو جو چاہے کرو، اللہ کا رسول تو کہہ چکا کہ:۔

(اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم)۔

اور اللہ کا رسول اٹکل پچو نہیں کہتا، اللہ کی طرف سے کہتا ہے۔ سارا عالم مل کر زور لگا لو اللہ کی مشیت اٹل ہے۔ وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ۔ اور اگر اللہ ارادہ کرے تیرے لئے خیر کا تو کوئی اس کے فضل کو لوٹا نہیں سکتا۔

نصیبہ ور تھے وہ لوگ جنہیں قسطنطنیہ کے غزوہ اولی کی شرکت نصیب ہوئی اور اللہ نے انہیں بخش دیا۔ کمال ہے، بدعتی حضرات جو رسول اللہ کا درجہ دینے کے لئے انہیں عالم الغیب اور حاضر و ناظر اور نہ جانے کیا کیا کہا کرتے ہیں، وہ بھی یزید دشمنی میں اتنے ڈھیٹ ہو گئے ہیں کہ رسول اللہ کا فرمودہ تاویل کی خراد پر چڑھ جائے تو چڑھ جائے مگر یزید جنت میں نہ

جانے پائے۔

مبارک ہو شیعوں کو کہ انہوں نے خود حضرت حسینؓ کو کوفے بلایا اور بد ترین بزدلی اور عہد شکنی کے مرتکب ہو کر ان کی مظلومانہ موت کو دعوت دی لیکن الزام سارا ڈال دیا یزید کے سر۔ اور حب حسینؓ کا ڈھونگ رچا کر بغض یزید کی وہ ڈفلی بجائی کہ اہل سنت بھی رقص کر گئے۔ کتنا کامیاب فریب ہے کہ اصلی قاتل تو سرخرو ہوئے اور سیاہی ملی گئی اس یزید کے منہ پر جو اپنی حکومت کی حفاظت کرنے میں اسی طرح حق بجانب تھا جس طرح دنیا کا کوئی بھی حکمران ہوتا ہے۔

ہم انسانی تاریخ میں کسی ایسے حکمران کو نہیں جانتے جس نے بوقت ضرورت اپنے تحفظ کے لئے ممکنہ تدابیر سے کام نہ لیا ہو۔ یزید ہی نے حضرت حسینؓ کو باز رکھنے کیلئے افسروں کو اقدام و انصرام کا حکم دیا تو یہ کوئی انوکھا فعل نہ تھا۔ ہاں اس نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ انہیں مار ڈالنا۔ جو کچھ پیش آیا بہت بُرا سہی مگر یزید قاتل نہ تھا، نہ قتل کا آرڈر دینے والا۔ پھر بھی قتل کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہو تو اس میں سے کچھ حصہ بہت بڑا حصہ ان بد نہاد کوفیوں کو بھی تو دو جنہوں نے خطوں کے پلندے بھیج بھیج کر حضرت حسین کو بلایا اور وقت آیا تو رسول اللہ کے نواسے کو ہجوم آفات میں چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔

یہ سب شیعہ تھے پرلے سرے کے بوالفضول اور عہد شکن۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو بھی ناکوں چنے چبوائے۔ میدان وفا میں ہیچ بن گئے۔ اسد اللہ کی خیبر شکن تلوار کو کند کر کے رکھ دیا۔ اور پھر انہی کے عالی مقام بیٹے حسینؓ کو سبز باغ دکھا کر مروا دیا۔ آج یہ ناٹک کھیلتے ہیں کہ ہم حسین کے فدائی ہیں۔ اور اسی ناٹک میں کتنے ہی سنی حضرات بطور آرکسٹرا شامل ہو گئے ہیں۔ واہ رے کمال فن! ہو سکے تو یزید دشمنی میں حد سے آگے جانے والے اہل سنت غور کریں کہ وہ کس معصومیت سے دھوکا کھا گئے ہیں۔ کیسا جادو کا ڈنڈا ان کے سر پر پھیرا گیا ہے اور صحابہؓ کے دشمنوں نے کس طرح یزید کی آڑ میں نہ صرف حضرت معاویہؓ بلکہ یزید کی بیعت کرنے والے متعدد جلیل القدر صحابہؓ کو سب و شتم کرنے کا راستہ نکالا ہے۔"

(مولانا عامر عثمانی، یزید! جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا، مطبوعہ ماہنامہ تجلی دیوبند، جولائی ۱۹۶۰ء، نیز ملاحظہ ہو، تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی جون، ۱۹۶۱ء، ص ۳۶۹)۔

۶۰۔ مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ (لکھنو، م ۱۹۷۷ء)

مولانا عبدالماجد دریا بادی، برصغیر پاک و ہند کے عظیم المرتبت و عالمی شہرت یافتہ عالم و ادیب و مفسر ہیں۔ آپ قرآن مجید کے دنیا بھر میں مقبول و معروف انگریزی ترجمہ و تفسیر کے مؤلف نیز "تصوف اسلام" سمیت متعدد علمی و ادبی کتب و مقالات کے مصنف ہیں۔ آپ اثبات امامت و خلافت و سیرت طیبہ یزید سمیت متعدد علمی مباحث پر مشتمل علامہ محمود عباسی کی تصنیف خلافت معاویہ و یزید" کی علمی و تحقیقی نوعیت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"کتاب مجادلہ کیا معنی، مناظرہ کی بھی نہیں اور اس کا موضوع عقائد کی بحث نہیں بلکہ بعض تاریخی حقیقتوں کا انکشاف ہے۔ جو مسلمات عام اور قدیم کے مخالف ہونے کے باعث تلخ اور ناگوار جتنے بھی معلوم ہوں بہر حال خلاف قانون بلکہ خلاف تہذیب بھی نہیں کہے جا سکتے۔ اور نہ ان کا مقصود بعض محترم شخصیتوں پر کوئی حملہ ہے۔ تاریخی مسلمات پر جرح و نقد کی حیثیت سے کتاب کی زد جیسی شیعہ تاریخوں پر پڑتی ہے ویسی ہی سنی عالموں کے لکھے ہوئے شہادت ناموں پر۔" (صدق جدید لکھنو، جلد ۹، ص ۳)۔

(وراجع خلافت معاویہ و یزید، عرض مؤلف طبع سوم، ص ۱۱، مطبوعہ کراچی جون ۱۹۶۲ء)۔

اسی سلسلہ کلام میں مزید فرماتے ہیں:۔

"مکرر عرض ہے کہ کتاب عقائد و مناظرہ کی ہرگز نہیں۔ اس کو کتاب الحرب سمجھنا یا اس کو حرب عقائد کا اکھاڑہ بنا لینا نہ صرف کتاب کی روح بلکہ خود اپنی قوت نقد و نظر پر بھی ظلم کرنا ہے۔ اس کا دائرہ بحث و نظر تمام تر تاریخی ہے اور مؤرخین ہی کو اس پر رائے زنی کا حق حاصل ہے۔" (تبصرہ مولانا دریا بادی، در "صدق جدید)۔

(راجع خلافت معاویہ و یزید، ص ۳۰، عرض مؤلف طبع سوئم، کراچی، جون ۱۹۶۲ء)

عباسی صاحب کی مذکورہ کتاب کی ابتداء "الحسین نامی کتاب پر مختصر تبصرہ مطبوعہ سہ ماہی مجلہ "اردو" کراچی "جنوری ۱۹۵۶ء سے ہوئی تھی۔ پھر اسی تبصرہ پر تبصرہ رسالہ "تذکرہ" کراچی میں دو سال تک ہوتا رہا جو بارہ مضامین عباسی پر مشتمل تھا۔ جسے کتابی شکل میں لانے کا تقاضا دیگر ارباب علم و فضیلت کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالماجد دریا بادی جیسی عظیم ہستی نے بھی فرمایا تھا بقول عباسی:۔

"محبی و محترمی جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی مدیر "صدق جدید" نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰، جنوری ۱۹۵۸ء موسومہ مدیر رسالہ "تذکرہ" فرمایا تھا کہ:۔

"آپ کے ہاں "الحسین" پر تبصرہ کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے، وہ بہت ہی جامع نافع ہے، بصیرت افروز ہے۔ اسے کتابی صورت میں جلد سے جلد لائیے۔"

(بحوالہ خلافت معاویہ و یزید، عرض مؤلف، ص ۵۰، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء)۔

۶۱- محدث جلیل مولانا عبدالوہاب آروی (صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس)

برصغیر کے جلیل القدر عالم و محدث مولانا عبدالوہاب آروی، علامہ محمود عباسی کی "خلافت معاویہ و یزید" کے حوالہ سے تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"ایک طرف تو وہ مکتب خیال تھا جو حضرت علیؓ اور ان کے محترم صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے ہمدردی اور اس میں انتہائی غلو کے پیش نظر جھوٹی حدیثیں اور تاریخی روایات گھڑنے سے بھی باز نہیں آیا۔ دوسری طرف اہل سنت والجماعت کے وہ اکابر علماء تھے جو احقاق حق اور باطل کا ابطال کرتے رہے۔

اب سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے شیخ عبدالمغیث حنبلی نے امیر یزید کے حسن سیرت اور اوصاف کے متعلق ایک مفصل کتاب "فضل یزید" کے نام سے لکھی۔ حجۃ الاسلام امام غزالی نے فتوی دیا کہ امیر یزید صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ اور ان کے لئے "رحمۃ اللہ علیہ" کہنا مستحب ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے بھی اپنی مشہور تالیف "منہاج السنہ" میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے حضرت امیر معاویہؓ اور امیر یزید کی منقبت ثابت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی معرکتہ الاراء کتاب "ازالتہ الخفاء" اس باب میں بہت ہی مفید اور جامع ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے "خلافت معاویہ و یزید" کے فاضل مؤلف مولانا محمود احمد صاحب عباسی کو جنہوں نے تاریخ اسلامی کے ان جواہر پاروں کو تحقیق و ریسرچ کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ اس نادر علمی اور تاریخی کتاب کے مطالعہ سے حضرت امیر معاویہؓ اور امیر یزید کا صحیح مقام اور چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ اور خاندان بنو ہاشم و بنو امیہ کے نامور افراد کے مستند حالات اور ان کے باہمی خوشگوار تعلقات اور جنگ جمل و صفین اور کربلا کے اسباب و واقعات معلوم ہوں گے اور سیاسی مناقشات و مصالح کے پیش نظر امیر معاویہ و امیر یزید کے مخالف کیمپ سے جو مذموم

اتہامات اور غلط الزامات لگائے جاتے ہیں، ان کا تشفی بخش اور مسکت جواب دیا جاسکے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ عباسی صاحب کی ہر تحقیق (ریسرچ) صحیح ہی ہو اور اس کتاب میں شروع سے آخر تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب کا سب حرف آخر کی ہی حیثیت رکھتا ہو۔"

(تقریظ و تبصرہ از مولانا عبدالوحاب آروی۔ دھلی مورخہ ۱۵، نومبر ۱۹۵۹ء)

(بحوالہ تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید از محمود احمد عباسی، ص ۴۷۸-۴۷۹، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۱ء)۔

۶۲ - مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی
(سابق نائب امیر جماعت اسلامی، پاکستان)

، جلیل القدر عالم و مفسر مولانا حمید الدین فراہی کے شاگرد اور اثبات نظم قرآن پر مبنی "تدبر قرآن" جیسی منفرد و عظیم تفسیر سمیت متعدد علمی کتب کے مصنف مولانا امین احسن اصلاحی کے زیر ادارت ماہنامہ "میثاق" لاہور شائع ہوتا رہا ہے۔ اس کے مئی ۱۹۶۲ء کے شمارہ میں علامہ محمود عباسی کی "خلافت معاویہ و یزید" و "تحقیق مزید" پر تبصرہ، اقوال اکابرامت بسلسلہ یزید کے سلسلہ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، جس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"فاضل مصنف نے خلافت راشدہ کے آخری دور اور بنوامیہ کے زمانہ کی تاریخ کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے اور اپنے نتائج تحقیق اتنے جزم اور اعتماد کے ساتھ پیش کئے ہیں اور ان پر دلائل کا اس قدر انبار لگا دیا ہے کہ انہیں مسئلہ زیر بحث میں پچھلے محققین کے پہلو بہ پہلو ایک سند کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔

"خلافت معاویہ و یزید" اردو زبان میں پہلی کتاب ہے جو امام ابن تیمیہ وغیرہ کے نقطہ نظر کو نسبتاً زیادہ منقح صورت میں پیش کرتی ہے۔ "خلافت معاویہ و یزید" کو پڑھ کر ہم اس رائے کو بالکل مبنی بر انصاف نہیں سمجھتے کہ عباسی صاحب نے پہلے یزید کی پاکدامنی اور حضرت حسینؓ کے موقف کی غلطی کا تصور بٹھا لیا ہے اور بعد میں اسے ثابت کرنے کے لئے اپنی مرضی سے دلائل جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر انہوں نے ضرورت محسوس کی تو بعض اقتباسات کی قطع و برید سے بھی باز نہیں آئے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب ایک غیر جانبدار محقق کی حیثیت سے تحریر کی ہے۔ انہوں نے ہر واقعہ کی صرف وہی توجیہ قبول کی ہے جو ان کی تحقیق کے کڑے معیار پر پوری اتر سکی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کتاب کی خوبی اس کا اونچا معیار تحقیق ہے۔

عباسی صاحب نے نہایت محنت کر کے ان لوگوں کا سراغ لگا لیا ہے جنکے ذریعہ سے

ہماری تاریخ میں بہت سی بے سروپا باتیں داخل ہوگئی ہیں اور فتنوں کا موجب بنی ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق حادثہ کربلا سے متعلق جو روایات زبان زد عوام ہیں، وہ بیشتر محمد بن السائب کلبی، ابو مخنف لوط بن یحیی ازدی اور ھشام بن محمد کلبی کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ ائمہ حدیث و رجال نے ان تینوں راویوں کو کٹر رافضی، کذاب اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔ فاضل مصنف جب واقعات کربلا کی اس معروف بنیاد ہی کو تسلیم نہیں کرتے تو جب تک کوئی دوسرا محقق ان راویوں کی ثقاہت و امانت پہلے ثابت نہ کردے، عباسی صاحب کی کسی دلیل کو توڑنا ممکن نہیں۔'' (تبصرہ ''میثاق'' لاہور مئی ۱۹۶۲ء)۔

(وراجع محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، عرض مؤلف طبع چہارم، ص ۹، مطبوعہ جون ۱۹۶۲ء کراچی)۔

فاضل تبصرہ نگار ''تحقیق مزید'' پر تبصرہ میں رقمطراز ہیں:-

''زیر نظر کتاب ''تحقیق مزید'' خلافت معاویہ و یزید ہی کے سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ فاضل مؤلف نے اس کتاب میں بھی بڑی اہم بحثیں اٹھائی ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ازواج مطہراتؓ کے علاوہ پونے تین سو صحابہؓ جن میں اصحاب عشرہ مبشرہ، بدری صحابہ اور اصحاب بیعت الرضوان کی بھی اچھی خاصی تعداد شامل ہے، کے مختصر احوال لکھے ہیں جو یزید کی ولی عہدی اور خلافت کے زمانہ تک بقید حیات تھے، مگر ان میں سے کسی نے بھی حضرت حسینؓ کے موقف کی تائید نہیں کی۔

یہاں فاضل مؤلف ایک قاری کے لئے دو راہیں متعین کر دیتے ہیں۔ یا تو وہ حضرت حسینؓ کے موقف کو صحیح سمجھے اور ان تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ کو معاذ اللہ عزیمت سے عاری یا مداھنت کے مرتکب قرار دے۔ یا اس کے برعکس یہ رائے قائم کرے کہ حضرت حسینؓ کو صحیح موقف متعین کرنے میں اضطراب پیش آیا۔ عباسی صاحب یہی دوسرا نقطہ بدلائل پیش کرتے ہیں۔

کتاب کے ایک باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شروع سے اہل بیت میں موروثی خلافت کا تصور پیدا ہو گیا تھا۔ اور انہوں نے برابر اس بات کی کوشش کی کہ وہ خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ فاضل مصنف نے چوتھی صدی ہجری کے وسط تک قائم خلافتوں کے خلاف علویوں کے چھیاسٹھ خروج بیان کئے ہیں۔ مصنف نے بتایا ہے کہ علویوں کی اس سلسلہ کی کوششوں کا اتنا چرچا تھا کہ بعض تحریکیں اگر بغاوت کی خاطر بھی اٹھیں تو ان کے بانیوں نے بھی اپنا حسب و نسب علوی ہی بتایا حالانکہ علوی نہ ان کے حق میں تھے

اور نہ سیاسی طور پر ان سے متفق تھے---

اس کتاب میں بے شمار ایسے انکشافات ہیں جو تاریخ کے طالبعلموں کے لئے یقیناً تعجب خیز ہوں گے۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں نمایاں حصہ زبیر بن عبدالمطلب کا تھا نہ کہ ابو طالب کا۔ زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان تھے۔ ابو طالب کا حضور ؐ سے تعلق قبیلہ کی سربراہی کا تھا۔ حضور ؐ کی بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف پانچ برس تھی۔ حضرت حسینؓ کی ازواج میں شہر بانو نام کی کوئی ایرانی شہزادی نہ تھی۔ علی زین العابدینؒ کی والدہ سندھی خاتون تھیں، وغیرہ وغیرہ"۔

(تبصرہ بر "تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ ویزید" مطبوعہ ماہنامہ میثاق لاہور، مئی ۱۹۶۲ء)

(نیز ملاحظہ ہو خلافت معاویہ ویزید مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء، عرض مؤلف (طبع چہارم) ص ۱۰)

۶۳- مولانا ابو صہیب رومی مچھلی شہری

یزید کی امامت و خلافت کو شرعاً بالکل درست ثابت کرنے والی علامہ محمود احمد عباسی کی تصنیف "خلافت معاویہ ویزید" پر بعض معترضین کے اعتراضات کے جواب میں برصغیر کے معروف عالم مولانا ابو صہیب رومی مچھلی شہری (ہند) نے جو مبسوط و مدلل مقالہ تحریر فرمایا تھا، اس میں سے درج ذیل اقتباس بطور اشارہ نقل کیا جارہا ہے:-

"یہ حقیقت تو ناقابل انکار ہے کہ زمانہ حال کی "بدنام" مگر قابل غور اور "رسوائے زمانہ" لیکن معرکتہ الاراء کتاب "خلافت معاویہ ویزید" نے ہند و پاک کی خاموش فضا میں ایک تلاطم برپا کر دیا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مصنف کتاب عباسی صاحب نے واقعہ کربلا اور کردار یزید کو ایسے انداز سے پیش کیا جس کے لئے عام مسلمانوں کے حاشیہ خیال میں گنجائش نہ تھی۔ پھر غضب یہ کیا کہ اپنی کتاب کو اس قدر تاریخی اور عقلی دلائل و قرائن سے مدلل و مکمل کرکے پیش کیا کہ "ناواقف" اور "بے بصیرت" لوگوں نے تو حیرت و تعجب سے دیکھا لیکن مجھ جیسے بہت سے لوگوں کے لئے اس کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار ہی نہ رہ گیا۔ اس طرح لوگوں کی خاصی تعداد اس "رسوائے زمانہ کتاب" سے متاثر ہونے لگی۔"

(تنقیدی مقالہ ابو صہیب رومی مچھلی شہری بر کتاب شہید کربلا اور یزید، مطبوعہ ماہنامہ تجلی، دیوبند، اگست ۱۹۶۰ء، ورجوع ایضاً تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ ویزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۳۷۶-۳۷۷)۔

٦٤ - سردار احمد خان پتافی (م ۲، دسمبر، ۱۹۶۰ء)

صدر تنظیم اہل سنت، جام پور، ڈیرہ غازی خان

سردار احمد خان پتافی، صدر تنظیم اہل سنت، جام پور (ضلع ڈیرہ غازی خان) نے یزید کی سیرت طیبہ اور امامت و خلافت کو شرعاً درست ثابت کرنے کے سلسلہ میں علامہ محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی تائید و تحسین فرمائی اور ۱۲، اگست ۱۹۵۹ء کو کراچی میں ضبطی کتاب بحکم ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) کراچی کے فیصلہ کے خلاف اپیل پرہائی کورٹ کے سپیشل بنچ نے جو تین فاضل ججوں پر مشتمل تھا، حکم ضبطی کو اپنے فیصلہ مصدرہ ۱۹، دسمبر ۱۹۶۰ء کی رو سے منسوخ کر کے مقدمہ کا خرچہ بھی دلوایا۔ (ص ۱۳، خلافت معاویہ و یزید) تو اس کامیابی کی اطلاع پانے کے چند دنوں بعد ان کی مدت حیات ختم ہو گئی تھی۔ اس حوالہ سے عباسی صاحب ان کی یاد میں لکھتے ہیں:-

"یہ سطریں لکھتے وقت ایک ایسے محب قوم کی یاد آ رہی ہے جو اس کتاب کے بڑے قدردان تھے اور بڑے معاون بھی۔ یعنی سردار احمد خان پتافی مرحوم و مغفور صدر تنظیم اہل سنت، جام پور، ضلع ڈیرہ غازی خان۔ مشیت ایزدی کہ مقدمہ کی کامیابی کی اطلاع پانے کے چند ہی دن بعد قدرت نے انہیں ہم سے چھین لیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء، عرض مؤلف طبع سوم، ص ۳۳)

٦٥ - جناب اقبال احمد العمری، ایم اے ایل ایل بی

آپ نہ صرف شرعی امامت و خلافت یزید نیز سیرت یزید کے سلسلہ میں علامہ محمود احمد عباسی جیسے اکابر امت کے ہم خیال ہیں بلکہ ان کی مشہور تصنیف "خلافت معاویہ و یزید" کے حوالہ سے ان کی تائید و تحسین میں درج ذیل عربی اشعار بھی ارشاد فرمائے ہیں:-

ا لتهنئات للحضرة العلامة محمود احمد العباسی
بالفتح العظيم فی القضية العظمی بينه و بين اللاعنين

جزیٰ الله محموداً عن الحق مابدأ
له فی الأغاوی ماتذر المشارق

بحق مبین ماکسبت علی الجنی
تبارکت ماترجو، یشاء، یصادق
حمیت الحمی الحامی الحرحمیة
من اللوم لیس المجد ابداً یصادق
یهننک قلبی التهنیات الأطابیا
کماذرت الافاق ماذر شارق
رعی من رعی الأنصار لله حسبة
له کالغزاة الغر، والبرق صاعق

(راجع محمود احمد عباسی، تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۳۸۹)۔

٦٦- علامہ تمنا عمادی (مقیم ڈھاکہ)

ممتاز عالم دین و شاعر علامہ تمنا عمادی مقیم ڈھاکہ نہ صرف یزید کی شرعی امامت و خلافت و سیرت طیبہ کے پرجوش حامی ہیں بلکہ انہوں نے اس سلسلہ میں علامہ محمود احمد عباسی کی تصنیف "خلافت معاویہ و یزید" نیز "تحقیق مزید" کی تعریف و توصیف میں عربی، فارسی اور اردو میں کئی قصیدے اور نظمیں ارشاد فرمائیں۔ ان کے طویل عربی قطعہ "قطعة تاريخية عربية" کے علاوہ فارسی و اردو میں موجود قطعات میں سے چند ایک نقل کئے جا رہے ہیں۔ تاکہ حمایت یزید و مدافعین یزید کے سلسلہ میں ان کے جذبات کی شدت کا اندازہ کیا جاسکے:-

۱- قطعہ تاریخ فارسی
(از قلم علامہ تمنا عمادی، مقیم ڈھاکہ)

چه کتابے نوشت محمودم
نیک تریاق زہر تاریخ است
هست جامے جهاں نما که درو
حال سروجهر تاریخ است
تشنۀ حق ازیں شود سیراب
شاخ شیریں زنهر تاریخ است
طبع چوں گشت معدن تاریخ

فقرہ خوش زبہر تاریخ است
سال طبع مسیحیش روشن
ز آفتاب سپہر تاریخ است
۱۹۶۱ء

(راجع محمود عباسی، تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۳۸۶)

اردو اشعار تاریخ ہجری کتاب "تحقیق مزید"

بول اٹھا جس نے بھی دیکھی یہ کتاب بے مثل
کلمہ صدق کی تصدیق ہے تحقیق مزید
مصرع سال طباعت یہ تمنا لکھ دو
لوح دیباچہ تحقیق ہے تحقیق مزید
(۱۳۸۸ھ)

(راجع محمود عباسی، تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۳۸۶)

نذر عقیدت

(از قلم علامہ تمنا عمادی، بزبان اردو)

اہل حق بھی کہیں باطل سے دبا کرتے ہیں
راست گوئی میں کبھی شرم و حیا کرتے ہیں
خلط مبحث نہیں کرتے ہیں پسند اہل صفا
حق سے باطل کو ہمیشہ یہ جدا کرتے ہیں
پرسش حشر سے ڈرتے ہیں جو کچھ لکھتے ہیں
دل میں محسوس بہت خوف خدا کرتے ہیں
جانتے ہیں کہ ہے کتمان حقیقت کیا چیز
جو سمجھ کر کبھی قرآن پڑھا کرتے ہیں
ان کے مذہب میں تقیہ نہ تعصب نہ غلو
حق کے جو بندے ہیں وہ حق ہی کہا کرتے ہیں

حق کو حق اور جو باطل کو بتائے باطل
اس سے جو لوگ خفا ہیں وہ جفا کرتے ہیں
اہل باطل کی حمایت کو جو اٹھ بیٹھے ہیں
ان سے پوچھے تو کوئی آپ یہ کیا کرتے ہیں
دھمکیاں دے کہ کوئی آنکھیں دکھائے ان کو
گھر کیوں سے کبھی حق گو بھی ڈرا کرتے ہیں
ان کو پرواہ نہ کبھی "لومتہ لائم" کی رہی
دین کا کام جو از بہر خدا کرتے ہیں
کوئی مومن نہیں رہتا ہے مداحن ہو کر
صاف ہی بات صدا اہل صفا کرتے ہیں
بارک اللہ لک اے حضرت محمود احمد
آپ کے حق بہت لوگ دعا کرتے ہیں
لاتخف! ربک یجزیک جزاءً حسناً
جو برا کہتے ہیں تم کو وہ برا کرتے ہیں
"آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو"
آدمی کیا ہیں، ملک تک بخدا کہتے ہیں
آپ کی داد تمنا ہی نہیں دیتا صرف
اہل انصاف سبھی مدح و ثنا کرتے ہیں

(راجع محمود عباسی، تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۴۸۷-۴۸۸)

۶۷- مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد (دھلی، ہند)

دھلی کے ممتاز عالم و مفتی سید حفیظ الدین احمد نے سیدنا معاویہؓ کے ساتھ ساتھ یزید کی سیرت طیبہ نیز امامت و خلافت کو شرعاً بالکل درست ثابت کرنے کے سلسلہ میں علامہ محمود احمد عباسی جیسے اہل سنت کے نقطہ نظر کی نہ صرف مکمل تائید و حمایت فرمائی بلکہ "الحسین" پر تبصرہ کے عنوان سے رسالہ "تذکرہ" کراچی میں جو اقساط مقالہ، علامہ عباسی کے قلم سے شائع ہوتی رہیں، انہیں کتابی شکل میں شائع کرنے پر اصرار کے لئے انہوں نے پیرانہ سالی میں

دھلی سے کراچی کا سفر اختیار فرمایا۔ یہی اقساط بعد ازاں "خلافت معاویہ و یزید" کے نام سے کتابی شکل میں یکجا ہوئیں۔ علامہ عباسی فرماتے ہیں:۔

"ایک بزرگ مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد صاحب نے پیرانہ سالی میں دھلی سے کراچی کا سفر اسی مقصد سے کیا۔ اور مہربانی سے ایک قطعہ تاریخ فارسی بھی ارشاد فرمایا۔"

(محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، ص ۵۰-۵۱، عرض مؤلف، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء)

قطعات تاریخ فارسی

(از قلم: مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد صاحب تائب مقیم دھلی)

مؤلف عالی ذات　　　　فضیلت پناه

۱۳ ھ ۷۸　　　　۱۳ ھ ۷۸

صاحب جاه و اقبال مولانائے محترم محمود احمد عباسی

۱۳ ھ ۷۸

ترا بقائے ابد باد در نکو نامی
عجب صحیفه نوشتی برنگ یکتائی
عصائے موسوی آمد قلم بدست تو
بیک کرشمه ربودی طلسم هفت صدی
نہاں بپرده ایام هیچ رازنماند
چه فاش گشته همه افک و زور تاریخی
صریر کلک تو در کشف مشکلات قوم
چنانکه فصل خطابست و لحن داؤدی
تراست حجت قاطع بدست تیغ قلم
چگونه پیش رود دعوئے کذوب دنی
نگارش تو عجب طرز دبستاں دارد
که آفریں بکند ہمچو حالی و شبلی
کمال دانش تو از فیوض خبر آمد
گل شگفته از گلستان عباسی
زمانه را که ز غفلت بخواب درشده بود
کشید کلک تو دریده کحل بیداری
بجست تائب خسته چوسال ایں تالیف

چه خوب آمده- دور خلافت اموی

۱۳۷۸ھ

(راجع محمود احمد عباسی، خلافت معاویہ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۴۶۹-۴۷۰)
(شعر میں "حبر" سے مراد حبر الأمۃ (عالم امت) ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس ھاشمیؓ ہیں)۔
(جو علامہ محمود احمد عباسی ہاشمی کے جد امجد اور جلیل القدر صحابی و مفسر و محدث و عالم ہیں)۔

۶۸- سید خورشید علی مہر تقوی، جے پوری

آپ نہ صرف یزید کی سیرت طیبہ و شرعی امامت و خلافت کے سلسلہ میں علامہ محمود احمد عباسی جیسے اکابر امت کے حامی و مؤید ہیں بلکہ علامہ عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی تحسین و تبریک میں فرماتے ہیں:-

از بلندی فکر دلپسند سید خورشید علی صاحب

۱۹ء ۵۹

محسن حقیقی مہر تقوی جے پوری

۱۳ھ ۷۸

تالیف کرد حضرت محمود نسخهٔ
کز حکمتش علاج دل نکته چین کنند
روشن شوند قلب و دماغ از جمال آں
نظاره اش چواز نگه دور بین کنند
در جزو دان دل نهند آں را باشتیاق
از حرف حرف زینت لوح جبیں کنند
بر ناو پیر ملت اسلام! لازم است
بالاشتراک برابرش آفریں کنند
کاریست باصواب و ثواب است بے حساب
کارے که عالماں پئے تعلیم دیں کنند
تاریخ "باصواب" بگفتم به لعمیه
۹۹

ایں کار از تو آمد و مرداں چنیں کنند
۱۳۷۸ = ۹۹ + ۱۲ ۷۹

(راجع محمود عباسی، "خلافِ معاویہ و یزید" مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۴۷۱)

علامہ عباسی کی دوسری تصنیف "تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید" کی تائید و تحسین کرتے ہوئے مزید کلام فرماتے ہیں:-

قطعہ تاریخ از صفائے قلب مہر

۱۹۶۱ء

بمژدہ انبساط تالیف "تحقیق مزید" مؤلفہ صداقت پسند محمود عباسی امروہوی

۸۱ ۱۳ھ ۸۱ ۱۳ھ

حضرت محمود عباسی نے لکھی وہ کتاب
عالم تمثیل میں جس کی نہیں دید و شنید
مہر کو تھا اس کی تاریخ طباعت کا خیال
بولا ہاتف جامع و بےمثل "تحقیق مزید"

۸۱ ۱۳ھ

(راجع محمود عباسی، تحقیق مزید، بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۴۹۶)

۶۹ - مولانا سہیل عباسی (خطیب ٹوبہ ٹیک سنگھ)

عربی و اسلامی علوم کے عارف، ممتاز عالم دین و شاعر مولانا سہیل عباسی بنوامیہ و یزید کی سیرت طیبہ و شرعی امامت و خلافت سمیت جملہ امور کے حوالہ سے اپنے افکار نظم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ان کان یزید بن معاویة مغفوراً
اللہ کی رحمت پر کسی کا ہے اجارہ؟
لا نسلک بالزیغ یمیناً ویساراً
شہ راہ توسط سے نہیں ہم کو کنارا
لسنا مجبین غلواً کنصاری

ہم امت وسطی ہیں یہ مذہب ہے ہمارا
لانسمع مرثیۃ زور و رماد
سنتے نہیں مرثیہ نہ بربط نہ چکارہ
ہم اہل تسنن ہیں تقیہ نہیں کرتے
لا نختلف القول سراراً و جھارا
تاریخ بنی الشمس لفی الدھر مضیٰ
اولاد امیہ کا چمکتا ہے ستارا
مردوں کو برا کہئے یہ شیوہ نہیں اچھا
لانشتم الأسلاف صغاراً و کبارا
ہم اپنی زبانوں سے تبرا نہیں کرتے
لا نلفظ بالسوء مسراً و جھاراً
قد قال بہ حجۃ الاسلام غزالی
احیائے علوم ان کی ہے قرآن کا سپارہ
لانشرک باللہ علیاً بنداء
ہم کو ہے بس اللہ کی رحمت کا سہارا
واللہ معاویۃ للمؤمن خال
اصہار رسالت سے یہ رشتہ ہے ہمارا
السب لعثمان لقد یسلب الایمان
قد جرب فی الناس کراراً و مرازاً
یہ پیش رو لشکر اسلام ہیں دونوں
عثمان و معاویہ فی الأرض أمارا
لاینقص اسماً و مسمیً و سماتاً
روشن ہے ابو خالد عادل کا منارا
ان کان یزید بن معاویۃ مغفوراً
اللہ کی رحمت پہ کسی کا ہے اجارہ؟
فی مغفرۃ الجند حدیث و صحیح
جس فوج کو قائد نے سمندر میں اتارا
دکھلاؤ کہ خارج ہے بشارت سے کوئی فرد
قد جاء حدیث من احادیث بخارا
کیوں کرتے ہو انکار حدیث نبوی کا

من قسورة السنة للأتن فرارا
بدمستی و رندی کا یہ بہتان ہے واللہ
فی محفله كانت الأحباب سکاری
اصحاب نبی کا وہ امام اور وہ قائد
الفاجر و الزانی و الفسق جهارا؟
بیعت جو صحابہ ہوئے کیا کہتے ہو انکو
من این الی این تفرون فرارا
علامة محمود فی الانساب امام
تاریخ کی دنیا میں بجا ان کا نقارا
ماحقق علامة محمود صحیح
تاریخ میں جھٹلا دے کوئی کس کو ہے یارا
تاریخ سے انکار نہیں کار عقیلاں
من ینکر الحق بلید کحیاری
عادت ہے سہیل اپنی کہ مدح علماء ہو
صیفاً و شتاءً و بلیل و نہارا

(راجع خلافت معاویہ ویزید از محمود عباسی، طبع کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۴۷۳-۴۷۴)

مولانا سہیل عباسی حدیث مغفرت لشکر مجاہدین قسطنطینیہ کے حوالہ سے مغفرت یزید ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وہ حدیث مستند یعنی کہ مغفور لھم
فوج قسطنطین پر صادق ہے جس میں ہے یزید
اس حدیث مغفرت میں کوئی استثناء نہیں
شہ رگ اسلام پر دیتے ہو کیوں ضرب شدید
مورد الزام ٹھہراتے ہو ہم کو دوستو
کر کے تاویلات اور تحریف کی گفت و شنید
ہو گئے عاجز دلائل سے تو غصہ آ گیا
کف بلب آمد و خار دشمنی در دل خلید
دوستو واللہ رب العرش و رب العالمین
اس حدیث پاک سے خارج نہیں ہر گز یزید

هل نسيتم ما أمرتم لاتسبواميتاً
ايها العلماء كفوا عن سبابٍ فی يزيد
ثم عن الزام قتل افتراء باطل
لاتحيدوا عن صراط الحق من امر سديد
ای و ربی حجتی قول النبی مصطفیٰ
هل لكم برهان ربی من قديم اوجديد
حجتی سند البخاری راوياً ابن عمر
ايها الجراح كفوا عن معانيد العنيد
هل لكم أفواه صدق أولكم آذان حق
هل لكم ذوق سليم بينكم رجل رشيد ؟

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۴۷۵-۴۷۶، قصیدہ مولانا سہیل عباسی)

ان اشعار میں جس حدیث بخاری کا ذکر ہے اس کے الفاظ ہیں:-

اول جيش من امتی يغزون مدينة قيصر مغفورلهم- (كتاب الجهاد)

ترجمہ:- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطینیہ) پر حملہ کرے گا وہ مغفرت یافتہ ہے۔

اس لشکر میں امیر یزید بحیثیت امیر لشکر سیدنا ابوایوب انصاریؓ و ابن عمرؓ و ابن زبیرؓ وغیرہ کے ہمراہ موجود تھے۔

۷۰- جناب شبنم میمن (کراچی)

جناب شبنم میمن صاحب نے یزید کی سیرت طیبہ اور شرعی امامت و خلافت کے سلسلہ میں علامہ عباسی کے افکار و تصانیف کی تائید اور اس پر خصوصی توجہ فرمائی جس پر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے علامہ عباسی فرماتے ہیں:-

"مخدوم منظور احمد شاہ (قادر پور راں، ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی طباعت کے بڑے خواہشمند ہیں، شکریہ واجب ہے۔ اور اسی طرح مکرمی شبنم صاحب میمن کی اعانت و توجہات کا۔"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۳۳، در عرض مؤلف طبع سوم)

۷۱- حکیم محمد ظہیر الدین عباسی جونپوری (کراچی)

ممتاز عالم و شاعر حکیم محمد ظہیر الدین عباسی جونپوری نے نہ صرف سیرت و شرعی امامت و خلافت یزید کے سلسلہ میں علامہ عباسی کی مکمل تائید و حمائیت فرمائی ہے بلکہ علامہ عباسی کی تصنیف "خلافت معاویہ و یزید" و "تحقیق مزید" کی تعریف میں قطعات نظم فرمائے۔ ان کے فارسی قطعہ سے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

قطعہ تاریخ فارسی

چون علی جام شهادت نوش کرد
متحد شد کل گروه مؤمنین
پس معاویه بغیر اختلاف
شد امیر اجتماع المسلمین
کاتب سر نبوت بود او
ہم صحابی ہم امیرالمؤمنین
بعد ازاں ابن معاویه یزید
برصحابه شد امیرالمؤمنین
بود او ابن صحابیٔ رسول
خود امیر ابن امیرالمؤمنین
کرد امامت بر صحابائے رسول
یوم حج او بود امام المسلمین
بود داماد بنی هاشم یزید
از بنی اعمام خیر المرسلین
آں یزید نامور مغفور شد
از حدیث رحمة العالمین
نهر او شد باقیات الصالحات
کرد جاری او برائے مؤمنین
عالم و شیریں بیاں بود است او
گفت ابن عم خیر المرسلین

کردہ تعریف یزید متقی
عالمان اولین و آخرین

(راجع محمود عباسی، "تحقیق مزید"، بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۳۹۵)
(یہاں "ابن عم" سے مراد سیدنا عبداللہ بن عباس ہاشمی ہیں جو نبیؐ و علیؓ کے چچازاد ہیں)۔

حکیم ظہیر جونپوری صاحب نے علامہ محمود احمد عباسی کی تعریف میں درج ذیل قطعہ اردو بھی ارشاد فرمایا:۔

قطعہ اردو

غزالی ثانی ہیں محمود احمد
مؤرخ، وسیع النظر اور اعلم
مجدد ہیں تجدید تاریخ میں وہ
کیا جھوٹی باتوں کا شیرازہ برہم
وہ تالیف صادق میں ابن حزم ہیں
درایت میں ہیں خلدون معظم
یہی ابن تیمیہ تنقید میں ہیں
دلائل میں ہیں ابن عربیؒ اعظم
جو تاریخ تصنیف کو ڈھونڈتے ہو
تو کہدو - وہ ہادی معظم مکرم

۱۳۸۱ھ

(راجع محمود عباسی- تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، انجمن پریس، کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۳۹۶)

۲۱۷- جناب محمد عبداللہ فائق کرتپوری (مقیم کراچی)

آپ نے یزید کی سیرت طیبہ و شرعی امامت و خلافت کے اثبات میں علامہ عباسی جیسے اکابرامت کی تائید و حمایت کے علاوہ کتب عباسی کی تحسین میں اشعار بھی نظم فرمائے:۔

تھا سراپائے حقیقت در حجاب ناروا
ہمت محمود احمد پردہ باطل درید

از پئے تاریخ فائق فکر کی کیا بات ہے
بجمدو - مقبول جہاں ہے نقش تحقیق مزید

۱۳ ھ ۸۱

(راجع: محمود عباسی تحقیق مزید، بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۴۹۴)

۷۳- پروفیسر محمد مسلم صاحب مسلم عظیم آبادی

ممتاز شاعر و دانشور پروفیسر محمد مسلم صاحب مسلم عظیم آبادی نے یزید کی سیرت طیبہ و امامت و خلافت شرعیہ کی تائید فرماتے ہوئے جو اشعار نظم فرمائے ان میں سے چند اہم اشعار درج ذیل ہیں:-

امام کوئی بھی معصوم ہو رسول کے بعد
نہیں ہے اس سے کوئی بڑھ کے افترائے شدید
حسین بن علی گفت "می کنم بیعت"
محمد ابن علی ہم گرفت دست یزید
جناب ابن عمر ہم وفائے بیعت کرد
جمیع ھاشمیاں ہم چناں بلا تردید

(ماخوذ از قطعہ، مشمولہ تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید از محمود عباسی، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۱ء، ص ۴۹۴)

۷۴- جناب مخدوم منظور احمد شاہ (قادر پور راں، ضلع ملتان)

مخدوم منظور احمد شاہ صاحب از قادر پور راں، ضلع ملتان نے یزید کی سیرت طیبہ اور شرعی امامت و خلافت کے اثبات پر مبنی علامہ محمود احمد عباسی کے افکار نیز ان کی تصنیف "خلافت معاویہ و یزید" کی نہ صرف تائید و حمایت فرمائی بلکہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی "تحقیق مزید" کی جلد طباعت و اشاعت کے بھی خواہاں رہے۔ علامہ عباسی ان کے اظہار تشکر کے طور پر فرماتے ہیں:-

"مخدوم منظور احمد شاہ (قادر پور راں، ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی طباعت کے بڑے خواہش مند ہیں، شکریہ واجب ہے۔"

(محمود عباسی، "خلافت معاویہ و یزید" مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص عرض مؤلف، طبع سوم، ص ۴۳)

(۷۵ - ۷۷)- وکلائے کراچی

۷۵-- جناب اسحاق احمد، ایڈووکیٹ

۷۶- جناب تہور علی انصاری، بی اے ایل ایل بی (علیگ)

۷۷- جناب سید محمود رضا ایڈووکیٹ

یزید کی سیرت طیبہ و شرعی امامت و خلافت کے سلسلہ میں علمی دلائل پر مبنی علامہ محمود عباسی کی تصنیف "خلافت معاویہ و یزید" پر پابندی (۱۲ اگست ۱۹۵۹ء بحکم ایڈمنسٹریٹر کراچی) کے خلاف اپیل و قانونی چارہ جوئی کے سلسلہ میں ان وکلاء حضرات نے دینی جذبہ سے پوری سعی وجہد فرمائی- علامہ عباسی اظہار تشکر کے طور پر لکھتے ہیں:-

"عدالتی کارروائی کے سلسلہ میں جن مخلصین نے طرح طرح سے امداد کی، اللہ پاک اجر جزیل عنایت فرمائیں- محترمی تہور علی صاحب انصاری بی اے ایل ایل بی (علیگ) تو اس عاجز کے شکریہ سے مستغنیٰ ہیں- ان ہی کی نیک دلی اور حساس طبیعت نے عدالتی کارروائی کی داغ بیل ڈلوائی-

سید محمود رضا صاحب ایڈووکیٹ و مسٹر اسحق احمد ایڈووکیٹ کی، نیز بعض جے پوری و بدایونی احباب کی توجہ فرمائی بھی لائق شکر ہے-"

(محمود عباسی، خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۳۳، عرض مؤلف طبع سوم)

چنانچہ عدالت عالیہ نے ضبطی کے حکم کو منسوخ کرتے ہوئے جو فیصلہ دیا، اسکے حوالہ سے عباسی لکھتے ہیں:-

"انتظامیہ کے غلط حکم کا تدارک تو عدلیہ ہی کی معدلت گستری سے ہوسکتا ہے- چنانچہ ہوا- ہائی کورٹ کی سپیشل بنچ نے جو تین فاضل ججوں پر مشتمل تھی، حکم ضبطی کو اپنے فیصلے مصدرہ ۱۹، دسمبر سن ۶۰ء کی رو سے منسوخ کرتے ہوئے اس درجہ نامناسب قرار دیا کہ ہمارے مقدمہ کا خرچہ بھی ان سے دلوایا گیا-"

(خلافت معاویہ و یزید، مطبوعہ کراچی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۱۳، عرض مؤلف، طبع سوئم)

۸۷- مفکر اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م ۱۹۷۹ء)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (م ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء، امریکہ و مدفون لاہور) جدید دنیائے اسلام کے عالمی شہرت یافتہ محقق و مصنف اور مفکر و قائد ہیں۔ جن کے افکار و اقوال اور سو سے زائد علمی تصانیف و رسائل نیز "تفہیم القرآن" جیسی عظیم الشان تفسیر اور "جماعت اسلامی" جیسی وسیع الاثر تحریک نے لاکھوں تعلیم یافتہ انسانوں کو براہ راست اور کروڑوں مسلمانوں کو بالواسطہ طور پر متاثر کیا ہے۔ اپنی معروف تصنیف "خلافت و ملوکیت" میں اپنے مخصوص طرزِ تحقیق کے مطابق نقد و کلام کرتے ہوئے سیدنا معاویہؓ کے محاسن و محامد کا بھی اعتراف فرماتے ہیں:-

"حضرت معاویہؓ کے محامد مناقب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے۔ ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے۔"

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ص ۱۵۳، مطبوعہ اپریل ۱۹۸۰ء ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

سیدنا حسینؓ کے سفر کوفہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"بلاشبہ وہ اہل عراق کی دعوت پر یزید کی حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے تشریف لے جا رہے تھے اور یزید کی حکومت انہیں برسر بغاوت سمجھتی تھی۔" (خلافت و ملوکیت، ص ۱۷۹)

مگر بعد ازاں جب کوفہ کے قریب پہنچ کر سیدنا حسینؓ کو شیعان کوفہ و عراق کی غداری اور بیعت حسین توڑتے ہوئے ابن زیاد و یزید کی بیعت کر لینے کی اطلاع ملی تو طلب خلافت سے دستبردار ہو کر سیدنا حسین یزید سے مذاکرات و مصالحت کے لئے تیار ہو گے تھے چنانچہ مولانا مودودی یزید کے پاس جانے کی حسینی پیشکش کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"حضرت حسینؓ نے آخر وقت میں جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ یا تو مجھے واپس جانے دو یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو یا مجھ کو یزید کے پاس لے چلو۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہ مانی گئی اور اصرار کیا گیا کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد (کوفہ کے گورنر) ہی کے پاس چلنا ہو گا۔ حضرت حسینؓ اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے کیونکہ مسلم بن عقیل کے ساتھ جو کچھ وہ کر چکا تھا وہ انہیں معلوم تھا۔ آخر کار ان سے جنگ کی گئی۔"

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ص ۱۸۰)

سید مودودی مزید فرماتے ہیں :-

"دمشق کے دربار میں جو کچھ یزید نے کیا اور کہا اس کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ لیکن ان سب روایتوں کو چھوڑ کر ہم یہی روایت صحیح مان لیتے ہیں کہ وہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے سر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ :-

"میں حسین کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی اطاعت سے راضی تھا۔ اللہ کی لعنت ہو ابن زیاد پر، خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسین کو معاف کر دیتا۔" اور یہ کہ :-

"خدا کی قسم اے حسین، میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو تمہیں قتل نہ کرتا۔ (۴۳)

پھر بھی یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم عظیم پر اس نے اپنے سر پھرے گورنر کو کیا سزا دی؟ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس نے ابن زیاد کو نہ کوئی سزا دی، نہ اسے معزول کیا، نہ اسے ملامت ہی کا کوئی خط لکھا۔" (۴۴)

(ابوالاعلی مودودی، خلافت وملوکیت، ص ۸۱، حاشیہ ۴۳، بحوالہ طبری ۳۵۲/۴ وابن الاثیر ۲۹۸/۳-۲۹۹)۔
(وحاشیہ ۴۴، بحوالہ البدایہ والنھایہ ۲۰۳/۸)

اس سلسلہ میں امام ابن تیمیہ نے یزید کے دربار میں سر حسینؓ لیجائے جانے کی روایت کو مجہول السند بتانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ جن صحابہؓ (سیدنا انس وابو برزہ اسلمی وغیرہ) کی موجودگی اس موقع پر یزید کے دربار میں بتلائی جاتی ہے، وہ شام کے بجائے عراق میں مقیم تھے اور اس لحاظ سے دمشق کے بجائے سر حسینؓ کوفہ میں دربار ابن زیاد میں لیجائے جانے کی روایت ہی قرین قیاس ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے اسی پیرے کے آخر میں "واللہ اعلم" بھی لکھا ہے۔ یعنی واقعہ کربلا کے سات سو سال بعد طبری (م ۳۱۰ھ) کی متضاد و درست و نادرست روایات کو دہراتے ہوئے ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) خود پریشان ہیں کہ حقیقت حال واضح نہیں ہو پا رہی پس انہوں نے "واللہ اعلم" (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) لکھ کر بات ختم فرمادی۔

نیز محققین کی کثیر تعداد کے نزدیک خلیفہ کی حیثیت سے یزید کا ابن زیاد کو برسر عام ملامت کرنا اور قتل حسینؓ سے اعلان برأت کرنا خفیہ خط لکھنے سے زیادہ بڑا اقدام ہے۔ اور جس طرح سیدنا علیؓ جیسی عظیم المرتبت ہستی اپنے پانچ سالہ دور خلافت میں مالک الاشتر و محمد بن ابی بکر جیسے قاتلین عثمانؓ کو نہ تو اعلی مناصب سے برطرف کر پائی اور نہ ہی ان سے مصلحت وقت کی مجبوری کی بناء پر قصاص عثمان لے پائی۔ اسی طرح یزید جیسی کم مرتبہ شخصیت بھی

مصالح وقت کی بناء پر ابن زیاد کو سزا نہ دے پائی کیونکہ اس صورت میں ابن زیاد کی جانب سے بغاوت کا خطرہ تھا اور اگر شیعان کوفہ کو بھی سیدنا حسین کو دعوت بیعت دے کر غداری کرنے کی سزا دی جاتی تو انتقام حسین کی آڑ میں شیعان کوفہ کے قتل عام کا الزام مزید بھی یزید پر عائد ہو جاتا۔

یزید و بنوامیہ پر تنقید کرنے والے بنو عباس نے جو شیعان عراق و کوفہ اور اپنے ہم نسب علوی و عباسی بنوھاشم کی تائید و اعانت سے ۱۳۲ھ میں اسلام کے نام پر بنوامیہ کا تختہ الٹنے میں کامیاب ہوئے، بنوامیہ کے ساتھ جو ظلم و بربریت کا سلوک روا رکھا حتیٰ کہ سیدنا معاویہؓ سمیت صحابہؓ و تابعین بنی امیہ کی قبریں تک اکھاڑ کر جس ظلم و بے حرمتی کے مرتکب ہوئے، اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے علامہ مودودی فرماتے ہیں:-

"بنی امیہ کے دارالسلطنت دمشق کو فتح کرکے عباسی فوجوں نے وہاں قتل عام کیا جس میں پچاس ہزار آدمی مارے گئے۔ ستر دن تک جامع بنی امیہ گھوڑوں کا اصطبل بنی رہی۔ حضرت معاویہؓ سمیت تمام بنی امیہ کی قبریں کھود ڈالی گئیں۔ ھشام بن عبدالملک کی لاش قبر میں صحیح سلامت مل گئی تو اس کو کوڑوں سے پیٹا گیا۔ چند روز تک اسے منظر عام پر لٹکائے رکھا گیا اور پھر جلا کر اس کی راکھ اڑا دی گئی۔

بنوامیہ کا بچہ بچہ قتل کیا گیا اور ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں پر فرش بچھا کر کھانا کھایا گیا۔ بصرے میں بنی امیہ کو قتل کرکے ان کی لاشیں ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچی گئیں اور انہیں سڑکوں پر ڈال دیا گیا جہاں کتے انہیں بھنبھوڑتے رہے۔ یہی کچھ مکے اور مدینہ میں بھی ان کے ساتھ کیا گیا۔"

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ص ۱۹۲-۱۹۳، بحوالہ ابن الاثیر، ج ۴، ص ۳۳۳-۳۳۴-۳۴۱ والبدایہ ج ۱۰، ص ۴۵ و ابن خلدون، ج ۳، ص ۱۳۲-۱۳۳)۔

اس پس منظر میں بنی امیہ کے خلاف عصر عباسی (۱۳۲-۶۵۶ھ) میں مرتب ہونے والی تواریخ میں (تاریخ طبری، م ۳۱۰ھ، وما بعدہ) میں یزید و بنوامیہ کے بارے میں کیا کیا حسن سلوک روا نہ رکھا گیا ہوگا، بالخصوص واقعہ کربلا و کردار یزید کے حوالہ سے کیا کیا کرمفرمائیاں نہ کی گئی ہوں گی، وہ محتاج بیان نہیں۔ پھر بھی بنی امیہ اتنے سخت جان نکلے کہ اس تمام کچھ کے باوجود ان کے حق میں مروی مثبت روایات کو پوری طرح محو کرنا ممکن نہ ہوا۔

اور اسی عصر یزیدی میں عباسی تواریخ کی روایات کے مطابق پس ماندگان قافلہ حسینی بھی صحیح سلامت مدینہ پہنچ گئے۔ اور دست در دست یزید کی حسینی پیشکش بھی باوجود کوشش

کے محو نہ کی جا سکی۔ والفضل ماشہدت بہ الاَعداء۔

مولانا مودودی کی عظیم الشان علمی و دینی خدمات کے اعتراف کے باوجود ان کی تصنیف "خلافت و ملوکیت" کا ردو تنقید کرنے والوں کا کہنا ہے کہ مولانا نے اپنے موقف کی تائید میں طبری و ابن الاثیر و ابن کثیر کے تین بنیادی مصادر تاریخ پر انحصار فرمایا ہے جو دراصل ایک ہی مصدر یعنی تاریخ الطبری (م ۳۱۰ ھ) کا تسلسل ہیں، کیونکہ ابن اثیر (م ۶۳۰ ھ) کی "الکامل فی التاریخ" اور ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کی "البدایہ والنھایہ" کا منبع و ماخذ طبری (م ۳۱۰ھ) ہے۔ جس نے شیعی المذھب ابو مخنف لوط بن یحیی ازدی (م ۱۵۷/۱۷۰ ھ) کی اکثر روایات "مقتل الحسین" وغیرہ سے لی ہیں۔ اور طبری کا خود اپنی تاریخ کے بارے میں کہنا ہے کہ روایات کی صحت و عدم صحت کی ذمہ داری مجھ پر نہیں:۔ "روینا کما روی الینا۔" جس طرح (صحیح یا غلط) روایت ہم تک پہنچی ہم نے آگے بیان کر دی۔

اور ابن کثیر اپنی تمام تر نقد و جرح کے باوجود فرماتے ہیں کہ بہت سی روایات ناقابل اعتبار ہیں مگر چونکہ طبری وغیرہ نے بیان کر دی ہیں لہٰذا مجبوراً ان کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اس پس منظر میں مدافعین امامت و خلافت یزید کا کہنا ہے کہ مولانا مودودیؒ نے اس لٹریچر کو قطعاً نظر انداز فرما دیا ہے جو مشاہیر امت اور اکابر اہل سنت کا تصنیف شدہ ہے اور جس سے اہل رفض و تشیع اور ان سے متاثر حضرات کی مشکوک روایات کے مقابلے میں نسبتاً بہتر تحقیقی مواد جرح و نقد کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد سامنے آتا ہے۔ اس ضمن میں بالخصوص امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کی "منہاج السنہ" اور قاضی ابو بکر ابن العربی (م ۵۴۶ھ) نیز ان کے استاد امام اہل سنت و تصوف حجۃ الاسلام غزالی (م ۵۰۵ھ) کے فتوی بحق یزید کو نظر انداز فرمانا قابل غور ہے۔ بہر حال اس سلسلہ میں خود مولانا مودودی وضاحت فرماتے ہیں:۔

"وکالت کی بنیادی کمزوری

ماخذ کی اس بحث کو ختم کر کے آگے بڑھنے سے پہلے میں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے قاضی ابو بکر ابن العربی کی "العواصم من القواصم" امام ابن تیمیہ کی "منهاج السنة" اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی "تحفه اثناعشریه" پر انحصار کیوں نہ کیا۔ میں ان بزرگوں کا نہایت عقیدت مند ہوں اور یہ بات میرے حاشیہ خیال میں بھی کبھی نہیں آئی کہ یہ لوگ اپنی دیانت و امانت اور صحت تحقیق کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں۔ لیکن جس وجہ سے اس مسئلے میں میں نے ان پر انحصار کرنے کے بجائے براہ راست اصل ماخذ سے خود

تحقیق کرنے اور اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کا راستہ اختیار کیا وہ یہ ہے کہ ان تینوں حضرات نے دراصل اپنی کتابیں تاریخ کی حیثیت سے بیان واقعات کے لئے نہیں بلکہ شیعوں کے شدید الزامات اور ان کی افراط و تفریط کے رو میں لکھی ہیں جس کی وجہ سے عملاً ان کی حیثیت وکیل صفائی کی سی ہو گئی ہے۔ اور وکالت خواہ وہ الزام کی ہو یا صفائی کی، اس کی عین فطرت یہ ہوتی ہے کہ اس میں آدمی اسی مواد کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے اس کا مقدمہ مضبوط ہوتا ہو اور اس مواد کو نظر انداز کر دیتا ہے جس سے اس کا مقدمہ کمزور ہو جائے۔ خصوصیت کے ساتھ اس معاملہ میں قاضی ابوبکر تو حد سے تجاوز کر گئے ہیں جس سے کوئی ایسا شخص اچھا اثر نہیں لے سکتا جس نے خود بھی تاریخ کا مطالعہ کیا ہو۔ اس لئے میں نے ان کو چھوڑ کر اصل تاریخی کتابوں سے واقعات معلوم کئے ہیں اور ان کو مرتب کر کے اپنے زیرِ بحث موضوع سے نتائج خود اخذ کئے ہیں۔"

(ابوالاعلی مودودی، خلافت و ملوکیت، لاہور، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۳۲۰ ضمیمہ، سوالات و اعتراضات بسلسلہ بحث خلافت)

اس سلسلہ میں ناقدین سید مودودیؒ کا کہنا ہے کہ خود مولانا مودودی بھی اپنے تمام تر تبحر علمی کے باوجود لاشعوری طور پر اسی افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں جس کا مصداق انہوں نے مذکورہ ائمہ اہل سنت کو قرار دیا ہے۔

بہر حال جواز لعن یزید کے سلسلہ میں مولانا مودودی روایات نقل کرتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) اور امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کا خصوصی حوالہ دیتے ہیں:۔

"حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے "امیر المؤمنین یزید" کے الفاظ استعمال کئے تو سخت ناراض ہو کر انہوں نے فرمایا:۔ تو یزید کو امیر المؤمنین کہتا ہے؟ اور اسے بیس کوڑے لگوائے۔ (تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص ۳۶۱)۔

(راجع ابوالاعلی مودودی، خلافت وملوکیت، ص ۱۸۳، حاشیہ۴۶)۔

مگر اس روایت کے ہمراہ ابن حجر عسقلانی ہی کی دوسری تصنیف "لسان المیزان" کی درج ذیل روایت کو مولانا محترم نے نقل نہیں فرمایا جس سے تصویر کا دوسرا رخ سامنے آتا ہے:۔

"ابو عبدالرحمن عبداللہ بن شوزب کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد کو کہتے

ہوئے سنا کہ:- میں نے عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ پر "رحمۃ اللہ علیہ" کہتے ہوئے سنا ہے۔" (ابن حجر، لسان المیزان، ج ٦، ص ٢٩٤)

امام احمد بن حنبلؒ کے حوالہ سے ابن کثیر کے نقل کردہ قول کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ نے ان سے پوچھا:- یزید پر لعنت کرنے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا:- میں کیسے اس شخص پر لعنت نہ کروں جس پر خدا نے لعنت کی ہے۔ اور اس کے ثبوت میں انہوں نے یہ آیت پڑھی:- فھل عسیتم ان تولیتم أن تفسدوا فی الأرض و تقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ- (محمد، ایت ٢٢-٢٣)

پھر تم سے اس کے سوا اور کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر تم فرمانروا ہو گئے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور قطع رحمی کرو گے؟ ایسے ہی لوگ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

یہ آیت پڑھ کر امام نے فرمایا:- اس سے بڑا فساد اور اس سے بڑھی قطع رحمی اور کیا ہو گی جس کا ارتکاب یزید نے کیا۔

امام احمد کے اس قول کو محمد بن عبدالرسول البرزنجی نے "الاشاعہ فی اشراط الساعہ" میں اور ابن حجر الھیثمی نے "الصواعق المحرقہ" میں نقل کیا ہے۔ مگر علامہ سفارینی اور امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ زیادہ معتبر روایات کی رو سے امام احمد یزید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔" (ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ص ١٨٣، حاشیہ ٤٦)۔

مولانا مودودی کے منقولہ اس بیان کے مطابق دو مختلف و متضاد باتیں سامنے آتی ہیں۔

١- امام احمد لعن یزیّد کو نص قرآنی سے ثابت کرتے تھے (بحوالہ عبداللہ بن احمد)۔

٢- امام احمد یزید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (بحوالہ السفارینی و ابن تیمیہ)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر امام احمد کے نزدیک لعن یزید نص قرآنی سے ثابت ہے تو پھر اس پر لعنت کو ناپسند کرنا چہ معنی دارد؟

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا درج ذیل بیان بھی قابل توجہ ہے کہ اس آیت میں یزید کا نام تو لیا ہی نہیں گیا۔ پہلے اس کا مفسدین و قاطعین میں شمار ثابت کر دیا

جائے تب وہ اس زمرہ میں آئے گا۔

"آیت مذکورہ میں نوع مفسدین و قاطعین پر لعنت آئی ہے۔ اس سے لعن یزید پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل نے جو استدلال فرمایا ہے، اس میں تاویل کی جائے گی یعنی ان کان منھم (اگر یزید ان میں سے ہو) یا مثل اس کے لحسن الظن بالمجتھد۔"

(راجع للتفصیل امداد الفتاوی جلد ۵، ص ۴۲۵-۴۲۷)

علاوہ ازیں قاضی ابوبکر بن العربی (م ۵۴۴ھ) کی روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کی "کتاب الزھد" میں زاہد و متقی تابعین میں یزید کا تذکرہ سرفہرست تھا۔

(قاضی ابوبکر ابن العربی، العواصم من القواصم، ص ۲۳۳)۔

پس جواز و عدم جواز لعن یزید کے سلسلہ میں عمر بن عبدالعزیز و امام احمد بن حنبل سے منقولہ روایات مختلف و متضاد ہونے کی بناء پر اس حوالہ سے منفقی روایات کو ترجیح دینے کا جواز فراہم کرنا مشکل ہے۔

یہی صورتحال واقعہ کربلا و حرہ کے حوالہ سے مذکورہ مختلف و متضاد روایات کی ہے جبکہ واقعہ کربلا و حرہ کے بعد بھی سیدنا عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن جعفر طیار و علی زین العابدین و محمد بن الحنفیہ، و دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم سمیت کم و بیش تمام صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کا بیعت یزید کو وفات یزید تک برقرار رکھنا اور سیدنا حسین کا آخر وقت میں یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیش کش کرنا یزید کی شخصیت و خلافت کے حوالہ سے منفی و متصادم روایات کو مشکوک تر بنا دیتا ہے۔ بالخصوص واقعہ حرہ کے موقع پر صحابی رسول مسلم بن عقبہ المریؓ کی زیر قیادت بارہ ہزار صحابہؓ و تابعین پر مشتمل لشکر یزید کے ہاتھوں جسے اکابر قریش و بنی ہاشم نیز جملہ اہل بیت و عبداللہ بن عمر و غیرھم کی حمایت حاصل تھی۔ مدینہ میں باغیان کی عورتوں سے بدسلوکی کی روایت کو درست قرار دینا بھی مشکوک تر قرار پاتا ہے۔ اور اس کے بعد بھی باغیرت اکابر قریش و بنی ہاشم، صحابہ و اہل بیت، بنو عبدالمطلب و آل ابی طالب کا بالاتفاق بیعت یزید برقرار رکھنا اس بیہودہ روایت کے باطل ہونے کا بین ثبوت ہے۔ حتی کہ ایسی روایت چودھویں صدی کی کسی دینی جماعت کے بارے میں بھی قابل قبول نہیں کہ اس کے ارکان و صالحین ایک ہزار عفت ماب خواتین مدینہ کی عصمت دری کریں، کجا کہ لشکر یزید میں شامل صحابہؓ و تابعین کے بارے میں ایسی روایت کو درخور اعتناء سمجھا جائے۔

بہرحال واقعہ حرہ کے سلسلہ میں باغیوں کے قتل عام اور لوٹ مار کی روایت سے سنگین تر مولانا مودودی کی نقل کردہ روایت ابن کثیر درج ذیل ہے:-

"حتی قیل انه حبلت ألف امرأة فی تلک الأیام من غیر زوج-"

(کہا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں-)

(خلافت و ملوکیت، ص ۸۲، نیز اسی صفحہ کے حاشیہ ۴۵ میں درج ہے:- اس واقعہ کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو طبری، ج ۴، ص ۳۷۲ تا ۳۷۹- ابن الاثیر، ج ۳، ص ۳۱۰ تا ۳۱۳، البدایہ والنھایہ، ج ۸، ص ۲۱۹ تا ۲۲۱)-

ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کی روایت میں "قیل" (بیان کیا گیا) کہہ کر کسی بیان کرنے والے کا نام لئے بغیر وفات یزید (۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ) سے صرف چند ماہ پہلے (اواخر ۶۳ھ میں) امیر لشکر یزید، عمر رسیدہ صحابی رسول مسلم بن عقبہ المریؓ (م محرم ۶۴ھ) کی زیر قیادت صحابہؓ و تابعینؒ پر مشتمل لشکر یزید کے ہاتھوں حرم مدنی میں ایک ہزار تابعی خواتین مدینہ کا زنا سے حاملہ ہونا روایت کرنا جبکہ ایک ایک زنا کے لئے چار چار شرعی گواہوں کے حساب سے چار ہزار عادل و شاہد گواہان عینی درکار ہیں، کہاں تک قابل یقین و اعتبار ہے اور کہاں تک قابل نفرین و رد و استحقار ہے، اس کا اندازہ یوں کرنا آسان رہے گا کہ چودھویں صدی کی کسی دینی جماعت کے سربراہ اور اس کے تربیت یافتہ علماء و صالحین پر "قیل" کہہ کر یہی الزام ان کے سیاسی مخالفین کی خواتین کے سلسلہ میں عائد کر دیا جائے اور پھر اگر وہ اس گھناؤنے اور خوفناک الزام کو باعث تذلیل و توہین جانتے ہوئے غیرت و حمیت کے ہاتھوں مجبور ہو کر مرنے مارنے پر اتر آئیں تو ان سے پوچھا جائے کہ قرن اول کے باغیرت و باطل شکن صحابہؓ و تابعینؒ پر اس گھناؤنی اور سنگین الزام تراشی پر مبنی ابن کثیر سمیت جملہ مؤرخین کی ایسی کمزور و مجہول روایات عقل و درایت اور اسلامی قانون شہادت کے سراسر منافی ہوتے ہوئے کیا محض اس لئے تسلیم کرلی جائیں کہ وہ بعض کتب میں مثبت روایات کے ہمراہ درج شدہ ہیں- اور ان سے یزید دشمنی کا جواز فراہم ہوتا ہے؟

مزید براں کیا خیال ہے بجن کے بارے میں یہی ابن کثیر واقعہ حرہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں- اور جسے مولانا محترم نے نقل کرنا مناسب خیال نہیں فرمایا یا بتقاضائے حسن ظن یہ سمجھا جائے کہ آنجناب کی نظروں سے یہ روایات اوجھل رہیں:-

۱- "وکان عبدالله بن عمر بن الخطاب و جماعات اہل بیت النبوة ممن لم ینقض العهد ولابایع أحداً بعد بیعته لیزید-"

(ابن کثیر، البدایة والنهایة، ج ۸، ص ۲۳۲)-

ترجمہ:- عبداللہ بن عمر بن خطاب اور اہل بیت نبوت کے خاندان ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے نہ تو بیعت (یزید) توڑی اور نہ ہی یزید کی بیعت کر لینے کے بعد کسی اور کی بیعت کی۔

۲- "وکذلک لم یخلع یزید احد من بنی عبدالمطلب- وسئل محمد بن الحنفیۃ فی ذلک فامتنع من ذلک اشد الامتناع و ناظرھم و جادلھم فی یزید، ورد علیھم ما اتھموہ من شرب الخمر و ترکہ بعض الصلاۃ-"

ترجمہ:- اور اسی طرح بنو عبدالمطلب میں سے بھی کسی نے یزید کی بیعت نہ توڑی۔ اور محمد بن حنفیہ سے اس (بیعت یزید توڑنے کے) معاملے میں درخواست کی گئی تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا اور ان (باغیوں) سے یزید کے بارے میں بحث و مجادلہ کیا اور انہوں نے یزید پر شراب نوشی اور بعض نمازوں کے قضاء کر دینے کے جو الزامات لگائے تھے، ان کو مسترد کرتے ہوئے یزید کی صفائی میں دلائل دیئے۔

۳- اسی سلسلہ میں برادر حسنینؓ سیدنا محمد بن علی، ابن الحنفیہ نے سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار و علی زین العابدین و ابن عمر وغیرہ کی طرح بیعت یزید پر سختی سے قائم رہتے ہوئے ابن کثیر ہی کی روایت کے مطابق یزید کے فسق و فجور کی تردید میں باغیوں سے فرمایا:-

"وقد حضرتہ واقمت عندہ فرأیتہ مواظباً علی الصلاۃ متحریاً للخیر، یسأل عن الفقہ، ملازماً للسنۃ-" (ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج ۸، ص ۲۳۳)

ترجمہ:- میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور اس کے ہاں مقیم رہا ہوں۔ پس میں نے اسے نماز کا پابند، کار خیر میں سرگرم، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا ہے۔

ان تمام روایات کو بیک وقت پیش نظر رکھتے ہوئے خواتین مدینہ کی بے حرمتی والی روایت سراسر باطل و ناقابل تسلیم قرار پاتی ہے جس کے مطابق (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) عمر رسیدہ صحابی رسول مسلم بن عقبہؓ کے زیر قیادت صحابہؓ و تابعینؒ پر مشتمل لشکر یزید نے صحابہؓ و تابعینؒ پر مشتمل باغیان مدینہ کی خواتین کی بے حرمتی کی۔ اور (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ابن عمرؓ و ابن جعفرؓ و ابن الحنفیہؒ و علی زین العابدینؒ سمیت اکثر صحابہؓ و اہل بیتؓ نے اس جرم عظیم کو اپنی تمام ترحق پرستی و غیر تمندی کے باوجود برداشت کرتے ہوئے بیعت یزید کو وفات یزید تک علی الاعلان برقرار رکھا حتی کہ انہی میں سے بعض نے اس کی دینداری کی ذاتی شہادت دی۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

واقعہ کربلا و حرہ کے بعد لشکر یزید کے ہاتھوں سنگباری کعبہ کے سلسلہ میں مولانا مودودی

لکھتے ہیں:-

"مدینہ سے فارغ ہونے کے بعد وہی فوج جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں یہ اودھم مچایا تھا، حضرت ابن زبیرؓ سے لڑنے کے لئے مکہ پر حملہ آور ہوئی- اور اس نے منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگباری کی- جس سے کعبہ کی ایک دیوار شکستہ ہو گئی- اگرچہ روایات یہ بھی ہیں کہ انہوں نے کعبہ پر آگ بھی برسائی تھی، لیکن آگ لگنے کے کچھ اور وجوہ بھی بیان کئے جاتے ہیں- البتہ سنگ باری کا واقعہ متفق علیہ ہے-(۴۸)-

(ابوالاعلی مودودی، خلافت و ملوکیت، لاہور، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۱۸۴، بحوالہ (۴۸) الطبری، ج ۴، ص ۳۸۳-۳۸۴- ابن الاثیر ج ۳، ص ۳۱۶- البدایہ، ج ۸ ص ۲۲۵- تہذیب التہذیب، ج ۱۱ ص ۳۶۱)-

اس سلسلہ میں بھی مولانا مودودی نے یہ بات واضح نہیں فرمائی کہ جس طرح لشکر ابن زبیرؓ کے سربراہ سیدنا عبداللہ بن زبیر صحابی رسولؐ تھے، اسی طرح لشکر یزید کے امیر سیدنا حصین بن نمیرؓ بھی معروف صحابی رسول تھے- نیز لشکر ابن زبیر کی طرح، لشکر یزید بھی صحابہؓ و تابعین پر مشتمل تھا- جو بے حرمتی کعبہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے- مگر چونکہ باغیان خلافت یزید، مسجد الحرام میں قلعہ بند تھے اور لشکر یزید ان سے کعبہ خالی کروانا چاہتا تھا لہذا باہم لڑائی میں یہ افسوسناک سانحہ پیش آیا- اس سلسلہ میں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے علامہ شبلی نعمانی کا درج ذیل بیان قابل توجہ ہے:-

"ثم ان من مسائل الفقه ان البغاة اذا تحصنوا بالكعبة لايمنع هذا عن قتالهم- ولذلک امر النبی فی وقعة الفتح بقتل احدهم وهو متعلق باستار الكعبة- وابن الزبير كان - اهل الشام من البغاة." (شبلی النعمانی، رسالة الانتقاد)-

ترجمہ:- پھر مسائل فقہ سے یہ بھی ہے کہ اگر باغی کعبہ میں قلعہ بند ہو جائیں، تو ان کی یہ پناہ گزینی، ان سے جنگ و قتال میں رکاوٹ نہیں بن سکتی- اور اس لئے نبیؐ نے فتح مکہ کے موقع پر ایک کافر کے قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا جو غلاف کعبہ کے پردے پکڑے ہوئے تھا- اور ابن زبیرؓ بھی اہل شام کے نزدیک باغیوں میں سے تھے-

مولانا مودودی جواز و عدم جواز لعن یزید کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

"عدم جواز کے قائلین میں نمایاں ترین بزرگ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ ہیں-"

(ابوالاعلی مودودی، خلافت و ملوکیت، ص ۱۸۳، حاشیہ مسلسل، ۳۶)

اس جملہ سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ یزید پر لعنت بھیجنے

کو درست نہیں سمجھتے مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ امام غزالی (م۵۰۵ھ) آج سے نو سو سال پہلے نہ صرف یزید پر لعنت بھیجنا جائز نہیں سمجھتے بلکہ باقاعدہ فتوی دیتے ہوئے اسے رحمتہ اللہ علیہ کہنا جائز و مستحب قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی اسی فتوی میں اسے صحیح الاسلام سمجھتے ہوئے اس کو قتل حسینؓ کا ذمہ دار سمجھنے والے کو احمق قرار دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ابن خلکان کی "وفیات الاعیان (ج ا، ص ۴۶۵) میں درج تفصیلی فتوی غزالی کے علاوہ مولانا مودودی کے مصدر و مأخذ تاریخ ابن کثیر میں بھی امام غزالی کے حوالہ سے درج ذیل عبارت ہے:۔

"ومنع من شتمه و لعنه لأنه مسلم ولم يثبت بأنه رضى بقتل الحسين- وأما الترحم عليه فجائز بل مستحب بل نحن نترحم عليه فى جملة المسلمين و المؤمنين عموماً فى الصلاة-" (ابن کثیر، البداية والنهاية، ج ۱۲، ص ۱۷۳)۔

ترجمہ:۔ اور امام غزالی نے یزید کو برا کہنے اور لعن طعن کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ وہ مسلمان ہے اور یہ بات ثابت شدہ نہیں کہ وہ قتل حسین پر راضی تھا۔

اور جہاں تک اس کے لئے دعائے رحمت (رحمتہ اللہ علیہ) کا تعلق ہے تو وہ جائز بلکہ مستحب ہے۔ بلکہ ہم تمام مومنین و مسلمین کے لئے نماز میں دعائے رحمت میں اس کے لئے بھی دعائے رحمت کرتے ہیں:۔ (ربنا اغفرلى ولوالدى وللمؤمنين- يا اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات، کہہ کر)۔

نیز مولانا مودودی کی اس تصنیف کے اس جملہ سے امام ابن تیمیہ کے بارے میں بھی صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یزید پر لعنت بھیجنا درست نہیں سمجھتے مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جس ابن تیمیہ کی امانت و دیانت کو مولانا مودودی قابل اعتماد قرار دے رہے ہیں، وہ یزید کی امامت و خلافت کو شرعاً و عملاً درست اور اسے قتل حسین سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ یزید کے دربار میں سر حسین لیجائے جانے کی روایت کو بھی مجہول السند اور درایتاً بھی کذب و افتراء قرار دیتے ہیں کیونکہ اس میں جن صحابہؓ کی دربار یزید میں سر حسین لے جائے جانے کے وقت موجودگی (سیدنا انس بن مالک و ابو برزہ وغیرہ) بتلائی جاتی ہے وہ شام کے بجائے عراق میں رہتے تھے۔ وعلی ھذا القیاس۔

ابن تیمیہ، یزید کی امامت و خلافت کو شرعاً درست ثابت کرنے کے علاوہ یہ بھی فرماتے ہیں:۔

"ولم بامر بقتل الحسين ولا أظهر الفرح به ولا نكت بالقضيب على ثناياه، ولا حمل رأس الحسين الى الشام-" (ابن تیمیہ، الوصیۃ الکبریٰ)-

ترجمہ:- نہ تو یزید نے قتل حسین کا حکم دیا اور نہ اس پر خوشی ظاہر کی- نہ ہی اس نے ان کے (کٹے ہوئے سر کے) دانتوں پر چھڑی لگائی اور نہ ہی حسین کا سر شام لے جایا گیا-

پس یہ ہیں دو اکابر وائمہ اہل سنت جن کا یزید کے بارے میں مثبت و مفصل نقطۂ نظر صرف "عدم جواز کے قائلین میں نمایاں ترین بزرگ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ ہیں" کے ناکافی جملہ پر ختم فرما دیا گیا ہے- جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر میں صدیوں سے پھیلی ہوئی امت مسلمہ کے نوے فیصد سے زائد حصہ پر مشتمل "اھل سنت والجماعت" میں شاید ہی کوئی ایسا پیکر جرأت و جسارت نکل پائے گا جو امام اھل سنت و اھل تصوف حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی (م ۵۰۵ھ) اور امام اھل سنت امام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کے تبحر علمی کو چیلنج کر سکے- اور یزید کے قتل حسینؓ سے بری الذمہ اور رحمۃ اللہ علیہ ہونے نیز شرعی امامت و خلافت یزید کے سلسلہ میں ان کے بیان کردہ دلائل کو رد کر سکے- اور خود جماعت اسلامی کے لاکھوں وابستگان و متاثرین میں بھی اکثریت یا کثرت تعداد کے حامل وہ سلفی و حنفی حضرات ہیں جو امام غزالی و ابن تیمیہ کی عظمت و تبحر علمی و دینی کے آگے شعوری و غیر شعوری طور پر سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں- اور جماعت سے وابستہ عوام و خواص میں تو شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو جو بقائمی ہوش و حواس ان حضرات کی عظمت و حیثیت کو چیلنج کر سکے- یا یزید کی شرعی امامت و خلافت اور اسے رحمۃ اللہ علیہ نیز قتل حسین سے بری الذمہ قرار دینے میں غزالی و ابن تیمیہ کے موقف کی تائید کرنے والے پر جماعت کے دروازے بند کر سکے- اس کے ساتھ ساتھ ان حضرات محترمین کا نقطۂ نظر بھی راہ اعتدال سے متجاوز ہے جو مولانا مودودی کی "خلافت وملوکیت" نیز ان کی بعض دیگر شدید آراء کو جزوی یا کلی طور پر مسترد کرنے کے جوش میں اس کتاب کے اقتباسات و بعض دیگر آراء کی بناء پر ان کی سنت نبوی و جماعت صحابہؓ یا بالفاظ دیگر عقائد "اھل سنت والجماعت" سے وابستگی کو مشکوک قرار دیتے ہیں- اور تفسیر و حدیث و سیرت سمیت ان کی تمام عظیم الشان و عالمگیر اثرات کی حامل علمی و دینی خدمات سے صرف نظر کرتے ہیں- حالانکہ، نہ مولانا مودودی "محفوظ عن الخطاء" ہونے کے دعویدار ہیں، اور نہ "خلافت وملوکیت" کے مندرجات واجب الاتباع اور حرف آخر ہیں- اور نہ ہی مولانا مودودی نے ان لاکھوں حنفی و سلفی و دیگر مسالک اھل سنت کے حامل وابستگان

جماعت علماء و خواص و عامتہ الناس کو کبھی اشارتاً بھی قابل مذمت یا جماعت کی رکنیت و مناصب کے نااھل قرار دیا ہے جو امامت و خلافت و ملوکیت نیز یزید و بنوامیہ کے بارے میں "خلافت و ملوکیت" کے مندرجات اور مولانا مودودی کی بعض آراء سے اختلاف کرتے ہوئے اس سلسلہ میں امام غزالی و ابن تیمیہ حتی کہ علامہ محمود عباسی کے متاثرین و معتقدین ہیں اور ان بزرگوں کی تائید و تقلید میں یزید کی امامت و خلافت کو شرعاً درست، اس کے لئے دعائے رحمت (رحمۃ اللہ علیہ) کو جائز و مستحب اور اسے قتل حسینؓ وغیرہ سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ (اس حوالہ سے ایک اہم مثال فاضل دیوبند مولانا عامر عثمانی مرحوم مدیر ماہنامہ "تجلی" دیوبند کی ہے جو مولانا مودودی و جماعت اسلامی کے منصفانہ دفاع و حمایت کے ساتھ ساتھ علامہ محمود احمد عباسی کی "خلافت معاویہ و یزید" کے غیر مصنف مزاج ناقدین سے بھی پوری شدومد اور کامیابی کے ساتھ برسوں پنجہ آزمار ہے ہیں۔ وعلی ھذا القیاس)۔

خود مولانا مودودی اپنی تمام تر تحقیقات خلافت و ملوکیت کے باوجود محتاط ترروبہ اختیار کرتے ہوئے جواز و عدم جواز لعن کے قائلین اکابر اہل سنت کے بعض اسماء نقل کرنے کے بعد اپنے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"میرا اپنا میلان اس طرف ہے کہ صفات ملعونہ کے حاملین پر جامع طریقہ سے تو لعنت کی جاسکتی ہے۔ (مثلاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ظالموں پر خدا کی لعنت) مگر کسی شخص خاص پر متعین طریقہ سے لعنت کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بعد میں توبہ کی توفیق عطا فرمادے۔ اور اگر مرچکا ہو تو ہم نہیں جانتے کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہوا ہے۔ اس لئے ہمیں ایسے لوگوں کے غلط کاموں کو غلط کہنے پر اکتفا کرنا چاہیئے اور لعنت سے پرہیز ہی کرنا اولیٰ ہے۔ (خلافت و ملوکیت، ص ۱۸۳، حاشیہ ۴۶)۔

اسی سلسلہ کلام میں یہ بھی پیش نظر رہے کہ مولانا مودودی نے یزید کی جانب سے پس ماندگان حسینؓ کے سامنے قتل حسینؓ سے اعلان برأت اور اظہار رنج و غم نیز برسر دربار ابن زیاد کی مذمت کی روایات بھی نقل فرمائی ہیں اور اس کے بعد یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر ان روایات کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر بھی سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس نے ابن زیاد کو سزا کیوں نہیں دی۔ مگر اس حوالہ سے یزید کو قتل حسینؓ و واقعہ کربلا کا جزوی یا بالواسطہ طور پر بھی ذمہ دار قرار دینا متعدد اکابر امت کے نزدیک اس لئے ممکن نہیں کہ اس دلیل کی بناء پر سیدنا علیؓ کو معاذ اللہ قتل عثمانؓ کا بالواسطہ طور پر ذمہ دار قرار دینے والوں کے غلط موقف کی تائید کی گنجائش نکلتی ہے۔

خلافت علیؓ (ذوالحجہ ۳۵ھ ۔ ۲۱ رمضان ۴۰ھ) میں پیش آمدہ مسائل واختلافات میں موقف علوی کے حوالہ سے مولانا مودودی رقمطراز ہیں :-

"حضرت علیؓ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا' وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا- البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے' جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جاسکتی ہے- وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمانؓ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا- جنگ جمل تک وہ ان لوگوں سے بیزار تھے' بادل ناخواستہ ان کو برداشت کررہے تھے' اوران پر گرفت کرنے کے لئے موقع کے منتظر تھے- حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت قعقاع نے کہا تھا کہ :-"حضرت علیؓ نے قاتلین عثمانؓ پر ہاتھ ڈالنے کو اس وقت تک مؤخر کررکھا ہے جب تک وہ انہیں پکڑنے پر قادر نہ ہو جائیں- آپ لوگ بیعت کرلیں تو پھر خون عثمانؓ کا بدلہ لینا آسان ہو جائیگا"-(۷۲)

پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو ان کے اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے درمیان ہوئی' اس میں حضرت طلحہؓ نے ان پر الزام لگایا کہ آپ خون عثمانؓ کے ذمہ دار ہیں- اور انہوں نے جواب میں فرمایا: لعن الله قتلة عثمان (عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت)-(۷۳)

لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے- حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے درآں حالیکہ قتل عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا' وہ سب کو معلوم ہے- حضرت علیؓ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے' جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں"-

(ابوالاعلیٰ مودودی' خلافت و ملوکیت' ادارہ ترجمان القرآن لاہور' اپریل ۱۹۸۰ء' ص ۱۴۶- حاشیہ ۷۲- حوالہ ابن کثیر' البدایہ والنھایہ' ج ۷' ص ۲۳۷- وحاشیہ ۷۳- حوالہ البدایہ' ج ۷' ص ۲۴۰)-

قتل عثمانؓ کے براہ راست ذمہ دار قاتلین یعنی مالک الاشتر اور سیدنا علیؓ کے گھر میں پرورش پانے والے ان کے سوتیلے بیٹے محمد ابن ابی بکر کو نہ صرف خلافت علویہ میں قصاص عثمانؓ میں قتل نہ کیا جا سکا بلکہ قتل عثمانؓ سے اپنے اعلان برأت کے باوجود سیدنا علیؓ نے ان قاتلین عثمانؓ کو بتقاضائے احوال یا بامر مجبوری، مصر وغیرہ کی گورنری کے عظیم الشان منصب پر فائز کیا۔ جبکہ بعد ازاں سیدنا معاویہؓ نے ان قاتلین عثمانؓ کو قصاص عثمانؓ میں قتل کروایا۔ چنانچہ یزید کے ابن زیاد کو گورنری سے معزول نہ کرنے یا سزا نہ دینے کا سوال اٹھانے والے جلیل القدر عالم و محقق مولانا مودودی بھی سیدنا علیؓ کے قتل عثمانؓ سے بری الذمہ ہونے پر شدت سے ایمان رکھنے کے باوجود رقمطراز ہیں:۔

"مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا، جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔ اسی بناء پر میں نے اس کی مدافعت سے اپنی معذوری ظاہر کر دی ہے۔"

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۳۳۸؛ ضمیمہ سوالات و اعتراضات بسلسلہ بحث خلافت)۔

خلاصہ کلام یہ کہ یزید کا ابن زیاد کو اس کی جانب سے عراق میں بغاوت کے امکان یا واقعہ کربلا کے بعد انتقام حسینؓ کی آڑ میں مسلم بن عقیل کی بیعت کرنے اور توڑنے کے مجرم شیعان کوفہ کے قتل عام کے الزام سے بچنے یا دیگر وجوہ و مصالح کی بناء پر سزا نہ دے پانا، اسے بالواسطہ طور پر بھی شہادت حسینؓ و واقعہ کربلا کا ذمہ دار ثابت نہیں کر پاتا، جس طرح کہ چوتھے خلیفہ راشد سیدنا علیؓ کے قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کے بجائے انہیں بتقاضائے احوال یا بامر مجبوری یا دیگر وجوہ و مصالح کی بناء پر اعلیٰ مناصب پر فائز کرنے سے سیدنا علیؓ کو بالواسطہ طور پر بھی قتل عثمانؓ کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔

وقال تعالیٰ:۔ وأقيموا ألوزن بالقسط ولاتخسروا الميزان۔

خاتمۃ الکلام کے طور پر یزید و کربلا سمیت جملہ غیر منصوص تاریخی و تحقیقی امور میں سید مودودیؒ کی رائے اور نتائج تحقیق سے جماعتی سطح پر اختلاف رائے کی فراخدلانہ اجازت کے حوالہ سے مفکر جماعت اسلامی جناب خرم مراد کا درج ذیل بیان بڑی اہمیت کا حامل ہے:۔

"ترجمان" کے لئے رہنما اصول سید مودودی کی یہ فکر ہے کہ معیار حق صرف اللہ اور اس کے رسول ہیں۔ اور کسی بھی انسان کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ تشکیل جماعت

کے وقت ان کی یہ ہدایت بھی ہمارے لئے رہنما ہے کہ نہ جماعت ان کی تحقیق و رائے پر پابندی عائد کرے اور نہ جماعت میں کوئی ان کی تحقیق و رائے ماننے کا پابند ہو۔"
(خرم مراد، رسائل و مسائل، مطبوعہ "ترجمان القرآن"، لاہور، اگست ۱۹۹۴ء)

جناب خرم مراد جملہ تاریخی و اجتہادی امور میں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ نئی معلومات و حقائق منکشف ہونے پر از سر نو تفکیر و اجتہاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فکر مودودی کے حوالہ سے یہ بھی بیان فرماتے ہیں:۔

" سید مودودی نے اپنی فکری خدمات پر فکر مودودی کی چھاپ لگنے کی شدت سے روک تھام کی، اور ان کو معیار حق ماننے کا کسی کو پابند نہیں کیا، تو صرف اس لئے کہ راہ خدا میں ان کے ہم سفر آنکھیں بند کر کے نہ چلیں۔ آج ان کی فکر کے صحیح وارث وہی ہو سکتے ہیں جو ان کی فکری خدمات کی روشنی میں، اجتہاد و فکر سے کام لیں۔ ماضی کے اسیر نہ ہوں، حال کے مناسب طریقے اختیار کریں اور مستقبل کے نقیب بنیں، ٹھیک جس طرح انہوں نے اپنے زمانے میں کیا۔" (خرم مراد، اشارات، مطبوعہ "ترجمان القرآن"، لاہور، ستمبر ۱۹۹۵ء)

۷۹۔ شیخ الاسلام علامہ محمد قمر الدین سیالوی چشتیؒ

(بانی صدر جمعیت العلماء، پاکستان،

م ۱۹۸۱ء)

شیخ الاسلام علامہ محمد قمر الدین سیالوی چشتی (۲۴، جمادی الاولی ۱۳۲۴ھ-۱۸رمضان ۱۴۰۱ھ / ۱ اگست ۱۹۰۶ء-- ۲۰ جولائی ۱۹۸۱ء) برصغیر کے ممتاز و معروف علماء و مشائخ میں سے ہیں۔ آپ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی زبانوں کے عالم و عارف نیز علوم نقلیہ و عقلیہ و روحانیہ سے کماحقہ آراستہ و پیراستہ تھے۔ آپ ۱۹۴۶ء میں منعقدہ "آل انڈیا سنی کانفرنس" بنارس میں ممتاز و نمایاں رہے۔ قائداعظمؒ کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان نیز تحریک آزادی کشمیر، تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ اور دیگر قومی و ملی تحریکات میں بھی بڑھ چڑھ کر سرگرم عمل رہے۔ سنی حنفی علماء و مشائخ کی اہم تنظیم "جمعیت العلماء پاکستان" کی تاسیس و تنظیم و تشکیل کے مختلف مراحل آپ ہی کی خصوصی توجہ اور وسیع الاثر قیادت میں پایہ تکمیل کو پہنچے۔ اگرچہ ۱۹۷۰ء کے قومی انتخابات کے کچھ عرصہ بعد آپ بعض تنظیمی و عمومی وجوہات کی بناء پر عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے مگر بحیثیت سجادہ نشین آستانہ عالیہ چشتیہ سیال شریف نیز ایک قومی سطح کے قائد و عالم و روحانی پیشوا کی حیثیت سے آپ کے

فیض عام کا سلسلہ تادم آخر جاری و ساری رہا۔ جس سے آج تک لاکھوں معتقدین اور دیگر اہل اسلام برابر مستفید ہو رہے ہیں۔ آپ "کمیٹی درگاہ معلی اجمیر شریف" کے ممتاز کارکن کی حیثیت سے عرصہ دراز تک نہایت اعلی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اور ۱۹۷۰ء کے لگ بھگ علماء واعیان "جمعیت علمائے پاکستان" کی جانب سے اتفاق رائے سے اجلاس عام منعقدہ کراچی میں مشرقی ومغربی پاکستان کے علماء ومشائخ نیز عرب و مسلم ممالک کے سفراء و وفود کی موجودگی میں آپ کو "شیخ الاسلام" کے منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا۔ بعد ازاں ۱۴ اگست ۱۹۸۱ء کو پاکستان گزٹ کے مطابق آپ کی علمی و دینی خدمات کے اعتراف کے طور پر حکومت پاکستان کی جانب سے "ستارہ امتیاز" کا اعزاز حاصل ہوا۔ جو ۲۳ مارچ ۱۹۸۲ء کو یوم پاکستان کے موقع پر صدر محمد ضیاء الحق سے آپ کے جانشین محترم علامہ محمد حمید الدین سیالوی سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف (سرگودھا) نے وصول فرمایا۔

شیخ الاسلام محمد قمرالدین سیالوی کی متعدد تصانیف میں انکی سو سے زائد صفحات پر مشتمل، ۱۳۷۷ھ میں تالیف شدہ "مختصر اور جامع تصنیف "مذہب شیعہ" خصوصی اہمیت اور لازوال و بیمثال شہرت کی حامل ہے۔ جس میں شیعہ اثنا عشریہ جعفریہ کے عقیدہ تحریف قرآن، صحابہ کرامؓ سے مروی ذخیرہ حدیث وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار نیز انکار امامت و خلافت سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و توہین و تکفیر صحابہ کرامؓ اور تقیہ و متعہ سمیت مختلف امور پر کتب شیعہ کے حوالہ سے مدلل و مسکت مباحث یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر پاکستان کے تمام سنی حنفی علماء ومشائخ و ائمہ و مدرسین نیز عامۃ المسلمین صرف اسی ایک مختصر و جامع کتاب کا بغور مطالعہ فرمالیں تو اھل تشیع کی قطعی وجوہ تکفیر کی معرفت کے لئے کافی وشافی ہے۔

اس منفرد و بیمثال تصنیف کے ساتھ اگر اس کے تقریباً ربع صدی بعد تصنیف شدہ مولانا محمد منظور نعمانی کی عظیم الشان تصنیف "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" نیز "خمینی اور شیعہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ" کا بھی مطالعہ فرمالیا جائے تو نقش اول وثانی وثالث کی ترتیب زمانی کے ساتھ رفض و تشیع کے بارے میں متذبذب و ساکت علماء ومشائخ انشاء اللہ سکوت و تذبذب کے چنگل سے یکسر نجات پالیں گے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم و جماعت صحابہؓ سے منحرف اھل رفض و تشیع کے بارے میں مداھنت و مصالحت کی روش ترک کر دینے پر مجبور و عنداللہ ماجور ہوں گے۔ چنانچہ اس عظیم کتاب کے

تعارف میں حضرت المجاہد مولانا محمد عبدالعزیز آفندی ترکی رومی فرماتے ہیں:۔

"یہ رسالہ مذہبی تعصب کو درکنار رکھ کر معرض وجود میں آیا ہے۔ مؤلف رسالہ ھذا کے مقصد پر اس رسالہ کا ایک ایک کلمہ واضح دلیل ہے کہ امت مرحومہ کو صحیح راستہ دکھانا اور غلط اور گمراہ راستہ کے متعلق خطرات واضح کرنا ہے کہ ہر شخص اپنی صوابدید سے اپنی زندگی کا صحیح لائحۃ العمل تیار کر سکے۔"

(مذہب شیعہ مؤلفہ، شیخ الاسلام محمد قمرالدین سیالوی، ص ۲، تعارف از مولانا عبدالعزیز آفندی، شائع کردہ مکتبہ ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف، مطبوعہ اردو پریس لاہور، ۱۳۷۷ھ)۔

علامہ سیالوی اپنی مذکورہ مشہور و معروف تصنیف میں قاتلین سیدنا حسینؓ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"اب ذرا تھوڑا سا غور اس بات پر بھی کر لیں کہ امام عالی مقام سیدنا حسینؓ بن علیؓ کو کن لوگوں نے شہید کیا اور وہ کون لوگ تھے جنہوں نے مکر و فریب کے ساتھ لاتعداد دعوت نامے لکھے تھے:۔

احتجاج طبرسی صفحہ ۱۵۷، حضرت سیدنا امام زین العابدین کوفیوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ:۔ تم نہیں جانتے کہ تم ہی لوگوں نے میرے والد ماجد کی طرف خط لکھے اور تم ہی نے ان سے دھوکہ کیا۔ اور تم ہی لوگوں نے اپنی طرف سے عہد و پیمان باندھے، بیعت کی اور تم ہی لوگوں نے ان کو شہید کیا اور ان کو تکلیفیں دیں۔ پس جو ظلم تم نے کمائے ان کی وجہ سے ہلاکت ہے تمہارے لئے اور تمہارے برے ارادوں کے لئے۔

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کس آنکھ سے دیکھو گے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے:۔ تم نے میری آل کو قتل کیا اور میرے خاندان کو تکلیفیں پہنچائیں۔ پس تم میری امت سے نہیں ہو۔" (قمرالدین سیالوی، مذہب شیعہ، ص ۹۷، مطبوعہ اردو پریس، لاہور، ۱۳۷۷ھ)۔

علاوہ ازیں علامہ سیالوی اپنے مشہور و معروف وصیت نامہ میں امامت و خلافت سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی و مقام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"اشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريک له و اشهد أن سيدنا و شفيعنا في الدارين محمداً عبده و رسوله۔

و اشهد أن سيدنا ابابكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنه، و أن سيدنا عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه، و أن سيدنا عثمان بن عفان رضى

الله تعالیٰ عنه، و أن سیدنا علی بن ابی طالب كرم الله تعالی وجهه الكريم، خلفاء رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله و صحبه و سلم بالترتیب العلوم المتوارث بالأخبار المتواترة، وكل من انكر خلافة أحد منهم فهو كافر-

و أصحاب النبی صلی الله تعالیٰ علیه و آله و صحبه وسلم كلهم عدول صدوق نجوم الاهتداء، رضوان الله تعالیٰ علهیم اجمعین- و ایاک ثم ایاک عن قول سوء فی حق أحد منهم- واعلم أن المناقشة بین سیدنا علی رضی الله تعالیٰ عنه و بین سیدنا معاویة رضی الله تعالیٰ عنه نضعها بمنزلة المتشابهات- مالنا أن نریب فی منزلتهم و مرتبتهم و عظمتهم؟ كیف و هم اصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله و صحبه وسلم- و قد قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله و صحبه وسلم:- "الله الله فی اصحابی"-

"و أصحابی كالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم-"

نعم فضل علی رضی الله عنه علی معاویة رضی الله عنه امر معتقد منتقد لاشک فیه- لكن لا ننكر فضل المفضول علیه-"

(انوار قریہ، مؤلفہ قاری غلام احمد، مفتی دار الافتاء آستانہ عالیہ سیال شریف، وصیت نامہ)

(ص ۴۴۳-۴۴۴، مطبوعہ لاہور طبع اول، اپریل ۱۹۹۱ء)

ترجمہ:- میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں- اس کا کوئی شریک نہیں- اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً ہمارے آقا اور ہر دو جہاں میں ہمارے شفیع حضرت محمد ﷺ اللہ کے عبد اور اس کے رسول ہیں-

اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، اخبار متواترہ سے ثابت شدہ مشہور و معلوم ترتیب کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم کے خلفاء ہیں- اور جو کوئی ان میں سے کسی ایک کی خلافت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے-

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم کے تمام صحابہ انتہائی عادل، سچے اور ہدایت کے ستارے ہیں- رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین- اور خبردار ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی کوئی نازیبا کلمہ استعمال کرنے سے سختی سے اجتناب کرنا- اور یہ بات سمجھ

لے کہ سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے باہمی نزاع کو ہم متشابہ امور کے درجہ میں رکھیں گے۔ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم ان کے مقام و مرتبہ میں کسی قسم کا شک کریں۔ جبکہ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم کے صحابہ کرامؓ ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔

نیز فرمایا کہ:۔

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، جس کی بھی پیروی کروگے، ہدایت پاؤ گے۔

البتہ علی رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت ایک مسلّم و محکم امر ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن جن پر انہیں فضیلت دی گئی ہے، ان (سیدنا معاویہ) کی فضیلت کا بھی ہم انکار نہیں کرتے۔

اسی سلسلہ کلام میں سیدنا معاویہؓ اور ان کا ساتھ دینے والے صحابہ کرامؓ کی توہین و تنقیص پر مبنی تاریخی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"واعلم أن الروايات التى تدل على تفصيل تلک المناقشة فاما منقول الطبرى المؤرخ، فهو مردود الرواية بحسب تصريح كتب أسماء الرجال- وهذا ابن جرير الطبرى شيعى بلا ريب- و اما ابن جرير الطبرى المفسر فهو من الثقات- و اما المنقول عن ابن قتيبه صاحب "الامامة والسياسة" فهو كذاب وضاع- واما المنقول عن الواقدى المؤرخ، فهو كذلک لم يروعنه، ولم يعتمد على روايته-

وأمر متيقن بأن فى روايات تلک المناقشة دخل دخيل من قبل الوضا عين الكذابين فكيف نقتضى اثرهم و نخالف الأمر المتيقن بأن سيدنا معاوية رضى الله تعالىٰ عنه صاحب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وصحبه بلا ريب و بلاشک، و أنه كاتب الوحي وأنه أخ لأم المؤمنين رضى الله تعالىٰ عنها، وأنه قامع فتن اليهود بالشام والعراق، وأن حكمته أخمدت نار العجم كمالا يخفى-"

(قارى غلام احمد، انوار قمريه، وصيت نامه قمر الدين سيالوى، ص ۴۳۴ - ۴۳۵)-

ترجمہ:۔ اور یاد رکھیں کہ وہ تمام روایات جو ان (سیدنا علیؓ و معاویہؓ) کے باہم اختلافات کی تفصیل میں وارد ہیں، وہ یا تو مؤرخ طبری سے مروی ہیں جو اسماء الرجال کی کتابوں کی صراحت کے مطابق مردود الروایت ہے۔ اور یہ ابن جریر طبری بلاشک و شبہ شیعہ ہے۔ البتہ

دوسرے ابن جریر طبری جو صاحب تفسیر ہیں، وہ معتبر حضرات میں سے ہیں۔

اور یا پھر یہ روایات "الامامہ والسیاسہ" والے ابن قتیبہ سے منقول ہیں جو سراسر جھوٹا اور افتراء پرداز ہے۔ اور یا پھر یہ روایات مؤرخ واقدی سے روایت شدہ ہیں۔ تو وہ بھی ایسا ہی ہے نہ تو اس سے کوئی روایت (حدیث) لی گئی ہے اور نہ ہی اس کی روایت کو قابل اعتماد قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ (سیدنا علیؓ و معاویہؓ کے درمیان) اس باہمی نزاع و اختلاف میں جعلی روایات گھڑنے والے کذابوں نے بہت سی جعلی روایات گھڑ کر داخل کر دی ہیں۔

پس ہم ان کے نقش قدم پر چل کر ان (مشکوک) روایات کی بناء پر کیسے فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اور اس یقینی امر کے خلاف کس طرح جا سکتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ بلاشک و شبہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی، کاتب وحی اور ام المؤمنین (سیدہ ام حبیبہ) رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے بھائی ہیں۔ نیز شام و عراق سے یہود کے فتنوں کا قلع قمع کرنے والے ہیں اور ان کی حکمت نے آتشکدہ عجم کو سرد کر دیا جیسا کہ مخفی نہیں۔

شیعہ مذہب کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"اس مذہب سے زیادہ گندہ غلیظ پلید مذہب میں نے نہیں دیکھا۔ تمام فرقوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ یعنی یہود و نصاریٰ، زرتشت، ہندو، مرزائی وغیرہ، تمامیوں سے زیادہ غلیظ مذہب یہ ہے۔ اس کا بانی عبداللہ بن سبا ہے جس نے بظاہر اسلام قبول کر کے اپنا نام عبداللہ رکھوایا۔ اس کو حضرت علیؓ نے فی النار کیا۔ الخ۔

اسی عبداللہ بن سبا نے شیعہ فرقہ کی بنیاد ڈالی۔ ان کی کتابوں میں بہت گندے مسائل ملتے ہیں، ان کے مجتہد مولوی لوگ عوام کو بتاتے نہیں ہیں۔ الخ۔

ان کی کتابوں میں متعہ کا بیان ایسا گندہ اور غلیظ نفسانی خواہشات کے ماتحت ہے جو اہل اسلام تو درکنار غیرت مند کفار بھی پسند نہیں کرتے۔ دیکھیں ان کی کتاب "الاستبصار"، ص ۷۶ تا ۸۳۔ ج ۳، ابواب۔۔۔۔۔۔۔الخ۔"

(انوار قمریہ مؤلفہ قاری غلام احمد، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۳/۷)۔

"علاوہ ازیں ان کی کتاب صافی شرح کافی میں ہے کہ جو موجودہ قرآن مجید ہے اس کا ایک حرف بھی صحیح نہیں، اصل قرآن کو امام مہدی لے کر غار میں چلے گئے۔ اور پھر افسوس ہے کہ یہ مکذوبات حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات مقدس پر تھوپتے ہیں

(معاذ اللہ)۔ (انوار قمریہ، ص ۳۷۲)۔

شیعہ عقیدہ "بدأ" کے حوالہ سے فرمایا:۔

"شیعہ کی کتابوں میں ہے کہ خدا بھی بھول جاتا ہے جس طرح یہودیوں نے تورات میں لکھا ہے کہ خدا مخلوق کو پیدا کر کے پچھتایا اور دلگیر ہوا (معاذ اللہ)۔

(قاری غلام احمد، انوار قمریہ، ص ۳۷۲)۔

شیعہ کے "تقیہ" (حسبِ ضرورت اپنے اصل عقیدہ کے بر خلاف ظاہر کرنا) کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"اس مذہب کا سب سے بڑا مسئلہ جو انہیں ہر جگہ کام آتا ہے تقیہ ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے بھی تقیہ کیا۔ حضرت علیؓ نے بھی تقیہ کیا۔ آئمہ اطہار نے بھی تقیہ کیا۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔

زرارہ ہی سے ایک روایت ہے کہتا ہے: میں نے امام صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا اور بیٹھ گیا۔ دوسرا شخص آیا اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جو مجھے جواب دیا تھا، دوسرے آدمی کو اس کے بر عکس فرمایا۔ میں نے پوچھا کیا وجہ ہے مجھے تو اس کا جواب اس طرح دیا ہے اور اس کو اس کے خلاف؟ تو امام صاحب نے فرمایا:۔ تم پر خدا کی لعنت ہو تم ایسے اعتراضات کیوں کرتے ہو۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ ایک ایک بات کے متعلق سات سات جھوٹ بولیں۔۔۔۔ (معاذ اللہ)۔ وغیرہ۔

(قاری غلام احمد، انوار قمریہ، ص ۳۷۴)۔

انہی ملفوظات میں مرقوم ہے:۔

"حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرات صدیق اکبر و عمر فاروق، عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق شیعہ لوگوں نے حضرت زید بن زین العابدینؓ سے دریافت کیا کہ ان اصحاب ثلاثہ کے متعلق کیا فرماتے ہو؟ انہوں نے فرمایا:۔ وہ ہمارے مذہب کے پیشوا ہیں خلفاء بر حق ہیں۔ یہ سن کر کہنے لگے:۔ تیرے والد تو ہمارے امام تھے تم ہمارے امام نہیں ہو۔ امام صاحب نے سامعین سے استفسار فرمایا یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ ایسا ایسا کہتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:۔ "رفضونا الیوم" (آج انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا) ہم سے دور ہو گئے اس وقت سے ان کا نام رافضی ہے۔"

(قاری غلام احمد، انوار قمریہ، ص ۳۷۴-۳۷۵)۔

سیدنا ابو بکرؓ کو فوری طور پر خلیفۃ الرسول منتخب کرنے نیز دیگر متعلقہ امور کے بارے میں سیدنا علیؓ سے خواب میں سوال و جواب کے حوالہ سے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ سیدنا علیؓ نے تحریر و تقریر سے وضاحت کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ بارھواں پارہ بھی دیکھنا، چنانچہ فرماتے ہیں :-

"جب صبح کو میں اٹھا تو بارھویں سپارہ کو دیکھا تو تردید شیعہ میں کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔ یہی کتاب جس کا نام مذہب شیعہ رکھا ہے۔" (انوار قمریہ، ص ۳۱۴)۔

اپنی تصنیف "مذھب شیعہ" کے بارے میں فرماتے ہیں :-

"اس کا ایک نسخہ شاہ ایران کے وزیر کو بھیجا گیا۔ اس نے اس کی تحسین کی اور جواب لکھا کہ کتاب لکھنے والے نے بڑی اچھی کتاب لکھی ہے۔ اور تمام حوالہ جات صحیح ہیں۔ آج تک ایسی کتاب نہیں دیکھی۔ اس کتاب کو لکھے ہوئے گیارہ سال ہو چکے ہیں۔ آج تک اس کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔

ایک دفعہ حکومت کا ایک بہت بڑا ملازم پولیس کا افسر یہاں آیا۔ اس نے ایک نسخہ لیکر دوپہر سوتے وقت مطالعہ کیا۔ ظہر کو اٹھا تو کہنے لگا :- میں دوپہر کو شیعہ تھا، ظہر کو اٹھا ہوں تو سنی ہوں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے مجھے بھی یقین ہو گیا ہے کہ مذہب شیعہ باطل فرقہ اور مذہب اہل سنت برحق ہے۔ آج شیعہ مذہب سے توبہ کر چکا ہوں۔

اس کتاب کا جواب دینے کے لئے شیعہ لوگوں کو محض ایک صورت ہی سامنے ہے۔ وہ یہ کہ اپنی تمام کتابیں جلادیں تو اس کتاب کا انکار کر سکتے ہیں، ورنہ ناممکن ہے۔ اگر کہیں کہ یہ عبارتیں ہماری کتابوں میں نہیں تب بھی کوئی نہیں مانے گا۔ کیونکہ کتابوں میں موجود عبارات جب سامنے آئیں گی تو جھوٹے ثابت ہوں گے۔ اور اگر کہیں لکھنے والے نے ترجمہ غلط کیا ہے تب بھی جھوٹے ہیں، خود بھی ترجمہ کرلیں تو اس کتاب کو صحیح اور درست کہنے کے سوا انہیں کوئی چارہ نہ ہو گا۔"

(قاری غلام احمد، انوار قمریہ، لاہور، اپریل ۱۹۹۱ء، ص ۳۱۵-۳۱۶)

خلاصہ کلام یہ کہ شیخ الاسلام علامہ محمد قمر الدین سیالویؒ نہ صرف اھل تشیع کو کافر اور دائرہ اسلام سے قطعاً خارج قرار دیتے ہیں بلکہ عقیدہ اہل سنت والجماعت پر سختی سے کار بند ہوتے ہوئے سیدنا ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی ترتیب معلوم امامت و خلافت و فضلیت کو عقائد اسلام کا جزو لاینفک سمجھتے ہیں۔ نیز تمام صحابہ کرامؓ کے عادل و صادق و نجوم

الھدی ہونے پر ایمان رکھتے ہوئے سیدنا علیؓ و معاویہؓ اور ان کے حامی صحابہ کرامؓ کے باہم اختلافات کو متشابہ امور قرار دیتے ہیں اور کسی صحابی کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہنے سے سختی سے اجتناب کی وصیت فرماتے ہیں۔

نیز درجہ بدرجہ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی فضلیت و امامت و خلافت پر اعتقاد رکھتے ہوئے سیدنا علیؓ کو سیدنا معاویہؓ سے افضل تسلیم فرماتے ہیں مگر اس کے باوجود سیدنا معاویہؓ کی عظمت و فضلیت کے اعتراف کی وصیت کرتے ہوئے وضاحت فرماتے ہیں کہ وہ صحابی رسول ؐ، کاتب وحی اور بردار ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا ہونے کی حیثیت سے صاحب فضیلت وواجب الاحترام ہے۔

نیز ابن جریر طبری (مؤلف "تاریخ الامم والملوک" یعنی تاریخ الطبری) کو بلاشک وشبہ شیعہ اور واقدی کو ناقابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔ "اللامہ و السیاسہ" کے مؤلف ابن قتیبہ کو کذاب و جعل ساز قرار دیتے ہیں۔ (اس کتاب کے بارے میں محققین کا کہنا ہے کہ اس کی ابن قتیبہ کی جانب نسبت ثابت شدہ نہیں بلکہ یہ مشہور سنی العقیدہ محدث و مؤرخ ابن قتیبہ صاحب کتاب "المعارف" و "عیون الآخبار" و "تاویل مختلف الحدیث" وغیرہ سے علیحدہ کسی شیعی مصنف کی تصنیف ہے جس کی کنیت بھی ابن قتیبہ گھڑ کر اسے مشہور ابن قتیبہ ثابت کرنے سے مخصوص شیعی مقاصد کی تکمیل مقصود ہے)۔

(ملاحظہ ہو اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ جامعہ پنجاب، مقالہ ابن قتیبہ و دیگر مصادر جن میں تصانیف ابن قتیبہ میں مذکورہ کتاب کی شمولیت مشکوک قرار دی گئی ہے)۔

چنانچہ علامہ سیالوی کے ان بیانات کی روشنی میں سیدنا علیؓ و معاویہؓ کے باہمی نزاع، مشاجرات صحابہؓ و واقعہ کربلا کے بارے میں راویوں بالخصوص کتب طبری و واقدی جیسے بنیادی مصادر کی روایات مشکوک و غیر معتبر اور قابل تحقیق و تنقید ہیں۔ جبکہ سیدنا معاویہؓ کا بحیثیت صحابی رسول ﷺ، کاتب وحی اور برادر ام المؤمنین ہونا امر یقینی و معلوم ہے۔ اسی طرح قتل حسینؓ و واقعہ کربلا کی ذمہ داری بھی بنیادی طور پر شیعان کوفہ و عراق پر عائد ہوتی ہے اور خود کتب شیعہ میں موجود تصریحات ائمہ سے ثابت شدہ ہے۔

واقعہ حرہ میں لشکر یزید کے ہاتھوں ہزاروں باغیان مدینہ کے قتل عام وغیرہ کی روایات کے راوی امام زہری ہی سے فدک والی روایت بھی مروی ہے۔ اس حوالہ سے علامہ سیالوی فرماتے ہیں:۔

"فدک والی روایت میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے، جس کو ابن شہاب زہری بھی

کہتے ہیں۔ صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے، اس کے ساتھ دوسرا کوئی شاہد نہیں۔ اور یہ ابن شہاب زہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے۔ اور اہل تشیع کی "فروع کافی" نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی ہے۔

تو بھائیو! اہل تشیع کے اس قدر مشہور اور معرف کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل السنت پر الزام عائد کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب فکر و نظر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنت کے لئے قابل توجہ ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کافی، کلینی، اس میں کیا فرق تھا۔ آپ کی مزید تسلی کے لئے اسی محمد بن مسلم بن شہاب زہری صاحب کو کتاب "منتہی المقال" یا "رجال بو علی" میں شیعوں کی صف میں بے نقاب بیٹھا ہوا دکھاتے ہیں۔ دیکھو کتاب "رجال بو علی" جہاں صاف لکھا ہوا ہے کہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری شیعہ ہے۔ تو فدک کا جھگڑا اب تو ختم کرو۔ ہم تو ابن شہاب زہری کو اچھا سمجھتے، اگر گھر کے بھیدی یہ بھید نہ کھولتے۔ اس کے باوجود بھی اس کی روایت پر غور کرتے۔ اگر کوئی ایک دوسرا بھی اس کے ساتھ مل کر شہادت دیتا۔" (قمر الدین سیالوی، مذہب شیعہ، ص ۱۰۲-۱۰۳)

اسی سلسلہ کلام میں فرماتے ہیں:-

"اب رہا یہ سوال کہ اہل سنت کی کتاب میں شیعہ صاحب نے روایت کو کیسے لکھ دیا تو اس کے جواب میں ہمارا صرف یہ کہنا کہ ہمیں پتہ نہیں چلنے دیا، کافی ہو سکتا ہے۔ میاں! جب پہلے زمانے میں نہ چھاپے خانے تھے، نہ کاپی رائٹ محفوظ کرائی جاتی تھیں، قلمی کتابیں تھیں، ہر شخص نقل کر سکتا تھا، علی الخصوص وہ لوگ جن کا مذہب و دین ہی تقیہ و کتمان ہو، نہایت آسانی کے ساتھ تشریف لا سکتے تھے۔ اور علمائے اسلام کے نہایت محب بن کر ان کی کتابوں میں حسب ضرورت کارستانیاں کر سکتے تھے۔ اس پر بھی ثبوت کی ضرورت ہو تو قاضی نور اللہ شوستری کی مشہور ترین کتاب "مجالس المؤمنین" صفحہ ۳، مطالعہ فرمائیں کہ ہم لوگ شروع شروع میں سنی، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، بن کر اہل سنت کے استاذ اور ان کے شاگرد بنے رہے، ان سے روایتیں لیتے تھے، ان کو حدیثیں سناتے تھے اور تقیہ کی آڑ میں اپنا کام کرتے رہے۔ یہ کتاب ایران کی چھپی ہوئی ہے۔ فارسی زبان میں ہے۔ ہر شخص مطالعہ کر سکتا ہے۔ تو کیا مشکل تھا کہ اسی آڑ میں کسی غریب سنی کی کتاب میں یہ کارفرمائی بھی کر لی ہو۔" (قمر الدین سیالوی، مذہب شیعہ، ص ۱۰۳-۱۰۴، لاہور، اردو پریس، ۱۳۷۷ھ)

علامہ سیالویؒ کے ان ارشادات کی روشنی میں طبری و واقدی و زہری کی شیعی روایات اور مؤرخین اہل سنت کی نقل کردہ شیعی و مشکوک روایات کے تناظر میں سیدنا حسینؓ و یزید، کربلا و حرہ و بنو امیہ کے بارے میں حقائق و روایات کی تحقیق و تنقید میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ فمن شاء ذکر۔

۸۰۔ مجاہد اسلام ابو یزید محمد دین بٹ (م ۱۹۸۱ء، لاہور)

"جمعیت محبین صحابہؓ" لاہور کے روح رواں اور لنڈا بازار، لاہور کے درویش صفت تاجر جناب ابو یزید محمد دین بٹ (م ۱۷، اگست ۱۹۸۱ء) امیر یزیدؒ کے بارے میں اپنی تصنیف "رشید ابن رشید" کے حوالہ سے پاکستان و برصغیر میں مشہور و معروف ہیں۔ آپ نہ صرف علامہ سید محمود احمد عباسی کی تصانیف "خلافت معاویہؓ و یزید" و "تحقیق مزید" وغیرہ کے انتہائی قدر دان تھے، بلکہ آپ نے اپنی معرکتہ الاراء تصنیف "خلاف رشید ابن رشید، سیدنا یزیدؒ" کے ذریعہ بھی امیر یزیدؒ کی سیرت طیبہ و شرعی امامت و خلافت کا محکم دلائل سے اثبات فرمایا ہے۔ نیز حوادث کربلا و حرہ و حصار کعبہ کے حوالہ سے یزید کو مورد الزام ٹھہرانے والوں کو بھی دندان شکن جواب دیا ہے۔

جناب ابو یزید محمد دین بٹ کی دیگر تصانیف میں "سیرت علیؓ" "اصحابؓ رسول ؐ اور کربلا" اور "مودودی کا نسلی تعصب" نمایاں ہیں۔

آپ نے اپنے ایک فرزند ارجمند کا نام "محمد یزید" رکھتے ہوئے "ابو یزید" کنیت اختیار فرمائی۔ اور جانی و مالی نقصان کے خوف سے بے نیاز رہتے ہوئے عام خریداروں کے سامنے بھی اپنے افکار کی ترویج و اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور اپنے مشن پر صبر و استقامت کے ساتھ قائم رہتے ہوئے مخالفین و معاندین کی جانب سے ایذاء و استہزاء کا تادم آخر انتہائی پامردی و استقامت سے مقابلہ فرمایا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۸۱- علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ (م ۱۹۸۷ء ریاض)

پاکستان کے نامور خطیب، عالم، محقق اور مصنف، علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید نہ صرف پاکستان کے سلفی مدارس اور "جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ" سے اعلیٰ تعلیمی اسناد کے حامل تھے، بلکہ آپ نے جامعہ پنجاب سے بھی کئی مضامین میں ایم کے پرائیویٹ امتحانات دیکر نمایاں کامیابی حاصل کی۔ علامہ موصوف نے تقریر و تحریر اور تصنیف و تحقیق کے ساتھ ساتھ پاکستان کی دینی و سیاسی تحریکات (تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفی وغیرہ) میں بھی عظیم الشان کردار ادا کیا۔ اور اسی سلسلہ دین و سیاست میں یوم پاکستان (۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء) کے حوالہ سے لاہور میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے نصف شب کے قریب بم دھماکہ میں شدید زخمی ہو کر بعد ازاں ریاض (سعودی عرب) میں چند روز زیر علاج رہنے کے بعد ۳۰ مارچ ۱۹۸۷ء کو شہادت پائی اور سرزمین حجاز ہی میں مدفون ہوئے۔ جبکہ آپ کے ساتھی کئی نامور سلفی علماء اسی بم دھماکہ میں شہید ہوئے جن میں مولانا حبیب الرحمن یزدانی، مولانا عبدالخالق قدوسی اور نجیب اللہ خان سرفہرست تھے۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر کو عالم عرب و اسلام و مغرب میں وسیع تر شہرت اُس وقت حاصل ہوئی جب آپ کی رد تشیع میں معرکۃ الآراء عربی تصانیف اور ان کے اردو، فارسی، انگریزی نیز دیگر زبانوں میں تراجم کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ ان کتب کے نام ہیں:- (۱) الشیعۃ و القرآن۔ (۲) الشیعۃ و السنۃ۔ (۳) الشیعۃ و اہل البیت۔ (۴) الشیعۃ و التشیع۔ (۵) الشیعۃ و الفرق۔

ان نادر علمی و تحقیقی تصانیف کے علاوہ امامت و خلافت یزید کی شرعی حیثیت نیز واقعہ کربلا و حرہ میں مسؤلیت یزید کے سلسلہ میں آپ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کی تحقیات اور مثبت و متوازان موقف کے عارف و مداح تھے جنہوں نے اپنی لاجواب تصانیف بالخصوص "منھاج السنہ" میں یزید مخالف شیعی پروپیگنڈہ کا مؤثر رد و ابطال کرتے ہوئے اصل حقائق کو عقلی و نقلی دلائل سے واضح فرما کر تا قیامت انتہا پسند مخالفین یزید و بنو امیہ کے خلاف حجت قائم کر دی۔ و للہ در ھما۔

۸۲- شیخ المحدثین مولانا عطاء اللہ حنیفؒ (م ۱۹۸۷ء، لاہور)

برصغیر کے ممتاز اہل حدیث عالم و مؤلف شیخ المحدثین مولانا عطاء اللہ حنیف (م ۳، اکتوبر ۱۹۸۷ء، لاہور) عربی، فارسی اور اردو زبان میں اعلی مہارت رکھتے تھے۔ اور ان کی علمی و دینی خدمات عظیم الشان ہیں۔ ان کی تصانیف و مقالات بالخصوص عربی زبان میں حواشی سنن النسائی "التعلیقات السلفیة علی سنن النسائی" علمائے امت کے نزدیک بڑی علمی و تحقیقی قدر و قیمت کے حامل ہیں۔ آپ کا ذاتی ذخیرہ کتب ایک عظیم الشان لائبریری کی شکل میں آج بھی لاہور میں علوم دینیہ بالخصوص علوم قرآن و حدیث کے محققین کے لئے فیض عام کا باعث ہے۔

امامت و خلافت یزید کی شرعی حیثیت، سیرت یزید، واقعہ کربلا و حرہ وغیرہ کے سلسلہ میں آپ امام ابن تیمیہ کے مثبت و تحقیقی نقطہ نظر کے مؤیدین میں سے تھے۔ آپ نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی "تہذیب التہذیب" میں منقول سیدنا ابو جعفر محمد الباقرؒ کی راویت کردہ "کربلا کی کہانی" کا اردو ترجمہ تقریباً آٹھ صفحات میں فرمایا تھا۔ جو ہفت روزہ "الاسلام" لاہور میں شائع ہوا۔ اس روایت میں جو مبالغہ آرائی سے پاک ہے، سیدنا حسینؓ کی خلافت یزید کی ابتداء میں مدینہ سے مکہ روانگی و ورود مکہ، مسلم بن عقیلؓ کی کوفہ روانگی و شہادت، سفر قافلہ حسینؓ و ورود کربلا وغیرہ کی مختلف تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ بعد ازاں مذکور ہے کہ بالاخر سیدنا حسینؓ نے یزید کے پاس جانے کی پیشکش کی۔ جسے ابن سعد نے منظور کیا مگر ابن زیاد نے پہلے اپنی بیعت کی شرط لگا کر صورتحال بگاڑ دی:۔

"عمرو بن سعد حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دیکھو تین باتوں میں سے ایک بات منظور کر لو۔ (۱) مجھے کسی اسلامی سرحد پر چلے جانے دو۔ (۲) یا مجھے موقعہ دو کہ میں براہ راست یزید کے پاس پہنچ جاؤں۔ (۳) اور یا پھر یہ کہ جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

ابن سعد نے یہ تجویز خود منظور کر کے ابن زیاد کو بھیج دی۔ اس نے لکھا کہ ہمیں یہ منظور نہیں ہے۔ (بس ایک ہی بات ہے کہ) حسینؓ (یزید کے لئے) میری بیعت کریں۔ ابن سعد نے یہی بات حضرت حسینؓ تک پہنچا دی۔ انہوں نے فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس

پر آپ میں لڑائی چھڑ گئی اور حضرت کے سب ساتھی (مظلومانہ) شہید ہو گئے۔ جن میں دس سے کچھ اوپر نوجوان ان کے گھر کے تھے۔ اسی اثناء میں ایک تیر آیا جو حضرت کے ایک چھوٹے بچے کو لگا جو گود میں تھا۔ آپ اس سے خون پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے:۔

اے اللہ ہمارے اور ایسے لوگوں کے بارے میں فیصلہ فرما جنھوں نے پہلے یہ لکھ کر ہمیں بلایا ہے کہ ہم آپ کی مدد کریں گے۔ پھر اب وہی ہمیں قتل کر رہے ہیں۔

اس کے بعد خود تلوار ہاتھ میں لی، مردانہ وار مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔ اور یہ شخص جس کے ہاتھ سے حسینؓ شہید ہوئے، قبیلہ مذحج کا آدمی تھا۔ اگرچہ اس بارے میں دوسرے اقوال بھی تاریخوں میں موجود ہیں۔

مذحج ہانی کا وہی قبیلہ تھا، جس نے قصر امارت پر چڑھائی کر دی تھی۔ یہ شخص حضرت کا سر تن سے جدا کر کے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ اس نے اس شخص کو آپ کا سر مبارک دے کر یزید کے پاس بھیج دیا۔ جہاں جا کر یزید کے سامنے رکھ دیا گیا۔ ادھر ابن سعد بھی حضرت کے گھر وار کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا۔ اور ان کا صرف ایک لڑکا بچا رہ گیا تھا۔ اور وہ بچہ علی بن الحسین زین العابدینؒ تھے۔ اور روایت کے راوی ابو جعفر، الباقر کے والد تھے۔ یہ عورتوں کے ساتھ اور بیمار تھے۔ ابن زیاد نے حکم دیا: اس بچے کو بھی قتل کر دیا جائے۔ اس پر ان کی پھوپھی زینبؓ بنت علیؓ اس کے اوپر گر پڑیں اور فرمایا کہ جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں گی، اس بچے کو قتل نہ ہونے دوں گی۔ اس صورت حال کے نتیجے میں ابن زیاد نے اپنا یہ حکم واپس لے لیا اور بعد میں اسیران جنگ کو یزید کے پاس بھیج دیا۔

جب حضرت حسینؓ کے بچے کھچے یہ افراد خانہ یزید کے دربار میں پہنچے تو چند درباریوں نے حسب دستور یزید کو تہنیت فتح پیش کی۔ ان میں سے ایک شخص نے یہاں تک جسارت کر ڈالی کہ ایک لڑکی طرف اشارہ کر کے کہا:۔ امیر المؤمنین! یہ مجھے دے دیجئے۔ یہ سن کر حضرت زینب بنت علیؓ نے کہا:۔ بخدا! یہ نہیں ہو سکتا، بجزاس صورت کے کہ یزید دین الٰہی سے نکل جائے۔ پھر اس شخص نے دوبارہ کہا تو یزید نے اسے ڈانٹ دیا۔ اس کے بعد یزید نے ان سب کو محل سرا میں بھیج دیا۔ پھر ان کو تیار کرا کے مدینہ روانہ کروادیا۔۔"

(ماخوذ از ہفت روزہ "الاسلام" لاہور و مشمولہ "سانحہ کربلا" از ڈاکٹر اسرار احمد، ص ۴۷-۴۸، انجمن خدام القرآن، لاہور، مئی ۱۹۹۳ء، بعنوان کربلا کی کہانی حضرت ابو جعفر محمد باقرؒ کی زبانی، ترجمہ از مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی)۔

۸۳- مفکر اسلام مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی
(م ۱۹۹۵ء)

(سابق شیخ الحدیث، جامعہ علوم اسلامیہ،
بنوری ٹاؤن، کراچی)

مفکر اسلام، مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی صدیقی (م ۲۲، اکتوبر ۱۹۹۵ء، کراچی) سابق شیخ الحدیث "جامعہ علوم اسلامیہ" کراچی و صدر مفتی "جامعہ مدینۃ العلوم" کراچی، برصغیر کے جلیل القدر عالم و محقق ہیں۔ تدریس و افتاء اور تصنیف و تحقیق کے سلسلہ میں آپ کی عظیم الشان علمی و دینی خدمات کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل آپ کی معرکتہ الاراء تصنیف "اظہار حقیقت" ہے جس میں دفاع صحابہؓ و تابعینؒ بالخصوص سیدنا عثمانؓ و معاویہؓ کی تجلیل و تعظیم کے علاوہ یزید و بنوامیہ کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ کے رد و ابطال میں ناقابل تردید حقائق و مسکت دلائل قلمبند فرمائے ہیں۔ اور معروف روایات و مؤرخین کے عقائد و احوال کا تحقیقی جائزہ لیکر متعلقہ منفی روایات تاریخ کو دلائل و براہین کی رو سے باطل ٹھہرایا اور معاندین کو لاجواب فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں بالخصوص "اظہار حقیقت" کی جلد سوم یزید و بنوامیہ کے بارے میں روافض و دشمنان بنی امیہ کے پروپیگنڈہ و کذب و افتراء کی نقاب کشائی میں ممتاز و نمایاں ترحیثیت کی حامل ہے۔ آپ کی اس تصنیف کو حنفی و سلفی علمائے برصغیر میں وسیع پیمانہ پر مقبولیت حاصل ہوئی۔ یزید کی ولی عہدی کے حوالہ سے مدلل و مسکت تفصیلی بحث فرماتے ہوئے آخر میں رقمطراز ہیں:-

''نتائج بحث

ہماری اس تفصیلی بحث سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:-

(۱) حضرت معاویہؓ نے امیر یزیدؒ کو خود اپنی رائے سے ولی عہد نہیں بنایا تھا، بلکہ اس کی تجویز مغیرہ بن شعبہؓ نے خالصتاً لوجہ اللہ محض امت مسلمہ کی مصلحت کے لئے پیش کی تھی۔ نیز یہ تجویز ان کے علاوہ جمہور اہل کوفہ کے نمائندوں اور قائدین نے سب اہل کوفہ کی طرف سے پیش کی تھی۔

(۲) حضرت معاویہؓ نے نفس ولی عہدی کے مسئلے پر بھی استصواب رائے عامہ کیا، اور ولی عہدی یزید کے مسئلے پر بھی استصواب رائے عامہ کیا۔

(۳) جمہور اہل مکہ و جمہور اہل مدینہ نے، ان کے علاوہ اس وقت کی پوری دنیائے اسلام اور زیر نگیں خلافت اسلامیہ، بلاد و امصار کے جمہور اہل اسلام نے حضرت معاویہؓ کی دونوں تجویزوں سے پورا پورا اتفاق کیا۔

(۴) مکہ معظمہ و مدینہ منورہ جو عالم اسلام کے اہم دینی مرکز تھے، نیز ان کے علاوہ دمشق، کوفہ، بصرہ اور دوسرے دینی مراکز کے جمہور اہل ایمان اور مرکزی شخصیتوں نے حضرت معاویہؓ کی تجویز یعنی استخلاف یزیدؒ سے پورا پورا اتفاق کیا۔ صرف پانچ حضرات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اختلاف کیا۔ از روئے اصول دستور اسلامی اور از روئے شریعت مقدسہ اسلامیہ، جمہور اہل اسلام کے اتفاق کے بعد خصوصاً جبکہ ان جمہور میں کثیر

تعداد صحابہ کرامؓ کی تھی اور امہات المؤمنین سلام اللہ علیہن بھی شامل تھیں، ان پانچ حضرات کا اختلاف بالکل بے وزن اور کالعدم ہو جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ کا یزید کو ولی عہد بنانا شرعاً، عقلاً اور اخلاقاً ہر طرح سے بالکل جائز اور مناسب تھا۔ نیز یہ کہ امیر یزید کی خلافت شرعاً، عقلاً، اخلاقاً ہر طرح بالکل جائز اور صحیح تھی۔ اور وہ صحیح خلیفۃ المسلمین تھے۔ ان کی خلافت کو تسلیم نہ کرنے سے اس وقت کے جمہور صحابہؓ مہاجرین و انصار وغیرہ اور جمہور تابعین کا تخطیہ کرنا لازم آتا ہے۔"

(اسحاق ندوی، اظہار حقیقت جلد سوم، وراجع اموی خلافت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، ص ۲۰-۲۱ ناشر عبدالرحمن، اسلامی کتب خانہ کراچی، ۱۴۱۴ھ)۔

اسی سلسلہ کلام میں علامہ اسحاق ندوی مزید فرماتے ہیں:-

"یہ بھی ظاہر ہے کہ اس وقت تقریباً تین سو کی تعداد میں حضرات صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی اس تجویز سے اختلاف نہیں کیا۔ ان حضرات صحابہؓ میں سے بطور مثال پچاس حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:-

(۱) حضرت سعد بن ابی وقاص (۲) حضرت ارقم بن ابی ارقم (۳) حضرت انس بن مالک (۴) حضرت ابوھریرہ (۵) حضرت کعب بن عمرو الانصاری (۶) حضرت ربیعہ بن عبادالائلی (۷) حضرت عبداللہ بن بسر المازنی (۸) حضرت اسامہ بن زید (۹) حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری (۱۰) حضرت جابر بن عتیک (۱۱) حضرت مالک بن ربیعہ (۱۲) حضرت ثابت بن ضحاک بن خلیفہ (۱۳) حضرت نعمان بن عمرو انصاری (۱۴) حضرت ابو واقد اللیثی (۱۵) حضرت عبداللہ بن سعد بن خیثمہ انصاری (۱۶) حضرت فضالہ بن عبید انصاری (۱۷) حضرت ابوقتادہ انصاری (۱۸) حضرت ابو امامہ باہلی (۱۹) حضرت رافع بن خدیج (۲۰) حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمی (۲۱) حضرت قیس بن سعد بن عبادہ (۲۲) حضرت عثمان بن حنیف الانصاری (۲۳) حضرت براء بن عازب (۲۴) حضرت ابوسعید خدری (۲۵) حضرت زید بن ارقم (۲۶) حضرت صفوان بن معطل (۲۷) حضرت عمرو بن امیہ ضمری (۲۸) حضرت سلمہ بن الاکوع (۲۹) حضرت معقل بن یسار مزنی (۳۰) حضرت بریدہ الحضیب الاسلمی (۳۱) حضرت ناجیہ الاعجم (۳۲) حضرت عبداللہ بن یزید الاوسی (۳۳) حضرت عبداللہ بن ابی حدرد الاسلمی (۳۴) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی الاسلمی (۳۵) حضرت نوفل بن معاویہ الوبلی (۳۶) حضرت معبد بن خالد (۳۷) حضرت عوف بن مالک (۳۸) حضرت نضلہ بن عبید (۳۹) حضرت حکیم بن حزام (۴۰) حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ (۴۱) حضرت عدی

بن حاتم (۴۲) حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ الکنانی (۴۳) حضرت معبد بن یربوع (۴۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (۴۵) حضرت سمرہ بن جندب (۴۶) حضرت شداد بن اوس (۴۷) حضرت نعمان بن بشیر (۴۸) حضرت ضحاک بن قیس (۴۹) حضرت عبداللہ بن یزید الاوسی (۵۰) حضرت جریر بن خویلد المدنی۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

ان حضرات صحابہؓ کا تذکرہ "استیعاب"، "اصابہ"، "تہذیب التہذیب" وغیرہ کتب رجال و تذکرہ اصحاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ہر ایک کے لئے الگ الگ حوالہ دینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوئی۔ یہ اسماء گرامی بطور نمونہ اور مثال لکھے گئے ہیں۔ ورنہ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے کہ ان پانچ حضرات صحابہؓ کے علاوہ جن کے متعلق یہ غلط خبر مشہور کی گئی ہے کہ انہوں نے زیر بحث مسئلے میں حضرت معاویہؓ سے اختلاف کیا تھا، تقریباً تین سو صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم اس وقت مکہ، مدینہ، دمشق، کوفہ، بصرہ وغیرہ اسلامی مرکزوں میں موجود تھے۔ صحابہ کرامؓ کی اس کثیر تعداد نے امیر یزید کی ولی عہدی سے اتفاق کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی اس کثیر تعداد کے اتفاق کے مقابلے میں پانچ حضرات کے اختلاف کا کیا وزن باقی رہ جاتا ہے؟ اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح اور بجا ہے کہ امیر یزید مغفور کو جمہور صحابہؓ و جمہور اجلہ تابعین اور جمہور امت مسلمہ نے بالاتفاق حضرت معاویہؓ کا ولی عہد تسلیم کیا اور ان کے بعد خلیفۃ المسلمین منتخب کیا۔

اس سے یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی کہ امیر یزید مرحوم ایک صالح اور متقی مسلمان تھے۔ جو شخص انہیں فاسق و فاجر کہتا ہے، وہ ان سینکڑوں صحابہ کرامؓ، ہزاروں اجلہ تابعینؒ، اور لاکھوں عام صالح مسلمانوں کو خطا کار و گناہ گار کہتا ہے۔ وہ یزید پر نہیں بلکہ جمہور صحابہؓ، جمہور تابعین صالحین، اور اس وقت کی پوری امت مسلمہ صالحہ پر اعتراض و طعن کرتا ہے۔ اور انہیں فاسق نوازی کا مرتکب فاسق کہتا ہے۔ اسی طرح امیر یزید کو منصب خلافت کے لئے نااہل قرار دینا، ان سب حضرات صحابہؓ و تابعین اور اس وقت کے جمہور مسلمین کو نااہل اور بدفہم قرار دینا ہے۔ (العیاذ باللہ)۔ ایک سنی تو اس کے تصور سے بھی تھراجاتا ہے۔ صرف شیعہ اور شیعیت کے رنگے ہوئے سنی نما شیعہ ہی اپنے ذہن و دہن کو ایسے افتراء و بہتان سے آلودہ اور گندہ کر سکتے ہیں۔ لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ قیامت آنا یقینی ہے۔ اور افتراء و بہتان اور توہین صحابہؓ و تذلیل اہل ایمان کی سزا آخرت میں بہت سخت ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ واقعات جس قرن اور دور کے ہیں، وہ ازروئے حدیث شریف

"خیر القرون" میں داخل ہے۔ امیر یزید پر ان مخالفین بنوامیہ کی یہ تبرا بازی حضرت معاویہؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور دوسرے سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، حضرات اجلہ تابعین و ائمہ مجتہدین، اور عام مومنین صالحین کے ساتھ یہ سوء ظن یعنی انہیں حق پوشی، مداہنت اور نظام خلافت کو ملوکیت بنانے کی کوشش کا مرتکب قرار دینا، کیا الصادق الامین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی تکذیب نہیں ہے؟ بلاشبہ یہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قرن کو "خیر القرون" فرما رہے ہیں۔ اور یہ لوگ اسے معاذ اللہ "شر القرون" قرار دیتے ہیں؟ یہ لوگ خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ صحابہؓ، تابعینؒ اور جمہور مومنین کے خلاف ان کے یہ اقوال کس قدر گندے اور زہریلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اس غلط اور قابل نفرت روش سے توبہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ اور سب مسلمانوں کو اس تبرائی شیعی ذہنیت و بدکلامی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔"

(اموی خلافت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، ص ۲۹-۳۱)۔

زمانہ خلافت یزید میں بقید حیات صحابہ کرامؓ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

"عرض کر چکا ہوں کہ خیر القرون ثانی یعنی قرن صحابہؓ امیر المؤمنین عبدالملک کی خلافت کے زمانے تک ممتد ہوا۔ امیر یزیدؒ کے دور خلافت میں تو صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد موجود تھی جن میں اجلہ صحابہؓ، اصحاب بدر و بیعت رضوان بھی تھے۔ اگر امیر یزید مغفور فاسق و فاجر و جابر و ظالم تھے تو یہ سب صحابہؓ مداہنت اور اشاعت فسق و فجور پر سکوت کر کے اس میں ایک نوع کی اعانت کے مرتکب ہوئے یا نہیں؟ العیاذ باللہ۔

علاوہ بریں یہ بات عادتاً محال ہے کہ کسی صالح معاشرے میں سربراہ مملکت فاسق و فاجر ہو۔ جس طرح یہ محال عادی ہے کہ کسی گندے معاشرے میں کوئی صالح شخص حکمران بن جائے۔ اگر یزیدؒ فاسق و فاجر اور جابر و ظالم تھے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت پورے مسلم معاشرے پر ظلم و جور، اور فسق و فجور چھایا ہوا تھا۔ اور معاشرہ فاسق و فاجر و جابر تھا۔ اس مرحلے پر شیعوں سے تو کچھ کہنا فضول ہے، اس لئے کہ وہ تو یہی کہتے ہیں اور یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت پورا معاشرہ گندہ تھا۔ العیاذ باللہ۔ لیکن میں ان صاحبان سے جو سنی ہونے کے دعویدار ہیں اور اموی خلفاء پر لگائے ہوئے غلط الزاموں کی تردید کرنے والوں کو خارجی اور ناصبی کا خطاب دیتے ہیں، پوچھتا ہوں کہ کیا قرن صحابہؓ و تابعینؒ، گندہ اور فاسقانہ ہو

سکتا ہے؟ کیا امیر یزیدؒ کو فاسق و فاجر کہنے سے اس پورے قرن کو معاذ اللہ قرن فسق و فجور کہنا لازم نہیں آتا۔؟

آیہ کریمہ "کنتم خیر امة اخرجت للناس- الایة"- کے اولین مخاطب و مصداق حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔ اگر بقول معترض یزیدؒ کے فسق و فجور اور ظلم و جور کا علم ہونے کے باوجود ان حضرات صحابہؓ نے ان پر کوئی نکیر کی اور انہیں معزول نہیں کیا تو نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے میں کوتاہی کی۔ اس سے ایک طرف تو ان سب کا مداہن اور تارک فرض، عاصی اور گناہگار ہونا لازم آتا ہے۔ (معاذ اللہ)۔ اور دوسری طرف اس آیت مقدسہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ (العیاذ باللہ)۔ کیونکہ آیت تو انہیں "الامر بالمعروف والناھی عن المنکر"- بتارہی ہے۔ اور ان کے اس وصف کی ستائش کر رہی ہے۔ بلکہ ان کے اس وصف کی بناء پر انہیں خیر الامم کا لقب دے رہی ہے۔ مگر بقول معترض ان میں اس وصف کا وجود ہی نہ تھا۔ کیونکہ انہوں نے امیر یزیدؒ پر نکیر نہیں کی اور انہیں معروف کا حکم نہیں دیا۔ نہ انہیں توبہ پر مجبور کیا اور نہ معزول کیا۔ یہ آیت کی کھلی ہوئی تکذیب ہے یا نہیں؟ العیاذ باللہ۔ اسی طرح یہ حدیث "خیر القرون" کی تکذیب ہے۔ والعیاذ باللہ۔ حدیث شریف تو اس دور کو "خیر القرون" کہہ رہی ہے اور یہ معترضین و مخالفین یزیدؒ اس میں شر کا غلبہ بتا کر اسے "شر القرون" بتانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

امیر یزید مغفور کی خلافت (۶۰ تا ۶۴ھ) کے زمانہ میں دو سو سے زائد صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ جن میں بعض کا شمار اکابر صحابہؓ میں ہے۔ ان میں بدری صحابہؓ بھی ہیں اور اصحاب بیعت رضوان بھی۔ بطور مثال ان میں سے چند حضرات صحابہؓ کے اسماء گرامی مع سنین وفات درج ذیل ہیں:-

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ مہاجر از اصحاب بیعت رضوان، وفات ۷۴ھ۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ مفسر قرآن وفات ۶۸ھ۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ وفات ۷۳ھ۔

(۴) حضرت عبد اللہ بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ۔ وفات ۶۷ھ۔

(۵) حضرت یزید بن الاسود الجرشی رضی اللہ عنہ۔ شام میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ مستجاب الدعوات تھے۔

(۶) حضرت عبد اللہ بن حازم السلمی رضی اللہ عنہ۔ ساکن بصرہ وفات ۷۱ھ۔

(۷) حضرت معبد بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ۔ قبل فتح مکہ اسلام لائے۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ جہینہ کا علم ان کے ہاتھ میں تھا، وفات ۷۲ھ۔
(۸) حضرت عوف بن مالک الاشجعی الغطفانی رضی اللہ عنہ۔ فتح مکہ میں شریک تھے۔ شام میں انتقال ہوا، وفات ۷۳ھ۔
(۹) ثابت بن الضحاک الانصاری ابوزید الاشہالی۔ شریک بیعت رضوان، وفات ۸۳ھ۔
(۱۰) عبداللہ بن ابی حدرد الاسلمی رضی اللہ عنہ۔ ان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا، وفات ۷۳ھ۔
(۱۱) عمرو بن اخطب ابوزید الانصاری رضی اللہ عنہ۔ تیرہ غزوات میں معیت نبی کریم علیہ الصلوات والتسلیم کا شرف انہیں حاصل ہو۔ وفات ۷۱ھ۔
(۱۲) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ۔ مبایعین بیعت عقبہ ثانیہ میں سے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۹ غزوات میں شریک رہے۔ وفات ۷۸ھ۔
(۱۳) حضرت عبداللہ بن بسر المازنی رضی اللہ عنہ۔ شام میں قیام تھا، وفات ۸۰ھ۔
(۱۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ جلیل القدر صحابی ہیں، خادم رسول ہیں، بصرے میں مقیم تھے۔ وفات ۹۳ھ۔
(۱۵) حضرت جابر بن عتیک انصاری رضی اللہ عنہ۔ بدری ہیں۔ وفات ۶۱ھ۔
(۱۶) حضرت صدی بن عجلان ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ۔ اصحاب بیعت رضوان میں ہیں، وفات ۸۶ھ۔

یہاں صحابہ کرامؓ میں امتیازی شان رکھنے والے صحابہ کرامؓ میں سے چند حضرات کے نام صرف بطور نمونہ اور مثال ذکر کر دیئے گئے۔ ورنہ اس وقت اگر استقصاء کیا جائے تو ان صحابہؓ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز نکلے گی جو امیر یزید مغفور کے خلافت کے زمانہ میں موجود تھے بلکہ اس کے بعد کے زمانہ تک موجود رہے۔ ان سب کے اسماء لکھنے میں بہت طوالت ہے۔ ان چند اسماء گرامی کے تذکرے کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ اس وقت دور صحابہؓ یعنی خیر القرون (ثانی) تھا۔ اگر سربراہ مملکت اور حکمران پارٹی کو فاسق کہا جائے تو کسی عاقل کے نزدیک اسے خیر القرون نہیں کہا جا سکتا۔ نیز سب صحابہ کرامؓ مجروح ہوتے ہیں۔ اور آیات قرآنی کی تکذیب لازم آتی ہے۔ العیاذ باللہ۔''

نوٹ: ''اصابہ، استیعاب، اسد الغابہ وغیرہ سے ان صحابہ کرامؓ کے اسماء مبارک معلوم ہو سکتے

ہیں جو وقت مذکور میں موجود تھے۔"

(ماخوذ از "اظہار حقیقت" بحوالہ اموی خلافت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، ص ۶۰ تا ۶۲)۔

مولانا اسحاق ندوی واقعہ کربلا کے حوالہ سے امیر یزید کی پوزیشن واضح کرنے کے علاوہ اہل مدینہ کے ایک طبقہ کی یزید کے خلاف بغاوت (واقعہ حرہ در اواخر ۶۳ھ) کے سلسلہ میں خلافت یزید کے خلاف سنگین پروپیگنڈہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"باغیوں نے سب سے پہلے اموی اہل مدینہ نیز قریش کے دوسرے لوگوں پر جو حکومت وقت کے مؤید تھے، حملہ کر دیا۔ ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ یہ لوگ حضرت مروانؓ کے مکان میں پہنچ گئے، وہاں باغیوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ (طبری، ج ۵ حوادث ۶۳ھ)

ان کی تعداد نوسو (۹۰۰) فرض کر لیجئے۔ یہ سب باغیوں کے مخالف اور امیر یزید کے حامی تھے۔ اس کے بعد بخاری شریف کی مندرجہ ذیل روایت دیکھئے:۔

"عن نافع قال لما خلع اہل المدینة یزید بن معاویةؓ جمع ابن عمرؓ حشمه و ولده فقال: انی سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول:- ینصب لکل غادر لواء یوم القیامة، وانا قد بایعنا هذا الرجل علی بیع الله و رسوله، و انی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبابع رجل علی بیع الله و رسوله ثم ینصب له القتال، وانی لا اعلم احداً منکم خلعه ولا تابع فی هذا الامر الا کانت الفیصل بینی وبینه۔

(صحیح بخاری، ج ۲، کتاب الفتن، باب اذا قال عند قوم شیئا ثم خرج فقال بخلافه" ۱۰۵۳)

"حضرت نافع سے مروی ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہؓ سے بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اولاد، اور اپنے تعلق رکھنے والوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر غادر (بد عہدی کرنے والے) کے لئے ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا۔ اور بیشک ہم نے اس شخص (یعنی یزید) سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے بیعت کی ہے اور میں اس سے بڑھ کر کوئی غدر (بد عہدی) نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (کسی سے) بیعت کرے، پھر اس سے جنگ کرے۔ اور تم میں سے جو شخص بھی ان سے (یزید سے) بیعت توڑے گا یا (بیعت توڑنے میں) کسی دوسرے کی (باغیوں کی) پیروی کرے گا تو میرے اور اس کے درمیان تعلقات ختم ہو جائیں گے۔"

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود باغیوں کے

خلاف تھے اور ان کی بغاوت کو حرام و معصیت سمجھتے تھے۔ وہ ان کی اس حرکت کو غدر اور بد عہدی کہہ رہے ہیں۔ اس پر عذاب آخرت کی وعید لسان نبوت سے نقل کرتے ہیں۔ اہل مدینہ کو اس معصیت کبیرہ میں شرکت سے شدت کے ساتھ منع فرما رہے ہیں۔ خیال فرمائیے کہ حضرت ابن عمرؓ کا جو جلیل القدر صحابی اور اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں، مدینہ طیبہ میں ان کا کس قدر اثر ہو گا؟ جتنے اہل مدینہ ان سے تعلق رکھتے تھے وہ یقیناً اس بغاوت سے بالکل بے تعلق رہے ہوں گے اور اس سے نفرت کرتے ہوں گے۔ آں محترم کی شخصیت کی عظمت کو پیش نظر رکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہل مدینہ کی کتنی بڑی تعداد بغاوت کے خلاف اور اس سے بے تعلق رہی ہو گی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی ایک ممتاز صحابی ہیں۔ وہ بھی اس بغاوت کے مخالف تھے۔ اور اس سے بالکل الگ رہے۔ یقیناً اہل مدینہ پر ان کا بھی خاصا اثر ہو گا۔ ان کے معتقدین کی تعداد بھی خاصی ہو گی۔ وہ سب بھی یقیناً اس بغاوت سے الگ رہے ہوں گے۔

تیسرے بزرگ جن کے متعلق اس فتنہ سے بے تعلق رہنے کی نشاندہی اوراق تاریخ کر رہے ہیں، جناب علی بن حسینؓ ہیں، جو زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا درجہ کسی صحابی کے برابر تو نہیں مگر اکابر تابعین میں سے ہیں۔ اور یقیناً مدینہ میں کچھ نہ کچھ ذی اثر ہوں گے۔ اہل شہر کی ایک معتد بہ تعداد ضرور ان کی بات مانتی ہو گی۔ ان کا رویہ کیا رہا؟ بغاوت سے بے تعلق رہنے اور اختلاف رکھنے کے ساتھ انہوں نے حامیان خلافت کی مدد بھی کی۔ جب حضرت مروانؓ باغیوں کی قید سے رہا ہو کر جانے لگے تو اپنے اہل و عیال کو انہیں کے سپرد کر گئے۔ طبری لکھتا ہے:-

"وکان مروان شاکراً لعلی بن الحسین مع صداقته کانت بینهما قدیمة" - (۱- طبری، ج ۵، حوادث ۶۳ھ)۔

"حضرت مروانؓ، علی بن حسینؓ کے شکر گزار ہوئے۔ اور ان دونوں کی دوستی بھی بہت پرانی تھی۔"

"فخرج بحرمه و حرم مروان حتی وضعهم بینبع" (۲- طبری ج ۵ حوادث ۶۳ھ)

انہوں نے حق دوستی اس طرح ادا کیا کہ:-
انہوں نے اپنے اور حضرت مروانؓ کے اہل و عیال کو "ینبع" پہنچا دیا۔
اس طرح ان کی حفاظت کا انتظام کر دیا۔ اور بغاوت سے بالکل بے تعلق رہے۔

علاوہ بریں انصار کی ایک معتد بہ تعداد بغاوت کی سخت مخالف تھی۔ ان کا ایک خاندان بنو حارثہ جس کے افراد کی تعداد خاصی بڑی تھی، خلافت وقت کا مؤید و حامی تھا، اور اس نے عملاً بھی افواج سلطانی کی نصرت و امداد کی، جیسا کہ چند سطروں کے بعد معلوم ہو گا۔ بغاوت سے بے تعلق رہنے والوں اور اس سے نفرت و کراہت کرنے والوں کا ذرا شمار کیجیے۔ ان سب کی مجموعی تعداد اندازاً کتنی ہو گی؟ اور اس کے بعد دیکھئے کہ باغیوں اور ان کے حامیوں کی تعداد کتنی رہ جاتی ہے؟ یہ بھی سوچ لیجئے کہ اس وقت شہر مدینہ منورہ کی پوری آبادی کتنی ہو گی؟ اس کی کل آبادی چند ہزار سے زیادہ نہ ہو گی۔ ہر منصف مزاج حساب اور اندازہ لگانے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ بغاوت اہل مدینہ کے ایک چھوٹے گروہ نے کی تھی۔ اہل مدینہ سب تو کیا ان کی اکثریت بھی باغیوں کی حامی نہ تھی۔ ان کی بڑی تعداد بلکہ اکثریت باغیوں کے خلاف تھی۔ اور اسے غدر و معصیت کبیرہ سمجھتی تھی۔

اس واقعی صورت حال کے پیش نظر امام زہری کی روایت جو مودودی صاحب نے نقل کی ہے، مبالغہ آرائی کی افسوسناک مثال ہے۔ مدینہ منورہ کی آبادی اگر پچاس ہزار بھی فرض کر لیں تو اس میں سے ساڑھے دس ہزار آدمیوں کا قتل ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ پھر جب کہ ان میں سات سو معززین بھی ہوں۔ خصوصاً مدینہ منورہ میں جو ہر مسلمان کے نزدیک مقدس و محترم شہر ہے۔ اگر یہ سچ ہوتا تو پورے عالم اسلامی میں کہرام مچ جاتا۔ لیکن تاریخ اس کے تذکرے سے خالی ہے۔ اس کے بجائے ہر طرف اطمینان و سکون نظر آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ زہری صاحب کی روایت کسی سبائی کی گھڑی ہوئی جھوٹی کہانی ہے۔ زہری خود بھی بنوامیہ کے سخت مخالف تھے۔ ان کی نگاہ میں رتبہ صحابیت کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی۔ ان کے اس تشیع خفی نے انہیں اس زہر چکانی پر آمادہ کر دیا۔ ورنہ اس روایت کی تکذیب کے لئے زیادہ چھان بین کی ضرورت نہ تھی۔ فہم عمومی (کامن سینس) ہی اسے رد کر دیتا ہے۔ نہایت بے حیائی و بے غیرتی کے ساتھ اشاعت فاحشہ کی ناپاک اور گھناؤنی مثال خواتین کی عصمت دری اور ایک ہزار حمل قرار پانے کی وہ سراپا کذب و دروغ گندی کہانی ہے جو مودودی صاحب نے نہایت طمطراق کے ساتھ ابن کثیر سے نقل کی ہے۔

جھوٹ اور بہتان کا تعفن دوسروں تک منتقل کرنے کا محفوظ طریقہ یہ ہے کہ "قیل" کہا اور جھوٹ کی گندگی کا انبار لگا دیا۔ دوسرے کے کندھے پر رکھ کر بندوق داغ دی۔ جھوٹ

کھل گیا تو "قیل" کی سپر کی آڑ لے لی۔ یہ مؤرخانہ بددیانتی کا ایک طرز ہے۔ جو مؤرخ کی بددیانتی کے ساتھ اس کے رفض خفی کی بھی پردہ دری کرتا ہے۔ قائل اور راوی کوئی سیاہ قلب رافضی یا یہودی ہے۔ لیکن مؤرخ اور ناقل بھی اس معصیت کبیرہ اور الزام کذب و بہتان سے بچ نہیں سکتے۔ اس واقعہ کا یقین وہی کر سکتا ہے جس کی عقل عداوت بنی امیہ سے اندھی ہو چکی ہو۔ ورنہ اس کا جھوٹ اور بہتان ہونا مثل بدیہیات واضح ہے۔

حضرت مسلم بن عقبہؓ (امیر لشکر) صحابی ہیں۔ وہ ایسا گندہ حکم دیں اور وہ اس وقت جب کہ وہ بہت بوڑھے، مریض اور اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے؟ یہ بات نہایت بعید از قیاس ہے بلکہ اسے ہم محال عادی کہہ سکتے ہیں۔ پھر ان کے ماتحت جو سپاہی تھے، وہ بھی مومن تھے۔ وہ اس قسم کی حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر یہ کہ مدینہ منورہ میں جو لوگ آباد تھے ان میں سے بکثرت امیر یزید اور بنو امیہ کے رشتہ دار تھے۔ ان حالات میں اس قسم کی ناپاک باتوں کا تو وسوسہ بھی فاتحین کے دل میں نہیں آسکتا تھا۔ خصوصاً کسی صحابیؓ کے دل میں۔

یہ امر بھی اہم اور قابل لحاظ ہے کہ اگر سبائیوں کی گھڑی ہوئی اس ناپاک جھوٹی کہانی کو صحیح سمجھا جائے تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ اس وقت دنیا میں جو علوی، حسنی، حسینی، صدیقی، فاروقی، زبیری، قریشی نسل کے افراد موجود ہیں اور اپنے نسب پر فخر و ناز کرتے ہیں، ان سب کا نسب مشکوک و مشتبہ ہے۔ ان میں سے کسی کا دعویٰ صحت نسب اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ یہ نہ ثابت کر دے کہ حادثہ حرہ کے زمانے میں اس کی جدہ محترمہ مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھیں۔

تیسری چیز جو اس شیعی ارجاف اور سبائیوں کی من گھڑت سراپا کذب و دروغ کہانی کا سراپا کذب و دروغ ہونا واضح کر دیتی ہے، ان اثرات کا فقدان ہے، جنہیں لازماً اور یقیناً وجود میں آنا چاہیئے تھا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو ان اثرات کا ظہور یقیناً ہوتا۔ عصمت دری اور بے آبروئی کوئی معمولی بات نہیں۔ معمولی غیرت رکھنے والا مرد بھی اپنی کسی قرابت دار عورت کی آبرو ریزی کو بھی برداشت نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ اپنی بیوی، ماں، بہن، بیٹی وغیرہ قریب ترین رشتہ رکھنے والی عورتوں کی بے آبروئی کو۔ کوئی غیرت دار انسان جان کی قیمت پر بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر کیا مدینہ منورہ کے رہنے والے ہاشمی، علوی، صدیقی، فاروقی، قریشی، انصاری وغیرہ سب کے سب انتہائی بے غیرت بزدل، اور دنی الطبع تھے کہ

انہوں نے اس ذلت کو گوارا کیا اور اپنی عورتوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگانے کے بجائے اپنی جان بچائی اور مقابلہ سے گریز کیا؟ اگر بقول راوی کذب میدان جنگ میں دس ہزار آدمی مقتول ہوئے تھے، تو گلی کوچوں میں کم از کم اتنے ہی مقتول ہوئے ہوتے۔ غیرت کا تقاضا کچھ تو پورا ہوا ہوتا۔

یہ عجوبہ بھی قابل دید ہے کہ بقول مؤرخین کذابین اتنی ذلت برداشت کرنے کے باوجود حضرت علی بن حسینؓ (المعروف زین العابدین) نیز دیگر بنی ہاشم کی دوستی امیر یزید اور حضرت مروانؓ کے ساتھ بدستور قائم رہی۔ یہ حضرات امیر یزید سے تحفے تحائف بھی وصول کرتے رہے اور ان کے پاس ان کی آمد و رفت بھی جاری رہی۔ مگر حرف شکایت کبھی زبان پر نہ لائے۔ اور اس حادثہ فاجعہ کا کوئی تذکرہ ان سے نہیں کیا۔ کیا یہ انتہائی بے غیرتی نہیں؟

کوئی مسلمان اہل مدینہ یا مخصوص حضرات کو بے غیرت سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ سارا قصہ جھوٹا، سراپا کذب و افتراء ہے۔

آخر میں "ہزار حمل" کی احمقانہ سبائی کہانی پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ ابن کثیر نے "قیل" کی نقاب میں بے حیا اور کذاب قائل کا روئے نحس چھپا دیا، مگر اس کذب و دروغ کو بلا تردید و تبصرہ نقل کر کے گناہ کے مرتکب ہوگئے۔ انہیں تو قائل سے پوچھنا چاہئے تھا کہ کیا اس کی کوئی دادی اس وقت وہاں موجود تھی جس نے یہ حمل شماری کی تھی؟ اس دشمن صداقت کو یہ تعداد کیسے معلوم ہوئی؟ اس کا یہ بیان تو خود اپنے جھوٹ ہونے کا اقرار کر رہا ہے۔ اسے نقل کرنا افسوسناک ہے۔"

(اسحاق ندوی، اظہار حقیقت، ج ۳، و راجع، اموی خلافت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، ص ۴۰-۴۵)

واقعہ حرہ ہی کے حوالہ سے یہ بیان بھی ملاحظہ ہو:-

"سنی مؤرخین اور بعض سنی علماء دین نے آنکھیں بند کر کے شیعوں کے ان غلط اور سراپا کذب و دروغ گندے بیانات کو بغیر سمجھے بوجھے اور بغیر غور و فکر نقل کر دیا۔ یہ لوگ وہی ہیں جن کے ذہن پر شیعیت کا کچھ نہ کچھ اثر ہے۔ اور بغض بنوامیہ خصوصاً یزید مرحوم کے جوش نے ان کی فہم کو اس حد تک متاثر کر دیا کہ یہ ان روایات مکذوبہ موضوعہ کے مضمرات و مقاصد کو نہیں سمجھ سکے۔ جن علماء کا ذہن اس اثر سے پاک تھا انہوں نے ان ہفوات کی تردید کی اور انہیں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ مثلاً علامہ قاضی بدر الدین ابو عبداللہ بن عبداللہ حنفی المتوفی ۷۹۶ھ، حادثہ حرہ کی وہی تفصیل بیان کر کے جو شیعوں اور شیعیت نواز

مؤرخوں نے بیان کی ہے، لکھتے ہیں:-

"قال شیخنا عبداللّٰه الذهبی هذا سخف و مجازفة-"

"ہمارے شیخ عبداللہ الذہبی نے کہا ہے کہ یہ (بیان و حکایت) احمقانہ، اور (بیان کرنے والے کی) بے بصیرتی (کی علامت ہے)-"

(آکام المرجان فی غرائب الاخبار و احکام الجان، الباب الثامن والسبعون، ص ۱۴۸، اصح المطابع)-

علامہ ذہبی تو حرہ کے مبینہ واقعات کو غلط اور اس کے بیان کرنے والوں کو احمق اور بے بصیرت کہہ رہے ہیں۔ علامہ بدرالدین بھی ان کے ہم خیال تھے۔ اور اپنے استاد کی رائے کو صحیح سمجھتے ہیں۔ مگر نسلی تعصب اور تشیع کی بیماری میں مبتلا تاریخ نگار اس سراپا کذب و دروغ اور جھوٹ کی پوٹ کو صحیح کہتے ہیں اور حیاء و شرم کو بالائے طاق رکھ کر اسے بیان کرتے رہتے ہیں۔"

(اموی خلافت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، ص ۵۲-۵۳، بحوالہ "اظہار حقیقت"، جلد ۳)-

"حدیث خلافت و بادشاہت پر ایک اجمالی نظر و تبصرہ

ہمارے ہاں یہ حدیث بہت مشہور ہے کہ:-

"میری امت میں خلافت تیس برس رہے گی۔ اس کے بعد بادشاہت ہو گی"

(ترمذی)

اس روایت میں کئی راوی ایسے ہیں جن کا ثقہ اور معتبر ہونا محدثین کرامؒ کے نزدیک مختلف فیہ اور معرض بحث ہے۔ اس سقم اور فنی کمزوری کی وجہ سے علماء کو اس کے صحیح تسلیم کرنے میں تامل رہا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت صرف تیس سال قائم رہی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد اسحق صدیقی نے اس مسئلہ پر یوں اظہار خیال کیا ہے:-

"خلافت صرف تیس سال باقی رہنے والی روایت ثابت ہی نہیں اور اگر بالفرض ثابت ہو تو علماء محققین کے نزدیک ظاہر پر محمول نہیں بلکہ مؤول ہے۔ بعض علماء نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ تیس سال جو خلافت رہے گی، وہ بہت اہم اور ممتاز درجہ کی ہو گی۔ یوں خلافت اس کے بعد بھی رہے گی۔ مقصد کلام دلوں مں اس زمانہ کی خلافت کی عظمت زیادہ کرنا ہے نہ کہ تیس سال کے بعد نفس خلافت کی نفی کرنا۔ لیکن راقم کے نزدیک یہ حدیث ثابت ہی نہیں۔ اس لئے کسی تاویل ہی کی ضرورت نہیں۔"

(اموی خلافت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، ص ۲۵، ناشر عبدالرحمن، اسلامی کتب خانہ کراچی، ۱۴۱۴ھ)۔

"ایک فطری اشکال اور اس کا معقول جواب

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ بہت سے علماء نے یزید کو فاسق لکھا ہے۔ اس لئے ان بزرگوں کے قول کے خلاف اس دور کے کچھ سکالرز کی تحقیق قابل قبول نہیں۔

یہ اشکال در حقیقت بہت کمزور ہے اس کا جواب شیخ الحدیث مولانا محمد اسحق صدیقی ندوی، کراچی یوں دیتے ہیں:۔

"ان بزرگوں کے ساتھ محبت و عقیدت کو میں اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں اور اس کے ساتھ جانتا ہوں کہ یہ بزرگان امت مخلص اور حق پسند تھے۔ اگر تحقیق فرماتے تو وہی لکھتے جو میں کہتا ہوں۔ لیکن اہم تر دینی خدمات میں مصروفیت و مشغولیت کی وجہ سے ان حضرات کو اس تاریخی مسئلہ کی تحقیق کی فرصت نہ مل سکی اور انہوں نے دور عباسی کے ان علماء کی رائے پر اعتماد کیا جنہوں نے شیعی ابلاغ عامہ اور طبری و مسعودی وغیرہ شیعی مؤرخین کی من گھڑت روایتوں سے متاثر ہو کر امیر یزید مرحوم و مغفور کو فاسق و فاجر لکھ دیا تھا۔ اس لئے در حقیقت غلطی کی ذمہ داری ان بزرگوں پر نہیں بلکہ ان کے پہلے علماء مذکورین پر ہے جنہوں نے شیعی مکذوبات پر اعتماد کیا۔

"شریعت اسلامیہ کا اصول یہ ہے کہ ہر مسلمان کو صالح سمجھا جائے گا، جب تک اس کا فسق ثابت نہ ہو۔ کسی مسلمان کے صالح ہونے کے لئے کسی دلیل اور ثبوت کی ضرورت نہیں۔ فاسق کہنے کے لئے دلیل اور ثبوت کی ضرورت ہے۔ چونکہ یزید کے فسق کا کوئی ثبوت نہیں، اس لئے شرعاً انہیں صالح مسلمان سمجھنا چاہیے۔"

مولانا (اسحق صدیقی) اپنے ایک فتوی میں لکھتے ہیں:۔

"خلیفۃ المسلمین یزید مغفور پر شیعوں اور "تحریک شیعیت" سے متاثر ہونے والوں نے بکثرت بہتان لگائے ہیں اور ان پر بہت افتراء کیا ہے۔ ان کی طرف جو برائیاں منسوب کی گئی ہیں، ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ان پر اس افتراء پردازی اور بہتان طرازی سے شیعوں کا مقصد در حقیقت صحابہ کرامؓ کو مطعون کرنا اور ان کے وقار کو گرانا ہے تاکہ صحابہ کرامؓ کے بعد آنے والے لوگ ان سے بدگمان ہو کر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید سے بدگمان ہو جائیں۔ اس طرح دین اسلام کی ترقی رک جائے اور وہ ختم ہو جائے۔ العیاذ باللہ۔

"اس غلط بیانی اور بہتان طرازی کے اصل بانی یہود ہیں۔ شیعہ ان کے شاگرد ہیں۔ کیونکہ شیعہ مذہب یہود ہی کی ایجاد ہے۔ جب امیر یزید سریر آرائے خلافت ہوئے تو صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جنھوں نے ان سے بیعت کی اور انہیں خلیفۃ المسلمین مانا۔ امیر یزیدؒ کو برا کہنے سے صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد کو برا کہنا لازم آتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ معمولی فہم کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ صالح اور متقی نہ تھے تو ان صحابہ کرامؓ نے انہیں گوارا کیسے کیا؟ انہیں خلیفہ کیوں بنایا؟ اور انہیں خلافت پر باقی کیوں رکھا؟ نہی عن المنکر کیوں نہ کی؟ انہیں معزول کیوں نہ کیا؟ اگر وہ برے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت کا سارا معاشرہ برا تھا۔ والعیاذ باللہ۔ شیعہ یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں اور کوئی سنی بھی اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ امیر یزیدؒ کی مذمت کرنے سے یہود اور شیعوں کا مقصد یہ بھی ہے کہ ہماری تاریخ کو تاریک دکھا کر اہل سنت میں جذبہ خود حقارتی پیدا کیا جائے۔ یہ جذبہ جس قوم میں پیدا ہو جائے اس کے لئے تباہ کن ہوتا ہے۔

"حق یہ ہے کہ امیر یزید مغفور، صالح اور متقی مسلمان تھے اور ان کی خلافت بالکل صحیح تھی۔ وہ صالح ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے مدبر اور ذہین و فہیم حکمران تھے۔ ان کی کوشش سے افریقہ میں اسلام پھیلا۔ اللہ کی راہ میں انہوں نے جہاد اور بہت سے فتنوں کا انسداد کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے دینی و قومی خدمات کا انہیں اجر جزیل عطا فرمائے اور جنت میں انہیں اعلیٰ درجات نصیب فرمائے۔ آمین۔"

(اموی خلافت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، ص ۶۳-۶۴ ناشر عبدالرحمن، اسلامی کتب خانہ، کراچی، ۱۴۱۴ھ)۔

ان اقتباسات سے یزید و کربلا و حرہ وغیرہ کے حوالہ سے منکر اسلام مولانا اسحاق ندوی صدیقی سندیلوی کے علمی و تحقیقی دلائل و افکار کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ فمن شاء ذکر۔

۸۴- مولانا حبیب الرحمن صدیقی کاندھلویؒ (م ۱۹۹۶ء، کراچی)

برصغیر کے جلیل القدر حنفی عالم و مصنف و معلم استاذ العلماء مولانا حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی نے نہ صرف سیدنا معاویہؓ کے خلیفہ راشد ہونے کے حق میں قیمتی شرعی دلائل فراہم کئے ہیں بلکہ یزید کی ولیعھدی و خلافت کو شرعاً درست قرار دینے اور واقعہ کربلا و حرہ وغیرہ کی ذمہ داری سے یزید کے بری الزمہ ہونے کے سلسلہ میں بھی ان کا نقطۂ نظر بڑا مثبت، واضح اور دو ٹوک ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی عظیم الشان تصنیف "مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت" مقبول خواص و عوام ہے۔ آپ سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ راشد اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ ثابت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام صحابہ کرامؓ کو "الراشدون" کے خطاب سے نوازا ہے۔ سیدنا معاویہؓ بھی جماعت صحابہؓ ہی کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ اس لئے لامحالہ ارشاد ربانی کے مطابق وہ راشد ہیں۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ کے ذریعے قائم شدہ نظام حکومت کو خلافت راشدہ کے علاوہ کسی اور نام سے موسوم کیا جائے۔۔۔

لاریب قرآن مجید کی مقدس ہدایات پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص بھی کسی ایسی حکومت کو برے معنی میں بادشاہت یا ملوکیت کہنے کی جرأت و جسارت نہیں کر سکتا جس کے قیام و سربراہی کے فرائض اللہ کے ارشاد فرمودہ اوصاف کے مطابق صحابی رسول ﷺ انجام دے رہے ہوں۔ یا جس میں انتظامی و اصلاحی معاملات اصحاب رسول ﷺ کی نگرانی میں طے پاتے ہوں۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ سیدنا معاویہؓ بھی خلیفہ راشد ہیں۔ اور آپ نے اپنی خلافت راشدہ کے زمانے میں اسلام اور انسانیت کی بیش از بیش خدمات انجام دیں۔"

(مولانا حبیب الرحمن کاندھلوی، مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، ج دوم، ص ۴۰۸-۴۰۹)۔

مولانا حبیب الرحمن کاندھلوی، حدیث "الخلافة من بعدی ثلاثون سنة-" سے دائماً و مطلقاً اختتام خلافت مراد لینے والوں کے موقف کو مسکت دلائل سے رد فرماتے ہیں۔ اور یزید کی ولیعھدی کی بیعت لینے والے صحابی راشد سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو راشدہ نہ ماننے والوں

کو لاجواب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

''سیدنا معاویہؓ کا صحابی اور مجتہد ہونا مسلم ہے۔ اب بڑی دلچسپ بات ہوگی کہ آپ جو کچھ صحابی اور مجتہد ہونے کی حیثیت سے حکم دیں، وہ قابل پذیرائی ہو۔ لیکن امت کے حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے جو فرمائیں اور حکم نافذ کریں، اس کی تعمیل واجب نہ رہے۔ اور موجب رضائے الہیٰ نہ ہو۔ کیونکہ وہ حکم ہوگا ایک غیر راشد کا، بلکہ لکھنے بادشاہ کا۔ ایسا حکم سنت بھی نہیں کہلائے گا۔ کیونکہ یہ ۴۱ھ کے بعد کا ہوگا۔ اور اس وقت خلافت راشدہ کا دور ختم ہو چکا ہوگا۔

موطا شریف، بخاری شریف، اور صحاح کی دوسری کتابوں میں امیر المؤمنین معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ کے جو فتاوی مذکور ہیں، اور آپ کے فقہی اجتہادات بیان ہوئے ہیں، وہ اب فقہاء کے لئے نظیر نہیں رہیں گے۔ اور کسی اسلامی حکومت کی دفعات میں انہیں بار نہیں ملے گا۔ کیا کبھی تیرہ سو برس کی اس مدت میں کسی صاحب ایماں نے ایسی بات کہی ہے یا کہہ سکتا ہے؟''

(مولانا حبیب الرحمن کاندھلوی، مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، ص ۴۰۸-۴۰۹)۔

۸۵- علامہ سید عبدالستار شاہ ؒ (حنفی بریلوی)

(سابق صدر مدرس "جامعہ انوار العلوم" ملتان)

شیخ الحدیث والتفسیر، پیر طریقت، علامہ سید عبدالستار شاہ ؒ "اہل سنت والجماعت" کے حنفی بریلوی مکتب فکر کے جلیل القدر علماء و مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کافی عرصہ تک علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کی معروف دینی درسگاہ "جامعہ انوار العلوم" ملتان کے صدر مدرس اور استاذ تفسیر وحدیث کی حیثیت سے عظیم الشان خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کا مزار پر انوار مدینۃ الاولیاء ملتان میں مرجع خواص و عوام ہے۔

آپ کی دیگر عظیم الشان علمی و دینی و روحانی خدمات کے ساتھ ساتھ یزید بن معاویہؓ کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب میں آپ کا تفصیلی و جامع فتوی آپ کی جرأت و عزیمت اور حمیت و بصیرت کا نادر الشال مظہر ہے۔ جس کی بناء پر آپ کو اپنے ہم مسلک بعض علماء و مشائخ کی جانب سے ابتلاء و آزمائش کا شکار بھی ہونا پڑا۔ مگر آپ نے بلا خوف لومۃ لائم، اظہار حق اور دفاع صحابہؓ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے حق گو علماء و صوفیائے سلفؒ کی سنت و سیرت پر عمل پیرا رہے۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم۔

اب یزید بن معاویہؓ کے حوالہ سے پاک پتن کے محترم جناب غلام رسول شاہ صاحب کی جانب سے آپ کی خدمت میں پیش کردہ استفتاء اور اس کے جواب میں علمی و فقہی و تاریخی حوالوں پر مشتمل آپ کا جامع و مفصل فتوی ملاحظہ ہو:۔

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ :-

"ہماری مسجد کے خطیب صاحب 'یزید بن معاویہؓ کو برا سمجھنا تو در کنار' کہتے ہیں کہ یزید نے حضرت حسینؓ کو قتل ہی نہیں کیا' نہ ان کے قتل میں اس کی رضامندی شامل تھی' نہ وہ برا آدمی تھا' جیسا کہ کہا جاتا ہے' بلکہ جو یزید کو برا کہتے ہیں وہ دشمنان صحابہؓ کے ہاتھوں میں کھیلتے اور ان کی تقویت کا باعث بنتے ہیں"۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ باتیں درست ہیں؟ اور کیا ایسے آدمی کی تقریر سننا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

راقم :- غلام رسول شاہ
پاک پتن شریف

الجواب

مندرجہ بالا خیالات رکھنے والے عالم و خطیب یقیناً صحیح المسلک ہیں۔ اور یہی محققین اہل سنت کا نقطۂ نظر ہے۔ جو لوگ یزید کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتے ' وہ یا تو تاریخ کے ماہر نہیں اور مخالف پروپیگنڈے سے متاثر ہیں۔ اور اتنی بصیرت نہیں رکھتے کہ دشمنان صحابہؓ کی چالوں کو سمجھ سکیں۔ کیونکہ دشمن کو معلوم ہے کہ صحابہ کرامؓ پر کھلم کھلا طعن و تشنیع اہل سنت برداشت نہیں کریں گے۔ اس لئے وہ یزید کو پہلا ہدف بناتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر یزید کی برائی مسلم ہو گئی تو اس کو خلیفہ مقرر کرنے والے حضرت امیر معاویہؓ اس کی سفارش کرنے والے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور یزید کی خلافت پر بیعت کرنے والے تمام صحابہؓ کرام کی برائی خود بخود دلوں میں بیٹھ جائے گی۔ پھر جس نے حضرت امیر معاویہؓ کو گورنر بنایا (یعنی حضرت عمر فاروق اعظمؓ) اور جس نے انہیں گورنری پر

بر قرار رکھا (یعنی حضرت عثمانؓ) ان کے خلاف دلوں میں میل آئے گا۔ اور یوں رفتہ رفتہ تمام صحابہؓ رسولؐ سے بغض پیدا ہو جائے گا۔ یا کم از کم ان سے وہ محبت نہیں رہے گی جیسی ہونی چاہیے اور یہی دشمنان صحابہؓ کا مقصد ہے۔

در اصل یزید کی برائی ان کا مقصد ہے ہی نہیں 'بلکہ یزید کے ذریعے اور حوالے سے اس کو خلیفہ مقرر کرنے والے 'اس کی خلافت کا مشورہ دینے والے 'اس کی بیعت کرنے والے صحابہ کرامؓ پر طعن کرنا مقصود ہے۔ وہ یزید کو قتل حسینؓ میں ملوث کر کے اور اس کی بے انتہا برائیاں کر کے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ دیکھو اتنے صحابہؓ میں کوئی بھی جرأتمند اور غیرت مند نہیں تھا جو حسینؓ کی مدد کرتا اور یزید جیسے آدمی کو خلافت سے اتار دیتا 'یا کم از کم اس کے خلاف لڑتے ہوئے حسینؓ کی طرح اپنی جان ہی قربان کر دیتا۔ اس کے بر خلاف اس وقت موجود تمام بڑے بڑے صحابہؓ مثلاً : عبداللہ بن عمرؓ 'عبداللہ بن عباسؓ ' انس بن مالکؓ ' جابر بن عبداللہؓ ' غرض وہ تمام صحابہؓ جو اس وقت موجود تھے 'یہ ساری خلافِ شرع باتیں گوارا کرتے رہے۔

غرض وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ آج کل کے حریت پسندوں اور آمریت کے دشمنوں سے بھی گئے گزرے تھے 'کیونکہ آج بھی آمروں کو ہٹانے کے لئے بہت سے لوگ اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں ' مگر ان صحابہ کرامؓ سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ جو محققین اہل سنت دشمن کی اس چال کو سمجھتے ہیں ' وہ ان کے پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہوتے۔ لیکن جو اس گہرائی میں نہیں جاتے اور سنی سنائی باتوں پر عمل کرتے ہیں ' ان سے کمزوری ہو جاتی ہے جو اہل سنت کے لئے بہت نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو صحابہ کرامؓ کی سچی محبت عنایت فرمائے کہ ان کی محبت جزو ایمان ہے اور دشمن کی چالوں کو سمجھنے اور اس کے غلط پروپیگنڈے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب میں آپ کے سوالات کا جواب خود دینے کے بجائے پیر پیران سید السادات حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے شاگرد امیر المؤمنین فی الحدیث 'حافظ الوقت 'الامام عبدالغنی مقدسیؒ (جو احکام حدیث کی سب سے مشہور و مستند کتاب " عمدۃ الاحکام "

کے مئولف ہیں، جس کی شرح علامہ ابن دقیق العید شافعیؒ نے لکھی ہے) کا فتویٰ اور آئمہ اربعہ (امام اعظم ابو حنیفہؒ ، امام مالکؒ ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) کے بعد سب سے بڑے عالم وبزرگ حضرت امام غزالیؒ کا فتویٰ مع ترجمہ نقل کر دیتا ہوں جس میں آپ کے سوالات کا مفصل ومدلل جواب آجاتا ہے۔

پہلے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے شاگرد حافظ عبدالغنی مقدسیؒ کا فتویٰ ملاحظہ ہو:۔

سئل عن يزيد بن معاوية فاجاب :- خلافته صحيحة بايعه ستون من اصحاب رسول اللهﷺ منهم ابن عمرؓ.

و امّا محبته : فمن احبه فلا ينكر عليه ، ومن لم يحبه فلا يلزمه . ذلك لأنّه ليس من الصحابة الذين صحبوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فيلتزم محبتهم إكراماً لصحبتهم .

(الذيل على طبقات الحنابلة ، لابن رجب (٧٩٥هـ) مطبوعه مطبعة السنة المحمدية ، القاهرة (١٩٥٣ء ، جلد دوم ، ص ٣٤).

ان سے یزید بن معاویہؒ کی خلافت اور ان سے محبت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ :۔

یزید بن معاویہؒ کی خلافت صحیح ہے۔ساٹھ صحابۂ کرامؓ نے ان کی بیعت کی تھی۔ جن صحابۂ کرامؓ نے اس کی بیعت کی ہے، ان میں عمر فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے اور شیخ الصحابہ یعنی اس وقت کے صحابۂ کرامؓ میں سب سے بزرگ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بھی ہیں۔

رہا یزید بن معاویہؒ سے محبت کرنا، تو یہ بھی کوئی بری بات نہیں۔ اس سے محبت کرنے والے پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر کسی کو اس سے محبت نہیں تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ صحابئ رسولؐ نہیں کہ صحابیت کی وجہ سے محبت لازمی اور ضروری ہے۔

اور اب ملاحظہ فرمایئے ائمہ اربعہؒ (یعنی اہل سنت کے چار اماموں) کے بعد سب سے بڑے اور سب سے مشہور عالم وبزرگ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ ،

شیخ الجامعہ نظامیہ، بغداد کا یزید کے متعلق فتویٰ :-

١- سئل عن صرح بلعن يزيد، هل يحكم بفسقه أم هل يكون ذلك مرخصاً له فيه ؟

٢- و هل كان مريداً قتل الحسين رضى الله عنه، أم كان قصده الدفع ؟

٣- وهل يسوغ الترحم، أم السكوت عنه أفضل ؟

١-(امام غزالیؒ سے فتویٰ) پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص یزید بن معاویہؓ پر لعنت کرے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ یا یزید پر لعنت کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا؟

٢- یہ کہ کیا یزید حضرت حسینؓ کو قتل کرنا چاہتا تھا؟ یا اس کا مقصد صرف اپنی مدافعت تھا؟

٣-یہ کہ کیا یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے؟ یا اس کا نام بغیر رحمۃ اللہ علیہ کہہ لینا بہتر ہے؟

حضرت امام غزالیؒ کا فتویٰ

فتنعم بازالة الاشتباه مثاباً، فأجاب :-

ان سوالات کے جوابات میں حضرت امام غزالیؒ نے فتویٰ مرحمت فرمایا :

الجواب

١- لا يجوز لعن المسلم اصلاً . ومن لعن مسلماً فهو الملعون، و قد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :- " المسلم ليس بلعان ". وكيف يجوز لعن المسلم ولا يجوز لعن البهائم؟ وقد ورد النهى عن ذلك. و لحرمة المسلم أعظم من حرمة الكعبة بنص النبى صلى الله عليه وسلم و يزيد صح

اسلامه .

٢- وما صح قتله الحسين رضى الله عنه ولا أمربه ولا رضيه ومهما لا يصح ذلك منه لا يجوز أن يظن ذلك به فإن اسائة الظن بالمسلم أيضاً حرام.

وقد قال الله تعالى:

اجتنبوا كثيراً من الظن إن بعض الظن إثم. (الحجرات :١٢)

وقال النبى صلى الله عليه وسلم:. ان الله حرم من المسلم دمه و ماله و غرضه و أن يظن به ظن السوء .

ومن زعم أن يزيد أمر بقتل الحسين رضى الله عنه أو رضى به فينبغى أن يعلم به غاية الحماقة . فان من قتل من الاكابر والوزراء والسلاطين فى عصره لو أراد أن يعلم حقيقة من الذى أمر بقتله و من الذى رضى به ومن الذى كرهه لم يقدر على ذلك وان كان الذى قد قتل فى جواره و زمانه وهو يشاهد فكيف يعلم ذلك فيما انقضى عليه قريب من أربعمأة سنة فى مكان بعيد ؟ وقد تطرق التعصب فى الواقعة فكثرت فيها الأحاديث من الجوانب - فهذا الامر لا يعلم حقيقته أصلاً واذا لم يعرف وجب إحسان الظن بكل مسلم يمكن إحسان الظن به.

ومع هذا فلوثبت على مسلم انه قتل مسلماً فمذاهب اهل الحق أنه ليس بكافر .

والقتل ليس بكفر وهو معصية. واذا مات القاتل فربما مات بعد التوبة. والكافر لوتاب من كفره لم تجزلعنته فكيف من تاب عن قتل ؟ ولم يعرف أن قاتل الحسين رضى الله عنه مات قبل التوبة . وهو الذى يقبل التوبة من عباده . فاذن لا يجوز لعن أحد ممن مات من المسلمين. ومن لعنه كان فاسقاً عاصيا لله تعالى.

ولو جاز لعنه فسكت لم يكن عاصياً بالإجماع. بل لو لم يلعن

إبليس طول عمره لا يقال له يوم القيمة : لم تلعن إبليس؟ ويقال للاعن: لم لعنت ؟ ومن اين عرفت أنه مطرود و ملعون ؟ والملعون هو البعيد من الله عزّو جلّ وذلك غيب لا يعرف إلا فيمن مات كافراً فان ذلك علم بالشرع .

۳– و أما لترحم عليه فجائز بل هو مستحب بل هو داخل فى قولنا فى كل صلوة :–" اللّهم اغفر للمؤمنين و المؤمنات " فانه كان مؤمناً. والله اعلم.

کتبہ : محمد الغزالی

(دیکھیے وفیات الاعیان لابن خلکان، مطبوعہ مکتبۃ النہضۃ، قاہرہ. ج ۲، ص ۴۶۹).

ا- کسی بھی مسلمان پر لعنت کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور جس نے کسی مسلمان پر لعنت کی، وہ خود ملعون ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ :- مسلمان لعنت نہیں کیا کرتا۔

خود سوچنا چاہیئے کہ کسی مسلمان پر لعنت کرنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ جانوروں پر لعنت کی بھی اجازت نہیں اور اس کی ممانعت آئی ہے۔ اور مسلمان کی عزت و حرمت کا تو یہ عالم ہے کہ ارشاد نبویؐ کے مطابق مسلمان کی حرمت، کعبہ شریف کی حرمت سے بھی بڑھ کر ہے۔ (ابن ماجہ وغیرہ)۔ اور یزید صحیح الاسلام مئومن تھا، (لہذا اس کی حرمت بھی اس حدیث شریف کے مطابق اتنی ہی اہم ہے)۔

۲-(دوسرے سوال کا جواب) یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ یزید نے حضرت حسینؓ کو قتل کرایا، یا اس کا حکم دیا، یا اس پر راضی ہوا- پس جبکہ اس قتل کا الزام اس پر ثابت نہیں ہوتا، پھر اس کے ساتھ ایسی بدگمانی جائز نہیں اس لئے کہ مسلمان سے بدگمانی رکھنا حرام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

بدگمانیاں کرنے سے بچو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہوتے ہیں۔(القرآن)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا مال ' اس کی جان ' اس کی عزت و آبرو اور اس کے ساتھ بد گمانی کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ (بخاری و مسلم)۔

اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ یزید نے قتل حسینؓ کا حکم دیا یا اس پر رضامندی کا اظہار کیا ' تو بلاشبہ ایسا شخص پرلے درجے کا احمق ہے۔ کیونکہ خود اس بیوقوف اور احمق کے زمانہ میں بھی مشاہیر ' وزراء اور سربراہان مملکت میں سے جو لوگ بھی قتل ہوئے ' اگر یہ شخص ان کے متعلق یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا ' کون کون اس پر راضی تھا ' اور کس نے اس کو پسند کیا تو یہ شخص اس پر ہرگز قادر نہ ہوگا ' نہ اس کی حقیقت تک پہنچ سکے گا ' چاہے یہ قتل اس کے پڑوس میں ' اس کے زمانہ میں اور اس کی موجودگی میں کیوں نہ ہوا ہو۔

تو پھر اس واقعہ کی حقیقت تک رسائی کیونکر ہو سکتی ہے جو دور دراز کے شہر اور قدیم زمانہ میں گزرا ہو۔ لہذا حضرت حسینؓ کے قتل کی صحیح حقیقت کا کیسے پتہ چل سکتا ہے جب کہ اس پر چار سو برس کی (اور اب تو اس واقعہ کو چودہ سو برس ہو گئے۔ مترجم) طویل مدت گزر چکی ہے۔ اور واقعہ بھی اس احمق سے بہت دور کی سرزمین میں ہوا ہے۔ خصوصاً جب کہ اس واقعہ کے بارے میں متعصبانہ روش بھی اختیار کی گئی اور نہایت جانبدارانہ انداز اختیار کیا اور بے انتہا حاشیے چڑھائے گئے۔ پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی صحیح حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا۔ اور جب حقیقت تعصب کے پردوں میں روپوش ہو تو پھر اپنے بھائی مسلمان کے ساتھ جہاں تک بھی ہو سکے حسن ظن رکھنا واجب ہے۔

اور اگر بالفرض ثابت بھی ہو جائے کہ ایک مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان کو قتل کیا ہے تو قتل کرنے والا مسلمان ' کافر نہیں ہو جاتا۔ یہ اہل حق کا متفقہ فیصلہ ہے کیونکہ قتل کرنا گناہ ہے کفر نہیں۔ اور اگر قاتل نے مرنے سے پہلے توبہ کر لی تو یہ گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ پس جب ایک کافر بھی اگر توبہ کرے (اور مسلمان ہو جائے) تو اس پر الزام نہیں رہتا اور اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہوتی تو قاتل پر توبہ کے بعد کیسے لعنت کی جا سکتی ہے ؟ اور کسی کے پاس کیا ثبوت ہے کہ حضرت حسینؓ کا قاتل بغیر توبہ کئے مرا۔ جب

کہ اللہ اپنے ہر بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ لہذا کسی بھی متوفی مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں اور جو شخص بھی کسی متوفی مسلمان پر لعنت کرتا ہے' وہ فاسق ہے اور گنہگار ہے۔

بفرض محال اگر کسی پر لعنت کرنا جائز بھی ہوتا اور کوئی شخص اس پر لعنت نہ کرتا' تو اس لعنت نہ کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں تھا۔ یہ تمام امت کا متفقہ فیصلہ ہے کیونکہ ابلیس پر اگر کوئی شخص پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی لعنت نہ کرے تو اس سے قیامت کے دن یہ باز پرس نہیں ہوگی کہ تو نے ابلیس پر لعنت کیوں نہیں کی؟ ہاں! کسی متوفی مسلمان کو لعنت کرنے والے سے ضرور پوچھا جائے گا کہ تو نے کیوں لعنت کی؟ اور تجھے کیسے پتہ چلا کہ یہ شخص مطرود و ملعون ؟ ہے جب کہ ملعون وہ ہوتا ہے جو اللہ سے دور ہوتا ہے۔ اور یہ بات غیب کی ہے جس کا علم سوائے اس صورت کے نہیں ہو سکتا کہ وہ شخص کفر کی حالت میں مرے۔ اور یہ بھی ہمیں شریعت نے بتایا ہے کہ جو حالت کفر مرے ' وہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔

۳۔ (تیسرے سوال کا جواب یہ ہے) یزید کے لئے رحمت کی دعا' نہ صرف جائز ہے' بلکہ مستحب ہے 'بلکہ یزید بن معاویہؓ تو ہماری نمازوں کی اس دعا میں کہ :۔ (اے اللہ تمام مومن مرد اور تمام مومن عورتوں کی مغفرت فرما) داخل ہے کیونکہ یزید بن معاویہؓ یقیناً مومن تھا۔

اپنے اس فتوی کا جامع خلاصہ خود حضرت امام غزالیؒ نے اپنی مشہور کتاب "احیاء العلوم" "کتاب آفات اللسان' باب الآفتہ الثامنہ' "اللعن" میں بھی دیا ہے۔

(دیکھئے' ج ۳' ص ۱۰۸ مطبوعہ مصر 'مطبوعہ عثمانیہ مصریہ' ۱۹۳۳ء)

(نیز دیکھئے "البدایہ والنھایہ" ابن کثیر' مطبوعہ بیروت' ج ۱۲' ص ۱۷۳)۔

☆ مشہور حنفی عالم اور مجدد وقت حضرت ملا علی قاریؒ نے بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کی کتاب "الفقہ الاکبر" کی شرح میں امام غزالیؒ کے اس فتوی کا ذکر کرکے اس کی تائید میں

مفصل بحث کی ہے۔ (دیکھئے "شرح فقہ اکبر" مطبوعہ مطبع محمدی 'لاہور' ۱۸۸۳ء '
ص ۸۷)۔

وما علینا الا البلاغ.

فقیر 'سید عبدالستار شاہ

" انوار العلوم" ملتان۔

(فتوی مولانا سید عبدالستار شاہؒ مطبوعہ مجلس تحقیق و نشریات اسلام 'پاکستان بعنوان "صحابہ کرامؓ پر عقبی دروازے سے حملہ۔ یزید کی آڑ میں صحابہؓ کی کردار کشی۔ ایک استفسار کا جواب" ص ۲-۱۳)۔

باب پنجم

اقوال اکابر امت بسلسلہ یزید

(بعد ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء)

۵۔اقوال اکابر امت بسلسلہ یزید

(بعد ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء)

گزشتہ چودہ صدیوں کے مثبت افکار و اقوال اکابر امت بسلسلہ یزید کی معرفت نیز بن خلدون جیسے مؤرخین کے اسلوب نقد تاریخی کے اتباع نے پندرھویں صدی ہجری میں "تحریک دفاع یزید" کو مضبوط و وسیع تر علمی و دینی بنیادوں پر استوار کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس فکری و تاریخی تناظر میں چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر امام خمینی (۱۹۰۲ء - ۱۹۸۹ء) کے زیر قیادت "شیعی انقلاب ایران" نیز بعد ازاں "ایران عراق جنگ" نے بھی "سنی عالم عرب و اسلام" میں "تحریک دفاع یزید" کو "تحریک رد تشیع" سے مربوط و منسلک کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور اس تمام تر فکری و سیاسی کشمکش کا سررشتہ، بہت سے علماء و محققین کے نزدیک کسی نہ کسی شکل میں "تسنن و عربیت بنو امیہ" اور "تشیع و عجمیت" اہل کوفہ و فارس" سے جا ملتا ہے۔

مزید براں "شیعی انقلاب ایران" کے بعد پندرھویں صدی ہجری کے "سنی عالم اسلام" میں اس تاریخی حقیقت کو معرفت و تشہیر نے بھی "تحریک دفاع یزید" کو بڑی تقویت بخشی ہے کہ شیعان کوفہ کے بیعت حسینؓ سے غداری کرتے ہوئے بیعت یزید و ابن زیاد کر جانے کے بعد سیدنا حسینؓ نے عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو "دست در دست یزید" کی تاریخی پیشکش فرمائی۔ جسے ابن زیاد نے یزید کے علم میں لائے بغیر "دست در دست ابن زیاد" کی شرط سے مشروط کر کے "صلح حسینؓ و یزید" کی راہیں مسدود کر دیں۔ مگر اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ اختلاف حسینؓ و یزید" "معرکہ حق و

باطل" ہرگز نہ تھا کیونکہ باطل کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیشکش حسینؓ جیسے حق پرستوں کا شیوہ نہیں۔

اس فکری و تاریخی تناظر میں یہ نقطہ بھی محققین کے نزدیک قابل توجہ ہے کہ "شیعی انقلاب ایران" کے بعد "ایران عراق جنگ" میں شہداء و مجروحین ایران کی تعداد دس لاکھ سے متجاوز ہے۔ اور "سنی جہاد افغانستان" کے شہداء و مجروحین کی تعداد بھی دس لاکھ سے متجاوز ہے جبکہ اول الذکر تصادم نے عالم اسلام کو بتعیین مسؤلیت سے قطع نظر، خلافت علویہ کی خانہ جنگیوں کی طرح انتشار و اضمحلال سے دوچار کیا ہے۔ اور ثانی الذکر "جہاد افغانستان نے اتحاد امت کی بنیاد پر عظیم الشان فتوحات بنی امیہ در ایشیا و افریقہ بشمول سندھ و ترکستان و اندلس کے تاریخی تسلسل کو برقرار رکھا ہے۔ جس کے نتیجہ میں نہ صرف افغانستان بلکہ وسط ایشیا و آذربائیجان سے یوکرائن و بیلورشیا تک بہت سے ممالک آزاد و خود مختار ہوئے، نیز مشرقی یورپ وغیرہ کے متعدد اشتراکی ممالک جمہوریت و قومی تشخص سے ہمکنار ہوئے۔

مزید براں "شیعی انقلاب ایران" یزید و بنو امیہ سے نفرت و تعصب کا مظہر ہے اور سنی افغانستان و عالم اسلام شہداء و غازیان بنو امیہ سمیت جملہ مجاہدین اسلام سے محبت و عقیدت کا علمبردار نیز پاکستان کے خصوصی حوالہ سے یہ حقیقت بھی ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ صوبہ سندھ و ملتان تک وسیع علاقہ سیدنا مروانؓ بن حکم اموی قرشی کے پوتے خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی قرشی کے عہد خلافت (۸۶ - ۹۶ء) میں حجاج بن یوسف کے عزیز محمد بن قاسم ثقفی کے زیر قیادت (۹۳ھ) فتح ہوا۔ (جبکہ قتیبہ بن مسلم کی فتوحات چین و ترکستان، طارق بن زیاد کی فتوحات اندلس اور موسی بن نصیر کی فتوحات افریقہ اسی اموی دور کی مرہون منت ہیں۔ چنانچہ ارض پاکستان میں اسلام و عربی زبان و خط و ثقافت کا غلبہ براہ راست خلافت بنو امیہ سے مربوط و منسلک ہے۔

پندرہویں صدی ہجری کے عالم اسلام کے اس فکری و سیاسی پس منظر

میں اس باب میں گزشتہ سے پیوستہ مزید ایسے اقوال و افکار، برصغیر کے خصوصی حوالہ سے درج ہیں، جن میں سے بیشتر کا تعلق پندرھویں صدی ہجری سے ہے۔ اور جن کی تشکیل و تائید میں مجدد اسلام مولانا محمد منظور نعمانی، و محقق تاریخ مولانا عتیق الرحمن سنبھلی جیسے اکابرامت نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں "ندوہ و دیوبند" نیز دیگر حنفی و سلفی مدارس و جامعات و تحریکات و خانقاہات کے لاکھوں وابستگان "تحریک دفاع یزید" سے براہ راست و بالواسطہ طور متاثر ہوتے رہے ہیں۔ اور اس طرح پندرھویں صدی ہجری کے عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص "تحریک ردّ تشیع" کے شانہ بشانہ ایک معتدل و متوازن "تحریک دفاع یزید" نے بھی ایک ایسی وسیع تر علمی و فکری تحریک کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جس کی زمام قیادت "ندوہ" و "دیوبند" نیز دیگر مراکز علمیہ سے وابستہ حنفی و سلفی علماء و مشائخ و مشفقین اہل سنت والجماعت کی کثیر تعداد نے اپنے ہاتھوں میں لے لی ہے۔ اور اپنے اپنے ہم مسلک مخالفین یزید سمیت جملہ معترضین علمی و دینی رد و ابطال کا فریضہ سر انجام دینے پر من حیث الجماعت کمر بستہ ہو چکے ہیں۔ جس کا کسی حد تک اندازہ اس باب کے مطالعہ سے کیا جا سکتا ہے۔

۱- مجدد اسلام مولانا محمد منظور نعمانی

مجدد اسلام و محسن اہل سنت مولانا محمد منظور نعمانی یکے از اکابر دیوبند و تبلیغی جماعت، سابق نائب امیر جماعت اسلامی ہند، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کی مجلس انتظامیہ میں شریک اور رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ کی مجلس تاسیسی کے ارکان میں سے ہیں۔ آپ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی مجددی نقشبندی کے وابستگان اور شیخ طریقت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے فیض یافتگان میں بھی ممتاز و معتبر مقام کے حامل ہیں۔ نیز برصغیر کے حنفی و سلفی مکتب فکر کے لاکھوں مدارس و جامعات میں انتہائی قابل احترام و عظیم الشان علمی و دینی رہنما تسلیم کئے جاتے ہیں۔ آپ کی مختلف تصانیف بالخصوص عظیم و ضخیم "معارف الحدیث" اور اس کے انگریزی تراجم سے مشرق و مغرب میں لاکھوں علماء و جدید تعلیم یافتہ حضرات مستفید اور اسلام کی حقانیت پر مستقیم ہوئے ہیں۔ آپ کی تقریباً اسی برس کی عمر میں تحریر کردہ شہرہ آفاق تصنیف "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" نیز اس کے عربی، فارسی، انگریزی و دیگر زبانوں میں تراجم نے عالم اسلام میں رفض و تشیع کے اثرات کی فیصلہ کن روک تھام میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ نیز آپ کا مرتب کردہ عالمی شہرت یافتہ استفتاء بھی تاریخی حیثیت کا حامل ہے جس کے جواب میں ۸۸-۱۹۸۷ء تک برصغیر و دیگر ممالک کے ایک ہزار سے زائد علماء و مفتیان و اصحاب مدارس اسلامیہ نے شیعہ اثنا

عشریہ کو علماء متقدمین کا اتباع کرتے ہوئے عقیدہ تحریف قرآن، عقیدہ امامت منصوصہ و معصومہ افضل من النبوۃ نیز انکار امامت و خلافت شیخین و تکفیر و توہین صحابہ کی بناء پر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "خمینی اور شیعہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ، مطبوعہ "الفرقان" لکھنو، اشاعت خاص دسمبر ۱۹۸۷ء تا جولائی ۱۹۸۸ء)۔

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی آپ کے ارشاد کے مطابق تحریر شدہ آپ کے فرزند مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی تصنیف "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" ہے جس میں یزید مخالف منفی پروپیگنڈہ اور واقعہ کربلا میں شیعہ مبالغہ آرائیوں کا مدلل رد کیا گیا ہے۔

مولانا نعمانی شوال یا ذیقعدہ ۷۳ھ میں کسی سفر پر جاتے وقت آمد محرم کی مناسبت سے ایک مستند مضمون لکھنے کی ذمہ داری اپنے فرزند مولانا عتیق الرحمان سنبھلی کے سپرد کر گئے۔ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

"مولوی عتیق نے "واقعہ کربلا" کے عنوان سے یہ مضمون لکھا اور ذی الحجہ ۷۳ھ کے "الفرقان" میں شائع ہو گیا۔ میں سفر سے واپس آیا اور یہ مضمون پڑھا تو اس کی دو باتوں کی وجہ سے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ غصے سے میرا دماغ کھول اٹھا۔

ان باتوں میں سے ایک یہ تھی کہ سیدنا حسینؓ کے اقدامات کے لئے بغاوت کا لفظ اس مضمون میں استعمال کیا گیا تھا۔ دوسری بات مضمون کا یہ بیان تھا کہ جب حضرت حسینؓ کوفہ کے قریب پہنچ کر اس حقیقت سے آگاہ ہوئے کہ کوفہ والے غداری کر گئے ہیں۔ اور پھر یزیدی لشکر کے پہنچ جانے سے آپ کے لئے واپسی کا راستہ بھی نہ رہا تو یزیدی سپہ سالار عمر ابن سعد کے سامنے آپ نے تین شکلیں رکھی تھیں کہ ان میں سے کسی کو قبول کر لیا جائے جن میں سے ایک یہ تھی کہ "انہیں یزید کے پاس جانے دیا جائے تاکہ وہ براہ راست اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں"۔

میں یزید کو جتنا بڑا ظالم، خبیث اور ناہنجار ساری عمر سے جانتا آ رہا تھا، اس کی بناء پر میرے نزدیک یہ ناممکن بات تھی کہ حضرت حسینؓ ایسی پیشکش فرمائیں۔ حضرت حسین کے لئے یہ بات سوچنی بھی میرے لئے محال تھی۔ میں غصہ میں اٹھا اور مولوی عتیق کے گھر کی طرف کو روانہ ہوا تاکہ ان سے باز پرس کروں کہ یہ کیا لکھ دیا ہے؟

سو قدم کے قریب چلا ہوں گا کہ لفظ بغاوت کے بارے میں ذہن میں یہ بات آئی کہ بغاوت ہر جگہ تو معیوب نہیں ہے۔ بلکہ اگر ایک ظالمانہ اور کافرانہ نظام کے خلاف ہو تو ایک طرح کا جہاد ہے۔ آخر ۱۸۵۷ھ میں ہمارے بزرگوں نے انگریزوں کے خلاف جو کچھ کیا تھا وہ بغاوت ہی تو تھی جس پر ہم آج بھی فخر کرتے ہیں۔

البتہ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والی بات ویسی ہی ناقابل قبول بنی رہی۔ میں اسی حال میں مولوی عتیق کے گھر پہنچا اور بڑے غصے کے ساتھ ان سے پوچھا کہ تم نے یہ بات کیسے اور کہاں سے لکھ دی؟ مولوی عتیق کے پاس اس طرح کے غصے کے کچھ خطوط پہلے ہی آ چکے تھے اور وہ اس سلسلے میں ایک دوسرے مضمون کی تیاری کر چکے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے تاریخ کی متعدد کتابوں سے عبارتیں اور حوالے نقل کر کے رکھے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے بھی ماننا پڑ گیا کہ پھر تو غلط نہیں لکھا ہے۔"

(واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر از مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، ابتدائیہ از مولانا محمد منظور نعمانی، ص ۷-۸، مطبوعہ میسون پبلکیشنز، ملتان)۔

مولانا منظور نعمانی کے ارشاد کے مطابق جدید اصول تحقیق کے مطابق تصنیف شدہ مولانا سنبھلی کی کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کا ابتدائیہ مولانا نعمانی کے قلم سے صرف چند صفحات پر مشتمل ہے۔ مگر آپ کے عالمگیر مقام و عظمت اور برصغیر کے تمام بلاد و امصار نیز عالم اسلام پر آپ کے عظیم الشان علمی و دینی اثرات کی بدولت آپ کے جرأت مندانہ اور انقلابی کلمات نے سیدنا معاویہؓ و یزید اور واقعہ کربلا کے بارے میں ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے جو تشیع و متاثرین تشیع کی کارگزاری کا شاخسانہ ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے، اس کی اساس تو وہی ۷۳ھ اور ۷۴ھ کے مضامین ہیں لیکن عزیز مصنف نے اس پر نظر ثانی میں جو نئی محنت کی ہے، اس نے اسے بالکل ایک نئی چیز بنا دیا ہے۔ کتاب کے مشتملات میں سے مجھے خاص طور پر اس کے آخری باب میں آنے والے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے اقتباس کی بابت یہ عرض کرنا ہے کہ اس اقتباس نے خود مجھے بڑا اہم فائدہ پہنچایا ہے۔

حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کی خبر پانے پر واپسی کے ارادے کے بعد

بھی صرف بعض برادران مسلم بن عقیل کی دلداری میں حضرت حسینؓ کے سفر جاری رکھنے پر مجھے ایک خلش تھی۔ اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام کو اور اس کتاب کے عزیز مصنف کو جزائے خیر دے کہ شیخ الاسلام کے اس اقتباس میں اس خلش کے رفع ہونے کا سامان مل گیا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو بندوں کے لئے نافع بنائے اور اگر اس میں کوئی بات غلط آ گئی ہو تو اس کے اثر سے بندوں کی حفاظت فرمائے۔ نیز عزیز مصنف کو اس سے رجوع کی توفیق بخشے"۔

(عتیق الرحمن سنبھلی واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ابتدائیہ از مولانا منظور نعمانی، ص ۸-۹)۔

(وفات مولانا محمد منظور نعمانیؒ۔ لکھنو، ۴ مئی ۱۹۹۷ء/ ۲۶ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ ناشر)۔

۲- محقق اہل سنت

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

محقق اہل سنت مولانا عتیق الرحمن سنبھلی برصغیر کے عالمی شہرت یافتہ عالم و مصنف مولانا محمد منظور نعمانی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کافی عرصہ سے لندن میں مقیم اور دیگر علمی و دینی خدمات کے ساتھ ساتھ صدر "اسلامک ڈیفنس کونسل" لندن کے منصب پر بھی فائز ہیں۔ سلمان رشدی کی کتاب "شیطانی آیات" کے خلاف مسلمانوں کے احتجاج میں پیش پیش نیز "مسلم ایکشن فرنٹ" کے زیر اہتمام لندن میں ۲۸ جنوری ۱۹۸۹ء کے احتجاجی مظاہرہ کے قائدین میں شامل تھے۔ آپ مختلف قدیم و جدید علوم سے واقف ممتاز عالم دین و مصنف نیز عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔

"واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر۔ ایک نئے مطالعے کی روشنی میں" ان کی ڈھائی سو سے زائد صفحات پر مشتمل ایسی منفرد و ممتاز تصنیف ہے جس نے ان کی دیگر تمام علمی و دینی خدمات سے قطع نظر انہیں ۱۹۹۰ء کے بعد پاک و ہند و بنگلہ دیش نیز دیگر بلاد و امصار میں یکایک ایک اسلامی محقق و مؤرخ ناقد کی حیثیت سے مشہور و معروف شخصیت بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اور انہی کے بقول اس کتاب کی تکمیل و تیاری میں

دیگر حضرات کے علاوہ تصحیح کتابت اور دیگر* علمی و تحقیقی مصادر کی بہم رسانی وغیرہ مختلف امور کے حوالہ سے ان کے دونوں عالم و مبلغ برادران مولانا حسان نعمانی ناظم کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ اور مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی مدیر مجلہ "الفرقان" لکھنؤ کا حصہ بھی کم نہیں۔ جبکہ کتاب کا انتساب والد ماجد مولانا محمد منظور نعمانی کے نام ہے۔ نیز نو صفحات پر مشتمل مولانا نعمانی کا مختصر مگر جامع و دلچسپ ابتدائیہ کتاب کی قدر و قیمت میں بے مثال اضافہ کا باعث ہے۔

"واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" برصغیر اور اردو زبان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی یقیناً پہلی ایسی کتاب ہے جس میں اس محدود متعین موضوع کو غیر متعلقہ مباحث سے بچاتے ہوئے واقعہ کربلا اور یزید کی امامت و خلافت و سیرت کے حوالہ سے غلط بیانی و مبالغہ آرائی پر مشتمل پروپیگنڈہ کا رد کیا گیا ہے اور متضاد و متناقض روایات کا اصول تحقیق و تنقید و روایت و درایت کی روشنی میں بے لاگ جائزہ لیکر معیار رد و قبول کا تعین کیا گیا ہے۔ نیز تمام صحابہؓ و تابعینؒ کا شرعی اکرام و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اعتدال و توازن کے ساتھ تبصرہ و کلام کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔ بقول تبصرہ نگار "یونیورسل میسج، کراچی:-

"یہ کتاب فکر انگیز، پر از معلومات اور تاریخ پر مبنی ہے۔ کربلا کے واقعہ پر تحقیق کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔" (تبصرہ انگریزی ماہنامہ "یونیورسل میسج" کراچی، جولائی ۱۹۹۲ء)۔

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی اس کتاب کے چند اہم اقتباسات بطور اشارہ آئندہ صفحات میں منقول ہیں۔ مگر اس کے باوجود اس منفرد و ممتاز و وسیع الاثر کتاب کا تفصیلی و کامل مطالعہ تمام مسلم علماء و محققین و تعلیم یافتہ حضرات کے لئے لازم و ناگزیر ہے۔ کیونکہ برصغیر کے پینتیس (۳۵) کروڑ سے زائد مسلمانوں پر شیعی مذہب و ثقافت کے صدیوں پرانے اثرات کے پس منظر میں یہ کتاب سیدنا حسینؓ و یزید و واقعہ کربلا کے حوالہ سے ایک ایسا سنگ میل ہے جس نے محسن اہل سنت مولانا محمد منظور نعمانی کی فکری قیادت میں برصغیر کے ہزاروں سنی مدارس و جامعات و خانقاہات، لاکھوں علماء و مدرسین نیز کروڑوں سنی العقیدہ مسلمانوں کو ایک ایسی راہ عمل پر گامزن کر دیا ہے جو "معارف الحدیث" و "ایرانی انقلاب" و "متفقہ فیصلہ" کے تناظر میں رفض و تشیع کے

تاریخی و اعتقادی و ثقافتی اثرات کا طلسم پاش پاش کرنے کے سلسلہ کی ایک فیصلہ کن کڑی ہے اور جس کے بعد امام غزالی و ابن تیمیہ جیسے اکابر امت کے افکار کی روشنی میں برصغیر کے ہزاروں علماء و مدرسین، لاکھوں تعلیم یافتہ مؤمنین اور کروڑوں عامۃ المسلمین نے ایک ایسی وسیع و عریض سنی تحریک کی شکل اختیار کر لی ہے جس کی راہ میں حائل ہونے والے علماء و مشائخ روز بروز مشکل سے مشکل تر صورتحال سے دوچار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اس کا کسی قدر اندازہ امامت و خلافت و سیرت یزید و واقعہ کربلا کے حوالہ سے مولانا سنبھلی کی کتاب کے معقول و متوازن مندرجات پر بکثرت مثبت تبصرہ جات اور ان کے موقف کی تائید و حمایت کرنے والے علماء و محققین کے آئندہ صفحات میں درج بیانات سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ بہر حال اب مولانا سنبھلی کی کتاب کے بعض اہم مندرجات ملاحظہ ہوں:-

"بے انصافی کی ایک مثال

بے انصافی کی صرف ایک مثال لیجئے، اس لئے کہ یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں نکل سکتی، کہ جن تاریخی کتابوں سے ہم حضرت معاویہؓ کی طرف سے حضرت علیؓ پر "سب و شتم" کی روایتیں پاتے ہیں، انہیں کتابوں کی شہادت یہ ہے کہ:-

وکان علی اذاصلی الغداة یقنت فیقول: اللهم العن معاویة و عمراً وأبا الأعور وحبیباً و عبدالرحمن بن خالد و الضحاک بن قیس والولید.

فبلغ ذلک معاویة فکان اذ قنت لعن علیاً و ابن عباس والحسن والحسین والاشتر. (۱)- (طبری، ج ٦، ص ۴۰).

اور واقعہ تحکیم کے بعد علی جب فجر کی نماز پڑھتے تو قنوت پڑھتے اور کہتے کہ اے اللہ! لعنت کر معاویہ پر، عمرو پر، ابوالاعور پر، حبیب پر، عبدالرحمن بن خالد (بن ولید) پر، ضحاک بن قیس پر اور ولید پر۔

پس یہ بات جب معاویہ کو معلوم ہوئی تو وہ بھی جب قنوت کرتے تو علی، ابن عباس، حسن، حسین اور اشتر پر لعنت کرتے۔

لیکن اس صاف اور صریح بیان کے باوجود ہمیں صرف اتنا یاد ہے کہ معاویہؓ اور ان کے ساتھی حضرت علیؓ پر سب و شتم (۲) کرتے تھے۔ یہ نتیجہ حضرت علی کے اس

احترام کا نہیں ہے جواز روئے قرآن و سنت ہم پر واجب ہے۔ کیونکہ کتاب و سنت بے انصافی نہیں سکھاتی۔ بلکہ اس "احترام" کا نتیجہ ہے جو شیعیت والے عقیدہ معصومیت سے لازم آتا ہے۔ اہل سنت کے اصل مذہب کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر یہ روایت حضرت علی کے حق میں قابل یقین یا قابل بیان نہیں تھی تو ایسا ہی حضرت معاویہ کے حق میں بھی سمجھا جاتا۔"

(مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مطبوعہ میسون پبلیکیشنز، ملتان۔ مقدمہ، ص ۲۵-۲۶)۔

مولانا سنبھلی، صفحہ ۲۵، حاشیہ (۱) میں طبری، ج ۶ ص ۴۰ کا مندرجہ بالا حوالہ لکھ کر حاشیہ (۲) میں لکھتے ہیں:-

"اور یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ طبری کی روایت میں جیسا کہ نقل کیا گیا، دونوں جگہ لعنت کا لفظ ہے۔ اسی کو ابن اثیر نے اپنی کتاب میں دوسری جگہ یعنی حضرت معاویہ کے ساتھ "سب" کے لفظ سے بدل دیا ہے جس کا ترجمہ ہم "سب و شتم" کرتے ہیں۔"

مولانا سنبھلی، یزید کے معاملے میں اہل سنت کی ناانصافی اور شیعیت زدگی کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"حضرت علیؓ کے مقابلے میں جیسے کچھ بھی تھے، حضرت معاویہؓ بہر حال ایک صحابی تھے۔ اس لئے ہم اپنے علم کلام کے ماتحت مجبور ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ کچھ رعایت برتیں۔ لیکن جب ان کے بیٹے یزید کا دور آتا ہے تو اس کے اور حضرت حسین بن علیؓ کے معاملے میں ہم میں اور شیعوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ اس لئے کہ یزید کو ایسا کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا جیسا کہ اس کے والد حضرت معاویہ کو حاصل تھا۔ شیعوں نے مثلاً کہا کہ وہ فاسق و فاجر تھا اور کسی طرح اس لائق نہ تھا کہ تخت خلافت پر اس کو جگہ ملتی تو یہ بات چونکہ حضرت حسین کی حمایت میں کہی گئی تھی، اس لئے بالکل باآسانی ہم نے بھی یہی کہنا شروع کر دیا۔

پھر بعض کو خیال آیا کہ اس سے تو حضرت معاویہؓ پر بڑا الزام آتا ہے۔ تب یوں کر دیا گیا کہ حضرت معاویہ کی زندگی میں تو وہ ایسا نہیں تھا لیکن بعد میں ہوا۔ حد ہے کہ ابن خلدون جیسا آدمی جس نے یزید کی ولی عہدی کی زبردست وکالت اپنے مقدمہ

تاریخ ہی کی ہے، وہ بھی ذرا سا آگے چل کر جب یزید اور حضرت حسینؓ کے قضیے پر آتا ہے تو ٹھیک یہی بات کہنی شروع کر دیتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ فاسق و فاجر ہو گیا تھا۔ کب ہو گیا تھا اور کب اس بات کا پتہ چلا؟ تاریخ تو کوئی سی بھی اٹھا کر دیکھ لیجئے ہر جگہ ایک ہی بیان ہے کہ جیسے ہی مدینے کے گورنر نے حضرت حسینؓ کو یہ اطلاع دی کہ حضرت معاویہ انتقال فرما گئے اور ان کے ولی عہد یزید بن معاویہ آپ سے بیعت چاہتے ہیں، ویسے ہی حضرت حسینؓ نے مدینہ چھوڑنے کا ارادہ فرما لیا۔ اور آنے والی رات میں مع تمام خاندان کے مکے کی راہ لے لی۔ اسکے بعد جب اسکی اطلاع شیعان عراق کو پہنچی تو وہ بھی اپنے مشاورتی جلسے کر کے عازم مکہ ہوئے اور صرف سوا مہینے کی مدت میں یہ مرحلہ آ گیا کہ عراق کے حالات کی جانچ پڑتال اور ضروری پیشگی تیاریوں کے لئے مسلم بن عقیل کوفے کو روانہ کر دیئے گئے۔ تو کیا یہ سمجھا جائے کہ یزید نے تخت خلافت بعد میں سنبھالا، والد کے انتقال کی خبر پاتے ہی فسق و فجور کا وہ عالم برپا کیا کہ حضرت معاویہ کے انتقال کی خبر سے پہلے یزید کے فسق و فجور کی خبریں پھیل گئیں؟ حالانکہ سچائی یہ ہے کہ اس بات کیلئے سوا مہینہ بالکل ناکافی تھا۔ کم از کم ایک سال تو گزرتا "بیچارے" کی طرح فسق و فجور مفت میں بدنام ہوا ہے۔"

(مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مطبوعہ ملتان، ص ۲۶-۲۷، مقدمہ)۔

بعد ازاں فسق یزید کی بحث میں تفصیلاً یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ابن خلدون جیسے آدمی کی بات بلا ثبوت مان لی جائے اور اگلوں کی توقیر و تعظیم کے نام پر طلب علم و تحقیق کی راہ بند کرنے والا لکیر کی فقیری کا طریقہ اختیار کئے رکھا جائے:-

"دوسرا طریقہ جو ابن خلدون جیسے اہل علم کا اصلاً طریقہ ہے، یہ ہے کہ ہمیں اگر حضرت معاویہ کی زندگی میں یزید کے فسق و فجور کی کوئی معتبر شہادت نہیں ملتی تو پھر ساری دنیا کہے، بشمول ابن خلدون کہے، تب بھی اس قول اور بیان کو بس اس پر محمول کرنا چاہیے کہ بعض باتیں اپنی شہرت کی بناء پر اس درجہ یقینی اور قطعی بن جاتی ہیں اور ایک زمانے تک بنی رہتی ہیں کہ انکی واقعیت میں کسی شک اور انکے بارے میں کسی تحقیق کی ضرورت کا سوال ہی ذہن میں نہیں آتا۔ اور یہی چیز اس معاملے میں پیش آئی

ہے۔ حضرت حسین جیسی شخصیت کا یزید کے آدمیوں کے ہاتھوں قتل اور شیعہ پروپیگنڈہ مشینری (جس نے پروپیگنڈے کے زور سے حضرت عثمانؓ جیسے عظیم المرتبت صحابی کو ایک کافر و مرتد باور کرا دیا تھا)، ان دو چیزوں کی طاقت مل کر یزید کے بارے میں کیا کچھ نہیں باور کرا سکتی تھی؟ اس شہرت کا پردہ جب تک چاک نہ ہوا تھا اور پروپیگنڈے کا سحر ٹوٹا نہ تھا تب تک جس طرح چلتی رہی چلتی رہی۔ مگر کیا وجہ ہے کہ ہمیشہ یوں ہی چلتی رہے۔ اور حقیقت کھل جانے پر بھی اس کے ساتھ حقیقت پسندانہ معاملہ نہ کیا جائے۔"

(مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ملتان ص ۲۹-۳۰، مقدمہ)۔

باب اول میں شہادت عثمانؓ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"شہادت عثمانؓ اور خانہ جنگی

"حضرت عثمانؓ کی شہادت (۳۵ھ) کے وقت سے مسلمانوں میں باہم تلوار چلنے کا جو دروازہ کھلا تو پھر اس پر حرام ہو گیا کہ بند ہو۔ اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:- اذا وضع السیف فی امتی لم ترفع عنها الی یوم القیامة-

(ابوداؤد و ترمذی، الملاحم)۔

میری امت میں جب ایک دفعہ آپس میں تلوار اٹھ جائے گی تو پھر وہ قیامت تک رکھی نہ جائیگی۔

یہی بات حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ان کوفیوں، بصریوں اور مصریوں سے فرمائی تھی جو حضرت عثمانؓ کے درپئے قتل تھے۔ مورخ ابن اثیر نے ان کے الفاظ نقل کئے ہیں:-

یاقوم لا تسلوا سیف الله فیکم فوالله ان سللتموه لاتغمدوه. ویلکم ان سلطانکم الیوم یقوم بالدرة، فان قتلتموه لایقوم الابالسیف.

(کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۸۹، مطبوعه دارالفکر بیروت)۔

اے لوگو! اللہ کی تلوار کو آپس میں مت کھینچو۔ خدا کی قسم اگر تم نے اسے بے نیام کر دیا تو پھر یہ واپس نیام میں جانے والی نہیں ہے۔ دیکھو، سمجھو، آج تک

تمہاری حکومت فقط درے سے چلتی رہی ہے اگر تم نہ مانے اور عثمان کو قتل کر دیا تو پھر یہ تلوار ہی سے چلے گی۔

اور خود حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں سے اس بات کو یوں کہا تھا کہ:-

"اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر آئندہ کبھی باہمی محبت سے نہ رہ سکو گے، ایک ساتھ نماز نہ پڑھ پاؤ گے اور ایک جان ہو کے دشمن سے نہ لڑ سکو گے"۔

(تاریخ طبری، ج ۳، جزو ۵، ص ۱۱۸، مطبوعہ دار القلم بیروت)۔

- (اقتباس از واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۳۶-۳۷)۔

جنگ جمل و صفین پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"جنگ جمل اور صفین

یہ تلوار آپس میں چلی اور ایسی چلی کہ الامان الحفیظ! شہادت عثمانؓ پر ایک سال بمشکل گزرا کہ مسلمانوں نے آپس میں دو جنگیں، جنگ جمل اور جنگ صفین کے نام سے لڑیں اور اپنے بہترین افراد ان باہمی جنگوں کی نذر کر دیئے۔ دونوں جنگوں کے مقتولین (یا شہداء) کی تعداد نوے ہزار تک بتائی گئی ہے"۔ (سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۳۶)۔

سیدنا حسنؓ کی تعریف میں فرماتے ہیں:-

"عالی مقام بیٹا

خانہ جنگی کا یہ دور کوئی پانچ سال (۳۶ھ تا ۴۰ھ) رہا۔ رمضان ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کو ایک خارجی نے شہید کر دیا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ جانشین بنائے گئے۔ آپ نے اس باہمی خون خرابے کو ختم کرنے کے لئے حضرت معاویہؓ سے صلح پسند کی۔ ۴۱ھ میں صلح ہوئی اور مسلمانوں نے اس سال کو "عام الجماعہ" (اجتماعیت کا سال) قرار دیا کہ تفرقہ مٹ کر اسلامی وحدت واپس آ گئی تھی۔ حضرت حسنؓ کے بارے میں ایک ارشاد نبوی بخاری میں روایت ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کی طرف اشارہ کر کے (جب کہ وہ بچے تھے) فرمایا کہ:-

"ابنی هذا سید و لعل الله أن یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین." (مشکوۃ بحوالہ بخاری، باب مناقب اہل بیت)۔

میرا یہ بیٹا سید (عالی مقام) ہے۔ امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے۔"

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۳۶-۳۷)۔

سیدنا معاویہؓ کی بیس سالہ پرامن و عظیم الشان خلافت کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"امن و یکجہتی کے بیس سال

حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے اختلافات کی بدولت حضرت معاویہؓ کے بارے میں کسی کی کچھ بھی رائے ہو مگر ایک بات سے انکار کسی انصاف پسند کے لئے ممکن نہیں ہے کہ ان کے اندر عرب سرداری کی اعلیٰ ترین خصوصیات تھیں۔ ایک طرف وہ اپنے زمانے کی عرب دنیا کے پانچ دور اندیشوں اور دیدہ وروں (دہاۃ عرب) میں سے ایک مانے جاتے تھے اور انہوں نے ثابت کر دیا کہ ان پانچ میں وہ سب سے بڑھ کر تھے"۔ (۱)

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۴۱)۔

۱- باقی چار کے نام ہیں حضرت عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، قیس بن سعد اور عبداللہ بن بدیل۔ ان میں سے نمبر ۱ حضرت معاویہ کے ساتھ تھے۔ نمبر ۲ غیر جانبدار۔ نمبر ۳ و نمبر ۴ حضرت علیؓ کے ساتھ۔ (طبری، ج ۳، جزو ۶، ص ۹۳)۔

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۴۱، حاشیہ ۱)۔

"دوسری طرف ان کی سخاوت اور بردباری کی انتہا نہیں تھی۔ چنانچہ حضرت معاویہ کی ان صفات نے تفرقے کی خلیجوں کو پاٹنے اور اس زمانے کی تلخ یادوں کو بھلانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ان کا بیس سالہ دور حکومت (۴۱ھ تا ۶۰ھ) بڑے امن، عافیت اور مسلمانوں کی یکجہتی کے ساتھ گزر گیا۔ اور مسلمان آپس کی جنگ سے چھٹی پا کر ان محاذوں کی طرف واپس چلے گئے جہاں وہ دشمنان اسلام کے ساتھ معروف جنگ ہوتے اور نئی نئی فتوحات حاصل کرتے تھے۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا:-

"خلافت عمری اور خلافت عثمانی میں حضرت معاویہؓ کے ہاتھوں شامی محاذ پر جہاد اور فتوحات کا جو شاندار سلسلہ چلتا رہا تھا وہ اس وقت بالکل رک گیا جب ان کے اور

حضرت علیؓ کے درمیان معرکوں کا دور چلا- ان دنوں میں نہ ان کے ہاتھ پر کوئی نئی فتح ہوئی، نہ ان کے ہاتھ پر----- حتیٰ کہ حضرت حسنؓ کے ساتھ صلح ہوئی اور حضرت معاویہؓ کی خلافت پر- جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اسم ھ میں- پوری اسلامی دنیا نے اتفاق کر لیا- اس وقت سے لیکر اپنے سن وفات (۶۰ ھ) تک وہ بے غل و غش حکمران رہے- اس شان کے ساتھ کہ دشمن کی سرزمین پر جہاد ہو رہا ہے، حق کا پرچم بلند ہے، چاروں طرف سے مال غنیمت آرہا ہے اور مسلمان امن کے ساتھ آرام، انصاف اور عفو و درگزر کی فضا میں رہ رہے ہیں-"

(البدایہ والنھایہ، ج ۸، ص ۱۲۹)- (سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۴۱-۴۲)-

یزید کے فسق و فجور کے غلط پروپیگنڈہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"بہر حال پروپیگنڈہ کے فن سے کام لیکر یہ بالکل بے اصل بات ایک واقعی حقیقت بنا دی گئی ہے کہ حضرت حسینؓ وغیرہ کو یزید کی ولی عہدی قبول کرنے سے انکار اس کے فسق و فجور کی وجہ سے تھا- حالانکہ تاریخ کے بیانات میں اس کا دور دور بھی کہیں پتہ نہیں ہے- بلکہ جیسا اپنے موقع پر آئیگا، ولی عہدی کی بیعت کے چار سال بعد (۶۰ھ میں) جب حضرت معاویہؓ کے انتقال پر یزید نے خلافت سنبھالی اور حضرت حسینؓ نے اس کے خلاف کھڑے ہونے کا فیصلہ فرمایا، تب بھی یزید کے ذاتی فسق و فجور کی بات آپ کی زبان پر کبھی نہیں آئی- حتیٰ کہ کوفہ کا سفر اور شہادت، ساری منزلیں گزر گئیں کہیں یہ بات:- "زانی ہے شرابی ہے-" آپ کی زبان پر نہیں آئی- بات صرف اتنی ہی تھی کہ باپ کی طرف سے بیٹے کی ولی عہدی ان حضرات کے نزدیک اسلامی اصول خلافت کی رو سے صحیح نہیں تھی یا مصلحت نہیں تھی-

مزید برآں اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو وہ یہ ہے (جسکے واضح شواہد و قرائن موجود ہیں) کہ یہ سب حضرات وہ تھے جو دراصل حضرت معاویہ ہی کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے تھے- اور حالات کی پیدا کردہ ایک مجبوری کے طور پر انہیں گوارا کرتے رہے تھے- بلکہ صاف کہا جائے تو ان میں سے شاید ہر ایک اپنے آپ کو ان (حضرت معاویہ) کے مقابلے میں فیما بینہ و بین اللہ بہتر سمجھتا تھا-" (عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۱۲۶-۱۲۷)-

یزید کے مزاج و کردار کے حوالہ سے مزید فرماتے ہیں:-

"حضرت معاویہؓ کی وفات کے وقت تک یزید کے مزاج و کردار کا ایک اچھا آئینہ ہمارے خیال میں اس کا وہ مختصر خطبہ ہے جو اہل تاریخ کے بیان کے مطابق اس نے اپنے والد حضرت معاویہ کی وفات کے بعد دیا تھا۔ اس خطبے کے آئینے میں اس کی شخصیت ایک سنجیدہ، باوقار اور ذی علم جوان کی نظر آتی ہے نہ کہ شراب و کباب، رقص و سرود اور لہو ولعب کے ایک رسیا کی۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:-

معاویہ کا انتقال ہوا تو یزید حوارین میں تھا ضحاک بن قیس (کوتوال شہر) نے اطلاع کرائی تو وہ آیا۔ ضحاک نے شہر سے باہر اس کا استقبال کیا۔ یزید نے وہاں سے اندرون شہر میں جانے کے بجائے قبرستان کا رخ کیا۔ والد کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی۔ یہاں سے فارغ ہو کر شہر میں آیا۔ حکم دیا کہ "الصلاة جامعة" کی نداء کرا دی جائے۔ پھر اپنی اقامت گاہ خضراء میں داخل ہو کر غسل کیا، لباس بدلا۔

ثم خرج فخطب الناس اول خطبة وهو اميرالمؤمنين. فقال بعد حمدالله والثناء عليه:- ايها الناس! ان معاوية كان عبداً من عبيدالله انعمَ الله عليه ثم قبضه اليه. وهو خير ممن دونه و دون من قبله. ولا أزكيه على الله عزوجل فانه اعلم به، ان عفاعنه فبرحمته و ان عاقبه فبذنبه. وقد وليت الأمر من بعده. (البداية والنهاية، ج ٨، ص ١٣٣)-

پھر باہر آیا اور بحیثیت امیرالمؤمنین لوگوں سے پہلا خطاب کرتے ہوئے حمد و ثنا کے بعد کہا کہ:- لوگو! معاویہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے تھے۔ اللہ نے ان کو اپنی نعمتوں سے نوازا اور پھر اپنے حضور میں بلا لیا۔ وہ اپنے بعد والوں سے بہتر اور پیشرؤوں سے کمتر تھے۔ لیکن یہ میں اللہ کے سامنے ان کا تزکیہ کرنے (بھلائی کی سند دینے) کیلئے نہیں کہ رہا۔ اس لئے کہ وہ ان کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔ اگر ان سے در گزر فرمائے تو یہ اسکی رحمت سے ہوگا۔ اور اگر گرفت فرمائے تو یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوگا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ان کے بعد خلافت کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے۔"

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۱۳۰-۱۳۱)۔

یزید کے اس خطبے پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سنبھلی فرماتے ہیں:-

"ہمارا خیال ہے کہ اس خطبے کی عبارت، اس کا مضمون اور اس کا لہجہ ہر چیز اس شخص (یزید) کے بارے میں اس عام خیال کی تردید کرتی ہے جو کسی واقعی بنیاد کے بغیر صرف اس لئے پھیلنے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ اس شخص کی حکومت کے زمانے میں اسی کے حکام اور لشکریوں کے ہاتھوں ریحانہ رسول ﷺ، جگر گوشہ بتولؓ حضرت حسینؓ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا اور اس نے اپنے حکام سے کوئی باز پرس نہ کی- اس لئے ایسے آدمی کے متعلق جو بھی برائی کسی نے سنا دی وہ قابل یقین ہو گئی- مگر یہ ہے یقیناً اسلامی انصاف کے خلاف بات کہ کسی کے ایک جرم کی سزا میں اس جرم سے پہلے کی اسکی زندگی کو بھی خواہ مخواہ بدنام کیا جائے- ہاں جن لوگوں کے نزدیک جھوٹ سچ ہر طریقے سے صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنا ایک کار ثواب ہے، ان کے لئے بالکل ٹھیک ہے کہ وہ پروپیگنڈے کا یہ تیر بھی جو بہت موقع کا ہے، صحابہ کرام ہی کو نشانہ بنانے کی نیت سے چلائیں-

یزید کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ اسکے حق میں بالکل سیدھی اور معقول بات کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے- اسلئے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ مذکورہ بالا خطبہ سے ہم صرف یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ بندروں، ریچھوں کے ساتھ کھیلنے والا، شراب و کباب میں غرق، لہو و لعب میں مست اور زنا و قمار کار سیا نہیں نظر آتا، جیسا کہ بتایا جاتا ہے- کیونکہ اس قماش کے لوگ ایسی محتاط، دانشورانہ اور دین و دنیا کی نزاکتوں پر حاوی زبان نہیں بولا کرتے- رہا یہ کہ وہ کوئی بڑا متقی پرہیزگار ہو، یہ اس خطبے سے نہیں نکالا جا سکتا- ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا، اور غالب گمان یہ ہے کہ وہ ایسا نہیں تھا- وہ جس نسل اور جس طبقے سے تعلق رکھتا تھا، اس کے بارے میں قرن اول کی نسل اور اصحاب کرامؓ والے اتقاء و پرہیزگاری کی توقع کبھی نہیں کی جا سکتی تھی-" (مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۱۳۱)-

بعد ازاں مؤرخ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:-

وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم و الحلم و الفصاحة

والشعر و الشجاعة و حسن الرأى فى الملک- وكان فيه ايضا اقبال على الشهوات و ترک بعض الصلاۃ فی بعض الأوقات و اماتتها فی غالب الأوقات. (البداية و النهاية، ج ۸، ص ۲۳۰)-

یزید میں بعض بڑی عمدہ خصلتیں تھیں مثلاً حلم و کرم، شعر و فصاحت، شجاعت اور امور سلطنت میں حسن رائے۔ اسی کے ساتھ اس میں خواہشات نفس کی طرف ایک گونہ میلان اور بعض اوقات ترک صلاۃ کا عیب بھی تھا۔ اور نمازوں کے بارے میں بے اہتمامی تو اس سے عموماً صادر ہوتی تھی۔

اس عبارت میں آخری دو باتیں (کبھی کبھی ترک نماز اور اکثر نمازوں کے سلسلہ میں بے اہتمامی) کے سوا اور جو کمزوریاں بیان کی گئی ہیں وہ ہمارے نزدیک بالکل بعید نہیں۔ فلسفہ تاریخ کے مطابق ان کمزوریوں کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اور ایسی روایتیں ملتی ہیں۔ جو ذمہ دارانہ جرح و تنقید کے عمل سے گزرنے کے بعد اس طرح کی کمزوری کا یزید کے بارے میں گمان قابل قبول بنا دیتی ہیں۔

البتہ آخری دونوں باتیں ایسی ہیں جن کے لئے باقاعدہ ثبوت کی ضرورت ہے جو ابن کثیر نے فراہم نہیں کیا۔ علاوہ ازیں یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ دو اتنے سنگین عیب یزید میں پائے جاتے اور اس کی ولی عہدی سے شدید اختلاف کرنے والے حضرات ان کی طرف اشارہ نہ کرتے۔ جبکہ یہ کوئی چھپے رہنے والے عیب نہیں تھے۔ اور نہ ہی حقیقت میں یہ ہو سکتا تھا کہ حضرت معاویہؓ ایسے فرزند کو جو ترک نماز اور اماتت صلاۃ کا عادی ہو، اس امت پر خلیفہ بنا کر مسلط کریں جس کی سب سے بڑی پہچان "اقامت صلاۃ" ہے۔ بہر حال وہ بڑا متقی نہ سہی لیکن ان عیبوں کی نسبت اسکی طرف بڑی زیادتی ہے جو مشہور کر دیئے گئے ہیں۔ اور خاص کر یہ تو بالکل ہی بے بنیاد بات ہے کہ اختلاف کرنے والے حضرات اسکے کچھ عیبوں کو بھی اختلاف کی وجہ بتاتے تھے"۔

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۱۳۲، میسون پبلیکیشنز، ملتان)

سیدنا حسنؓ و حسینؓ کے ممتاز و طاقتور بھائی محمد بن علی (ابن الحنفیہ) نے سیدنا حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع فرمایا تھا۔ بلکہ واقعہ کربلا (۶۱ھ) کے بعد سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ شوہر سیدہ زینبؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور علی زین العابدینؒ کی طرح اس وقت بھی

بیعت یزید کو برقرار رکھا جب مدینہ پر حضرت عبداللہ بن مطیع کی قیادت میں حامیان ابن زبیر کا غلبہ ہوا اور واقعہ حرہ (۶۳ھ) پیش آیا۔ چنانچہ ابن مطیع نے یزید کے فسق و فجور کے حوالہ سے ابن الحنفیہؒ سے بیعت یزید توڑنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے نہ صرف سختی سے انکار کر دیا بلکہ یزید پر فسق و فجور کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:-

"وقد حضرته وأقمت عنده فرأيته مواظباً على الصلاة، متحرياللخير يسأل عن الفقه ملازماً للسنة. (ابن کثیر، البداية ۸/۲۳۳)۔

ترجمہ: میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور اس کے پاس مقیم رہا ہوں۔ میں نے اسے نماز کا پابند، کار خیر میں سرگرم، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابند سنت پایا ہے۔

اس پس منظر میں مولانا سنبھلی، ابن الحنفیہ کی سیدنا حسینؓ کو کوفہ جانے سے روکنے کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ حضرت حسنؓ کے ہم رائے تھے۔ اور پختگی کے ساتھ رائے قائم کر چکے تھے کہ ان کے والد کی شہادت حالات کے جس دھارے میں ہوئی ہے، اس کو سامنے سے بدلنے کی کوشش میں نقصانات ہیں، فائدہ کوئی نہیں۔ چنانچہ آپ نہ صرف یہ کہ خود حضرت حسین کے ساتھ نہیں نکلے بلکہ اپنی اولاد میں سے بھی کسی کا نکلنا پسند نہیں کیا۔ (البدایہ والنھایہ، ج ۸، ص ۱۶۵)۔

اور اس سے بھی آگے کی بات یہ ہے کہ جب شہادت حسینؓ کے تین سال بعد تقریباً پورا مدینہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زیر اثر یزید کے خلاف بغاوت کا علم اٹھا کے کھڑا ہو گیا تب بھی حضرت محمد بن حنفیہ ہی اہل مدینہ میں سے وہ دوسرے بزرگ تھے جن کا نام حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ آتا ہے کہ وہ صاف طور پر اس بغاوت کے مخالف رہے۔" (۳) (سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۱۳۶)۔

مولانا سنبھلی بذیل حاشیہ ۳، ص ۱۳۶، ابن الحنفیہ و ابن عمر کے ساتھ تیسرا نام علی زین العابدین کا لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"بلکہ تیسرا نام حضرت زین العابدین علی بن الحسینؓ کا بھی اس فہرست میں ہے۔ دیکھئے ۶۳ھ کے واقعات کا بیان۔ البدایہ، ج ۸، ص ۲۱۸)۔

سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار شوہر سیدہ زینب، سیدنا عبداللہ بن عباس عم زاد نبی و علی، برادر حسنین سیدنا محمد بن علی (ابن الحنفیہ) سیدنا ابو سعید خدری اور دیگر اکابر قریش و بنی ھاشم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے منع کرنے کے باوجود سیدنا حسینؓ کے عازم کوفہ ہونے کے بعد جب سیدنا حسین کو قتل مسلم کی خبر ملی اور شیعان کوفہ کی غداری و بیعت یزید کا علم ہوا تو بدلے ہوئے حالات میں سیدنا حسین نے امیر لشکر، عمر بن سعد بن ابی وقاص کو مدینہ واپسی، سرحدوں کی جانب روانگی یا یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی سہ نقاطی پیشکش فرمائی جسے امیر کوفہ ابن زیاد نے پہلے اپنی بیعت سے مشروط کر کے صورتحال بگاڑ دی۔ اس پیشکش کے حوالہ سے جو امامت و خلافت یزید کو قولاً و فعلاً تسلیم کرنے کے مترادف ہے اور یزید کو شرعی امامت و خلافت کے لئے مختلف الزامات کے حوالہ سے نااہل ثابت کرنے کی عملی تردید ہے، مولانا سنبھلی امام محمد الباقرؒ کی طبری میں بیان شدہ روایت کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:-

"فلما اتاہ قال له الحسين:- اختر واحدة،
اماأن تدعوني فاصرف من حيث جئت،
اماأن تدعوني فأذ هب الى يزيد،
واماأن تدعوني فألحق بالثغور. (طبری، ج ٦، ص ٢٢٠)-

پس جب ابن سعد وہاں پہنچ گئے تو حضرت حسین نے ان سے کہا کہ تین باتوں میں سے ایک قبول کر لو:-

یا تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس جانے دو۔
یا یزید کے پاس چلا جانے دو۔ اور
یا کہو تو سرحدوں کی طرف (جہاں میدان جہاد گرم ہے) نکل جاؤں۔

عمر نے آپ کی اس پیش کش کو قبول کر کے ابن زیاد کو اطلاع بھیجی۔ مگر وہاں سے جواب آیا کہ یوں نہیں بلکہ انہیں پہلے میرے ہاتھ میں ہاتھ رکھنا ہوگا۔

"لاولا كرامة حتى يضع يده في يدي."

فقال له الحسين: لا والله لايكون هذا ابداً. (طبری، جلد ٦، ص ٢٢٠)-

اس پر حسین نے کہا کہ نہیں، یہ تو بخدا کبھی نہیں ہوگا"۔

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۱۸۱-۱۸۲)۔

مولانا سنبھلی مزید رقمطراز ہیں:-

"ایک دوسری روایت سے تائید

حضرت محمد الباقر کی روایت کے بعد طبری نے انہی کی روایت کی طرح کی ایک اور جامع روایت (جس میں اول سے آخر تک کا قصہ اختصار سے بیان کیا گیا ہے) اور درج کی ہے۔ اس کے راوی حصین بن عبدالرحمن ہیں۔ اس سے بھی واقعہ کی صورت تقریباً یہی معلوم ہوتی ہے۔ جو مندرجہ بالا روایت سے سامنے آئی۔ اس میں ہے کہ:-

"حضرت حسین اپنی منزل کی طرف وہاں کے حالات سے بالکل بے خبر گامزن تھے:-

حتی لقی الاعراب فسألهم فقالوا:- والله ماندری غير انالا نستطيع أن نلج ولا نخرج. فانطلق يسير نحو طريق الشام نحويزيد فلقيته الخيول بكربلاء فترل يناشدهم الله والا سلام.

قال: وكان بعث اليه عمر بن سعد و شمر بن ذى الجوشن و حصين بن نمير فناشدهم الحسين الله والاسلام أن يسيروه الى اميرالمؤمنين فيضع يده فى يده فقالوا:- لا الا على حكم بن زياد... (طبری، ج ٦، ص ٢٢٢)۔

یہاں تک کہ کچھ اعرابی ملے اور آپ نے ان سے حالات کی بابت سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضور ہمیں اندر کی تو خبر نہیں البتہ اتنا جانتے ہیں کہ نہ ہم ادھر سے اُدھر جا سکتے ہیں اور نہ اُدھر سے ادھر آ سکتے ہیں۔ اس پر آپ نے شام کے راستے کی طرف یعنی یزید کی طرف چلنا شروع کیا۔ اور اسی اثناء میں مقام کربلا میں آپ کو گھڑسوار دستوں کا سامنا ہوا۔ پس آپ اترے اور انہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دیکر سمجھانے لگے۔

راوی کا مزید بیان ہے کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوش اور حصین بن نمیر کو کربلا بھیجا تھا۔ سو آپ نے ان کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہا کہ آپ کو امیرالمؤمنین (یزید) کے پاس جانے دیں۔ وہاں آپ اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دیدیں گے۔ مگر ان لوگوں نے کہا کہ نہیں پہلے آپ کو ابن زیاد کا حکم ماننا ہوگا۔ (یعنی اس کے پاس چلنا ہوگا)" (سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۱۸۲-۱۸۳)۔

حادثہ کربلا کے سلسلہ میں مولانا سنبھلی رقمطراز ہیں:-

"جنگ اور شہادت

حضرت محمد الباقر کی روایت میں اوپر گزر چکا ہے کہ ابن زیاد کی طرف سے یہ شرط کہ "پہلے حسین اس کے قیدی بن کر کوفے آئیں، بعد میں ان کی سہ رخی پیشکش پر غور کیا جائے گا، حضرت حسین کو منظور نہیں ہوئی اور فرمایا: "لایکون هذا أبداً"۔ اس کے بعد بیان ہوا ہے:-

فقاتله فقتل اصحاب الحسين كلهم و فيهم بضعة عشرشاباً من أهل بيته. وجاء سهم فأصاب ابناً له معه في حجره فجعل يمسح الدم عنه و يقول: اللهم احكم بيننا و بين قوم دعونا لينصرونا فقتلونا. ثم أمر بحبرة فشقها ثم لبسها و خرج بسيفه فقاتل حتى قتل صلوات الله عليه.

(طبری، ج ٦، ص ٢٢٠)-

جس پر عمر نے آپ سے جنگ کی (یا آپ نے عمر سے جنگ کی) اور اس میں تمام رفقائے حسین شہید ہوئے۔ اور ان میں پندرہ بیس کے درمیان جوان آپ کے اہل بیت میں سے بھی تھے۔ اور ایک تیر آ کے آپ کے ان صاحبزادے کو لگا جو آپ کی گود میں تھے۔ آپ صاحبزادے کا خون پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ:-

اے اللہ تو ہی انصاف کیجیو ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے ہماری مدد کے لئے ہمیں بلایا اور پھر قتل کیا۔

پھر آپ نے ایک چادر طلب کر کے اس کو پھاڑا اور اپنے اوپر لپیٹا۔ پھر تلوار لے کر نکلے اور قتال کیا حتیٰ کہ شہید ہوئے۔ "صلوات اللہ علیہ"۔

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۱۸۳-۱۸۵)-

اس کے بعد سنبھلی مزید لکھتے ہیں:-

"حصین بن عبدالرحمن کی روایت میں اسی موقع پر ذرا سی اور تفصیل ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ابن زیاد نے جو لشکر، حسینی قافلے کی گرفتاری کے لئے بھیجا تھا، اس میں ایک صاحب حر بن یزید حنظلی بھی تھے۔ جو ایک سوار دستے کے سالار تھے۔ انہوں نے جب یہ صورت حال دیکھی کہ حضرت حسینؓ کی بات رد کی جا رہی ہے تو معاملہ میں

مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ یہ کیا غضب ہے:-

والله لوسألكم هذا الترک والد یلم ماحل لکم أن تردوه"

(طبری، ج ٦، ص ٢٢٢)-

یہ بات تو اگر تم سے ترک اور دیلم (کے کافر) بھی مانگتے تو ان کا سوال بھی رد کرنا تمہیں روا نہ تھا-

مگر بائی کمان کے ان تینوں افراد نے اپنی بات پر اصرار جاری رکھا (۳) جس پر حر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور حضرت حسین کی صفوں میں پہنچ گیا اور وہاں سے پلٹ کر ابن زیاد کے لشکر پر حملہ آور ہوا-

فصرف الحر وجه فرسه و انطلق الى الحسين و اصحابه فظنوا انه انما جاء لیقاتلهم. فلما دنا متهم قلب ترسه وسلم عليهم ثم كر على اصحاب ابن زیاد فقاتلهم فقتل منهم رجلين ثم قتل رحمة الله عليه.

(طبری، ج ٦، ص ٢٢٢)-

اس پر حر نے اپنے گھوڑے کا رخ پھیرا اور حسین اور ان کے ساتھیوں کی طرف چلا- ان لوگوں نے گمان کیا کہ یہ شخص ان سے لڑنے آ رہا ہے مگر قریب پہنچ کر حر نے اپنی ڈھال کو الٹ دیا (جو دوست ہونے کی علامت تھی) اور سلام کیا- اس کے بعد وہ اصحاب ابن زیاد پر پلٹا اور حملہ کر کے دو آدمی مارے اور پھر خود بھی جان دیدی-

حصین بن عبدالرحمن کی روایت کے اس زائد حصے سے یہ سمجھنا ممکن ہوتا ہے کہ کربلا کی جنگ کا آغاز حر بن یزید کی تلوار سے ہوا- مگر واقعہ میں یہ صرف ایک انداز بیان ہے، ابتداء دوسری طرف سے ہوئی تھی- (سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۱۸۵-۱۸۶)

حضرت حسینؓ کی پیشکش رد کرنے پر حر کے مذکورہ قول کے حوالہ سے سنبھلی لکھتے ہیں:-

"بعض دوسری روایات میں یہ بات اس طرح بیان ہوئی ہے کہ حر نے یوم عاشورہ کی صف آرائی کے وقت ابن سعد، امیر لشکر کو مخاطب کر کے یہ بات کہی تھی اور صرف ابن سعد ہی نے جواب دیا تھا، جو یہ تھا کہ:- میں تو خود ہی چاہتا تھا مگر میرا اختیار نہیں ہے-"

(سنبھلی واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۱۸۵، حاشیہ ۳)۔

واقعات کربلا کی مبالغہ آمیز شیعی منظر کشی کو علمی و تحقیقی لحاظ سے مسترد کرتے ہوئے سیدنا محمد الباقر کی روایت کے حوالہ سے سنبھلی فرماتے ہیں:۔

''حضرت محمد الباقر والی روایت لے لیجئے جس میں المیۂ کربلا نمک مرچ لگانے اور بغیر ایک رزمیہ داستان بنائے سیدھے سادے لفظوں میں یوں پیش کر دیا گیا ہے کہ:۔

پس (جب آپ نے ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کی شرط پوری کرنے سے انکار کیا تو) عمر بن سعد نے آپ سے قتال کیا۔ اس میں آپ کے تمام اصحاب شہید ہو گئے جن میں آپ کے اپنے گھر کے قریباً پندرہ بیس جوان بھی تھے۔ بعد ازاں آپ نے خود قتال کیا اور آپ بھی شہید ہوئے۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ ماتم کے کاروبار کو رونق نہیں مل سکتی۔ اس میں ایک کے بعد ایک لاشہ گرنے کا منظر نہیں آتا۔ اس لاشے پر حضرت حسین کا دوڑ کے جانا اور حزن والم کے کلمات ادا فرمانا نہیں آتا۔ حضرت زینب سر کھولے سینہ پیٹتی اور پچھاڑیں کھاتی ہوئی نہیں آتیں، لاش سے لپٹ کے بین کرتی نہیں پائی جاتیں۔ حضرت حسینؓ پیاس کی شدت سے فرات کی طرف گھوڑا دوڑاتے ہوئے اور عین اس حالت میں کہ پانی حلق سے اتارنے جا رہے ہیں، گلے میں دشمن کے تیر کھاتے ہوئے اور پھر ان کے لئے یوں بددعا کرتے نہیں دکھائی دیتے کہ:۔

اے اللہ ان لوگوں کو گن لے اور پھر انہیں چن چن کر مار اور ایک کو بھی باقی نہ رکھ۔ (طبری، ج ۶، ص ۲۵۸)۔

اور پھر بعد میں زخموں سے چور دشمن کے زغے میں گھرے ہوئے ان سے یوں مخاطب ہوتے ہوئے بھی نہیں ملتے جس سے ایک عاجزی اور بیچارگی کی تصویر بنتی ہے کہ:۔

''کیا تم میرے قتل پر ایک دوسرے کو اکساتے ہو؟ یاد رکھو کہ میرے بعد کوئی ایسا بندہ نہیں ہے جس کے قتل سے اللہ اتنا ناراض ہو جتنا میرے قتل سے ہو گا۔۔۔۔۔ اور اگر تم نے مجھے قتل ہی کر دیا (اور نہ مانے) تو اللہ تم پر آپس کی لڑائی اور خونریزی کا عذاب مسلط فرمائے گا۔ اور پھر اس عذاب دنیا پر بس نہ کرتے ہوئے

(آخرت کے) عذاب الیم کا اس پر اضافہ فرمائے گا۔ (طبری، ج ٦، ص ٢٦٠)۔

اور پھر حضرت زینبؓ یہ کہتی ہوئی نہیں نکل آتیں کہ:-

یا عمر بن سعد! أيقتل ابوعبدالله وأنت تنظر اليه.

(طبری، ج ٦، ص ٢٦٠)-

اے عمر ابن سعد! کیا ابو عبداللہ (حسینؓ) قتل ہوں گے اور تم دیکھتے رہو گے؟

چنانچہ اس روایت کا ذکر باوجود حضرت محمد الباقر کی روایت ہونے کے مشکل ہی سے کہیں ملے گا۔" (سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ٢١٣-٢١٥)۔

مولانا سنبھلی اس کے بعد خلاصہ کلام کے طور پر فرماتے ہیں:-

"قصہ مختصر

اختصار کی کوشش کے باوجود قصہ طویل ہو گیا۔ مختصر یہ کہ معرکہ کربلا کی لمبی چوڑی کہانیاں علاوہ اس کے کہ موقع و محل کے حالات ان کے وقوع کے لئے گنجائش نہیں دکھاتے اور علاوہ اس کے کہ ان قصوں کی سندیں نہایت بے وقعت ہیں، یہ قصے متعدد پہلوؤں سے خانوادۂ نبوت پر داغ بنتے ہیں۔

اس کی سب سے بڑی مثال کے ذکر سے ہم نے اوپر بات شروع کی تھی اور اس کے ضمن میں باقی وہ تمام چیزیں آگئیں جن کو الگ الگ ذکر کرنے کا ارادہ تھا۔ یعنی حضرت حسینؓ کا اپنے آپ کو اپنی زبان سے مقدس اور مقبول بارگاہ حق بتانا جس کی کوئی گنجائش رسول اللہؐ صلی علیہ وسلم کی تعلیمات میں نہیں ہے۔ اپنے دشمنوں کو بددعائیں دینا، جوان کے نانا کی سنت نہیں اور مردوں کا میدان جنگ میں شیوہ نہیں۔ سیدہ زینب بنت خاتون جنتؓ کا بین و بکا کرتے ہوئے بار بار میدان جنگ میں آنا اور لاشوں سے لپٹ لپٹ کے رونا چلانا۔ پھر حسینؓ کے لئے عمر بن سعد سے رحم کی اپیل کرنا۔ بھلا یہ باتیں کہیں خانوادۂ نبوت کی خواتین کو زیب دیتی ہیں اور خاتون بھی علی مرتضیٰ جیسے شیر مرد کی بیٹی۔

یہ روایتیں اگر قابل اعتبار ہو سکتی ہیں تو صرف ان لوگوں کے لئے جنہیں خانوادۂ نبوت کی محبت کے نام پر ان کی مظلومیت کے ماتم کی دوکان کھولنی ہے۔ خواہ

مظلومیت کی اس داستان کو رنگین کرنے کے لئے ان تمام چیزوں کا اپنے ہی ہاتھ سے خون کرنا پڑے جو اس خانوادے کا اور کسی بھی خانوادے کا شرف اور اس کی عزت ہوں۔"

(مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۲۱۵-۲۱۶)۔

قافلہ حسینی کا پانی بند کرنے کی روایات کے سلسلہ میں مولانا سنبھلی تحقیقی و تنقیدی نقطہ نظر سے فرماتے ہیں:-

"بندش آب

داستان کربلا کا ایک اور اہم جزو ابن زیاد کی طرف سے قافلہ حسینی پر پانی کی بندش ہے۔ دوسرے اجزاء پر گفتگو نے اتنا وقت لے لیا کہ اب جی چاہتا ہے یہ گفتگو ختم ہو۔ مگر اس بندش آب والے جزو کی اہمیت اجازت نہیں دیتی کہ اس سے اغماض کر لیا جائے۔ یہ بندش ے محرم سے بتائی گئی ہے۔ اور اہل قافلہ کا پیاس سے خاص کر خود حضرت حسینؓ کا وہ برا حال سنایا جاتا ہے کہ سخت حالت جنگ میں بھی دشمن کو نقصان پہنچانے یا اس سے اپنا دفاع کرنے سے بھی بڑھ کر پانی کا حصول ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ حالانکہ اسی یوم عاشورہ کی روایتوں میں ایک روایت یہ بھی موجود ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں نے یکے بعد دیگرے غسل کیا جس میں لورے کا استعمال بھی کیا گیا تھا۔ اور ایک بڑے برتن میں مشک گھول کر تیار کیا گیا تھا، جو ان حضرات نے لگایا۔

اس کے علاوہ کربلا کا میدان جس کے بارے میں روایتوں نے یہ تاثر دیا ہے کہ وہ ایک بے آب و گیاہ ریگستان تھا، اس کی تردید کے لئے حضرت محمد الباقر والی وہ روایت کافی ہے جس کا کچھ حصہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ جس کے مطابق کربلا ایک ایسی زمین تھی جس میں نرکل اور بانس کا جنگل یا جھاڑیاں موجود تھیں۔ اور یہ ریگستان میں نہیں ہوا کرتیں۔ یہ مسلم ہے کہ یہ دریائے فرات یا اس سے نکلنے والی کسی نہر کا کنارہ تھا۔ یہاں پانی زمین کی سطح سے اتنا قریب تھا کہ تھوڑی سی زمین کھودو اور پانی لے لو۔ "معجم البلدان" میں کربلا کے ذیل میں صراحت ہے کہ یہاں کی زمین میں نرمی (رخوۃ)

ہے- اور یاد آتا ہے کہ طبری ہی میں یہ روایت موجود ہے کہ اصحاب حسینؓ کو بھی زیر زمین کا یہ تجربہ ہوا تھا کہ ذرا سا کھودنے پر پانی نکل آیا- بہر حال یہ "تاریخی حقیقت" کے نام پر خالص ایک پروپیگنڈہ ہے کہ کربلا میں پانی نایاب یا کمیاب تھا- اور اس سے سات (۷) محرم سے بندش آب کے افسانے کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے-" (عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۲۱۶-۲۱۷)-

مولانا سنبھلی کے بیان:- ذرا سا کھودنے پر پانی نکل آیا- کی تائید میں شیعہ مؤلف "ناسخ التواریخ" میرزا محمد تقی سپہر کاشانی کا یہ بیان برھان قاطع ہے:-

"آنحضرت تبرے بر گرفت و از بیرون خیمۂ زنان نوزدہ گام بجانب قبلہ برفت- آنگاہ زمین را تیر لختے حفر کرد- ناگاہ آبے زلال و گوارا بجوشیدہ- اصحاب آنحضرت بنوشیدند و مشکہا پر آب کردند- (ناسخ التواریخ- کتاب دوم- ج ۶، ص ۲۳۵، مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

ترجمہ: آنحضرت (یعنی حسینؓ) نے ایک کدال اٹھائی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر کی طرف انیس قدم قبلہ کی جانب چل کر گئے اور زمین کو تھوڑا سا کھودا کہ اچانک آب زلال و گوارا زور سے نکل پڑا- آپ کے ساتھیوں نے نوش کیا اور مشکیں بھی بھر لیں-

مولانا سنبھلی اس حوالہ سے مزید فرماتے ہیں:-

"معاملے کے کچھ اور پہلو

کربلا جیسی لب دریا سر زمین پر اس بات کو ممکن سمجھ لینا کہ وہاں ڈیڑھ دو سو ایسے مسلح انسانوں پر جن میں تیس تبیس سوار بھی تھے مسلسل تین دن تک پانی کی مکمل بندش کی جا سکتی تھی، یہ بات عقل و خرد سے مکمل رخصت لئے بغیر تو ممکن نہیں- ہاں اگر یہ بات کہی جائے کہ پانی کا گھاٹ یعنی اس جگہ کا جو قریبی گھاٹ تھا وہ روکا گیا تھا تاکہ حسینی قافلہ بسہولت پانی نہ لے سکے تو یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے- پانی کے گھاٹ سے پانی حاصل کرنے اور جانوروں کو پلانے میں جو آسانی ہوتی ہے وہ ظاہر ہے کہ گھاٹ سے ہٹ کر دوسری جگہ نہیں ہو سکتی اور واقعہ یہ ہے کہ روایت میں گھاٹ روکنے

ہی کا ذکر ہے۔

لیکن اس میں بھی سات تاریخ سے شروعات کی جو بات کہی جاتی ہے اور وہ بندش آب والی روایت میں آئی ہے، وہ بھی ایسی ہی ناقابل فہم ہے جیسی مکمل بندش والی بات۔ اس کے برخلاف جو بات واقعاتی لحاظ سے قابل فہم ہے وہ یہ ہے کہ جب دس تاریخ کو لڑائی چھڑی تو دشمن نے اپنی جلد از جلد کامیابی کے لئے جہاں دوسرے ذرائع استعمال کئے، وہاں ایک تدبیر یہ بھی اختیار کی جو جنگ میں عام طور پر کی جاتی ہے کہ فریق مخالف کے لئے پانی کا حصول مشکل بنا دیا جائے۔ اس سے قدرتی طور پر مخالف فریق کی قوت مدافعت گھٹتی ہے۔ پس اگر یہ دعویٰ کیا جائے یا یوں کہئے کہ روایت میں اس طرح کی بات کہی گئی ہو، تو یہ ایک قابل فہم بات ہے اور اس پر کسی کو کلام کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو گی۔ نیز واقعے کے تمام پہلوؤں کی روایات کے چوکھٹے میں اس کا فٹ ہونا بھی دقت طلب نہ ہو گا۔ جبکہ اس کے برعکس سات تاریخ والی روایت جو بعض دوسری روایتوں کے ساتھ جوڑ نہیں کھا سکتی، بالکل ایک تضاد کا درجہ لئے ہوئے نظر آئے گی۔'' (سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۲۱۷-۲۱۸)

سیدنا حسینؓ کی یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے (دست در دست یزید) کی پیش کش کے حوالہ سے جو امامت و خلافت یزید کو عملاً تسلیم کرنے اور خروج عن الجماعہ سے بالآخر گریز کرنے کی علامت ہے، اور اسی بناء پر ابن تیمیہ و دیگر اکابر اہل سنت کے نزدیک قتل حسینؓ کو دفاع جان و مال کے حق مومن کو استعمال کرنے کے حوالہ سے شہادت تسلیم کرنا لازم ہے، مولانا سنبھلی فرماتے ہیں کہ سید علی نقی سمیت اکثر شیعہ حضرات اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ اہل سنت کا عمومی رویہ بھی اسی قسم کا رہا ہے۔

''اور شیعہ حضرات کو کیا کہیں خود اہل سنت حضرت حسین سے متعلق شیعی تصورات سے اس درجہ متاثر ہوئے ہیں کہ ان کے ہاں بھی واقعے کے اس جزو کو جو حتمی طور پر ثابت ہے، تاریکی ہی میں رکھنا عام طور پر پسند کیا گیا۔ ۳۷ سال پہلے کا ''واقعہ کربلا'' نامی راقم کا مضمون جس پر ''نظر ثانی'' اس کتاب کی شکل اختیار کر گئی جو آپ پڑھ رہے ہیں، اس مضمون میں راقم نے اس حقیقت سے بے خبری کے عالم میں کہ

حضرت حسین نے جو سہ رخی پیش کش کربلا میں کی تھی جس کا ایک جزو یزید کے پاس جانا اور اکثر روایتوں کے مطابق بیعت کے لئے جانا تھا۔ (۱) اس کا یہ جزو مکمل تاریکی میں ہے، اس جزو کو بھی روشنی دکھانے کی غلطی کر دی۔ اور بس یہ "غلطی" قیامت خیز ہو گئی۔ بہت بہت پڑھے لکھے سنی حضرات جن میں میرے بعض بڑے محترم اور مشفق بھی شامل تھے، ان کے لئے حضرت حسین کی طرف اس بات کی نسبت ناقابل برداشت ہو گئی۔ اور معاملہ اس وقت ٹھنڈا ہوا جب "الفرقان" کی اگلی اشاعت میں تاریخ طبری اور ابن کثیر وغیرہ کے پانچ چھ حوالوں سے اصل عربی عبارتوں میں وہ پیش کش نقل کر دی گئی۔ اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اس پیش کش کی بات کوئی افتراء اور بہتان یا کسی کمزور ذریعے (Source) کی بات نہیں تھی۔"

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۲۲۴-۲۲۵)۔

اسی حوالہ سے حاشیہ (۱)، ص ۲۲۵ میں لکھتے ہیں :-

"ان روایتوں کے الفاظ ہیں :- "حتیٰ أضع یدی فی یده"۔ جس کا لفظی ترجمہ ہے (تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدوں)۔ کوئی اس عبارت کا ترجمہ "بیعت" سے نہ بھی کرنا چاہے تو "سپردگی" سے تو پھر بھی کرنا ہی ہو گا۔ اور پھر کیا فرق رہا؟"

مولانا سنبھلی "دست در دست یزید" کی حسینی پیشکش پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"یزید کے پاس آپ کا اس درجہ لچک کے ساتھ جانا کہ اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیں، اس کا نتیجہ (وقت کے تمام دستیاب قرائن و شواہد کی بناء پر) ماسوائے اس کے کچھ نہیں ہونا تھا کہ یزید آپ کا اکرام کرے اور ہر ممکن طریقہ سے اس بات کی کوشش کرے کہ آپ کی اس کے ساتھ کشیدگی جاتی رہے۔ وہ کیا شکل ہوتی یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت معاویہ کی وصیت کے مطابق انہی کے نقش قدم پر "صلح حسنؓ" جیسا کوئی باب یزید اور حضرت حسینؓ کے درمیان بھی ضرور رقم ہوتا۔ مگر قیاس و گمان کے تمام تقاضوں کے برعکس ابن زیاد کو آپ کی پیش کش قبول نہ ہوئی۔ اور المیہ کربلا جو کاتب تقدیر کے ہاتھ سے رقم ہو چکا تھا، وہ وجود میں آ کر رہا۔"

(سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۲۴۳-۲۴۴)۔

قافلہ حسینی کے دمشق آنے کے سلسلہ میں مولانا سنبھلی رقمطراز ہیں کہ:-

"قصر یزید میں

بیان کیا گیا ہے کہ کوفے سے حضرت حسینؓ کا سر یزید کے پاس دمشق بھیجا گیا۔ علی ھذا قافلہ حسینی کے باقیماندہ افراد، خواتین اور بچے بھی وہیں پہنچائے گئے۔ اس بارے میں جو روایتیں مشہور ہیں وہ تو یہ ہیں کہ یزید نے بھی سر کے ساتھ ٹھوکا دینے کی گستاخی کی اور بقیتہ السیف اھل خانہ کے ساتھ بھی رنج پہنچانے والی باتیں کیں۔ بلکہ شیعہ روایات کے مطابق تو اہل خانہ کا قافلہ کوفے سے دمشق تک لایا ہی غیر مسلم قیدیوں کی طرف نہایت ذلت اور تشہیر کے ساتھ تھا۔ اور پھر گھنٹوں محل کے دروازے پر کھڑا رکھا گیا۔ وغیرہ وغیرہ خرافات۔ جن میں امویوں کے ہاتھوں خاندان نبوت کی وہ تذلیل دکھا کر جو مسلمانوں نے کبھی غیر مسلموں کے ساتھ بھی روا نہیں رکھی بلکہ ان اہل بیت کی خود اپنے ہاتھوں بھی اپنی تذلیل اور تشہیر (انکی "تقریروں" وغیرہ کی شکل میں) دکھا کر دراصل شیعہ مذہب کے تمام عقائد اور اعمال و رسوم کی سند اور اصل، اہل بیت ہی سے فراہم کرنے کا وہ فنکارانہ انتظام کیا گیا ہے کہ ایک فن کے اعتبار سے بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن جس کو اصلیت اور واقعیت سے دلچسپی ہے، اس کے لئے اسی طبری میں جس میں خود کافی لغویات موجود ہیں، ان تمام خانہ ساز لغویات کی تردید کا سامان بھی موجود ہے۔

وہ ایک روایت جو دسویں باب میں گزری ہے کہ ابن زیاد نے جو آدمی حضرت حسین کا سر لے کر دمشق بھیجا تھا اور اس نے کربلا کی یہ کہانی سنائی تھی کہ حسینؓ اور ان کے ساتھی ہمارے سامنے ایسے بھاگے جیسے شکروں کے سامنے کبوتر۔ حتیٰ کہ ذرا سی دیر میں ان کا کام تمام کر دیا گیا۔ اس میں آگے مزید یہ الفاظ بھی تھے:-

"پس اب وہاں ان کے جسم ہیں بے لباس، کپڑے ہیں خون آلود، چہرے خاک آلود الخ"

وہی روایت اس کے بعد بتاتی ہے:-

"فدمعت عين يزيد وقال:- قدكنت أرضى بدون قتل الحسين. لعن الله ابن سمية. اما والله لواني صاحبه لعفوت عنه فرحم الله الحسين. ولم يصله بشئي".

یہ سن کر یزید کی آنکھیں بھر آئیں اور کہا:- (ارے یہ کیا کیا) میں تو قتل حسین کے بغیر بھی تم سے راضی رہتا- اللہ ابن سمیہ کو غارت کرے- بخدائے پاک میں اگر اسکی جگہ ہوتا تو حسین سے در گزر ہی کرتا- اللہ حسین پر رحمت کرے-

اور پھر اس آدمی کو کوئی انعام وصلہ نہ دیا-

اس کے بعد راوی مزید بیان اس بارے میں دیتا ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسین کے اہل خانہ کو بھی دو آدمیوں کی تحویل میں یزید کے پاس ارسال کیا تھا- ان دو میں سے ایک کا نام محفز ابن ثعلبہ تھا- اس محفز نے محل کے دروازے پر آ کر آواز لگائی:-

"هذا محفز بن ثعلبة أتى باللئام الفجرة"-

یہ محفز بن ثعلبہ ہے جو "ایسوں اور ایسوں" کو (معاذ اللہ) لیکر آیا ہے-

یزید نے اس کے جواب میں کہا:-

"ماولدت ام محفز شراً والأم (منه). (طبری، ج ٦، ص ٢٦٤)-

محفز کی ماں نے اس سے زیادہ برا اور اس سے زیادہ لیئم نہیں جنا-

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ روایت ضرور صحیح ہے لیکن یہ ضرور کہا جائے گا کہ اس روایت کی موجودگی ان روایتوں کو ضرور مشکوک بنا دیتی ہے جن میں یزید کے اس رویے کے برعکس رویہ دکھایا گیا ہے- اور مزید یہ بھی کہا جائے گا کہ جو مزاج، جو طبیعت اور جو خاندانی ماحول یزید کے لئے فی الواقع ثابت ہے (نہ کہ خانہ ساز گپیں) اور حضرت حسین کیلئے اس کے جس رویے اور جن احساسات کی مضبوط شہادت کربلا کے واقعہ شہادت سے پہلے تک کیلئے پائی جاتی ہے، جن کا کچھ بیان اس کتاب کے بعض گذشتہ ابواب میں بھی ہوا ہے، یہ ثبوت اور شہادتیں بہر حال اپنا وزن اس روایت کے اور اس جیسی روایتوں کے پلڑے میں ڈالتی ہیں-" (عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ٢٣٣-٢٣٥)-

مولانا سنبھلی جیسے جدید نیز قدیم اکابر امت کے اس نقطہ نظر کی تائید کے لئے یزید اور عامل مکہ کا سیدنا حسینؓ کو امامت و خلافت یزید منعقد ہونے کے بعد تقریباً چھ ماہ تک (رجب ۶۰ھ تا محرم ۶۱ھ) بلا بیعت، مدینہ سے مکہ وراہ کوفہ تک بلا روک ٹوک آزاد چھوڑ دینا ہی سیدنا حسین سے ان کے حسن سلوک کی دلیل بلکہ برھان قاطع کے طور پر کافی وشافی ہے۔

بہر حال مولانا سنبھلی مزید رقمطراز ہیں:-

''خواتین خانوادہ نبوت کے ساتھ اور صاحبزادہ علی بن الحسینؓ کے ساتھ رنج رسانی اور سخت کلامی وغیرہ کی روایتیں جو طبری میں بھی آتی ہیں اور دوسری کتابوں میں بھی ہیں، ان سب کے بارے میں ہم پنے آپ کو یہی کہنے کیلئے مجبور پاتے ہیں کہ جب ان روایتوں سے بالکل مختلف صورت بتانے والی روایتیں بھی موجود ہیں جو ابھی آپ کے سامنے گزریں تو کوئی جواز نہیں کہ برائی اور بدسلوکی کا معاملہ دکھانے والی روایتیں قبول کرلی جائیں۔

اور یہ تو مانا ہی ہوا ہے کہ یزید نے اس قافلے کو بہت کچھ دے دلا کر نہایت احترام کے ساتھ ایسے لوگوں کی معیت میں مدینے روانہ کیا تھا جن کے احترام اور حفظ مرتبت کے رویہ سے اہل قافلہ نہایت خوشنود اور شکر گزار ہوئے۔ اور پھر مدت العمر اس خاندان کے ساتھ غیر معمولی مراعات اور حسن سلوک کا رویہ رہا۔ جس کی تفصیلات میں جانے کی شاید ضرورت نہیں۔ اور پھر ایسا ہی رویہ اس خانوادہ نبوت کا بھی بنوامیہ کے ساتھ رہا۔''

(سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۲۳۸)

مولانا سنبھلی ''ظلم کی ذمہ داری کس پر'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:-

''ظلم کی ذمہ داری کس پر؟

تاریخی شہادتوں کا جو ذخیرہ ہمارے سامنے ہے، وہ کسی بھی طرح اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اس خون ناحق کی ذمہ داری یزید پر ڈالی جائے۔ یزید نے بے شک ابن زیاد کے سپرد یہ بھی کیا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے نپٹے اور کوفے میں ان کو آزادانہ داخل

ہونے دے۔ اس کے بعد اگر یہ بات پیش نہ آگئی ہوتی کہ حضرت حسین نے اس مہم سے قطعی دستبرداری ظاہر کرکے جس کے لئے وہ گئے سے نکلے تھے، یزید کے پاس جانے اور اپنا فیصلہ اس کے ہاتھ میں رکھ دینے کی پیش کش کردی، تب بے شک ابن زیاد کے حکم سے کی جانے والی جنگی کارروائی کی اصل ذمہ داری یزید ہی پر آتی۔ مگر اس کامل طور پر تبدیل شدہ صورت حال میں ابن زیاد نے یزید سے رجوع کئے بغیر اور کارروائی کے افسر اعلی عمر بن سعد کے مشورے کے بھی برخلاف جو قتل و قتال کی کارروائی کرائی، اس کی ذمہ داری یزید پر ڈالنا تو ایک زیادتی کی بات ہوگی۔ ہاں اگر وہ اس کارروائی سے اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کرتا تو پھر ضرور حق تھا کہ اسی کو اصل ذمہ دار قرار دیا جائے۔ مگر اس بارے میں ہم گزشتہ باب میں مختلف روایتوں کا جائزہ لیکر دیکھ چکے ہیں کہ ذمہ داری کے ساتھ ایسی بات یزید کی طرف منسوب کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ متعدد قرائن و شواھد کی روشنی میں پلڑا ان روایتوں کا بھاری نظر آتا ہے جو اس واقعہ پر یزید کی نارضامندی اور ناخوشی ظاہر کرتی ہیں۔ اور اسی بناء پر اس باب نمبر ۱۲ کے پچھلے صفحات میں ابھی ہم لکھ کر آئے ہیں کہ:-

"یزید کے پاس آپ کا اس درجہ لچک کے ساتھ جانا کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں، اس کا نتیجہ وقت کے تمام دستیاب شواھد و قرائن کی روشنی میں سوائے اس کے کچھ نہیں ہونا تھا کہ یزید آپ کا اکرام کرتا---- اور حضرت معاویہ کی وصیت کے مطابق انہی کے نقش قدم پر "صلح حسن" جیسا کوئی باب یزید اور حضرت حسینؓ کے درمیان بھی ضرور رقم ہوتا۔"

پس ہمارے خیال کے مطابق اس کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا تھا کہ اگر حضرت حسینؓ کی پیش کش کے بارے میں یزید سے رجوع کیا جاتا تو وہ ابن زیاد کو اس رویے اور اس کارروائی کی اجازت دیتا جو کربلا میں اس کے (ابن زیاد کے) حکم سے ہوئی۔"

(مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۲۴۹--۲۵۰)۔

"ابن زیاد کو سزا کیوں نہیں دی؟

یہ سوال جب کسی عام آدمی کی طرف سے سامنے آئے تو کوئی حیرت کی بات

نہیں ہوتی۔ مگر جب پڑھے لکھے لوگ بھی یہ سوال اٹھاتے ہیں تو پھر حیرت ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ اس لئے کہ نارضامندی اور سزا دہی کا کوئی ایسا لازمی تعلق نہیں ہے کہ ایک حاکم نے اپنے ماتحت کی کسی بات کو ناپسند کیا ہو تو وہ اسے سزا بھی ضرور دے۔ بہت سی دفعہ ناخوشی کا اظہار بھی اس آدمی پر کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کی کیسی قابل لحاظ مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ حضرت علیؓ کی فوج میں بلکہ ان کے نہایت خاص معتمدین میں وہ لوگ شامل تھے جو قاتلان عثمانؓ کے سر گردہ شمار کئے جاتے تھے۔ اور خود حضرت علی کو اس الزام سے انکار نہ تھا۔ مگر اس مطالبے کے جواب میں کہ ان کو سزا دی جائے یا ورثاء عثمانؓ کے سپرد کیا جائے، حضرت علی کو ہمیشہ یہی کہنا پڑا کہ حالات اجازت نہیں دیتے۔ یعنی سزا کا مطالبہ کرنے والے بھی موجود تھے، اصولاً حضرت علیؓ کو مطالبے سے اتفاق بھی تھا۔ پھر بھی مصلح وقت کا مسئلہ ایسا تھا کہ آپ اس پر عملدرآمد نہیں کر سکتے تھے۔ تو اب اگر ہم یزید کے لئے کوئی جداگانہ اصول نہیں بناتے ہیں، تب بڑی آسانی سے محسوس کر سکتے ہیں کہ:-

جس ابن زیاد نے یزید کے ہاتھ سے نکلتے ہوئے عراق کو نہ صرف روک لیا تھا بلکہ جو طوفان وہاں یزید کے خلاف تیار ہو رہا تھا، اس کا رخ اس نے تمام تر حضرت حسینؓ کے خلاف موڑ کے دکھا دیا، یزید کے لئے کیسے ممکن تھا کہ اس کا سر قلم کرنے کی بات سوچے"۔

(مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ص ۲۵۰-۲۵۱)۔

خلیفہ راشد سیدنا علیؓ کی جانب سے مصلح وقت کی بناء پر قاتلین عثمانؓ (مالک اشتر و محمد بن ابی بکر وغیرہ) کو سزا نہ دے سکنے بلکہ گورنری کا عہدہ عطاء کرنے کے حوالہ سے مولانا مودودی بھی فرماتے ہیں:-

"مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا، جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔ اسی بناء پر میں نے اس کی مدافعت سے اپنی معذوری ظاہر کر دی ہے۔"

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور اپریل ۱۹۸۰، ص ۳۴۸، ضمیمہ سوالات و اعتراضات بسلسلہ بحث خلافت)۔

یزید کے بارے میں خلاصہ کلام کے طور پر مولانا سنبھلی لکھتے ہیں:-

"امام ابن تیمیہؒ کا ارشاد

"اس موقع پر امام ابن تیمیہؒ کی بات قابل ذکر نظر آتی ہے۔ اپنی مشہور کتاب "منھاج السنہ" میں لکھتے ہیں جس کا ہم یہاں خلاصہ پیش کرتے ہیں:-

"یزید کے سلسلے میں لوگوں کے تین گروہ ہیں۔

ایک کا اعتقاد ہے کہ یزید صحابی، بلکہ خلفائے راشدین میں سے یا بلکہ انبیائے کرام ؑ کے قبیل سے تھا۔

اس کے برعکس ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ کافر اور بد باطن منافق تھا۔ اسکے دل میں بنوھاشم اور اہل مدینہ سے اپنے ان کافر اعزہ و اقارب کا بدلہ لینے کا جذبہ تھا جو جنگ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ کچھ اشعار اسکی دلیل میں اس کی طرف منسوب کرتے ہیں:-

لیکن یہ دونوں قول ایسے غلط اور بے بنیاد ہیں کہ ہر سمجھدار اس کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

یزید حقیقت میں ایک مسلمان فرمانروا اور بادشاہانہ خلافت والے خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا۔ نہ وہ صحابی یا نبی تھا اور نہ ہی کافر و منافق۔

حضرت حسین اور یزید کے قضیے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ایک مجہول السند روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر یزید کے سامنے لا کر رکھا گیا اور اس نے آپ کے دندان کو چھڑی سے ٹھوکا دیا۔ یہ روایت نہ صرف یہ کہ ازروئے سند ثابت نہیں بلکہ اس کے مضمون ہی میں اس کے جھوٹ ہونے کا ثبوت ہے۔ اس میں جن صحابہ کی موجودگی اس وقت یزید کے پاس بتائی گئی ہے۔ (کہ انہوں نے اسکی اس حرکت پر ٹوکا تھا) وہ شام میں نہیں عراق میں رہتے تھے۔ اور اس روایت کے برعکس متعدد لوگوں کی روایت ہے کہ یزید نے نہ قتل حسین کا حکم دیا نہ اس کا یہ مقصود تھا۔ بلکہ وہ تو اپنے والد حضرت معاویہ کی وصیت کے مطابق آپ کا اعزاز و اکرام ہی پسند کرتا تھا۔ البتہ اس کی خواہش یہ تھی کہ آپ اسکی حکومت کے خلاف

اقدام کے ارادے سے باز آئیں۔ اور چونکہ آخر میں یہی ہوا کہ کوفے کے قریب پہنچ کر آپ نے اپنا ارادہ ختم کر دیا اور یزید کے پاس جانے یا واپس ہو جانے یا کسی سرحد پر نکل جانےکی پیش کش کی، اس لئے جب یزید اور اسکے گھر والوں کو آپ کی شہادت کی خبر پہنچی تو ان کے لئے یہ نہایت تکلیف دہ ہوئی۔ یزید نے اس وقت یہاں تک کہا کہ خدا کی لعنت ہو ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر اسکی اگر حسینؓ سے رشتہ داری ہوتی تو وہ کبھی ایسی حرکت نہ کرتا۔ پھر اس نے آپ کے اہلِ خاندان کے لئے نہایت اچھا واپسی کا سامان کیا اور ان کو مدینے پہنچوایا اور اس سے پہلے یہ پیش کش بھی کی تھی کہ وہ چاہیں تو دمشق ہی میں اسکے پاس رہیں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اس نے حسین کے قاتلوں سے بدلہ نہیں لیا۔

اور یہ جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حضرت حسین کے گھرانے کی خواتین کو قیدی اور باندی بنا کر شہر شہر گھمایا تو اللہ کا شکر ہے مسلمانوں نے کبھی کسی ہاشمی خاتون کو باندی نہیں بنایا۔ عام اُمت مسلمہ تو کیا خود بنی اُمیہ میں ہاشمی خواتین کی تعظیم کا یہ حال تھا کہ حجاج بن یوسف نے (جو قریشی نہیں ثقفی تھا) عبداللہ بن جعفر کی بیٹی سے شادی کر لی تھی تو خاندان بنواُمیہ اس قدر برہم ہوا کہ دونوں کی علیحدگی کرائے بغیر نہ رہا۔"

(عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، میسون پبلیکیشنز ملتان، ص ۲۳۹-۲۴۰، انتخاب و تلخیص از "منہاج السنہ لابن تیمیہ، ج ۲، ص ۳۲۱ تا ۳۲۵)۔

۳- مولانا امام علی دانش(ھند)

(صدرالمدرسین' ادارہ محمودیہ' محمدی' ضلع لکھیم پور کھیری)

بر صغیر کے ممتاز عالم و معلم' مولانا امام علی دانش مدیر "الفرقان" مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی کے نام اپنے مکتوب میں مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی کتاب "واقعہ کربلااور اس کا پس منظر" کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں :-

"کتاب تحقیقی ہے-انداز بیان سنجیدہ اور علمی ہے- مصنف نے امکانی حد تک اظہار رائے میں غیر جانبداری کو بر قرار رکھا ہے-البتہ زبان بو جھل ہے' سلیس ہونی چاہئے تھی"-

(اقتباس از مکتوب مولانا امام علی دانش بنام مدیر' مطبوعہ ماہنامہ "الفرقان" لکھنو' ۱۹۹۲ء- وراجع : واقعہ کربلااور اس کا پس منظر' حصہ دوم' ص ۵۲۸'میسون پبلی کیشنز' ملتان)-

کربلا میں شہادت حسینؓ وبنو ہاشم کو بنو امیہ کی جانب سے کافر مقتولین بدر کا انتقام قرار دینے والوں کی مذمت کرتے ہوئے مولانا امام علی دانش اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"واقعہ کربلا کا غزوہ بدر سے کوئی تعلق نہیں ہے-اس قسم کی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جن کو قاتلین عثمانؓ اور دشمنان حسینؓ سے ہمدردی ہے-وہ منافقین اسلام کی بد کرداریوں سے توجہ ہٹانے کیلئے ہر واقعہ کو بنوامیہ اور بنو ہاشم کی عداوت پر محمول کرتے رہتے ہیں-جب اللہ تعالی نے دیرینہ عداوتوں کو مٹاکر صحابہ کرامؓ کے قلوب کو آپس میں ملادیا'اور ان میں الفت ڈال دی (جس پر قرآن شاہد ہے) پھر بیان قرآنی کے خلاف ان میں عداوت بغض ثابت کرنا کہاں کا اسلام و ایمان ہے ؟"-

(اقتباس از مکتوب مولانا امام علی دانش بنام مدیر "الفرقان" لکھنو' ۱۹۹۲ء- وراجع "واقعہ کربلااور اس کا پس منظر" 'میسون پبلی کیشنز' ملتان' حصہ دوم' ص ۵۲۸ ھ)-

۴- جناب امین الحسن رضوی
(سابق ایڈیٹر انگریزی ہفت روزہ، ریڈینس، دھلی)

برصغیر کے معروف صحافی و دانشور جناب امین الحسن رضوی، مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کے نام اپنے مکتوب مورخہ ۱۰ جون ۱۹۹۲ء میں یزید کا مقام و عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر کی تالیف پر مبارکباد پیش کرتا ہوں- اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے- ص ۱۳۱ پر یہ جملہ البتہ کھٹکتا ہے:-
(یزید بڑا متقی و پرہیزگار ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا- اور غالب گمان یہ ہے کہ وہ ایسا نہیں تھا)-

مجھے یہ جملہ غیر ضروری اور یک گونہ معذرت خواہانہ لگتا ہے- حضرت یزید، اول جہاد قسطنطنیہ میں حصہ لینے کے باعث (جس میں ان کی شمولیت اور ایک دستہ کی قیادت جس دستہ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ شامل تھے، غیر اختلافی اور تسلیم شدہ تاریخی حقیقت ہے) مبشر بالجنۃ اور غازی بہر حال ہیں-

پھر ان کے بارے میں اس "غالب گمان" (بدگمانی) کی ضرورت ہی کیا ہے-"

(مکتوب امین الحسن رضوی بنام مولانا عتیق الرحمن سنبھلی مورخہ ۱۰ جون ۱۹۹۲ء، مطبوعہ، "الفرقان" لکھنو)
(وراجع، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مطبوعہ میسون پبلی کیشنز ملتان، جلد دوم، ص ۵۳۴)-

۵- مولانا تسخیر الحسن ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ممتاز فاضل اور عربی و اسلامی علوم کے ماہر مولانا تسخیر الحسن ندوی (شریف آباد، بارہ بنکی) کا مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کے نام مکتوب، واقعہ کربلا و سیدنا حسینؓ و یزید کے بارے میں ان کی تحقیقی تصنیف کی تحسین و تائید میں بڑی اہمیت کا حامل ہے:-

"محترمی و مکرمی جناب مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب!

السلام علیکم!

"واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" دستیاب ہوئی۔ میں نے اس کو بار بار پڑھا اور ہر بار معلومات میں اضافہ ہوا۔ اپنے حلقہ احباب میں بھی بغرض مطالعہ دیا اور ابھی احباب کے مطالعہ کا سلسلہ جاری ہے۔ بہتوں کی بہت سی غلط فہمیاں دور ہوئیں اور حقیقت عیاں ہو گئی۔

مجھے کتاب کی جو خصوصیات نظر آئیں، وہ یہ ہیں کہ آپ نے عدل و انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ سیدنا حضرت حسینؓ کی شان و عظمت و علو مرتبہ کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے، حضرت امیر معاویہؓ کے صحابیت کے مرتبہ کا حق بھی ہر وقت نگاہ کے سامنے رہا ہے۔

یزید کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا ہے۔ یقیناً آپ نے بہت عمیق مطالعہ کیا ہے۔ اور تاریخ کے واقعات کو بہت ہی باریک بینی سے چھانا پھٹکا ہے۔ اس کے لئے آپ تہ دل سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

دل یہ چاہتا ہے کہ یہ کتاب زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ہاتھ میں پہنچے اور دنیا کی اکثر زبانوں میں اس کے تراجم شائع ہوں۔ تاکہ جاہلانہ رسوم جو پھیلی ہوئی ہیں وہ ختم ہو سکیں۔

والسلام ----- تسخیر الحسن ندوی

(مکتوب تسخیر الحسن ندوی مطبوعہ "الفرقان" لکھنؤ، مئی جون ۱۹۹۲ء، وراجع "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" مطبوعہ میسون پبلی کیشنز، ملتان، حصہ دوم، ص ۵۲۳)۔

۶- مولانا جمیل احمد نذیری
(ناظم جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارکپور، اعظم گڑھ)

ہندوستان کے ممتاز عالم و معلم مولانا جمیل احمد نذیری مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی تصنیف "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" پر ایک ناقد کے منفی تبصرہ پر اظہار رائے فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"ہر اس شخص کو جو "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کے مصنف کے نقطۂ نظر سے متفق نہ ہو، علمی و تحقیقی انداز میں کتاب پر ردو اعتراض کا حق ہے مگر خدارا ناموس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر حرف نہ آئے۔"

(اقتباس از مکتوب مولانا جمیل احمد نذیری بنام ایڈیٹر "تعمیر حیات" لکھنؤ، مؤرخہ ۲۳ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ، مطبوعہ الفرقان لکھنؤ ۱۹۹۲ء، وراجع "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" حصہ دوم، میمون پبلی کیشنز، ملتان، ص ۵۲۰)-

۷- سید خالد محمود
(ریڈر شعبہ باٹنی، تربھون یونیورسٹی، نیپال)

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی تصنیف "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" پر "ندوۃ العلماء" لکھنؤ کے جناب ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ میں جو تبصرہ تحریر فرمایا، اس میں تنقید یزید کے جوش میں بعض اموی صحابہ کرامؓ کو بھی ہدف تنقید بنا دیا- جس پر برصغیر کے طول و عرض میں علماء کرام نے شدید رد عمل ظاہر فرمایا اور بالآخر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اپنی قابل تنقید عبارت سے علی الاعلان رجوع فرما لیا- ڈاکٹر عباس ندوی کے مذکورہ تبصرہ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے معروف ماہر تعلیم و مترجم سید خالد محمود (قاضی پورہ بہرائچ) محترم مدیر، مجلہ "الفرقان" کو ارسال کردہ اپنے مکتوب میں رقمطراز ہیں:-

سید خالد محمود

قاضی پورہ، بہرائچ

۲۳ مئی ۹۲ء

محترم مدیر صاحب ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ

"قومی آواز" کے نام ایک مراسلے کی نقل ارسال خدمت ہے۔ گزارش ہے کہ "الفرقان" میں بھی اسے جگہ عنایت فرمائیں۔ والسلام۔

مکرمی۔ کل کی ڈاک میں ماہنامہ "الفرقان" کا مئی جون ۹۲ء کا مشترکہ جریدہ "خاص اشاعت" کے نام سے ہاتھ میں کیا آیا کہ حسب دستور رسالے کے مستقل کالم نگاہ اولیں کا تھوڑا حصہ پڑھتے ہی آپ یقین کریں لرزہ آگیا۔ جلدی جلدی پورا مقدمہ پڑھتا گیا اور دل و دماغ سے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ کا بار بار ورد بنا ارادہ ہوتا رہا۔ دل و دماغ و عقل یہ سب قبول کرنے کو کسی طرح تیار نہیں ہو رہا تھا کہ بیسویں صدی کے اواخر یا یوں کہہ لیں کہ قمری پندرہویں صدی کے اوائل میں ہی اس طرح کا حادثہ، جانکاہ رونما ہو گا جس کی تفصیلات سے مسلمانانِ ہند کو ایسا دھچکا لگے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عالمی شہرت یافتہ تعلیمی مرکز۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے موجودہ معتمد تعلیم مولانا عبداللہ عباس ندوی صاحب اپنے قلم سے ندوہ کے ترجمان "تعمیر حیات" کے صفحات پر۔۔۔۔۔۔ مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی نئی کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" پر تبصرہ کرتے ہوئے ایسے الفاظ کا استعمال کریں گے، جس سے ہر دو فریقین کے ذاتی تعلقات پر جو کچھ ضرب آئے گی سو آئے گی، ساتھ ہی اسلامی عقائد کے چودہ سو سال پرانے مضبوط قلعہ کی چولیں ہل جائیں گی، جس کے بعض جملوں سے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ کے خلافت راشدہ پر تحقیقی کاموں پر پانی پھرتا نظر آتا ہے، اور لاتعداد مجھ جیسے حقیر طالب علم سیر الصحابہ کے دماغ میں ایک ہیجانی کیفیت برپا ہو گئی ہے۔ (عرض کر دوں کہ مولانا عبدالشکور فاروقیؒ کی مشہور زمانہ کتاب "خلفائے راشدین" کا انگریزی میں ترجمہ اس خاکسار نے ہی ابھی چند ماہ قبل مکمل کر کے مولانا کی پشتِ سوم کی فرمائش پر ان حضرات کے حوالے کیا ہے)۔

"الفرقان" کے اس خصوصی شمارہ میں مولانا سجاد ندوی مدیر "الفرقان" نے نہایت دیانتداری سے کتاب مذکور پر عباس ندوی صاحب کا تبصرہ، اس کی اشاعت

کے بعد خود مولانا منظور نعمانی صاحب کا اپنی شام زندگی میں دل کی گہرائی سے بلکہ خون جگر میں ڈبو کر لکھا مولانا علی میاں صاحب قبلہ کے نام خط، مولانا عتیق الرحمن صاحب کا خط بنام مولانا عباس ندوی صاحب، مراسلہ بنام مدیر "تعمیر حیات" از طرف مولانا عتیق الرحمن سنبھلی من و عن شائع کر کے اتمام حجت کر دیا ہے، یقین کامل تو یہی ہے، اور دل سے دعا بھی کہ اس خصوصی شمارہ کے ایک ایک لفظ کو پڑھ کر مولانا عباس ندوی صاحب کو سانحہ عظیم کی نزاکت کا احساس ضرور ہو جائے گا بلکہ اب تک ہو گیا ہو گا۔

خون جگر میں ڈوبے اپنے اس نوک قلم سے میں آنخدومی حضرت مولانا علی میاں صاحب قبلہ دامت فیوضہم سے دست بستہ گذارش کروں گا کہ عجلت میں اپنے تمام تر اختیارات کا برمحل استعمال کرتے ہوئے اس اٹھتے طوفان، [illegible] روکنے کی کوشش میں وظائف و نوافل ملتوی کر کے اپنے فرائض منصبی کے حقوق [illegible] فرما کر بے شمار دل گرفتہ دلوں کو سکون قلبی عطا فرمائیں۔ ورنہ مستقبل کا مؤرخ اس بھیانک موڑ کی تصویر کو مزید بگاڑ کر پیش کرنے کو تیار بیٹھا ہے۔

آخر میں اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے مولانا علی میاں صاحب مدظلہ العالی اور مولانا منظور نعمانی صاحب ہر دو بزرگان ملت سے قریبی تعلق پر فخر ہے۔ اپنے والد ماجد مرحوم سید محمود حسن صاحب، بہرائچ کی ہر دو مولانا محترم سے عقیدت، غریب خانے پر ہر دو علماء کرام کی جوتیاں میں نے بھی سیدھی کی ہیں۔ والد مرحوم کی تصنیف کردہ کتاب "قرآن پاک کی بیسک ریڈر" پر حضرت مولانا نعمانی صاحب کا تحریر کردہ مقدمہ اور کتاب مذکور کی حضرت مولانا علی میاں صاحب کے دست مبارک سے رسم اجراء وغیرہ مجھے آج بھی فخر و مسرت کے احساس سے مالامال کرتی ہیں، ہر دو حضرات سے دل کی گہرائی سے التماس ہے کہ عقائد میں آنے والے بحران سے سب کو بچا لیں۔ ورنہ ماضی حال اور مستقبل سب پارہ پارہ ہو جائیں گے۔

سید خالد محمود (قاضی پورہ، بہرائچ)
ریڈر شعبہ باٹنی، تربھون یونیورسٹی، نیپال

۸- مولانا عبدالعلی فاروقی

مولانا عبدالعلی فاروقی امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے، ان کے علوم و مسلک کے وارث و ترجمان، دارالعلوم فاروقیہ، کاکوری کے ناظم اور اس ادارے کے ترجمان "البدر" کے مدیر ہیں۔ مولانا سنبھلی کی کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کی تعریف کرتے ہوئے سیدنا حسینؓ و یزید کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"واقعہ کربلا، حضرت حسینؓ اور یزید- تاریخ اسلام کے یہ وہ عنوانات ہیں جن کا ذکر کرتے ہوئے اعتدال و سلامتی کے ساتھ گزر جانا ایک ناممکن نہیں تو مشکل ترین کام ضرور ہے۔ قرون اولی کے حوادث و وقائع میں راقم الحروف کے خیال میں حادثہ کربلا سے زیادہ تقریراً و تحریراً کسی کا ذکر نہ ہوا ہوگا- اور اس کی جزئی تفصیلات نیز ان کے اثرات کو جس اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہ اہتمام کسی بھی دوسرے حادثہ یا واقعہ کے بیان میں نہیں کیا گیا- سوال یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں؟

اس سوال کا جواب تلخ ضرور ہے مگر سچائی بہر حال یہی ہے کہ معرکہ کربلا کی "بکائی تفصیلات" کی بنیاد ہی دروغ خالص اور افتراء محض پر رکھی گئی- میدان کربلا کے مناظر کی روایت کرنے والے نہ علیؒ (زین العابدین) اور زینب علیہاؒ ہیں، نہ ہی عمر بن سعد اور ابن زیاد- بلکہ ان مناظر کو (چشم دید راوی کے انداز میں) بیان کرنے والا ابو مخنف لوط بن یحیی ہے جو حادثہ کربلا کے وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا- اور پھر تیسری صدی ہجری کی تاریخ طبری سے لیکر پندرھویں صدی ہجری تک ان "بکائی تفصیلات" کو مالہ و ماعلیہ کے اضافوں کے ساتھ اتنی مرتبہ بیان کیا گیا کہ ابو مخنف کو خود بخود "اعتبار و تقدس" کا مقام حاصل ہو گیا اور یہ بات ایک مسلمہ سچائی کے طور پر ذہنوں نے قبول کر لی کہ:-

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کربلا کی اس "علامتی حیثیت" اور قتل حسینؓ سے مرگ یزید کے تعلق پر اگر کوئی

بحث اٹھائی گئی تو اس میں "رد عمل" کا پہلو اس قدر نمایاں ہو گیا کہ بات دوسرے رخ سے بڑھ گئی۔ اور "خلافت معاویہؓ و یزید" جیسی کتابوں میں ابو مخنف کے دجل و فریب کو نمایاں کرنے سے زیادہ حضرت حسینؓ کی "حیثیت عرفی" کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی۔

یہ وہ دو متضاد فکریں ہیں، جن کی موجودگی نے نہ صرف واقعہ کربلا بلکہ حضرت حسینؓ اور یزید بن معاویہؓ کے کرداروں پر قلم اٹھانے کو ایک مشکل ترین کام بنا دیا ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ زیر تبصرہ کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر کے مصنف مولانا عتیق الرحمن سنبھلی نے اس مشکل کو بڑی سلامت روی کے ساتھ عبور کر لیا ہے۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اصحاب رسول کے سلسلہ میں امت کے اجماعی عقیدہ احترام و اعتبار کو قارئین کے ذہنوں میں راسخ کرانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، اور یہی وہ ایک خدمت ہے جو انشاء اللہ اجر اخروی سے خالی نہ ہو گی، کیونکہ واقعہ کربلا جیسے اہم نزاعی اور ہنگامہ خیز و ہنگامہ پرور عنوان پر قلم اٹھانے کے بعد سبائی و خارجی" دونوں فکروں سے دامن بچا کر اہلسنت کی معتدل فکر کو اپنا کر نباہ دینا اور مقام صحابیت کے سلسلہ میں بنو امیہ و بنو ہاشم کے درمیان تفریق نہ برتنا، اور یک چشمی و کور باطنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بنو ہاشم سے اظہار عقیدت کیلئے بنو امیہ کو یا بنو امیہ سے اظہار عقیدت کیلئے بنو ہاشم کو مطعون کرنے کی غیر معتدل بلکہ غیر اسلامی فکر سے عافیت کے ساتھ دامن بچا لے جانا ہی ایک بہت اہم اور لائق مبارک باد کارنامہ ہے۔

جہاں تک کتاب کے سرنامہ یعنی "واقعہ کربلا" کی تفصیلات اور اس سے اخذ کردہ نتائج کا معاملہ ہے تو چند جزئی اختلافات کے سوا تمام مندرجات سے اتفاق کے باوجود تبصرہ نگار اپنی اس رائے کا اظہار کرنے پر مجبور ہے کہ غالباً منجانب اللہ واقعہ کربلا کا قیامت تک نزاعی رہنا ہی مقدر ہو چکا ہے، کیونکہ نہ حسینؓ کو "بناء لاالہ" قرار دے کر یزید کو فاسق و فاجر بلکہ دائرہ اسلام تک سے خارج گردانںے والے ختم ہوں گے، نہ یزید کو خلیفہ موعود زاہد مرتاض بلکہ صحابی رسول تک قرار دے کر حسینؓ کو (معاذ اللہ) جاہ پرست باغی و سرکش اور مزاج اسلامی سے ناآشنا گردانںے والے ختم ہوں گے، اور جب ایسا ہے تو انیس و دبیر کے مرثیوں اور محمود احمد عباسی کی "خلافت معاویہ و یزید" کی متضاد فضا

ے کے درمیان "راہ اعتدال" کی پذیرائی جس مخصوص جرأت و حمیت کی طالب ہے وہ عنقا نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ راہ اعتدال کی تلاش کا کام ہی بند کر دیا جائے، مصنف نے یقیناً ایک مبارک مہم میں شمولیت اختیار کی ہے۔ خدا کرے کہ وہ بہتے دھاروں کے رخ پر جانے والے کچھ تنکوں ہی کو روکنے میں کامیاب ہو سکیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ زیر تبصرہ کتاب واقعہ کربلا کے سلسلہ میں ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ سوچنے اور قبول کرنے کے لئے ایک معتدل ذریعہ ہے، اور اس کا مطالعہ تو بہرحال "سب ہی" کو کرنا چاہیے۔"

(تبصرہ ماہنامہ "البدر" کاکوری، اپریل، مئی ۱۹۹۲ء، از قلم مولانا عبد العلی فاروقی، دراجع ماہنامہ، "الفرقان" لکھنو، جولائی ۱۹۹۲ء)۔

مولانا عبد العلی فاروقی اپنی تصنیف "تاریخ کی مظلوم شخصیتیں" میں باب حضرت معاویہؓ میں بیعت ولایت و خلافت یزید کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"بیعت کرنے والوں میں اکابر صحابہؓ بھی تھے اور تابعین عظام بھی، پھر اصحاب کرامؓ میں اصحاب بدر بھی تھے اصحاب بیعت الرضوان بھی اور اصحاب بیعت عقبہ اولی بھی۔ چنانچہ بیعت کرنے والے ممتاز اصحابؓ رسول ﷺ میں سے چند یہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت کعب بن عمرؓ، حضرت صہیب بن سنانؓ، حضرت ابوھریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عمر بن ابی سلمہؓ، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ، حضرت عوف بن مالکؓ، حضرت ابو امامہ باھلیؓ، حضرت ضحاک بن قیسؓ، حضرت مالک بن حویرثؓ، حضرت عمرو بن امیہؓ، حضرت عقبہ بن نافعؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت مقدام بن معدیکربؓ، حضرت ثابت بن ضحاکؓ وغیرھم۔

یہ اور ان سے زائد دیگر اصحاب رسول ؐ، تابعین عظام اور صلحائے امت کے یزید کی امارت کو تسلیم کر کے اس کی بیعت کر لینے سے درج ذیل نتائج بدیہی طور پر سامنے آتے ہیں:-

۱- حضرت معاویہؓ نے یزید کی بیعت جبراً نہیں لی تھی، ورنہ اتنی بڑی تعداد میں خیر القرون کے افراد اس بیعت پر اتفاق نہ کرتے۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت معاویہؓ اتنے بڑے زور دست تھے کہ ان کے سامنے کسی کا بس نہ چل سکا تو ان کی وفات کے بعد ان سب ہی کو یا کم از کم ان کی بڑی تعداد کو یزید کی بیعت توڑ دینا چاہیے تھی۔

۲- حضرت معاویہؓ کا یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا کوئی غیر شرعی یا غیر اخلاقی کام نہ تھا بلکہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے امت کے مفاد کا یہی بہترین تقاضا تھا۔ اور اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو صحابہ کرامؓ جیسی پاکباز جماعت کی ایک بڑی تعداد کو حق سے منحرف اور مداہنت کار تسلیم کرنا پڑے گا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا.

۳- یزید بن معاویہؓ اونچے درجے کا متقی و پرہیزگار شخص نہ سہی لیکن سبائی پروپیگنڈے اور من گھڑت روایتوں کے ذریعہ یزید کے فسق و فجور اور حدود اللہ سے تجاوز کی جو کہانیاں بیان کی جاتی ہیں اور جس طرح اسلام کی "قانونی خلافت و امارت" کے لئے اسے نا اہل گردانا جاتا ہے، یزید کے ہم عصر صحابہؓ و تابعین کی غالب اکثریت اسے غلط اور بے اصل سمجھتی تھی۔ ورنہ یہ ماننا ہو گا کہ یہ "اخیار امت" حمیت دینی اور شعور ملی سے محروم تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک "فاسق و نا اہل" فرد کے ہاتھ پر بیعت قبول کر لی تھی۔

۴- حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنی "خواہش نفس" کی تکمیل کے لئے ولی عہد نہیں مقرر کیا تھا، نہ ہی ان کے دل میں اس کا داعیہ پیدا ہوا اور نہ ہی اس سلسلہ میں انہوں نے کسی زور زبردستی سے کام لیا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک صحابی رسول ﷺ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی تحریک اور بصرہ، مدینہ اور کوفہ وغیرہ کے اکثر اہل الرائے اصحاب کے مشورے اور پرجوش حمایت پر انہوں نے یزید کو ولی عہد مقرر کیا، اور چند اصحاب کے سوا باقی تمام لوگوں نے برضا و رغبت پہلے یزید کی ولی عہدی اور پھر امارت کی بیعت کی"۔

(مولانا عبد العلی فاروقی، تاریخ کی مظلوم شخصیتیں، باب حضرت معاویہؓ وراجع ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ، اگست ۱۹۹۳ء، وراجع ایضاً، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مطبوعہ ملتان، جلد دوم، ص، ۲۶۹-۲۷۰)

۹- مولانا مفتی عبدالقدوس رومی
(مفتی شہر، شاہی جامع مسجد آگرہ، یوپی)

برصغیر کے ممتاز عالم و مفتی مولانا عبدالقدوس رومی "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" پر ایک ناقد کے منفی تبصرہ کے حوالہ سے جس میں تنقید یزید کے جوش میں بنوامیہ سے تعلق رکھنے والے بعض صحابہ کرامؓ کے اسلام کو بعض عرب محققین کے حوالہ سے استسلام (بامر مجبوری اطاعت) قرار دیا گیا تھا، اپنے مکتوب بنام مدیر "الفرقان" تیر فرماتے ہیں:-

"اس تحقیق کی داد و تحسین کے لئے ابلیس لعین سے بہتر کون ہو گا کہ صحابہ کرامؓ کے مرتبہ و مقام اور ان کے تقدس و احترام کا درجہ متعین کرنے کے لئے آیات خداوندی وارشادات نبوی کافی نہیں ہیں۔ بلکہ اگر ان کا صحیح مرتبہ ومقام سمجھنا ہے، تو آیات قرانی وارشادات نبوی سے قطع نظر کر کے سید قطب، احمد امین، عبدالقادر مازنی، عباس محمود العقاد جیسے محروم الحقیقہ محققین کی کتابوں کی ظلمات کی تاریکی میں دیکھنا ہو گا۔ انالله وانا اليه راجعون-

پتہ نہیں مولانا عتیق الرحمن صاحب تک بھی یہ تبصرہ پہنچا ہو گا کہ نہیں؟ اور آپ یا وہ کوئی صاحب اس تبصرہ کا نوٹس لیں گے یا نہیں؟

اپنے حضرت والد صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر کے دعا کی درخواست پیش کر دیں اور خود بھی رمضان المبارک کی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ والسلام۔

عبدالقدوس رومی۔

(مکتوب مولانا عبدالقدوس رومی بنام مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی مدیر الفرقان، ۱۹۹۲ء، وراجع: "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" حصہ دوم، ص ۵۱۳-۵۱۴، میسون پبلی کیشنز، ملتان)۔

مذکورہ ناقد محترم ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے بعد ازاں علماء و مفکرین ہند کے شدید رد عمل اور توجہ دلانے پر اپنے تبصرہ کے قابل گرفت اقتباس سے علی الاعلان و تحریراً رجوع فرما لیا۔ اور سیدنا ابوسفیان، سیدہ ہندہ، سیدنا معاویہؓ اور بنوامیہ سے تعلق

رکھنے والے دیگر صحابہ سمیت جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقام و عظمت و مغفرت کے بارے میں عقیدہ "اہل سنت والجماعت" پر اپنے قائم و دائم ہونے کا اعلان فرمایا۔ مگر اپنی سابقہ قابل گرفت عبارت میں بنوامیہ سے تعلق رکھنے والے متعدد صحابہ کرامؓ کے صدق دل سے قبول اسلام کو "استسلام" (محض ظاہری صلح و طاعت) قرار دینے کے سلسلہ میں سید قطب اور دیگر عرب ادباء و مفکرین کی تحریروں سے آپ نے جو منفی تائیدی استدلال فرمایا تھا، اس پر اول تو مولانا عبدالقدوس رومی اور دیگر اکابر ہند نے جملہ "اہل سنت والجماعت" کی ترجمانی کرتے ہوئے سوفی صد درست فرمایا ہے کہ آیات قرآن اور احادیث رسول ﷺ سے ثابت شدہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے بعد عظیم ترین مقام جملہ صحابہ کرامؓ سے متصادم عقاد و سید قطب و احمد امین و عبدالقادر مازنی کے مذکورہ افکار اس سلسلہ میں ان کے بعض حقائق سے بے خبر (محروم الحقیقت) ہونے کا ثبوت ہیں۔ اور سرے سے قابل توجہ ہی نہیں۔

علاوہ ازیں یہ ادباء و مفکرین اپنی تمام تر مثبت عربی و اسلامی خدمات کے باوجود نہ تو فکری و دینی لغزشوں سے معصوم و مبرا ہونے کے دعویدار ہیں اور نہ ہی تدریجی فکری ارتقاء اور اپنے افکار و تحریرات پر نظر ثانی کی اہمیت و ضرورت کے منکرین ہیں۔ لہذا ان کے نصوص قرآن و سنت سے متصادم اقتباسات و تحریرات قابل نظر ثانی ہیں، نہ کہ قابل استناد و استشہاد۔ اس سلسلہ میں سید قطب کے بارے میں درج ذیل بیان تمام مذکورہ و غیر مذکورہ عظیم ادباء و مفکرین کے سلسلہ میں معتدل و مثبت طرز فکر اختیار کرنے میں بڑا مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ جو سید قطب کی تصنیف "العدالة الاجتماعية فی الاسلام" کے بارے میں جماعت اسلامی پاکستان کے عالمی شہرت یافتہ قائد و مدیر "دار العروبہ" الاستاذ خلیل احمد الحامدیؒ کے الفاظ پر مشتمل ہے:۔

"اس کتاب کے ساتویں باب میں سید موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ کے بارے میں جس نقطۂ نظر کا اظہار کیا تھا، ساتویں ایڈیشن میں انہوں نے اس میں مکمل تبدیلی کر دی تھی اور کوئی قابل اعتراض بات باقی نہیں رہنے دی ہے۔ یہ تبدیلی ایام اسیری میں کر دی گئی تھی۔ مگر حالات کی وجہ سے اس کی طباعت کی کوئی سبیل نہ پیدا ہو سکی۔ ان کی شہادت کے بعد یہ ترمیم شدہ ایڈیشن چھپ چکا ہے اور

عرب ممالک میں وسیع پیمانے پر تقسیم ہو رہا ہے"۔

(خلیل احمد الحامدی، اردو ترجمہ "معالم فی الطریق" از سید قطب، بعنوان "جادہ و منزل" دیباچہ بعنوان: مصنف اور تصنیف، بقلم خلیل حامدی، ص ۴۱-۴۳، مورخہ یکم مارچ ۱۹۶۸ء، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور)۔

۱۰- جناب عزیز الٰہی خان (علیگ)

(حسن پور، ضلع مراد آباد)

محسن اہل سنت مولانا محمد منظور نعمانی کے نام اپنے مکتوب مؤرخہ ۵، اگست ۱۹۹۲ء میں یزید مخالف منفی پروپیگنڈہ کے رد اور واقعہ کربلا و سیدنا حسین و یزید کے موضوع پر مولانا سنبھلی کی تصنیف کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"مولانا عتیق الرحمن صاحب کی وقیع کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" دوبارہ غور و فکر کے ساتھ دیکھی تو الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ السلام کے اہل بیت سے خود بخود تعلق و محبت میں اضافہ ہی اضافہ محسوس ہوا۔ نیز اب روزانہ سیدنا حسینؓ اور آپؓ کے رفقاء کرام کے لئے ایصال ثواب کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اور مولانا موصوف کے لئے دعا نکلتی ہے کہ کتنے اشکالات اور توہمات ان کی سعی و محنت نے بندہ کے دور کر دیئے۔"

(مکتوب جناب عزیز الٰہی خان علیگ بنام مولانا محمد منظور نعمانی مؤرخہ ۵-۸-۱۹۹۲ء، مطبوعہ "الفرقان" لکھنو، دسمبر ۱۹۹۲ء، وراجع، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مطبوعہ ملتان، جلد دوم، ص ۵۳۳)۔

۱۱- مولانا مجیب اللہ ندوی

(بانی و ناظم "جامعۃ الرشاد" و مدیر ماہنامہ "الرشاد" اعظم گڑھ)

مولانا مجیب اللہ ندوی نہ صرف اعظم گڑھ کے مشہور ادارہ "جامعۃ الرشاد" کے بانی و ناظم اور علمی و دینی مجلہ ماہنامہ "الرشاد" کے مدیر ہیں بلکہ علامہ سید سلیمان ندوی

کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں۔ عرصہ تک دارالعلوم "ندوۃ العلماء" لکھنؤ کی مجلس انتظامیہ کے رکن بھی رہے ہیں۔ اور چند سال پہلے قائم شدہ "فقہ اکیڈمی" کے تاسیسی ارکان میں سے ہیں۔ مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ اور مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی کے منظور نظر ہیں۔ ان کے تفصیلی بیان بسلسلہ واقعہ کربلا و حسینؓ و یزید کا ایک اہم اقتباس درج ذیل ہے:-

"کیا یہ بات بالکل ہی نظر انداز کر دینے کے قابل ہے کہ یزید کی بہت سی خرابیوں کے باوجود اس کے انتخاب میں بہت سے ممتاز صحابہؓ کی رائیں شامل تھیں مگر حضرت حسینؓ کے اقدام میں ان کے قریب سے قریب تر حضرات بھی ان کے ہمنوا نہیں تھے۔

بہر حال جذبات محبت اپنی جگہ پر، لیکن افسوس ہے کہ حضرت سمیہؓ، حضرت خباب بن ارتؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت معصبؓ بن عمیر، اُحد اور بئر معونہ اور عہد نبوی اور عہد صحابہؓ کی بے شمار خالصتاً فی سبیل اللہ شہادتوں کی اہمیت مسلمانوں کے دلوں میں اتنی نہ بٹھائی جا سکی جو تشیع کے ذریعہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دیدی گئی۔ کیا یہ انصاف کی بات ہے؟"

(مولانا مجیب اللہ ندوی، تبصرہ مدیر بر کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" از مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، مطبوعہ ماہنامہ "الرشاد" اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۹۲ء)۔

۱۲- ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری
(علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ)

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے ممتاز استاد و محقق ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری، مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کی تعریف کرتے ہوئے ان کے نام اپنے مکتوب مؤرخہ ۲۲ جون ۱۹۹۲ء میں لکھتے ہیں:-

"آپ نے جس انداز سے جناب یزید کی کردار کشی کا پردہ فاش کیا ہے وہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔ انشاء اللہ آپ کی سعی مشکور ہو گی اور جلد یا بدیر آپ کی حقیقت

پسندی اور غیر جانبدارانہ رویہ سے متاثر ہو کر لوگ راہ راست پر آئیں گے۔

جناب یزید کی زندگی میں فتح قسطنطنیہ (۴۸ھ-۶۶۹ء) کا واقعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس زمانہ میں عام طور پر یہ بات مشہور تھی کہ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:- (پہلا لشکر میری امت کا جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہو گا وہ مغفرت یافتہ ہے)۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت حسین بن علی اور حضرت ابو ایوب انصاری (رضی اللہ عنہم) وغیرہ جیسے جلیل القدر صحابہ نے اس وعدہ مغفرت کے شوق میں بڑے جوش و خروش سے حضرت امیر معاویہؓ کے تشکیل دیئے ہوئے لشکر میں شرکت فرمائی اور میدان جنگ میں داد شجاعت دی۔ اس لشکر کے سپہ سالار حضرت سفیانؓ بن عوف تھے اور آپ کے ماتحت لشکر کے ایک حصہ کے سردار جناب یزید تھے۔

آپ نے اس جہاد میں جس بہادری، دلیری اور عسکری صلاحیت کا ثبوت دیا، اس پر ہمارے مؤرخین رطب اللسان ہیں۔ اس جنگ میں آپ نے ثابت کر دیا تھا کہ اس لشکر میں آپ کو جو امتیازی حیثیت دی گئی تھی وہ محض ولی عہدی کے طفیل نہیں ملی تھی بلکہ غیر معمولی عسکری صلاحیت اور فقید المثال شجاعت کے عوض حاصل ہوئی تھی۔ کیا ان کی برأت کے لئے یہی ایک واقعہ کافی نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی غیر مشروط ہے۔ کیا یہ بشارت کسی ایسے شخص کے لئے ہو سکتی تھی جو بعد میں فاسق و فاجر ہو جائے، تارک صلاۃ ہو جائے، لہو و لعب میں پڑ جائے، تمام اخلاقی حدود کو پار کر جائے، انسانیت کو بالائے طاق رکھ دے، سبط رسول ؐ کی نعش کی بے حرمتی کرے یا کسی بھی درجے میں تقویٰ کی راہ سے ہٹ جائے۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں اور جناب یزید میں اس قسم کے نقائص تلاش کرتے ہیں، وہ اس بشارت کی توہین کرتے ہیں۔ آپ نے درست لکھا ہے۔

علاوہ ازیں یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ دو اتنے سنگین عیب یزید میں پائے جاتے اور اس کی ولی عہدی سے شدید اختلاف کرنے والے حضرات انکی طرف اشارہ نہ کرتے۔ جبکہ یہ کوئی چھپے رہنے والے عیب نہیں تھے۔ اور نہ ہی حقیقت میں یہ ہو سکتا تھا کہ

حضرت امیر معاویہؓ ایسے فرزند کو جو ترک نماز اور اماتت صلاۃ کا عادی ہو اس امت پر خلیفہ بنا کر مسلط کر دیں جس کی سب سے بڑی پہچان اقامت صلاۃ ہے۔ اس سے حضرت امیر معاویہؓ اور جناب یزید دونوں کی پوزیشن بالکل واضح ہو جاتی ہے۔" (اقتباس از مکتوب ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری، مطبوعہ "الفرقان" لکھنؤ، دسمبر ۱۹۹۲ء، وراجع "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، جلد دوم، ۵۲۹-۵۳۱، بیسون پبلیکیشنز، ملتان)۔

۱۳- مولانا محمد عیسی، لندن

برصغیر کے ممتاز عالم دین مقیم لندن اپنے مکتوب بنام مولانا عتیق الرحمن سنبھلی مورخہ ۲۸، اپریل ۱۹۹۲ء میں انہیں اپنی تصنیف "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" میں واقعہ کربلا و سیدنا حسینؓ و یزید سمیت جملہ شخصیات و واقعات کے بارے میں اعتدال ملحوظ رکھنے پر داد تحسین دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"ہندوستان میں آپ سے نہ مل سکنے کا افسوس ہے۔ کتاب ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی۔ جس توازن و اعتدال کے ساتھ آپ نے سانحہ کربلا کو قلمبند کیا ہے، طبیعت خوش ہو گئی۔ اس کتاب کے متعلق پاکستان کے بھائی عبدالوہاب سے گذشتہ سال بھی اور اس سال ڈھاکہ میں بھی میری بات ہوئی تھی۔ پاکستان میں نہ جانے کتنے لوگوں تک انہوں نے کتاب کے تذکرے پہنچائے۔ رائے ونڈ سے بہت سے یہ کہتے ہوئے آئے کہ بھائی عبدالوہاب صاحب کہہ رہے تھے کہ مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی بہت اہم کتاب آ رہی ہے۔"

(اقتباس از مکتوب مولانا محمد عیسی بنام مولانا عتیق الرحمن سنبھلی مطبوعہ "الفرقان" لکھنؤ، شمارہ وسط ۱۹۹۲ء، وراجع "واقعہ کربلا اور کا پس منظر، مطبوعہ ملتان، جلد دوم، ص ۵۱۵-۵۱۶)۔

۱۴- ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی ندوی

(پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ)

ممتاز عالم و محقق و ماہر تعلیم ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی، مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی کتاب کا دفاع کرتے ہوئے اپنے مبسوط و مفصل مقالہ میں حسنؓ کی بیعت سیدنا معاویہؓ نیز دیگر اکابر امت کی بیعت سیدنا معاویہ و یزید کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"جنہوں نے حضرت معاویہ اور ان کے فرزند کی بیعت کرلی تھی ان میں حضرت عبداللہ بن عمر جیسے بہت سے صحابی تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عباس بھی تھے اور حضرت حسین کے بڑے بھائی حضرت حسن محمد بن الحنفیہ اور دوسرے کئی بھائی تھے۔ اور خود واقعہ کربلا کے بعد ان کے لخت جگر حضرت زین العابدین بھی تھے۔"

(ذرا حج، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر۔ مطبوعہ ملتان۔ جلد دوم، ص ۳۹۸)۔

(مقالہ ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی بعنوان "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" ایک تبصرہ کا تجزیہ، مطبوعہ ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ، مئی جون ۱۹۹۲ء)۔

۱۵- مولانا مفتی منظور احمد مظاہری

(قاضی شہر کانپور رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند)

برصغیر کے معروف عالم دین مولانا مفتی منظور احمد مظاہری، قاضی شہر کانپور "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کے حوالہ سے اظہار رائے فرماتے ہوئے اپنے طویل مکتوب بنام مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی مدیر "الفرقان" کے آخر میں فرماتے ہیں:-

"دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو حق کی نصرت پر ثابت قدم رکھے۔ حضرت مولانا نعمانی دامت برکاتہم اور مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب کی خدمت میں احقر کا سلام پیش فرمادیں۔" والسلام

منظور احمد مظاہری

قاضی شہر کانپور، ۸ جولائی ۹۲ء"

(مکتوب مفتی منظور احمد مظاہری مطبوعہ "الفرقان لکھنؤ، اگست ۱۹۹۲ء۔)

(وراجع "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، حصہ دوم ۷۵۲، مطبوعہ"

١٦- "دارالعلوم" دیوبند

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی معرکتہ الاراء تصنیف "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر"، پر جہاں برصغیر پاک وہند کے طول وعرض میں لاتعداد مثبت تبصرہ کئے گئے اور یزید و کربلا کے حوالہ سے منفی پروپیگنڈہ اور مبالغہ آرائیوں کے علمی و تاریخی تجزیہ و تنقیدی جائزہ کے سلسلہ میں مولانا سنبھلی کے انداز تحریر و تنقید کو سراہا گیا، وہیں متعدد ندوی علماء کرام کے بھی برعکس "ندوۃ العلماء" لکھنو کے معتمد تعلیم ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا اپنی نوعیت کا واحد منفی تبصرہ بھی "ندوہ" کے اردو رسالہ "تعمیر حیات" میں شائع ہوا۔ جس کی بعض عبارات سے بنوامیہ سے تعلق رکھنے والے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی توہین و تنقیص ظاہر ہوتی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی اس تحریر پر علمی و دینی حلقوں کی جانب سے شدید گرفت فرمائی گئی۔ اور بالآخر ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب کو اپنی ان عبارات سے تحریری طور پر رجوع کرنا پڑا۔ چنانچہ جن لاتعداد اکابرامت و مجلات دینیہ نے اس سلسلہ میں علمی و دینی لحاظ سے گرفت فرمائی، ان میں ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند بھی شامل ہے۔ جس میں شائع شدہ پچیس صفحات پر مشتمل مولانا حبیب الرحمن قاسمی مدظلہ کا اداریہ "دارالعلوم" دیوبند اور جملہ "اہل سنت و الجماعت" کی تفصیلی و جامع ترجمانی میں منفرد و ممتاز اہمیت کا حامل رہا۔ اس اداریہ میں تقریباً پندرہ صفحات میں نصوص قرآن وحدیث کی رو سے اموی صحابہ کرامؓ سمیت جملہ اصحاب رسول ﷺ کا عظیم مقام و مرتبہ واضح کیا گیا۔ اور بعد ازاں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی تحریر کے قابل اعتراض اقتباسات نقل کرکے ان کا علمی و دینی لحاظ سے تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے دفاع صحابہؓ میں قیمتی دلائل دیئے گئے۔ چونکہ ڈاکٹر موصوف کا یہ قابل گرفت جزو تحریر مختلف زمان و مکان میں ناقدین اصحابؓ بنی امیہ کی میراث مشترک رہا ہے، لہذا مذکورہ اقتباس اور اس کے تنقیدی جائزہ و جواب پر مشتمل اداریہ کے تقریباً دس آخری صفحات من وعن نقل کیئے جارہے ہیں۔

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

"کس قدر حیرت انگیز ہے یہ واقعہ کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی جو صرف مشہور صاحب علم عالم ہی نہیں بلکہ ہماری معروف دینی درسگاہ "ندوہ" کے معتمد تعلیمات بھی ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے پیش نظر اصحاب رسول ؐ سے متعلق کتاب و سنت کے نصوص اور علمائے امت کی تصریحات ضرور ہوں گی، بایں ہمہ موصوف نے ایک جدید کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" پر تبصرہ کرتے ہوئے صحابہؓ کے ایک طبقہ کو اپنے قلم کے تیر و نشتر کا اس بیباکی سے ہدف بنایا ہے کہ اسے پڑھ کر یقین نہیں آتا کہ حضرات صحابہؓ کے بارے میں یہ خیالات جماعت اہل سنت سے وابستہ کسی صاحب علم و دانش کے ہیں۔

آں موصوف کی تحریر کا وہ حصہ جس میں انہوں نے حضرت سفیان اور دیگر اموی صحابہ رضوان اللہ علیہم کو اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ ٹھہرایا، خود انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔ لکھتے ہیں:-

"کربلا کا واقعہ، بنوامیہ اور بنوہاشم کی دیرینہ عداوتوں کا ایک منطقی نتیجہ (Consequence) تھا۔ وہ عداوتیں جو ظہور اسلام کے بعد بہت طاقتور شکل میں ابھر کر سامنے آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ عرصہ نبوت میں ۲۱ سال تک بلکہ ساڑھے اکیس سال تک شد و مد سے قائم رہیں۔ غزوۂ بدر میں مسلمان فوج کا کامرانی نے جس طبقہ کو سب سے زیادہ برافروختہ کیا، اسکے سربراہ ابوسفیان تھے، اسی طرح غزوۂ احد میں ان کا اور ان کی اہلیہ جگر خوار حمزہ ہند کا کردار، یہ سب وہ باتیں ہیں جن میں مورخین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ فتح مکہ کے بعد یہ گروہ اسلام لایا (یا بقول سید قطب شہید کے، استسلام کیا) مگر اس استسلام کے بعد اچانک ایک پل میں ایسی تبدیلی ہو گئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے، اپنی انانیت کو بھول گئے، عقلاً محال بات ہے اور صحاح ستہ کی مستند روایات سے ثابت ہے کہ ہند نے بیعت کے الفاظ دہراتے ہوئے بھی اپنے اندرونی کرب و غم اور غیظ و غضب کا اظہار کیا تھا۔ حضرت ابوسفیان نے احتجاج کیا تھا کہ اب وہ دن آ گیا ہے کہ یہ پسماندہ ہم اشراف پر فوقیت دیے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے خلاف حضرت علیؓ کو اٹھانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے۔

اسلام کے پورے طور پر فاتح ہو جانے کے بعد جب مقاومت کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں تھیں، اس عرصۂ مختصر میں اس گروہ کی طرف سے کسی واضح دشمنی کا ثبوت تاریخ میں نہیں ملتا ہے۔ مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں میں شکست کا غم و غصہ آج تک موجود ہے، اسی طرح اس گروہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ سینہ کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف جوش مارتا رہا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت نے البتہ اسلام کی طرف سے ان کے عناد کو ختم کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ان کا دل صاف نہیں ہوا۔ احمد امین نے "فجر الاسلام" اور اس کے مقدمہ میں طٰہٰ حسینؒ نے اس کی نشاندہی کی ہے۔"

(تعمیر حیات، اشاعت ۱۰، مارچ ۱۹۹۲ء)۔

ڈاکٹر صاحب کی اس طویل عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:۔

(۱) حضرت ابوسفیانؓ اور خاندان بنی امیہ کے دیگر صحابہ کرامؓ حقیقتاً مسلمان نہیں تھے بلکہ ظاہری طور پر اطاعت قبول کرلی تھی، بالفاظ دیگر یہ حضرات آیت پاک:۔
قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا ۔ کے مصداق تھے۔

(۲) اس استسلام (ظاہری تسلیم و اطاعت) کے بعد اچانک زمانہ کفر و شرک کی عداوتوں کو وہ بھول گئے۔ یہ عقلاً محال ہے۔

(۳) ہند زوجہ حضرت ابوسفیانؓ (جنہیں موصوف نے جگر خوار حمزہ کا طعنہ دیا ہے) نے بیعت اسلام کے وقت اپنے کرب و غم کا اظہار کیا تھا۔ (غالباً ڈاکٹر صاحب امت کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عین اسلام قبول کرتے وقت بھی اللہ کے دین اور اللہ کے رسول ؐ سے ان کا دل صاف نہیں تھا، بدرجہ مجبوری استسلام کر رہی تھیں۔

(۴) حضرت ابوسفیانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلاف (خلافت کے لئے) حضرت علیؓ کو اکسایا تھا۔

(۵) غلبۂ اسلام کے بعد یہ گروہ مقابلہ کی طاقت نہ پا کر ایک محدود عرصہ کیلئے خاموش ہو گیا تھا، مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں کا غم آج تک موجود ہے، اسی طرح اس گروہ کے سینہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مار رہا تھا۔

(٦) حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت نے اسلام سے ان کے عناد کو ختم کر دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا دل صاف نہیں ہوا۔

یہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی صحابہؓ کی اس جماعت کے بارہ میں رائے جن میں حضرت ابوسفیانؓ (عامل نجران) اور ان کی زوجہ ہندؓ کے علاوہ خال المومنین کاتب وحی حضرت معاویہؓ، عتابؓ ابن اسیدؓ (گورنر مکہ معظمہ) یزید بن سفیانؓ (عامل تیماء) عبداللہ بن سعیدؓ (عامل فدک و کاتب وحی) عمرو بن سعیدؓ (عامل خیبر و کاتب وحی) عثمان بن سعیدؓ (عامل عرینہ) خالد بن سعیدؓ (کاتب وحی و عامل یمن) ابان بن سعیدؓ (عامل بحرین) سعید بن سعیدؓ (بازار مکہ کے نگران اعلیٰ) رضی اللہ عنہم اجمعین جیسی اسلام کی پاکباز شخصیتیں شامل ہیں۔

جن پر خود صاحب وحی، رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتماد کر کے اپنے عہد رسالت میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پر مامور فرمایا تھا اور اپنے اس انتخاب کے ذریعہ اس جماعت کے ایمان و اخلاق پر ہمیشہ کیلئے مہر تصدیق ثبت فرما دی ہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں اسلامی لشکر کی قیادت اور صوبوں کی سربراہی جیسے اہم و نازک ترین عہدوں سے انہیں سرفراز کر کے ہمیشہ کے واسطے اسلامی تاریخ میں ان کے ناموں اور کارناموں کو روشن و تابناک بنا دیا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مستسلمین جن کے سینوں میں غزوۂ بدر کے انتقام کا جذبہ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مار رہا تھا اور قلوب، اسلام اور داعئ اسلام سے صاف نہیں تھے (جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق ہے) کیا اس اعتماد و اعزاز کے مستحق تھے کہ کتابت وحی جیسی نازک ترین خدمت اور اسلامی ریاست کے اہم مناصب ان کے سپرد کر دیئے جاتے؟ کیا ندوی صاحب کی اس تحقیق کو تسلیم کر لینے کے بعد سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے عصمت کو (نعوذ باللہ) جرح و قدح کے دھبوں سے پاک و صاف رکھا جا سکتا ہے؟

بات پہونچی ہے کہاں تک یہ تجھے کیا معلوم

اس لئے یہ ہمارے ایمان بالرسول کا تقاضا ہے کہ بغیر کسی بحث و تحقیق اور ریب و شک کے کہدیں کہ:- واللہ ھذا بہتان عظیم۔

ڈاکٹر صاحب ماشاء اللہ ندوہ جیسی مشہور علمی درسگاہ کے ہونہار فاضل ہیں۔ ان کی نظر قدیم و جدید دونوں ماخذوں پر ہے۔ وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ حضرات صحابہؓ کے متعلق فیصلہ محض تاریخی روایتوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ کتاب و سنت کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ امام ابن جریر طبری، حافظ ابن کثیر، ابن اثیر اور ابن عساکر جیسے مستند علماء، جو فن تاریخ کے علاوہ حدیث، تفسیر وغیرہ اسلامی علوم میں بھی عبقریت کی شان رکھتے ہیں، کی بیان کردہ وہ روایتیں جو کتاب و سنت کی تصریحات سے میل نہ کھائیں، قابل قبول نہیں ہیں۔

اس کے باوجود ڈاکٹر صاحب نے سید قطب، احمد امین اور ڈاکٹر طہ حسین جیسے مستشرقین کے کارندوں اور اسلامی روایات و اقدار سے بیزار عصر جدید کے متجددوں کے خود ساختہ مفروضوں کو سامنے رکھ کر صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت پر ایسی سخت ترین جرح کر ڈالی جس کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی وفاداری ہی نہیں بلکہ اسلام بھی مشکوک ہو جاتا ہے۔ کیا صحابہؓ کے اخلاق و کردار کی یہ صحیح منظر کشی ہے؟ کیا صحابہؓ کی یہ تصویر دیکھ کر امت کا وہ اجماعی اعتقاد جو ان کے بارے میں ہے باقی رہ سکتا ہے؟ ڈاکٹر صاحب کو خالی الذہن ہو کر غور کرنا چاہئے۔

اس اجمالی نظر کے بعد ڈاکٹر صاحب کی تحریر کے اجزاء پر تفصیلی گفتگو ملاحظہ فرمائیں:-

الف:- کیا یہ مستسلمین جو حقیقی اسلام کی دولت سے محروم تھے، جن کے سینوں میں اسلام سے انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، جن کے قلوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صاف نہیں تھے، کسی درجہ میں مستحق جنت ہیں؟ حالانکہ خدائے علیم وخبیر کا اعلان ہے:- لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ- (آیت پاک کا ترجمہ و تفسیر آگے گذر چکی ہے)۔

فرق مراتب کے باوجود تمام صحابہ کو بارگاہ الہٰی سے جنتی ہونے کی سند مل چکی ہے، اس لئے ڈاکٹر صاحب کی یہ تحقیق کسی اور حلقہ میں قابل قبول ہو تو ہو گروہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک قطعاً مردود نا مقبول ہے۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:- "مگر اس استسلام کے بعد اچانک ایک پل میں ایسی تبدیلی ہو گئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے، اپنی انانیت کو بھول گئے، عقلاً محال ہے"-

ب:- ڈاکٹر صاحب کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ جس بات کو یہ محال عقلی ٹھہرا رہے ہیں اسی کے بارے میں کتاب الٰہی کی شہادت یہ ہے کہ چشم گیتی اس حیات بخش منظر کو عہد رسالت میں دیکھ چکی ہے:- اذکروا نعمة الله علیکم اذکنتم اعداء فألف بین قلوبکم فأصبحتم بنعمته اخوانا- یعنی اللہ کے فضل و عنایت سے قدیم دشمنی بغیر کسی تاخیر کے دوستی میں بدل گئی اور کل کے دشمن آج کے بھائی بن گئے- اس آیت پاک میں "اذکنتم اعداء" پر "ألف بین قلوبکم" کا عطف کیا گیا ہے اور اس کے لئے حروف عاطفہ میں سے "فاء" کا انتخاب ہوا ہے جو تعقیب بلا تراخی کے معنی کے واسطے استعمال ہوتا ہے، جس کا حاصل یہی ہے کہ دشمنی و عداوت کے بعد اچانک ایک پل میں الفت پیدا ہو گئی اور پرانی ساری رنجشیں یک بیک کافور ہو گئیں-

ج:- ڈاکٹر صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ:- "ہند (زوجہ ابوسفیان) نے بیعت کے الفاظ دہراتے ہوئے بھی اپنے اندرونی کرب و غم اور غیظ و غضب کا اظہار کیا تھا"-

اس بیان میں ڈاکٹر صاحب صحیح علم و تحقیق کے حق کو فراموش کر گئے ہیں کیونکہ اس واقعہ میں جو بات انہیں اپنے مقصد کے مطابق نظر آئی اسے اٹھا لیا اور جو خلاف مقصد تھی اسے قلم انداز کر دیا- آج کل کے تاریخی تجزیے اور ریسرچ و تحقیق کی یہی ٹیکنک ہے- بیعت اسلام کے اس واقعہ میں ہند رضی اللہ عنہا کی آخری گفتگو جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی، یہ ہے:-

"یا رسول اللہ! اسلام سے پہلے آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ مجھ کو مبغوض نہ تھا اور آپ سے زیادہ کسی کو دشمن نہ رکھتی تھی، اور اب آپ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے محبوب نہیں- آپ نے فرمایا:- ابھی محبت میں اور زیادتی ہو گی"- (سیرۃ المصطفیٰ ج ۳، ص ۱۳۶)- کیا اسکے بعد بھی کہا جائے گا کہ وہ نبی کریم ؐ سے بغض و عداوت رکھتی تھیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ان کے دل کی صفائی اور انتہائی اخلاص کی بات ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی اپنی قلبی کیفیات کو بلا تکلف بیان کر دیا- چونکہ ہمارے محقق و

مصر. طہ حسین اور احمد امین جیسے مستشرق پسند مصنفین کی عینک لگا کر اس واقعہ کو دیکھ رہے ہیں اس لئے جو چیز قابل تعریف تھی وہی انہیں لائق مذمت نظر آرہی ہے۔

اس موقع پر موصوف نے حضرت ہندؓ کو "جگر خواریٔ حمزہؓ" کا طعنہ بھی دیا ہے جو کسی طرح بھی ان کی علمی شان کے مناسب نہیں ہے کیونکہ حدیث پاک ہے:-

"الاسلام یھدم ما کان قبلہ-" (اسلام نے اپنے سے پہلے سارے گناہوں کو ختم کر دیا)- اور "التائب من الذنب کمن لاذنب له- (گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کے مثل ہوجاتا ہے)-

اس لئے اسلام لانے کے بعد زمانہ شرک کے معاصی پر طعن و تشنیع کسی طرح بھی روا نہیں، اور اگر بالفرض اس دروازے کو کھول دیا جائے تو مہاجرین و انصار میں سے کون بچے گا جو اس قسم کے طعنہ کا مورد نہ ہوسکے؟ جانتے بوجھتے ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ رویہ خواہ مخواہ اس شبہ کو دعوت دیتا ہے کہ ان کا قلب خاندان بنی امیہ سے متعلق صحابہ کرامؓ سے صاف نہیں ہے۔ اللھم احفظنامنه-

د:- موصوف حضرت ابوسفیان کے جرموں کو شمار کراتے ہوئے لکھتے ہیں:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلاف حضرت علی کو اکسانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے۔

ڈاکٹر صاحب جس بات کو ایک ثابت شدہ حقیقت کے انداز میں پیش کر رہے ہیں اس کی حیثیت بس اتنی ہے کہ ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ ابوسفیان، حضرت علی اور حضرت عباس کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اے علیؓ و عباسؓ! کیا بات ہے کہ خلافت قریش کے اس قبیلہ میں گئی (مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قبیلہ ہے) جو مرتبہ کے اعتبار سے پست اور تعداد کے لحاظ سے قلیل ہے۔ بخدا اگر تم دونوں آمادہ ہوجاؤ تو ہم مدینہ کو اپنے حامیوں اور طرفداروں کے لشکر سے بھر دیں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا:- بخدا میں ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا الخ۔

اس روایت کو مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، نے اپنی مشہور کتاب "المرتضیٰ" صفحہ ۱۵۱ پر بحوالہ "کنزالعمال" (ج ۳، ص ۱۴۱) نقل کیا ہے۔ اسی روایت کی بنیاد پر کہا جارہا ہے کہ اسلام قبول کرلینے کے بعد بھی ابوسفیانؓ کے دل سے جاہلی عصبیت کا

جز تو مر ختم نہیں ہوا تھا، اسی لئے تو وہ خلافت صدیقی کے خلاف حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو اکسا رہے تھے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ اولاً تو خود اس روایت کی صحت ہی مشکوک ہے، اس لئے ایسی روایت کی بنیاد پر کسی صحابی رسول کے بارے میں اتنی بڑی بات کہ دینا کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ------ جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا۔

علاوہ ازیں اگر کسی درجہ میں اس روایت کو مان لیا جائے تو حضرت ابوسفیان کی اس رائے جو حضرت ابوبکرؓ کے خلاف اکسانے کا معنی پہنانا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر حضرت ابوسفیانؓ کی اس رائے کا یہی معنی درست مانا جائے تو پھر اس اعتراض سے عم رسول عباس رضی اللہ عنہ بھی بری نہ ہو سکیں گے کیونکہ حضرت ابوسفیانؓ سے پہلے خود حضرت عباسؓ کی رائے بھی یہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت آل ہاشم کو ملنی چاہئے۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں ایک دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

"انی اری الموت فی وجوہ بنی عبدالمطلب فتعال حتی نسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان کان ھذا الأمر فینا علمناہ".

جس کے جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا تھا:-

"انا واللہ لئن سألناھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمنعناھا لایعطیناھا الناس بعدہ وانی واللہ لااسألھا رسول اللہ". (رواہ البخاری فی کتاب المغازی)-

پھر یہی اعتراض حضرت سعد بن عبادہ اور ان کے حامی حضرات انصار پر بھی عائد ہوگا جو سقیفہ بنی ساعدہ میں انتخاب خلیفہ کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔

درحقیقت اس موقع پر نہ کسی کے اندر خاندانی عصبیت کارفرما ہے اور نہ کوئی کسی کو کسی کے خلاف اکسا رہا ہے۔ بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ حضرات صحابہ کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک ایسا مسئلہ کھڑا ہو گیا جس پر انہوں نے پہلے سے پورے طور پر غور و فکر نہیں کیا تھا اس لئے اول وہلہ میں استحقاق

خلافت کے سلسلہ میں ان کی رائیں مختلف ہو گئیں۔ قریش کی وہ شاخ جو عبدمناف سے تعلق رکھتی تھی اس کے دونوں بزرگ یعنی حضرت عباسؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کی رائے یہ تھی کہ چونکہ آنحضرت کا نسبی تعلق بنوہاشم سے ہے اور اس وقت بنوہاشم میں اپنے فضائل و محاسن کے لحاظ سے حضرت علیؓ سب پر فوقیت رکھتے ہیں اس لئے وہی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں جس کا اظہار ان دونوں حضرات نے حسب موقع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کردیا۔ اس کے برخلاف حضرات انصار کا ایک طبقہ اپنی نصرت و تائید کے پیش نظر یہ سمجھ رہا تھا کہ مہاجرین کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ حقدار یہی ہیں۔ اپنی اسی رائے کے تحت وہ سقیفہَ بنی ساعدہ میں اکٹھا ہوئے تھے لیکن بعد میں حضرت صدیق اکبر اوہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے بیانات سے دلائل منقح ہو کر سب کے سامنے آگئے تو بغیر کسی تردد کے سب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول تسلیم کرلیا اور مکمل بشاشت قلبی کے ساتھ خلیفہ وقت کی سمع و طاعت قبول کرلی۔

ہ:- موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:- "مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں میں شکست کا غم و غصہ آج تک موجود ہے، اسی طرح اس گروہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ سینہ کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مارتا رہا"۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے اور اپنے کمال ادب و بلاغت کے اظہار کے لئے حضرات صحابہ کی مقدس جماعت کے ساتھ جس بے ادبی کا مظاہرہ کیا ہے، وہ صاف طور پر غماز ہے کہ "فی قلبہ شیئی"- حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ، حضرت یزید بن ابوسفیان، حضرت عتاب بن اسید، حضرت خالد بن سعید وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابہ کرام کو انگریزوں کی صف میں کھڑا کر دینا حد درجہ کی جسارت ہے جو اہل سنت والجماعت کے صحابہؓ سے متعلق اجماعی عقیدہ کے یکسر منافی ہے۔

الحاصل ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب کی مندرجہ بالا تحریر کا ایک ایک جز کتاب و سنت سے متعارض، عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بیان کے مطابق (شائع "تعمیر حیات"، ۲۵ اپریل ۹۲ء) خود ندوہ کے مسلک

کے بھی خلاف ہے جسے معتمد تعلیمات کی مسند پر بیٹھ کر اسے لکھا گیا ہے اور "ندوہ" کے ترجمان "تعمیر حیات" کے ذریعہ جس کی اشاعت ہوئی ہے۔ مگر حیرت ہے کہ ترجمان ندوہ "تعمیر حیات" نے آج تک اس کی واضح طور پر تردید اور اس سے برأت کے سلسلہ میں کچھ نہیں لکھا۔

بعض علماء کی جانب سے حضرت مولانا علی میاں صاحب کو اس نامناسب تحریر کی طرف توجہ دلائی گئی بلکہ احتجاج کیا گیا تو موصوف نے "ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور کارکنوں کا صحابہ کرامؓ کے بارے میں مسلک و عقیدہ" کے عنوان سے ایک مختصر مضمون شائع فرما دیا جس میں ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب کی تردید میں ایک لفظ بھی نہیں ہے، البتہ ان کے بے بنیاد مفروضوں اور صحابہ بیزار خیالات کو "تاریخی تجزیہ و تبصرہ" کا نام دیکر یک گونہ علمی حیثیت دیدی گئی ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے اس مقالہ میں صحابہ کرام بالخصوص حضرت علی، حضرت معاویہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کی جو تشریح و ترجمانی فرمائی ہے وہ قابل تحسین ہے۔ پھر حضرات صحابہؓ کے کارناموں اور عظمت کے اظہار میں "ندوہ" کی جن بے مثال خدمات کا ذکر فرمایا ہے اور اسکے ثبوت میں مولانا شبلی نعمانی، مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی کی تصنیفات اور "دارالمصنفین" اعظم گڈھ کی صحابہ سے متعلق مطبوعات کا تذکرہ کیا ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ حضرت مولانا سے تو درخواست کی گئی تھی ڈاکٹر عبداللہ کے غلط مضمون کی تردید کی، تاکہ ایک طاقتور تردید سے ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب کی تحریر کے وہ مسموم اثرات جو "تعمیر حیات" کے ذریعہ پورے ملک میں پھیل گئے ہیں ختم ہو جائیں۔ اس کے جواب میں "ندوہ" کے بانیوں اور کارکنوں کے مسلک اور صحابہ سے متعلق ندوہ کی خدمات کی وضاحت فرمائی جارہی ہے، آخر اس درخواست اور اس کے اس جواب میں ربط کیا ہے؟ حضرت مولانا سے نیازمندانہ گذارش ہے کہ وہ اس پر غور فرمائیں۔ ہم اگر عرض کرینگے تو شکایت ہوگی۔

"ندوہ" کے ایک پرجوش صاحب قلم استاذ کو یہ بات انتہائی گراں لگی کہ ڈاکٹر صاحب کی اس قابل اعتراض تحریر پر لوگ اعتراض کیوں کرتے ہیں۔ چنانچہ موصوف

اپنی لسانی ہوش مندی اور جوش حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

مولانا کے مضمون میں اس عبارت کا آنا تھا کہ کچھ مدعیوں نے چیخ و پکار شروع کر دی۔ وہ اخرس و گونگے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بیجا باتوں کی نسبت اور یزید کی وکالت پر نہیں بولتے---- وہ یہاں گویا ہو گئے"۔

ادبی اعتبار سے اس تحریر کے عیب و ستم کو تو اہل ادب جانیں، میری تو آں محترم سے بس اتنی گذارش ہے کہ جذبات کی رو میں اتنے آگے نکل جانا کسی طرح مناسب نہیں کہ پیچھے مڑ کر دیکھیں تو صرف آپ اکیلے رہ جائیں۔ پورے ملک کے علماء کو اخرس اور گونگا کہنے سے آپ کی گویائی میں کچھ اضافہ ہونے سے رہا، البتہ اس کا انجام یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ آپ کی بات سننے سے لوگ اپنے کان بالقصد بند کر لیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"ایک ایسے صاحب کا مضمون دادِ تحسین کے خانہ میں شائع کیا گیا جو نہ قرآن پاک سے واقف، نہ حدیث نبوی سے، نہ اقوال صحابہ سے، نہ علماء و مصلحین کی آراء سے۔ گستاخ و بے ادب محمود عباسی کی دو چار کتابیں جن کا سرمایہ حیات ہیں"۔

یہ ایک فاضل ندوہ کے بارے میں موصوف کی شہادت ہے۔ "صاحب البیت ادری بمافیہ"۔ ہم اس سلسلے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ البتہ آگے چل کر موصوف نے بلاوجہ اور بغیر کسی معقول ربط کے "دارالعلوم" دیوبند اور "جمعیۃ علماء" کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ اس بارہ میں موصوف سے صرف یہ گذارش ہے کہ جب طبیعت جوش میں آئے اور قلم خردہ گیریوں کیلئے بے چین ہو جائے تو اپنے گردو پیش نظر اٹھا کر دیکھ لیا کریں، تسکین کے سامان خود ندوہ اور لکھنؤ میں بہت مل جائیں گے۔ اور آپ دہلی و دیوبند کے طویل سفر کی زحمت سے بھی بچ جائیں گے کیونکہ:- "ایں گناہیست کہ دز شہر شما نیز کنند"۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب کی تحریر کے درجۂ حرارت کو کم کرنے کے غرض سے موصوف رقم طراز ہیں:-

"مولانا عبداللہ عباس ندوی جن کا قلم رد عمل کے جوش میں بغیر قصد و نیت کے غلط رخ پر چل گیا"۔

یہ اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کی ایک ناکام کوشش ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریر کا سیاق و سباق زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے، وہ پورے غور و فکر اور قصد ارادہ سے اور اپنے خیال میں استدلال کی قوت سے طاقتور اور مدلل کرکے لکھا جا رہا ہے۔ کیا بے قصد نیت کی تحریریں اسی طرح کی ہوا کرتی ہیں؟ بلکہ اسکے تیچھے:۔

کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

ملک میں پھیلے ہوئے مدارس، علماء اور حساس مسلمانوں کے پیہم اصرار کے باوجود ہم اس انتظار میں تاخیر پر تاخیر کرتے رہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ یا "تعمیر حیات" کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کی اس تحریر کی تردید و برأت پر کوئی بیان آ جائے، لیکن ادھر سے جب بالکل مایوسی ہو گئی، تو محض اظہار حق و تردید باطل کی نیت سے یہ مضمون لکھنا پڑا۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه
وأرانا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه
وصلى الله على النبي الكريم"۔

(ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند کے علاوہ مکمل اداریہ کے لئے ملاحظہ ہو، ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ، ستمبر-اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص ۵-۳۰)۔

ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند کے اس جامع و مفصل اداریہ نیز دیگر اکابر امت کی تحریرات و بیانات و مساعی کے نتیجہ میں نہ صرف ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اپنی قابل اعتراض تحریر سے رجوع فرمالیا بلکہ سربراہ ندوہ مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی نے "ندوۃ العلماء" کی جانب سے ایسے مقالات بھی شائع کروا دئیے جن میں جملہ صحابہ کرامؓ کی عظمت و تجلیل کے حوالہ سے عقائد "اہل سنت والجماعت" پر سختی سے کاربند ہونے کا اثبات واعلان دہرایا گیا تھا۔ مزید براں مذکورہ تبصرہ کے ناخوشگوار اثرات کے ازالہ کے لئے مولانا ابوالحسن ندوی نے مورخہ ۶ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ کو مفکر اسلام مولانا محمد منظور نعمانی سے بنفس نفیس ملاقات بھی فرمائی۔ اس کی خبر ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ نے جس کے مدیر "ندوۃ العلماء" ہی کے فاضل اور مولانا نعمانی کے فرزند مولانا خلیل الرحمن

سجاد ندوی ہیں، درج ذیل الفاظ میں شائع کی:-

"چھپتے چھپتے میں

ادارہ "الفرقان" بے پناہ مسرت کے ساتھ اپنے قارئین کو یہ مسرت انگیز خبر سناتا ہے کہ آج بروز دو شنبہ مطابق ۶ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ، سرپرست "الفرقان" حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کی خواہش پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اور نہایت خوشگوار ماحول میں تقریباً نصف گھنٹہ یہ ملاقات رہی۔ امید ہے کہ ہر دو بزرگوں کی اس ملاقات کی برکت سے ماحول کی وہ نامناسب کشید گی یکسر ختم ہو جائے گی، جو علمی اختلاف رائے میں ناروا اور امت کے لئے ایک فتنہ و ابتلاء ہے ---- مدیر۔"

(ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ، جولائی ۱۹۹۲ء، وراجع واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ملتان، جلد دوم، ص ۵۰۳)۔

اس سے پہلے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کے نام اپنے مکتوب مؤرخہ ۴ مئی ۱۹۹۲ء میں دیگر تفصیلات سے قطع نظر یہ بھی فرمایا کہ مذکورہ تبصرہ ان کا انفرادی فعل ہے، "ندوہ" کا اجتماعی موقف نہیں۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ تبصرہ میرے قلم سے نکلا تھا اور "تعمیر حیات" میں شائع ہوا۔ اس کی کوئی ذمہ داری "ندوہ" کے ناظم، مجلس انتظامیہ اور موجودہ ذمہ داروں پر نہیں ہے۔ پھر حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کے کہنے پر انہوں نے "ندوہ" کا موقف واضح کر دیا۔ جس پر "ندوہ" کی طرف سے اس کے مندرجات کے قابل اعتراض پہلو کی جس پر میں چند سطروں بعد عرض کروں گا، پوری تردید ہو گئی۔ اور یہ واضح ہو گیا کہ یہ تبصرہ "ندوہ" کا نہیں بلکہ عبداللہ عباس کا ہے۔ "تعمیر حیات" کا میں نہ سرپرست ہوں اور نہ اس کے ایڈوٹوریل بورڈ میں ہوں۔ میرے مقالہ یا تبصرہ کی نوعیت ایک مراسلہ سے زیادہ نہیں ہے۔ جو روزناموں میں اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوتا ہے کہ:- "ایڈیٹر کا اس سے متفق ہونا ضروری نہیں"۔

لہذا ندوے کی تحریک وصل کے لئے تھی اور رہے گی (انشاء اللہ)۔ اس تبصرہ کی اشاعت سے ایک شخص کی رائے ضرور معلوم ہو گی مگر "ندوہ" کا کوئی موقف نہیں سمجھا

جائیگا۔

۲۔ آپ کا اور حضرت نعمانی مدظلہ کا تعلق جو "ندوہ" سے ہے، اس پر ایک فرد واحد کی کوئی تحریر جس کا دائرہ فکر اور تاریخی رجحان سے ہے) اثر انداز نہیں ہو سکے گی۔ آپ نے جن تعلقات کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ اس درجہ عیاں ہیں کہ ان کے لئے کسی سوگند، گواہ کی ضرورت نہیں"۔

(ماہنامہ الفرقان، جولائی ۱۹۹۲ء، دراجع "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ملتان، جزدوم، ص ۴۰۷-۴۰۸)۔

اب ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے اعلان رجوع کا کا متعلقہ حصہ ملاحظہ ہو:۔

ایک اہم وضاحت

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی نے "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" نامی کتاب لکھی۔ جس میں نہ صرف اہل بیت نبوت کی حق تلفی کی گئی بلکہ صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور واقعہ حرہ میں یزید کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی ظلم کیا۔ اور قاتلوں کی طرف سے صفائی پیش کی۔ اس کتاب کو پڑھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والا ہر شخص دکھی ہوتا ہے۔ اور اس کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ مجھ پر بھی یہ تاثر شدت کے ساتھ ہوا۔ نتیجتاً میں نے اس کتاب پر تبصرہ کیا۔ جو "تعمیر حیات" میں شائع ہوا۔

یزید کے خلاف شدت جذبات میں میرے قلم سے ایک ایسی عبارت نکل گئی جس سے حضرت ابوسفیانؓ، حضرت ہندہؓ اور بنی امیہ کے بعض دیگر صحابیوں کی تنقیص کا مطلب نکالا جا سکتا تھا۔ مضمون شائع ہوا تو میں یہاں موجود نہ تھا۔ واپسی پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور دیگر حضرات نے مجھے توجہ دلائی کہ میرے قلم سے نکلنے والی فلاں عبارت قابل اعتراض ہے۔ مجھے قلم کی اس غلطی پر افسوس ہوا۔ اور میں نے صراحت سے اس کی وضاحت کردی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے متعلق میرا مسلک شدت سے وہی ہے جو شیخ الاسلام حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور میری یہ عبارت ایک لغزش ہے، میں اس سے

رجوع کرتا ہوں، اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں۔

میں پھر پوری صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ میرے قلم سے جو غلط عبارت نکل گئی تھی، اس سے میں رجوع کر چکا ہوں۔ مزید اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ عدول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مقام بلند کتاب و سنت میں بیان فرمایا ہے۔ میں اسی عقیدہ پر جینا اور مرنا چاہتا ہوں۔
وما علینا الا البلاغ۔وما أبرئ نفسی ان النفس لأمارة بالسوء الاما رحم ربی ان ربی غفور رحیم۔ والسلام------ عبداللہ عباس ندوی"۔

(الفرقان" لکھنؤ، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۴۲ وراحع "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ملتان، حصہ دوم، ص ۴۳۴)۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اپنے اس بیان کے ذریعے مولانا سنبھلی کی تصنیف اور یزید کی مذمت کے ہمراہ جملہ صحابہ کرامؓ کے مقام و عظمت کا اعتراف و اعلان نیز اپنی سابقہ قابل اعتراض تحریر سے رجوع و برأت کا اعلان تو فرما دیا مگر عالم اسلام کے بطل جلیل اور "الاخوان المسلمون" سمیت کروڑوں مسلمانوں کے عظیم اسلامی قائد و مفکر و مصنف سید قطب شہید کی پوزیشن واضح نہیں فرمائی۔ کیونکہ انہی کے حوالہ سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے سیدنا ابوسفیان و سیدہ ہند و سیدنا معاویہ و دیگر اصحاب بنی امیہ رضی اللہ عنہم کے صدق دل سے قبول اسلام کو "استسلام" (محض ظاہری تسلیم و طاعت) قرار دیا تھا۔ جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس اپنی مذکورہ تحریر سے رجوع کے بعد عقیدہ "اہل سنت والجماعت" پر حضرت مولانا مدنی و نانوتوی و ابوالحسن ندوی جیسی شدت سے کاربند ہیں۔ مگر سید قطب جیسے سنی العقیدہ عرب ادباء و مفکرین کی صفائی میں آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ اس سلسلہ میں اصولی بات وہی ہے جس کی طرف اکابر ہند نے اشارہ کیا ہے کہ دین و شریعت و صحابہ کرامؓ کے بارے میں نصوص قرآن و سنت تو ندوہ و دیوبند، بریلی و ازہر، عقاد و قطب سمیت امت کی نوے فیصد سے زائد اکثریت پر مشتمل جملہ "اہل سنت والجماعت" کے لئے واجب الاتباع ہیں۔ اور عقیدہ "اہل سنت والجماعت" سے وابستگی کے دعویدار رہتے ہوئے اگر عقاد و قطب و دیگر حضرات کی وسیع عربی و اسلامی خدمات کے بعض اجزاء و

اقتباسات قرآن و سنت کے بیان کردہ مقام صحابہؓ سے متصادم ہیں تو وہ قابل استدلال نہیں قابل تنقید و اصلاح ہیں۔

اس سلسلہ میں غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے بالخصوص سید قطب شہید کے بارے میں "جماعت اسلامی پاکستان" کے عالمی شہرت یافتہ قائد اور جماعت کے دارالعروبہ" کے سربراہ استاذ خلیل حامدی کا درج ذیل بیان قابل توجہ ہے جس میں سید قطب کی تصنیف "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" (سن طبع ۱۹۴۸ء) کے بارے میں مراکش کے جلیل القدر عالم و قائد "حزب الاستقلال" شیخ علال الفاسی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"علال الفاسی لکھتے ہیں:۔

سید کی اس تصنیف پر میں نے بعض مقامات پر گرفت کی۔ چنانچہ دوسرے ایڈیشن میں انہوں نے ان مقامات پر تبدیلی کر دی۔" (روزنامہ "العلم" مراکش، شمارہ ۲ ستمبر ۱۹۶۶ء)۔

(خلیل احمد حامدی، جادہ و منزل، اردو ترجمہ "معالم فی الطریق" از سید قطب، تعارف بعنوان "مصنف اور تصنیف" بقلم خلیل حامدی، مورخہ یکم مارچ ۱۹۶۸ء، ص ۴۱، حاشیہ ۲، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور)۔

اسی حوالہ سے خلیل حامدی مزید رقمطراز ہیں:۔

"اس کتاب کے ساتویں باب میں سید موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ کے بارے میں جس نقطۂ نظر کا اظہار کیا تھا، ساتویں ایڈیشن میں انہوں نے اس میں مکمل تبدیلی کر دی تھی۔ اور کوئی قابل اعتراض بات باقی نہیں رہنے دی ہے۔ یہ تبدیلی ایام اسیری میں کر دی گئی تھی مگر حالات کی وجہ سے اس کی طباعت کی کوئی سبیل نہ پیدا ہو سکی۔ ان کی شہادت کے بعد یہ ترمیم شدہ ایڈیشن چھپ چکا ہے اور عرب ممالک میں وسیع پیمانے پر تقسیم ہو رہا ہے۔ اس کتاب کے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں"۔

(خلیل حامدی، جادہ منزل، مصنف اور تصنیف، ص ۴۱-۴۲ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۸ء)۔

قارئین کی معلومات کے لئے یہ بھی واضح رہے کہ عباس محمود العقاد کی لاتعداد اسلامی تصانیف میں عبقریۃ الرسول، عبقریۃ الصدیق، عبقریۃ عمر، عبقریۃ ذی النورین، عبقریۃ الامام علی، عبقریۃ خالد اور الصدیقۃ بنت الصدیق

بھی شامل ہیں ور طہٰ حسین کی سیدنا ابو بکرؓ و عمرؓ کی عظمت و تجلیل میں "الشیخان" بھی معروف ہے۔ لہذا نہ تو ان ادباء و مفکرین اہل سنت کی عربی و اسلامی خدمات و تصانیف کا انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی قرآن و سنت و مقام صحابہؓ سے متصادم فکری و تحریری لغزشوں سے فکری و اعتقادی امور میں استدلال کا کوئی جواز ہے۔ علاوہ ازیں یہ حضرات منزہ عن الخطاء ہونے کے دعویدار نہیں بلکہ سید قطب کی طرح توجہ دلانے پر نصوص قرآن و سنت و مقام صحابہؓ سے متصادم اپنے افکار و تحریرات پر نظر ثانی پر بھی عمل پیرا رہے ہیں۔ فغفر اللہ زلاتھم و زلاتنا۔ (اللہ تعالیٰ ان کی اور ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے)۔ آمین۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی تصنیف "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" پر نقد و تبصرہ مطبوعہ پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ کا تفصیلی جواب و تجزیاتی مطالعہ فاضل ندوہ پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی ندوی، شعبہ اسلامیات علیگڑھ یونیورسٹی نیز دیگر متعدد اکابر علماء و محققین نے پیش کر دیا تھا اور اس کتاب کو سیدنا معاویہ و حسین سمیت جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احترام و عظمت کو ملحوظ رکھنے والی معتدل و متوازن تصنیف قرار دیدیا تھا۔ بلکہ اس کتاب کو اس حد تک پذیرائی حاصل ہوئی کہ جب ایک پر جوش استاذ ندوہ نے ڈاکٹر عبداللہ عباس کے تبصرہ کے ناقدین کے بارے میں یہ تحریر فرمایا کہ:-

"وہ اخرس و گونگے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بیجا باتوں کی نسبت اور یزید کی وکالت پر نہیں بولتے---- وہ یہاں گویا ہو گئے!"

تو ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند کے مذکورہ اداریہ میں یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد مولانا حبیب الرحمن قاسمی نے یہ واضح فرما دیا کہ یہ گویا بطور مجموعی پورے ہندوستان کے علماء کرام کو مولانا سنبھلی کی کتاب کی مخالفت نہ کرنے پر مطعون کیا گیا ہے:-

"ادبی اعتبار سے اس تحریر کے عیب و سقم کو تو اہل ادب جانیں، میری تو آں محترم سے بس اتنی گذارش ہے کہ جذبات کی رو میں اتنے آگے نکل جانا کسی طرح مناسب نہیں کہ پیچھے مڑ کر دیکھیں تو صرف آپ اکیلے رہ جائیں۔ پورے ملک کے علماء کو اخرس اور گونگا کہنے سے آپ کی گویائی میں کچھ اضافہ ہونے سے رہا۔ البتہ اس کا انجام

یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ آپ کی بات سننے سے لوگ اپنے کان بالقصد بند کرلیں"۔

(اقتباس از اداریہ مولانا حبیب الرحمن قاسمی، ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند مطبوعہ ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص ۳۹ وراجع ایضاً واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ملتان، حصہ دوم، ص ۴۹۴)۔

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی معرکتہ الاراء تصنیف "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کی برصغیر کے طول و عرض میں علماء و محققین کی جانب سے وسیع پیمانے پر تائید و تحسین وعدم مخالفت کے باوجود ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اپنے وضاحتی بیان میں بھی اموی صحابہؓ کے بارے میں اپنے منفی کلمات تبصرہ سے رجوع کے باوجود کتاب پر تنقید کو برقرار رکھا ہے۔ مگر اس شخصی و کتابی تنقید سے قطع نظر خود ان کے صحابہ کرامؓ کے بارے میں وضاحتی بیان کو ناکافی قرار دینے والے علماء و محققین بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ جن کی ترجمانی مولانا مفتی منظور احمد مظاہری، قاضی شہر کانپور کے تفصیلی مکتوب بنام مدیر "الفرقان" سے بخوبی ہوجاتی ہے۔ بطور اشارہ اس مکتوب کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:-

"اس موقع پر اگر آپ عبداللہ عباس ندوی صاحب کے اس معصومانہ جملہ کو بھی پیش نظر رکھیں کہ:-

"یزید کے خلاف شدت جذبات میں میرے قلم سے ایک ایسی عبارت نکل گئی جس سے حضرت ابوسفیان، حضرت ہندہ اور بنی امیہ کے بعض دیگر صحابیوں کی تنقیص کا مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے۔"

تو آپ کو موصوف کا تقیہ اور ڈھٹائی صاف نظر آجائیگی کہ پورے ایک کالم میں مزعومہ دلائل کی بنیاد پر اور غیر مبہم الفاظ میں ان صحابہؓ کو اسلام سے خارج کرنے کے بعد جب کسی ٹوکنے والے نے انہیں ٹوکا تو آں حضرت نے اپنے ان خیالات سے توبہ کرنے کے بجائے صرف اتنے اعتراف سے کام چلانے کی کوشش کی کہ ہاں! میری عبارت سے ان صحابہ کی تنقیص کا مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے۔

بہر حال میرا مدعا یہی ہے کہ اپنے وضاحتی بیان میں بھی عباس ندوی صاحب نے ہرگز ہرگز اپنے فاسد خیالات سے رجوع نہیں کیا، بلکہ عام لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ کم از کم آپ حضرات کو اس سے دھوکا نہیں کھانا

چاہیے۔ (۱) یہ ایک علمی مسئلہ ہے، عوام اس کی نزاکت اور اس کے دور رس اثرات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرا یہ عریضہ بھی "الفرقان" میں شائع کر دیں"۔

(مکتوب مفتی منظور احمد مظاہری، بنام مدیر "الفرقان" خلیل الرحمن سجاد ندوی، مؤرخہ ۸ جولائی ۱۹۹۲ء، مطبوعہ "الفرقان" لکھنؤ، اگست ۱۹۹۲ء، وراجع ایضاً "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ملتان، حصہ دوم، ص ۵۲۶-۵۲۷)۔

مولانا منظور نعمانی کے فرزند مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی، مدیر "الفرقان" مفتی منظور احمد مظاہری صاحب کے مذکورہ مکتوب کے تحت حاشیہ (۱) میں ڈاکٹر عباس ندوی کے وضاحتی بیان میں مولانا سنبھلی و سجاد ندوی وغیرہ کے بارے میں منفی شخصی ریمارکس کی طرف محض اشارہ کرتے ہوئے مفتی منظور احمد مظاہری صاحب کے ارشادات کی تائید میں لکھتے ہیں:-

"مولانا عبداللہ عباس صاحب کے اعلان رجوع کے بارے میں اسی قسم کے احساسات ہم لوگوں کے بھی تھے۔ اور اسی وجہ سے ہم نے "عبارت" سے رجوع پر اظہار مسرت کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ:-

مگر اس خوشی کے ساتھ ہم اس تمنا کا اظہار بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ کاش وہ اپنے اس اعلان رجوع کے حسن کو بے بنیاد الزامات سے داغدار نہ کرتے۔ اور امید کرتے ہیں کہ زیادہ صاف لفظوں میں اور کسی ملاوٹ کے بغیر صرف عبارت نہیں بلکہ اپنے ان خیالات اور تاریخی تجزیہ سے بھی اعلان رجوع فرمائیں گے جو اس سارے ہنگامہ کا باعث بنے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہماری یہ امید پوری نہ ہوئی۔ اور اسی بنیاد پر حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب کا یہ مکتوب شائع کرنے کا فیصلہ ہمیں کرنا پڑا۔ الفرقان"۔

(الفرقان، لکھنؤ، اگست ۹۲ء، وراجع واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر۔ ملتان، حصہ دوم، ص ۵۲۷- حاشیہ نمبر ۱)۔

بہر حال ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب کے "اعلان رجوع" کو تسلیم کر لینے اور اس پر متعدد اکابر ہند کے اظہار عدم اطمینان کو نظر انداز کر دینے کی صورت میں بھی مولانا سنبھلی کی کتاب کے حوالہ سے "وضاحتی بیان" کے ابتدائی کلمات قابل توجہ و تجزیہ قرار پاتے ہیں:-

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی فرماتے ہیں:-

۱۔ مولانا عتیق الرحمن سنبھلی نے "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" نامی کتاب لکھی۔ جس میں نہ صرف اہل بیت نبوت کی حق تلفی کی گئی بلکہ صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور واقعہ حرہ میں یزید کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی ظلم کیا، ورقاتلوں کی طرف سے صفائی پیش کی۔"

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی غور فرمائیں کہ کیا آنجناب کی اس عبارت کا مطلب بظاہر یہ نہیں نکلتا کہ "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کے مصنف مولانا عتیق الرحمن سنبھلی اور کئی صفحات پر مشتمل کتاب کا تائیدی ابتدائیہ قلمبند کروانے والے استاذ العلماء مولانا محمد منظور نعمانی نیز کتاب کی تائید و تحسین کرنے والے جملہ علماء و محققین ہند و بیرون ہند، اہل بیت نبوت کی حق تلفی، سیدنا ابن زبیرؓ و شہدائے حرہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ظلم اور قاتلوں کی صفائی کے جرم یا تائید جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اگر اس ثابت شدہ حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ واقعہ کربلا (محرم ۶۱ھ) کے بعد بیعت یزید پر قائم رہنے والے صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم نے واقعہ حرہ (اواخر ۶۳ھ) میں حامیان سیدنا ابن زبیرؓ کے بجائے بیعت یزید کو برقرار رکھا اور واقعہ حرہ میں لشکر یزید کے سپہ سالار عمر رسیدہ صحابی رسول سیدنا مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ تھے اور بقول ابن کثیر وغیرہ ان کی تائید و حمایت کرنے والے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نیز اہل بیتؓ نبوت تھے تو کیا انکے اس بیان کی نوعیت شرعاً سنگین تر قرار نہیں پاتی:-

"وكان عبدالله بن عمر بن الخطاب و جماعات اہل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد ولا بايع أحداً بعد بيعته ليزيد"- (ابن كثير، البداية، ۲۳۲/۸)-

ترجمہ:- اور عبداللہ بن عمر بن خطاب نیز جماعت اہل بیت نبوت ان لوگوں میں شامل تھیں جنہوں نے بیعت (یزید) نہ توڑی اور یزید کی بیعت کر لینے کے بعد کسی اور کی بیعت نہیں کی۔

"وكذلك لم يخلع يزيد احد من بنى عبدالمطلب- وسئل محمد بن الحنفية فى ذلك فامتنع من ذلك أشد الامتناع و ناظرهم و جادلهم فى يزيد و رد عليهم ما اتهموه من شرب الخمر و تركه بعض الصلاة"-

(ابن كثير، البداية، ۲۱۸/۸)-

ترجمہ:- اور اسی طرح بنو عبدالمطلب میں سے بھی کسی نے یزید کی بیعت نہ توڑی۔ اور محمد بن حنفیہ سے اس (بیعت یزید توڑنے) کے معاملے میں درخواست کی گئی تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا اور ان (باغیوں) سے یزید کے بارے میں بحث و مباحثہ کیا اور انہوں نے یزید پر شراب نوشی اور بعض نمازوں کے قضاء کر دینے کے جو الزامات لگائے تھے، ان کو مسترد کرتے ہوئے یزید کی صفائی میں دلائل دیئے۔

۲۔ بقول ڈاکٹر عباس ندوی:-

اس کتاب کو پڑھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والا ہر شخص دکھی ہوتا ہے۔ اور اس کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ مجھ پر بھی یہ تاثر شدت کے ساتھ ہوا۔ نتیجتاً میں نے اس کتاب پر تبصرہ کیا جو "تعمیر حیات" میں شائع ہوا"۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب کے "اس قول فیصل" کو باندازِ دیگر یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس کتاب (واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر از مولانا سنبھلی) کو پڑھ کر جو شخص دکھی نہیں ہوتا اور جس کے جذبات مشتعل نہیں ہوتے، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں رکھتا۔ (لہذا اس کتاب کے محرک و مؤید مولانا منظور نعمانی، مصنف مولانا سنبھلی، سجاد ندوی نیز کتاب کی تائید و تحسین و عدم مخالفت کے مرتکب ہزاروں علماء و محققین اور کروڑوں عامۃ المسلمین حب صحابہؓ واہل بیتؓ سے خالی اور فارغ قرار پاتے ہیں)؟ معاذ اللہ

۳۔ بقول ڈاکٹر عباس ندوی:-

"یزید کے خلاف شدت جذبات میں میرے قلم سے ایک ایسی عبارت نکل گئی جس سے حضرت ابوسفیانؓ، حضرت ہندہؓ اور بنی امیہ کے بعض دیگر صحابیوں کی تنقیص کا مطلب نکالا جا سکتا تھا۔ الخ"۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ یزید کے خلاف شدت جذبات قلم سے ایسی عبارت بھی نکلوا دیتی ہے جس سے حضرت ابوسفیانؓ، حضرت ہندہؓ اور بنی امیہ کے دیگر صحابیوں کی تنقیص کا مطلب نکالا جا سکتا ہے۔

بالفاظ دیگر یزید کے خلاف شدت جذبات کا نتیجہ توہین و تنقیص صحابہؓ کی صورت

میں نکل سکتا ہے۔ لہذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ یزید کے حوالہ سے قلب و زبان و قلم کو اعتدال و توازن کا عادی بنایا جائے۔ نیز جس یزید کے خلاف شدت جذبات کا ڈاکٹر عبداللہ عباس کے ہاں یہ عالم ہے، اسی یزید کے بارے میں سیدنا حسینؓ کے اعتدال کا یہ عالم ہے کہ وقت آخر بھی اس سے ملاقات و مذاکرات کی پیشکش فرما رہے ہیں:-

"عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کو بھیجا تو حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ:- تین باتوں میں سے میرے لئے ایک بات مان لو۔ یا تو مجھے چھوڑ دو، جیسے آیا ہوں، واپس جاؤں۔ اگر اس سے انکار کرتے ہو تو مجھے یزید کے پاس لے چلو، اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں۔ وہ جو پسند کرے، فیصلہ کرے الخ"۔

(ابوالحسن علی ندوی، المرتضیٰ، اردو ترجمہ از ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، ایڈیشن سوئم، ص ۳۰۷، طبع لکھنؤ)۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے بقول "ہاتھ میں ہاتھ دینے کا مطلب بیعت یزید نہیں بلکہ صلح جوانداز میں بات چیت ہے:-

"(واما) أن أضع يدي في يد يزيد بن معاوية فيرى فيما بيني و بينه رأيه".

اس عبارت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ یا تو مجھے چھوڑ دو، میں خود یزید بن معاویہ سے جا کر صلح جوانداز میں بات کر لوں، پھر وہ میرے حق میں اپنی رائے دے"۔

(اقتباس از تبصرہ ڈاکٹر عباس ندوی، مطبوعہ پندرہ روزہ "تعمیر حیات" مورخہ ۱۰ مارچ ۹۲ء)۔

اگر متعدد عربی دان اکابرامت کے برعکس "وضع اليد في اليد" یعنی ہاتھ میں ہاتھ دینے کا مطلب بیعت کے بجائے صلح جوانداز میں بات چیت ہی مان لیا جائے تو بھی مولانا ابوالکلام آزاد جیسے عربی دان کا یہ نقطہ نظر قابل توجہ ہے کہ ان کے نزدیک یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی کوئی عملی حیثیت نہیں، جب تک عملاً خلافت یزید کے پاس آکر اس کی بیعت کی تکمیل نہ ہوئی تھی۔ اور سیدنا حسینؓ نے یزید کے مقابلہ میں طلب امامت و خلافت کا فیصلہ اس وقت کیا جب سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد ابھی مکہ و مدینہ میں بھی تکمیل بیعت خلافت یزید نہیں ہوئی تھی اور اہل عراق بھی مخالف تھے۔ مگر جب اہل عراق مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر کی گئی حسینی بیعت توڑ کر دھوکہ دیتے ہوئے بیعت یزید و ابن زیاد کر گئے تو سیدنا حسینؓ نے اقدام خروج واپس لے لیا اور طلب خلافت سے دستبردار ہو گئے:-

"لیکن جب وہ کوفہ پہنچے تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے۔ تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کے لئے بیعت کر چکے ہیں۔ اور سرزمین عراق کی وہ بے وفائی اور غداری جو حضرت امیرؓ کے عہد میں بار بار ظاہر ہو چکی تھی، بدستور کام کر رہی ہے۔ یہ حال دیکھ کر وہ معاملہ خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اور فیصلہ کیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں، لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کر لیا اور مع اہل و عیال کے قید کرنا چاہا۔ وہ اس پر بھی آمادہ ہو گئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہ راست یزید سے اپنے معاملہ کا فیصلہ کر لیں، مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا"۔ (ابوالکلام آزاد، مسئلہ خلافت، ص ۱۳۸-۱۳۹، داتا پبلشرز، لاہور ۱۹۷۸ء)۔

اپنے تفصیلی کلام کے آخر میں مولانا آزاد فرماتے ہیں:-

"جس کو مفصل اور محققانہ بحث دیکھنی ہو، وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی "منہاج السنہ" جلد دوم کا مطالعہ کرے" (مسئلہ خلافت، ص ۱۴۰)۔

مولانا آزاد کے اس بیان کی روشنی میں "ہاتھ میں ہاتھ دینے" کا مطلب و مفہوم خواہ کچھ بھی لیا جائے، بہر حال سیدنا حسینؓ اہل کوفہ کی غداری و بیعت یزید کے بعد اقدام خروج واپس لیکر یزید کے مقابلہ میں خلافت سے دستبردار ہو چکے تھے۔ اور اس معاملہ میں مولانا آزاد بھی امام ابن تیمیہ کی "منہاج السنہ" میں بیان شدہ مفصل و محققانہ بحث کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں۔ جس کے مطابق یزید کے مقابلہ میں اقدام خروج واپس لیکر طلب خلافت سے دستبرداری نے سیدنا حسینؓ کو "خروج عن الجماعت" کے شر سے محفوظ رکھا اور اسی بنا پر جان و مال وغیرہ کی حفاظت کی خاطر آپ کا ظالموں سے معرکہ آرائی کے نتیجے میں مقتول ہونا شرعاً شہادت قرار پاتا ہے۔

لہذا یزید کے خلاف شدت جذبات کہاں تک درست ہے، اس کا فیصلہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی جیسے محترمین اس بیان ابوالکلام کی روشنی میں بھی بخوبی فرما سکتے ہیں۔

اب رہا یزید کے خلاف شدت جذبات کا وہ سوال جو مفکر اسلام مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ نے اٹھایا ہے کہ:-

"دمشق کے دربار میں جو کچھ ہوا، اس کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ لیکن ان سب روایتوں کو چھوڑ کر ہم یہی روایت صحیح مان لیتے ہیں کہ وہ حضرت حسینؓ اور ان

کے ساتھیوں کے سر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ:-

میں حسینؓ کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی طاعت سے راضی تھا۔ اللہ کی لعنت ہو ابن زیاد پر خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ کو معاف کر دیتا۔

اور یہ کہ:- خدا کی قسم اے حسین! میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو تمہیں قتل نہ کرتا۔

پھر بھی یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم عظیم پر اس نے اپنے سر پھرے گورنر کو کیا سزا دی؟''

(ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، لاہور، اپریل ۱۹۸۰، ص ۱۸۱)

تو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا سنبھلی نے جو کچھ رقم فرمایا ہے، اس سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی جانب سے یزید کے ساتھ ساتھ مولانا سنبھلی کے خلاف بھی شدت جذبات کی ایک دلیل فراہم ہو سکتی ہے:-

''یہ سوال جب کسی عام آدمی کی طرف سے سامنے آئے تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہوتی۔ مگر جب پڑھے لکھے لوگ بھی یہ سوال اٹھاتے ہیں تو پھر حیرت ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ اس لئے کہ نارضامندی اور سزا دہی کا کوئی ایسا لازمی تعلق نہیں ہے کہ ایک حاکم نے اپنے ماتحت کی کسی بات کو ناپسند کیا ہو تو وہ اسے سزا بھی ضرور دے۔ بہت سی دفعہ ناخوشی کا اظہار بھی اس آدمی پر کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کی کیسی قابل لحاظ مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ حضرت علیؓ کی فوج میں، بلکہ ان کے نہایت خاص معتمدین میں وہ لوگ شامل تھے جو قاتلان عثمانؓ کے سر گردہ شمار کئے جاتے تھے۔ اور خود حضرت علیؓ کو اس الزام سے انکار نہ تھا۔ مگر اس مطالبے کے جواب میں کہ ان کو سزا دی جائے یا ورثائے عثمانؓ کے سپرد کیا جائے، حضرت علیؓ کو ہمیشہ یہی کہنا پڑا کہ حالات اجازت نہیں دیتے۔ یعنی سزا کا مطالبہ کرنے والے بھی موجود تھے، اصولاً حضرت علیؓ کو مطالبے سے اتفاق بھی تھا، پھر بھی مصلحِ وقت کا مسئلہ ایسا تھا کہ آپؓ اس پر عمل درآمد نہیں کر سکتے تھے''۔

(مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، ملتان، ص ۲۵۰-۲۵۱)۔

مگر ڈاکٹر عبداللہ عباس اور ان کے ہمنواؤں کے لئے یزید یا مولانا سنبھلی کے

خلاف اس اقتباس کے نتیجہ میں شدت جذبات کا جواز اس لئے فراہم ہونا مشکل ہے کہ اگر قتل حسینؓ کے بالواسطہ ذمہ دار ابن زیاد کو سزا نہ دینا اور گورنری کے عہدہ پر برقرار رکھنا ہی یزید کے قتل حسینؓ میں ملوث ہونے کی دلیل قرار دیا جائے تو خوارج کے نزدیک شہادت عثمانؓ کے براہ راست ذمہ دار مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو شہادت عثمانؓ کے بعد خلیفہ راشد علیؓ کا مصر کی گورنری عطا کرنا سیدنا علیؓ کے قتل عثمانؓ میں ملوث ہونے کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔ اور مولانا سنبھلی کے موقف کی بانداز دیگر تائید مولانا مودودی کے قاتلین عثمانؓ کے بارے میں ان کلمات سے بخوبی ہو جاتی ہے:-

"مالک الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا، جس کو کسی تاویل سے حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی۔ اسی بناء پر میں نے اس کی مدافعت سے اپنی معذروی ظاہر کر دی ہے"۔ (ابوالاعلی مودودی، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اپریل ۱۹۸۰ء، ضمیمہ سوالات و اعتراضات بسلسلہ بحث خلافت، ص ۳۴۸)۔

مولانا مودودی کے اس اقتباس کے ساتھ اگر درج ذیل اقتباس بھی ملاحظہ فرما لیا جائے تو شاید ڈاکٹر عبداللہ عباس جیسے محترم ناقدین کے لئے اپنی شدت جذبات کو محض مولانا سنبھلی تک محدود رکھنا مشکل تر ہو جائے۔ مورخ اسلام شاہ معین الدین ندوی قدیم کتب تاریخ کے حوالہ سے سیدنا علیؓ و معاویہؓ کے مابین جنگ صفین (۳۷ھ) کے سلسلہ میں جس میں ستر ہزار سے زائد صحابہؓ و تابعین مقتول ہوئے، لکھتے ہیں کہ جمادی الاولی ۳۷ھ میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ رجب میں ماہ حرام کی وجہ سے ملتوی ہو گئی۔

"التوائے جنگ کے بعد خیر خواہاں امت نے پھر صلح کی کوششیں شروع کر دیں کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رک جائے۔ اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر برباد نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابو درداءؓ اور حضرت ابو امامہ باہلیؓ، امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں، پھر تم ان سے کیوں جنگ کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا:- عثمانؓ کے خون ناحق کے لئے۔ ابو امامہؓ نے کہا:- کیا علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے؟ امیر معاویہؓ نے جواب دیا:- اگر قتل نہیں کیا تو قاتلوں کو پناہ دی ہے۔ اگر وہ انہیں ہمارے حوالے کر دیں تو میں سب سے پہلے ان

کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔

ان دونوں بزرگوں نے واپس جا کر حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ کا مطالبہ سنایا۔ اسے سنکر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل پڑے کہ ہم سب عثمان کے قاتل ہیں۔ یہ رنگ دیکھ کر دونوں بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے۔ اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا۔

(شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، نصف اول، ص ۲۶۸-۲۶۹، بحوالہ "الاخبار الطوال" لابی حنیفہ الدینوری، ناشر ان قرآن لمیٹڈ، لاہور)۔

موضوع زیر بحث کی مناسبت سے یہاں ایک اور سوال بھی محققین کے نزدیک قابل توجہ ہے کہ اگر باپ کے بعد بیٹے کی خلافت شرعاً غلط ہے یا یزید فاسق و فاجر یا نااہل تھا تو سینکڑوں کی تعداد میں موجود کم و بیش تمام صحابہ کرامؓ نے یزید کی ولی عہدی و خلافت کی بیعت کیوں کی؟ اور پھر اگر یزید واقعہ کربلا و حرہ کا ذمہ دار قرار پاتا ہے تو صحابہ کرامؓ نے اس کے خلاف شرعاً کوئی اجتماعی اقدام کیوں نہیں فرمایا؟

تو اس کے جواب میں بعض محترمین یہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے بطور مجموعی بتقاضائے احوال "عزیمت" کے بجائے "رخصت" کا پہلو اختیار کیا، اور وہ بھی شرعاً درست تھا۔ جبکہ سیدنا حسینؓ و ابن زبیرؓ کا اجتہاد و جہاد عزیمت بھی درست تھا۔ مگر اس دلیل کو مان لینے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "اجماع صحابہؓ" عزیمت کے بجائے "رخصت" پر ہوا۔

اس کے نتیجہ میں ایک طرف تو خلافت راشدہ کے بارے میں بھی (اہل تشیع سمیت جملہ) معترضین کی یہ دلیل قابل توجہ قرار پاتی ہے کہ انتخاب خلفاء ثلاثہؓ کے وقت بھی اجماع صحابہؓ رخصت کا پہلو اختیار کرنے پر ہوا تھا (ورنہ علیؓ ہی افضل بلکہ شرعاً خلیفہ بلافصل تھے)۔

اور دوسری طرف اس سے یہ دلیل نکالی جاتی ہے کہ جن صحابہؓ نے قصاص عثمانؓ کا مسئلہ حل ہونے بغیر بیعت علیؓ کی اور پھر اسے برقرار رکھا، انہوں نے بھی رخصت کا پہلو اختیار کیا۔ جبکہ اس کے برعکس سیدنا معاویہؓ سمیت جن صحابہ کرامؓ نے بیعت علیؓ کو قصاص عثمانؓ سے مشروط کیا، انہوں نے عزیمت کا پہلو اختیار کیا۔

اور تیسری طرف عصر یزیدی کے بعد کیلئے کم از کم حکومت و سیاست کے معاملات میں "سنت اجماع" بتقاضائے احوال رخصت کا پہلو اختیار کرنا قرار پاتی ہے جبکہ عزیمت کا پہلو اختیار کرنے والا "مستثنیٰ منہ" ہے۔

اس طرز فکر و تاویل کے جو تباہ کن اثرات "اجماع امت" اور "عقائد اہل سنت" پر مترتب ہوتے ہیں، وہ علماء و محققین سے پوشیدہ نہیں۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

ان منقولہ اقتباسات کے حوالہ سے خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولانا سنبھلی کی کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" پر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے تبصرہ کی طرح ان کے وضاحتی بیان کی مذکورہ ابتدائی سہ نقاطی عبارت بھی ان کے علمی و دینی مقام و مرتبہ کے شایان شان نہیں۔ اور مولانا سنبھلی کی معرکۃ الاراء تصنیف "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کو باعث اشتعال و خلاف صحابہؓ و اہل بیتؓ وغیرہ وغیرہ قرار دینا نیز یزید کے خلاف شدت جذبات میں حد اعتدال سے تجاوز کرنا ایسا ہلاکت خیز طرز فکر ہے جس کی لپیٹ میں "مولانا نعمانی و سنبھلی و سجاد ندوی نیز دیگر لاتعداد اکابر و مؤیدین کتاب سے پہلے ان سے بڑھ کر ایک طرف مولانا آزاد و سید مودودی و معین ندوی جیسے لاتعداد اکابر برصغیر اور دوسری طرف عقاد و سید قطب و طہ حسین و مازنی و احمد امین جیسے عرب ادباء و مفکرین بیک جنبش قلم آجاتے ہیں۔ لہذا نصوص قرآن و سنت کے مطابق مقام صحابہؓ و اہل بیتؓ نیز ان کے بعد مقام تابعین عظامؒ کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے حد اعتدال و عدم شدت جذبات لازم ہے۔ اور یہی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اور ان جیسے دیگر عظیم المرتبت علماء و محققین کے شایان شان ہے۔ واللہ الموفق۔

١٧- جناب خالد مسعود، مدیر ''تدبر'' لاہور

(تلمیذ مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی)

ممتاز عالم و محقق جناب خالد مسعود، مدیر ماہنامہ ''تدبر'' لاہور و تلمیذ مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے مولانا سنبھلی کی کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' پر مفصل و جامع تبصرہ فرمایا ہے جس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:-

''میدان کربلا میں کیا ہوا؟ اس سلسلہ کی روایت کو فاضل مصنف متضاد اور اعجوبہ روایتوں کا ایک جنگل قرار دیتے ہیں جو صرف تحیر کا باعث ہو سکتا ہے۔ یہ بے سند، ناقابل اعتبار، مبالغہ آمیز، زندگی کے حقائق سے ہٹی ہوئی اور راویوں کی قوت تخیل کا کرشمہ ہیں۔ یہ کسی معرکہ کارزار کا تاثر نہیں دیتیں بلکہ میلہ عکاظ کا تاثر دیتی ہیں۔ جہاں لوگ اٹھ اٹھ کر اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے ہیں۔ پھر مبارزت ہوتی ہے۔ پھر جنگ کا طویل سلسلہ چلتا ہے۔ اس میں راویوں نے ماتمی ماحول پیدا کیا اور شیعی عقائد کے حق میں فضا ہموار کرنے کی کوشش کی ہے۔ میدان کربلا کے واقعات اور اس کے بعد کی سرگزشت کسی شیطانی منصوبے کی تکمیل کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔

فاضل مصنف کے نزدیک ابتداء میں بنو عقیل کے نعرہ انتقام اور بعد میں ابن زیاد کے کوفہ میں بیعت لینے پر اصرار نے معاملہ خراب کر دیا۔ ورنہ نہ یزید اور نہ اس کے مدنی گورنروں نے حضرت کے ساتھ کوئی سخت معاملہ کیا تھا۔ ابن زیاد ایک سخت گیر منتظم اور بنوامیہ کا احسان مند تھا۔ کوفہ کے حالات اس کے لئے ایک چیلنج بنے ہوئے تھے جن میں اس نے وہ روش اختیار کی جو امت میں ایک عظیم حادثہ کا پیش خیمہ بن گئی۔

فاضل مصنف نے دو انتہاؤں کے درمیان ایک ایسی راہ اعتدال تک پہنچنے کی کوشش کی ہے جس سے نہ کسی صحابی رسول کے کردار پر حرف آئے اور نہ بے جا تعصب سے کام لیا جائے۔ وہ یقیناً اس کوشش میں کامیاب رہے ہیں"۔

(تبصرہ خالد مسعود "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مطبوعہ مجلہ "تدبر" لاہور مئی ۱۹۹۲ء، ص ۴۷)۔

جناب خالد مسعود کے مذکورہ تبصرہ کے علاوہ ان کے بیان کردہ صدر اول کی تاریخ کے لئے چند رہنما نکات اتنے قیمتی اور منفرد ہیں کہ انہیں جملہ مؤرخین و محققین کے استفادہ کے لئے من و عن نقل کرنا ناگزیر ہے۔

صدر اول کی تاریخ کے لئے چند رہنما نکات

تدبر کی گذشتہ اشاعت میں ہم نے مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی کتاب واقعہ کربلا

کا تعارف کرایا تھا۔ ہمارے ایک قاری نے یہ استفسار کیا ہے کہ اس واقعہ کے بارے میں تدبر کا اپنا موقف کیا ہے؟ یہ واقعہ امت مسلمہ کے اندر اختلاف کی جڑ ہے اور اس کی توجیہات کی بڑی بہتات ہے۔ اس لئے لوگ وقتاً فوقتاً اس کے بارے میں استفسارات کرتے رہتے ہیں۔ ادارہ تدبر کا موضوع تاریخ نہیں ہے۔ لہذا ہم تاریخ کے مسائل کے بارے میں تحقیق کے دعویدار نہیں ہیں۔ تاہم ہماری رائے میں صدر اول کی تاریخ کے بارے میں بنیادی رہنمائی خود قرآن و سنت سے مل جاتی ہے۔ اس کی روشنی میں اگر مؤرخین کے بتائے ہوئے ان امور پر غور کیا جائے جن پر ان کا اجماع ہے تو ہمارے خیال میں حق سے قریب تر نتائج تک پہنچا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں چند نکات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ مقام حاصل ہے کہ آپ کے فرضِ رسالت کی کامیابی کے ساتھ تکمیل اور دوسرے ادیان پر غلبہ کی خبر خود قرآن نے دی ہے۔ تیئیس برس کی محنت کے بعد آپ نے انسانوں کی وہ جماعت تیار کی جو قرآن کے الفاظ میں کفار کے لئے بے حد سخت اور اہل ایمان کے لئے نہایت شفیق تھی۔ اس کی تمام جدوجہد کا مقصد اللہ کی رضا کی تلاش تھی۔ ایمان کی نورانیت ان پاکیزہ انسانوں کی جبینوں سے ہویدا تھی اور ان کے شب و روز خدا کی محبت میں رکوع و سجود میں بسر ہوتے تھے۔ لہذا قرآن کو ماننے والا کوئی شخص کسی ایسے نقطۂ نظر کو نہیں مان سکتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی اس جماعت کو اسلام کی باغی یا ایمان سے خارج بتایا گیا ہے۔ ایسا نقطۂ نظر مان لینا رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ اپنے فرضِ رسالت میں ناکام ماننے کے مترادف ہے۔

۲۔ قرآن مجید نے صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سابقون اولون، مہاجرین، انصار اور بعد میں اسلام لانے والوں کے الگ الگ درجات بیان کئے ہیں۔ پہلے گروہوں کی بطور خاص تحسین فرماتے ہوئے خبر دی ہے کہ اللہ ان کے حسن کارکردگی کے باعث ان سے راضی ہو گیا۔ ان کا صلہ اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔ قرآن کے اسی بیان کی روشنی میں صدرِ اول کی اسلامی حکومت اور عوام دونوں نے جماعت صحابہ کے ان طبقات کے ساتھ ہمیشہ خاص معاملہ کیا اور انکے اکرام میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ انکے بارے میں بھی

صحیح رویہ ہے۔ اللہ کے ان منظور نظر اور نبی ﷺ کے معتمدؓ ساتھیوں کے ساتھ اس کے برعکس کوئی رویہ اختیار کرنا خدا اور رسول کے ساتھ دشمنی ہے۔

۳۔ اللہ کے نبی معصوم ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ وحی الہٰی کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔ اگر کبھی وہ جانب حق میں بھی کوئی غلطی کر بیٹھتے ہیں تو وحی کے ذریعے ان کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ انبیاء کے سوا اور کسی کو خواہ اس کا تعلق صحابہ کرام سے ہو یا صلحاء و ابرار سے وحی کا یہ تحفظ حاصل نہیں۔ لہذا وہ معصوم نہیں ہیں اور ان سے اجتہادی غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں۔ ان کے افعال کے لئے کسوٹی قرآن و سنت ہی ہے۔

۴۔ تاریخی طور پر حضرت علیؓ کا شمار سابقون اولون میں ہے اور اسلام کے لئے ان کی خدمات نہایت شاندار ہیں۔ حضرت معاویہؓ فتح مکہ سے قبل اسلام اور ہجرت سے مشرف ہوئے، کتابت وحی کی عزت سے سرفراز ہوئے اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے رومیوں پر اسلام کی دھاک بٹھائی۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادگان کا شمار صغار صحابہ میں ہے جن کو عالم شعور میں نبی ﷺ کی تربیت میں رہنے اور آپ کے ہمراہ دین کے لئے جدوجہد کا موقع نہیں ملا۔ یہ جب سن رشد کو پہنچے تو اسلامی مملکت مستحکم ہو چکی تھی۔ ان اہم شخصیات کے معاملات پر غور کرتے وقت ان کے فرقِ مراتب کو نگاہ میں رکھنا بے حد ضروری ہے۔

۵۔ مدینہ میں اسلامی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی مملکت اسلامیہ میں اسلامی شریعت کا نفاذ ہو گیا تھا۔ منصب قضاء پر فائز لوگوں کا انتخاب اہل علم و تقویٰ میں سے ہوتا۔ پورے دور بنی امیہ میں اسلامی قانون نافذ رہا اور اس سے کوئی انحراف نہیں ہوا۔ لہذا اس دور میں حکومت کے ساتھ کفر و اسلام کے معرکے پیش آنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ اگر شریعت سے انحراف کی کوئی صورت پیدا ہوئی ہوتی تو اموی دور کے دو تہائی عرصہ تک بڑے جلیل القدر صحابہ ابھی زندہ تھے۔ ان کا وجود اس بات کی ضمانت ہے کہ ان کے سامنے کسی حکومت سے کفر بواح کا صدور نہیں ہوا۔ ورنہ وہ اس کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کرتے۔

۶۔ حکومت میں باپ کے بعد بیٹے کا جانشین ہونا خلاف شرع نہیں۔ سیدنا عمرؓ

نے اپنی جانشینی کا فیصلہ کرنے والی کمیٹی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی رکن نامزد کیا تھا۔ وہ مشورہ میں شریک تھے لیکن حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ اس لئے نہیں کہ ایسا کرنا خلاف شرع ہوتا بلکہ اس لئے کہ حضرت عمرؓ کے بقول بارِ خلافت کی جوابدہی کے لئے خاندان بنی عدی میں سے تنہا حضرت عمرؓ ہی کافی تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کی جانشینی کے لئے ان کے صاحبزادے حضرت حسنؓ کا انتخاب کیا گیا حالانکہ ان سے اہل تر اور زیادہ تجربہ کار معمر صحابہ بڑی تعداد میں موجود تھے۔

۷۔ خاص واقعہ کربلا میں اس امر پر مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت حسینؓ کے کوفہ جانے کے فیصلہ سے متعدد صحابہ نے اختلاف کیا۔ اس لئے نہیں کہ وہ خدانخواستہ اسلام کے بہی خواہ نہ تھے بلکہ دین کے ان وفادار و جانثار خادموں کی نگاہ میں حقائق وہ نہیں تھے۔ جو حضرت حسینؓ کو بتائے گئے تھے۔

۸۔ اصل صورت حال سے مطلع ہو کر حضرت حسینؓ کا تین شرائط پیش کرنا بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس اقدام کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اقدام کو کفر و اسلام کے معرکہ کی حیثیت نہیں دے رہے تھے۔ بلکہ اب وہ اس غلط فہمی سے نکل آئے تھے جس میں مبتلا کئے گئے تھے۔ ورنہ کفر کے مقابل میں اسلام کے حق میں اٹھایا ہوا قدم واپس لینے کے کیا معنی؟

۹۔ جس دور میں واقعہ کربلا پیش آیا اس زمانہ کے لوگوں نے اس کو کبھی کفر و اسلام کی آویزش کے رنگ میں نہیں دکھایا بلکہ اس کو ایک افسوس ناک حادثہ کی حیثیت دی۔ اس حیثیت کا تعین کرنے والوں میں بڑے جلیل القدر صحابہؓ شامل تھے۔

ہمارے خیال میں اس پر آشوب دور کے ہر اس مورخ کی تحقیق یقیناً قابل قدر ہے۔ جو مذکورہ بنیادی حقائق، جو قرآن و سنت کے نصوص اور مورخین کے اجماع پر مبنی ہیں، کا لحاظ کر کے حقیقت کو دریافت کرنے کی سعی کرے، ان حقائق سے ہٹ کر جب ہم کوئی رائے قائم کرتے ہیں تو یہ امت کے اندر تفرقہ اور انتشار کا باعث ہوتی ہے۔

(ماہنامہ "تدبر" لاہور، بابت ماہ اگست ۱۹۹۲ء)۔

۱۸- پروفیسر محمد حاجن شیخ

(حیدر آباد، سندھ، پاکستان)

پاکستان کے ممتاز استاذ تاریخ، پروفیسر محمد حاجن شیخ "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" پر تبصرہ فرماتے ہوئے اپنے مکتوب بنام مدیر "ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، مؤرخہ ۱۲ اگست ۱۹۹۲ء میں فرماتے ہیں:-

"پروفیسر محمد حاجن شیخ
حیدر آباد سندھ (پاکستان)
مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کا خط مورخہ ۲۰/۷/۹۲ء موصول ہوا۔ ۴ عدد "واقعہ کربلا" پہونچ گئی۔

حضرت مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب نے کتاب "واقعہ کربلا" تصنیف فرما کر ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں سن ۱۹۵۲ء سے لیکر سن ۱۹۸۳ء تک اسلامی تواریخ کا پروفیسر رہا ہوں۔ میں نے پرچہ "بنوامیہ" ایم اے والوں کو سات سال "انگریزی زبان" میں، سن ۶۳ء سے سن ۱۹۷۰ء تک، پڑھایا ہے۔ جس میں شیعہ طلبہ بھی موجود ہوتے تھے۔ اکثر حقائق جو حضرت مولانا نے دئیے ہیں، ان کی تصدیق انگریزی زبان کی کتابوں میں بھی موجود تھی۔ جن حالات میں حضرت حسینؓ کا خروج یزید کے مقابلہ میں تھا، وہ اس وقت سازگار نہ تھے اور نہ اس وقت مصلحت تھی۔ لیکن خدا تعالیٰ کی مشیت تھی جس کے تحت یہ سانحہ وجود میں آیا۔ جس میں مستقبل میں امت محمدیہ کے لئے رہنمائی ہے۔"

فقط والسلام۔
بندہ محمد حاجن شیخ
۱۲ اگست ۹۲ء

(مکتوب پروفیسر محمد حاجن شیخ، بنام مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی، مدیر ماہنامہ "الفرقان، لکھنؤ، مؤرخہ ۱۲، اگست ۱۹۹۲ء، مطبوعہ "الفرقان" ورجع "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، حصہ دوم، ص ۵۳۲، بیسون پبلی کیشنز، ملتان)۔

۱۹- مولانا محمد عبد اللہ

(خطیب جامع مسجد، مشرقی بازار، بھمبر (آزاد کشمیر)

ممتاز عالم دین مولانا محمد عبد اللہ (بھمبر، آزاد کشمیر) مدیر "الفرقان" کے نام اپنے مکتوب میں یزید و واقعہ کربلا کے حوالہ سے منفی و مبالغہ آمیز شیعی پروپیگنڈہ کے رد میں مولانا سنبھلی کی کتاب کے مؤثر و مفید ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

(مولانا) محمد عبد اللہ
خطیب جامع مسجد مشرقی بازار،
بھمبر، کشمیر (پاکستان)-

"مکرم و محترم جناب مدیر "الفرقان"- سلام مسنون-

امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوگا-

کتاب "واقعہ کربلا" تین عدد موصول ہو گئی ہے- کتاب روایۃً و درایۃً نہایت معقولیت اور انصاف پسندی پر مبنی ہے- شیعیت سے متأثر ہو کر اور سنی سنائی باتوں پر یقین کرتے ہوئے جن اصل حقائق پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اور ہمارے آدمی بھی لکیر کے فقیر ہو کر تسلیم و بیان کرتے چلے آرہے تھے، اصل حقائق سے ان پردوں کو نہایت محتاط انداز سے اٹھا دیا گیا ہے کاش یہ کتاب ہندوپاک کے ہر خطیب تک پہنچ سکے------

والسلام

محمد عبد اللہ"-

(مکتوب مولانا محمد عبد اللہ بنام مدیر "الفرقان" لکھنؤ، ۱۹۹۲ء، وراجع واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر)-
(مطبوعہ ملتان، جلد دوم، ص ۵۱۶-۵۱۷)-

(THE UNIVERSAL MESSAGE, KARACHI)

۲۰- ماہنامہ "یونیورسل میسج" کراچی (جولائی ۱۹۹۲ء)

کراچی سے شائع ہونے والے ایک اہم انگریزی ماہنامہ "یونیورسل میسج" (Universal Message) کے شمارہ جولائی ۱۹۹۲ء میں مولانا سنبھلی کی کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" مطبوعہ لکھنؤ پر تبصرہ کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:-

"Research has always been in dire demand in Urdu works. If this research pertains to a tragic episode of Muslim history casting its ominous shadows of dispute, disension and violent reactions, it becomes an acute need. What Maulana Atiqur Rahman has done through this book is to academically contribute towards this need, this is the mangum opus of his extensive study.

To forestall objections, Maulana Atiqur Rahman writes:-

We have no relationship with Yazid, if there is, it is firstly with Hazrat Hussain. We have no relationship with Hazrat Muawiyya, if there is, it is firstly with Hazrat Ali. (Page 20)

And throughout his research work, besides being guided by this memorable quote, he has indefatigably tried to be impartial and unprejudiced, a truth seeker and a strict thrasher of fact from fiction."

ترجمہ:- اردو تصنیفات میں تحقیق کی ہمیشہ شدید کمی محسوس کی گئی ہے۔ اور اگر اس تحقیق کا تعلق اسلامی تاریخ کے ایک ایسے المناک واقعے سے ہو جس کے اندوہ ناک اثرات، تنازعہ، اختلاف اور تشدد آمیز رد عمل کی صورت میں رونما ہوئے ہوں، تو اسکی ضرورت اور اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ مولانا عتیق الرحمن نے اپنی اس تصنیف میں جسے نئے وسیع مطالعے کا شاہکار کہنا چاہیئے، اسی علمی ضرورت کو پورا کیا ہے۔

اعتراضات کی پیش بندی کی خاطر، مولانا عتیق الرحمن نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ:- یزید سے ہماری کوئی رشتہ داری نہیں- اور اگر ہے تو پہلے حضرت حسینؓ سے ہے- حضرت معاویہؓ سے ہماری کوئی رشتہ داری نہیں- اور اگر ہے تو پہلے حضرت علیؓ سے ہے- (ص ۲۰)-

اپنی اس پوری تحقیقی تصنیف میں انہوں نے اپنے اس یادگار قول کو ملحوظ رکھا ہے- اور ایک غیر جانبدار اور بے تعصب طالب حق کی حیثیت سے حقائق کو افسانوں سے الگ کرنے کے لئے بے پناہ چھان پھٹک کی ہے-"

(تبصرہ "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" ماہنامہ "یونیورسل میسیج" کراچی، جولائی ۱۹۹۲ء)

اپنے تفصیلی تبصرہ کے آخر میں تبصرہ نگار خلاصہ کلام کے طور لکھتے ہیں:-

"M. Atiqur Rahman's book is thought provoking, in formative and based upon history. It is a MUST for research on Karbala. (Abul Amal)"

(Universal Message, Karachi, July 1992)

ترجمہ:- مولانا عتیق الرحمن کی کتاب فکر انگیز، پر از معلومات اور تاریخ پر مبنی ہے- کربلا کے واقعہ پر تحقیق کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے- (یونیورسل میسیج، کراچی، جولائی ۱۹۹۲ء)-

۲۱- الدکتور حمد محمد العر ینان، جدہ

۲۲- الشیخ محمد بن ابراہیم الشیبانی، کویت

جامعۃ الملک عبدالعزیز، جدہ کے استاذ التاریخ ڈاکٹر حمد محمد العرینان نے عہد یزید میں واقعہ حرہ و بیحرمتی کعبہ کے حوالہ سے ایک مختصر و جامع مقالہ تحریر فرمایا۔ جو جامعہ کے "کلیۃ الاداب" کے تحقیقی مجلہ میں قسط وار شائع ہوا۔ (جلد ۵، ۱۹۷۷ - ۱۹۷۸ء)۔ بعد ازاں اسے کتابی شکل میں "مکتبہ ابن تیمیہ" کویت نے شائع کیا ہے۔ (طبع اول ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء و طبع ثانی ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء)۔ کتاب کا عنوان ہے:-

"اباحۃ المدینۃ و حریق الکعبۃ فی عہد یزید بن معاویۃ
بین المصادر القدیمۃ والحدیثۃ."

(بے حرمتی مدینہ و آتشزدگی کعبہ در عہد یزید بن معاویہؓ- قدیم وجدید مصادر کی روشنی میں)۔

اس کتاب میں قدیم و جدید مصادر تاریخ اور مؤرخین کا اعتقادی و روایاتی تجزیہ کرتے ہوئے یزید مخالف پروپیگنڈہ کا تنقیدی و تحقیقی دلائل سے رد بڑی کامیابی سے کیا گیا ہے۔

کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی ابتداء میں کویت کے ممتاز محقق و عالم الشیخ محمد بن ابراہیم الشیبانی کا حالات یزید پر مشتمل ایک مختصر و جامع مقالہ بطور ابتدائیہ شامل ہے۔ جس میں موصوف نے امیر یزید کی سیرت و شخصیت کو اجاگر کرتے ہوئے دشمنان یزید کے پروپیگنڈہ کا مؤثر رد و ابطال فرما کر حقائق کو واضح کر دیا ہے۔

یہ مختصر و جامع کتاب یزید مخالف پروپیگنڈہ کی مسموم فضاء میں ایک تحقیقی منارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کو عرب و عجم میں قبول عام حاصل ہو چکا ہے۔ (اردو ترجمہ از سعید الرحمٰن علوی بعنوان: "امیر یزید بن معاویہؓ کے خلاف دو سنگین الزامات کا جائزہ۔")۔

اس کتاب کی طبع ثانی میں شامل الشیخ محمد بن ابراہیم الشیبانی کے تقریباً بیس صفحات پر مشتمل تفصیلی مقالہ بعنوان "یزید بن معاویہؓ کے حالات" میں بھی انتہائی قیمتی معلومات درج ہیں۔ جن کے مطالعہ سے یزید کی سیرت طیبہ و خلافت شرعیہ نیز واقعہ کربلا وغیرہ سے اس کے بری الذمہ ہونے کے اہم دلائل و حوالہ جات فراہم ہوتے ہیں۔ یزید کے آخر کلمات کا ذکر کرتے ہوئے شیخ شیبانی لکھتے ہیں:۔

"عبدالرحمٰنؒ ابی الاعور کہتے ہیں: بعض اہل علم نے مجھے بتلایا کہ یزیدؒ نے اپنی وفات سے قبل آخری بات جو کہی، وہ یہ تھی:۔

اللهم لا تؤ اخذنی بمالم احبه ولم ارده، واحكم بينى و بين عبيدالله بن زياد۔

(اے اللہ جس چیز کو میں نے پسند نہیں کیا اور نہ اس کا ارادہ کیا تھا، اس کی بناء پر میرا مواخذہ نہ فرما- اور میرے اور عبید اللہ بن زیاد کے درمیان انصاف فرما)-

محمد الشیبانی، یزید کی مہر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس پر یہ الفاظ کندہ تھے:-

"آمنت باللّٰہ العظیم" (البدایۃ و النہایۃ، ج۸، ص ۱۳۶)

(میں خداوند عظیم پر ایمان لایا)-

یزید نامی کئی صالحین کا ذکر کرتے ہوئے یزید بن معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سمیت درج ذیل راویان حدیث کے نام لکھتے ہیں:-

۱- یزید بن معاویہ البکائی-

کوفہ کے رہنے والے تھے- حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالی عنہ سے انہوں نے روایت کی- جبکہ ان سے ایاد بن لقیط رحمہ اللہ تعالی نے روایت کی-

۲- یزید بن معاویہ النخعی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خادم-

۳- یزید بن معاویہ، ابو شیبہ الکوفی

انہوں نے عبدالملک بن عمیر، سلیمان بن اعمش، عاصم بن بہدل سے روایت کی جبکہ ان سے سعید بن منصور اور جبارہ بن مغلس نے روایت کی-

حدیث نبوی کے مطابق مغفرت یافتہ اولین لشکر مجاھدین قسطنطنیہ کے حوالہ سے امام ذہبی فرماتے ہیں:-

یزید کی خوبیوں اور کمالات میں ایک بڑی نیکی غزوہ قسطنطنیہ ہے کہ یزید اس کا سپہ سالار تھا- اور اس میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ جیسے حضرات شامل تھے-

شیخ محمد بن ابراہیم الشیبانی کے اس مقالہ میں یزید کے حوالہ سے متعدد مثبت اقوال اکابر امت نیز یزید کے سلسلہ میں تحریر شدہ مختلف النوع کتب کے نام بھی مختلف مقامات پر موجود ہیں- نیز پورے کا پورا مقالہ انتہائی اہم اور قیمتی مواد پر مشتمل ہے

خلاصہ کلام یہ کہ عصر جدید کی اس مختصر مگر جامع تحقیقی تصنیف نے خلافت یزید میں "واقعہ حرہ" و "بے حرمتی کعبہ" کے سلسلہ کی منفی روایات کے مصادر و راویان

کو تحقیق و تنقید کی رو سے ضعیف و مشکوک ثابت کر کے خلیفۃ المسلمین یزید کی پوزیشن واضح کر دی ہے۔ نیز شیخ محمد بن ابراہیم الشیبانی کے مقالہ نے اعتدال و توازن کے ساتھ یزید کے مقام و حالات اور واقعہ کربلا سے اس کے بری الذمہ و مغفرت یافتہ ہونے کو مستند اقوال و روایات و دلائل سے ثابت فرما دیا ہے۔ اور اس اہم کتاب کی اشاعت پر مکتبہ ابن تیمیہ کویت، بھی قابل تعریف و توصیف ہے۔ نیز جدید تعلیم یافتہ حضرات اور جملہ اہل اسلام کے لئے اس کا مطالعہ مفید و ناگزیر ہے۔

اب یزید کے حوالہ سے بعض مزید اسماء کتب و مؤلفین و اقوال عرب ملاحظہ ہوں۔ جو بیشتر مقالہ شیخ شیبانی سے ماخوذ ہیں۔ اور "مالایدرک کلہ لایترک کلہ" کی بناء پر نقل کئے جا رہے ہیں۔

۲۳۔ محمد بن العباس الیزیدی البغدادی (م ۳۱۰ھ)

(مؤلف کتاب "اخبار الیزیدیین")

"ادیب و مورخ۔ جمادی الاخری ۳۱۰ھ میں انتقال ہوا۔ ان کی کتاب "اخبار الیزیدیین" ہے۔

۲۴۔ ابن الازہر (محمد بن احمد) الازہری الھروی (م ۳۷۰ھ)

(مؤلف کتاب "فی یزید بن معاویۃ")

یہ ادیب، اہل لغت اور مورخ تھے۔ خراسان کے قصبہ ہرات میں سن ۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں علم فقہ سے مناسبت رہی۔ پھر ان میں ادب عربی میں مہارت کا شوق پیدا ہو گیا۔ اس مقصد کے لئے مختلف قبائل میں پھرتے رہے اور خوب مہارت حاصل کی۔ ہرات میں ربیع الاخر کے آخری ایام میں انتقال کیا۔ سن وفات ۳۷۰ھ ہے۔

۲۵- ابن طولون مؤلف "قید الشرید من اخبار یزید"

("قید الشرید من اخبار یزید" لابن طولون)۔
تحقیق محمد زینہم، القاهرة، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

۲۶- العلامہ الخفاجی (شارح البیضاوی)

(مؤلف کتاب "الکلام فی سیدنا معاویۃ وابنہ یزید)
سوانحی کتاب از الخفاجی۔ قلمی نمبر ۹۷۱، صفحات ۲۵۶،
دار الکتب القومیہ التیموریہ، القاهرة۔

۲۷- الشیخ عمر ابوالنصر (مؤلف "یزید بن معاویۃ)

مشہور مصری محقق و مؤرخ عمر ابوالنصر کی مختصر تصنیف کا نام ہے۔:-

"یزید بن معاویہ"

۲۸- دکتور صلاح الدین المنجد (مؤلف "یزید بن معاویہ")

منفرد و ممتاز عرب محقق و مصنف دکتور صلاح الدین المنجد، نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تحقیق کے مطابق اپنے رسالہ "یزید بن معاویہ" میں دیگر امور کے علاوہ امام غزالی کا وہ فتوی بھی نقل فرمایا ہے۔ جس میں یزید کو "رحمۃ اللہ علیہ" کہنا درست قرار دیا گیا ہے۔ (ص ۲۳)۔

۲۹- الاستاذ محب الدین الخطیب (محقق "العواصم من القواصم")

عصر جدید کے معروف عالم و محقق محب الدین الخطیب، جنہوں نے قاضی ابو بکر ابن العربی کی حمایت یزید پر ی مشہور تصنیف "العواصم من القواصم" کو تصحیح و تحقیق محنت شاقہ کے بعد شائع کیا ہے، فرماتے ہیں:-

"جس دن یزید کے حالات کی تحقیق ہوگی اور لوگوں کے سامنے اس کی زندگی کی حقیقی صورتحال واضح ہو گی، تو اس وقت معلوم ہوگا کہ وہ ان بہت سی شخصیتوں سے قطعاً پیچھے نہیں ہے، تاریخ جن کی تعریفوں کے گن گا رہی ہے، اور جن کی عظمتوں کو خراج تحسین پیش کر رہی ہے۔

(العواصم من القواصم ' تحقیق: محب الدین الخطیب ' طبع مصر)۔

۳۰- الاستاذ محمد کرد علی

عصر جدید کے معروف عالم و محقق و مصنف الاستاذ محمد کرد علی فرماتے ہیں:-

جب ہم بہت سی ان باتوں پر غور کرتے ہیں جو یزید بن معاویہ کے متعلق بعض لوگوں، جیسے مسعودی وغیرہ، نے لکھیں، تو تاریخی حقائق ان کی تصدیق نہیں کرتے۔ کیونکہ ایسے حضرات نے دانستہ رفض و سبائیت کی خدمت کی۔ ایسی خدمت جس کا توڑ محقق مؤرخ حضرات نے کیا۔" (کنوز الاجداد، ص ۱۰۸)۔

(۳۱..... ۳۴) قائدین مجلس احرار اسلام، پاکستان

۳۱۔ مولانا سید ابومعاویہ ابوذر حسنی بخاری رحمہ اللہ

۳۲۔ مولانا سید عطاء المحسن حسنی قادری بخاری رحمہ اللہ

۳۳۔ مولانا سید عطاء المہیمن حسنی بخاری مدظلہ

۳۴۔ مولانا سید محمد کفیل بخاری مدظلہ

فرزندانِ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور نواسہ امیر شریعت جناب سید محمد کفیل بخاری و دیگر افراد خانوادہ بخاری نے اپنی عظیم الشان علمی و دینی خدمات کے ساتھ ساتھ بنوامیہ مخالف پروپیگنڈہ کے رد میں بھی عظیم الشان کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ تحفظِ ختم نبوت، دفاع صحابہ و ردِ سبائیت کے سلسلہ میں تصنیف و تالیف، تقریر و تبلیغ اور تنظیم و تحریک احرار کے ساتھ ساتھ سیدنا معاویہ و خانوادہِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم سے خصوصی عقیدت و وابستگی ان اکابر امت کا طرہ امتیاز ہے۔ اس سلسلہ میں احبابِ اغیار کی مخالفتیں مول لیتے ہوئے رجب ۱۳۸۱ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۱ء میں سرزمین پاکستان پر سب سے پہلے ''یوم معاویہ'' منانے کی داغ بیل انہی مجاہدین کی جانب سے ڈالی گئی۔ مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری، مولانا سید عطاء المحسن بخاری اور دیگر حضرات نے اس سلسلہ میں قید و بند، قاتلانہ حملوں، طعن و تشنیع، تمسخر و استہزاء غرض طرح طرح کی تکالیف اور اذیتیں برداشت کیں مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائی۔ سید ابومعاویہ ابوذر بخاری کی عظیم الشان تصنیف ''سیرت سیدنا معاویہ نیز دفاع صحابہ'' کی اسی جدوجہد کے طفیل آج دفاع صحابہ و تعظیم سیدنا معاویہؓ و آل معاویہؓ کا کاروانِ احرار اک سیل رواں بن چکا ہے۔

وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

جانشینان و وابستگانِ امیر شریعت کے یزید کے بارے میں نقطہ نظر کے سلسلہ میں

سیدابومعاویہ ابوذر بخاری کا یہ فرمان بطور مثال قابل توجہ ہے۔

''یزید کے بارے میں میرا تو کوئی تاثر نہیں۔البتہ سیدنا حسینؓ کا تاثر یہ ہے کہ وہ اسے مسلمان سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر وہ میری بات سن کر مان لے تو میں اس کی بیعت کرنے کو تیار ہوں۔

لہٰذا میرا تو کوئی تاثر نہیں ۔ نہ میں نے یزید کو دیکھا نہ ان کے پیچھے نماز پڑھی ۔ سیدنا حسینؓ نے اپنے بڑے بھائی سیدنا حسنؓ سمیت امیر معاویہؓ سے بیعت کے بعد دمشق جا کر اس کے ساتھ نمازیں بھی پڑھیں ،اکٹھے کھانا بھی کھایا ،وہ ان کے ہاتھ بھی دھلاتا رہا۔سیدنا امیر معاویہؓ سامنے بیٹھے ہوتے تھے۔پھر ۵۱ھ محرم کے مہینے میں قسطنطنیہ کے میدان میں قائدِ لشکر ہونے کی وجہ سے ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھیں ۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی تھے ،سیدنا حسینؓ بھی تھے،عبداللہ ابن عمرؓ بھی تھے،عبداللہ ابن عمروؓ بھی تھے،عبداللہ بن زبیرؓ بھی تھے،عبداللہ ابن عباسؓ بھی تھے اور بہت سے جلیل القدر صحابہؓ بھی تھے۔

ان سب نے ۵۱ھ کے معرکہ میں اس دور میں قسطنطنیہ کے کمانڈر یزید کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔اور جب اسی میدان میں میزبان رسول ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا انتقال ہو گیا تو شرعی ضابطہ اور مسنون عمل کے مطابق یزید نے ابوایوبؓ کا جنازہ پڑھایا تو تمام صحابہؓ سمیت سیدنا حسینؓ نے بھی یزید کی قیادت میں شرکتِ جہاد کی طرح اس کی امامت میں نمازِ جنازہ بھی ادا کی تھی۔اب تاثر سمجھ میں آ گیا؟ دل ٹھنڈا ہو گیا، بہر کیف وہ کلمہ گو تھا،مسلمان تھا۔ذاتی کردار ہم نے نہیں دیکھا اور عام روایات جعلی اور جھوٹی ہیں۔سیدنا حسینؓ نے اس کو یہ نہیں کہا جو آپ عام طور پر کہتے ہیں۔اور جو کچھ نام کے مولوی ذاکر اس کے متعلق کہتے ہیں۔سیدنا حسینؓ نے وہ نہیں کہا۔وہ فرماتے تھے،ان کی باتوں کا خلاصہ یہ ہے:

ہم میں اپنے اپنے باپ کی وجہ سے اختلاف ہے۔وہ دونوں بڑے تھے۔لیکن اب ہم دونوں کی لڑائی اختتام پذیر ہو سکتی ہے۔وہ میری شرائط مان لے، مجھ سے وہ گفتگو کرے تو:

اضع یدی فی یدہ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے اور بیعت کرنے کو تیار ہوں۔''

۳۵۔ مولانا سید محمد مرتضیٰ ندوی (لکھنؤ)
۳۶۔ مولانا محمد حسان نعمانی (لکھنؤ)
۳۷۔ مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی (لکھنؤ)

سیدنا معاویہؓ و حسنینؓ کی تعظیم و تجلیل، خلافت یزید کی شرعی و تاریخی حیثیت، فسق یزید کی تردید اور اس کے قتل حسینؓ سے بری الذمہ ہونے نیز شیعان کوفہ کی غداری و بیعت ابن زیاد کے بعد دست دردست یزید کی حسینی پیشکش سمیت متعدد اہم حقائق و انکشافات پر مبنی ,,واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر،، (مطبوعہ لکھنو ۱۹۹۲ء) کی تصنیف میں ممد و معاون مذکورہ بالا و دیگر اہل علم و فضل کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف کتاب مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (فرزند مولانا منظور نعمانی) رقمطراز ہیں:۔

> ,,کتاب کی تیاری کے سلسلے میں جن اصحاب کی مدد کا میں ممنون ہوں، اُن میں سرفہرست نام جناب مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب، ناظم کتب خانہ ,,دارالعلوم ندوۃ العلماء،، کا ہے۔ جن کی عنایت و کرم فرمائی سے ضرورت کی ہر وہ کتاب جو کتب خانہ میں تھی، بروقت اور با آسانی دستیاب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس مہربانی کا بہترین اجر میری طرف سے دے۔......
>
> ہر وقت کے اور حسب ضرورت مددگاروں میں میرے عزیز برادر خورد میاں خلیل الرحمٰن سجاد ندوی رہے۔ اللہ انکو سلامت باعافیت رکھے......
>
> اُن کا اور میرے چھوٹے، اور ان کے بڑے بھائی میاں حسان نعمانی، ناظم ,,کتب خانہ الفرقان،، کا اس کی تکمیل و تیاری میں بڑا حصہ ہے۔،،

(عتیق الرحمٰن سنبھلی: واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مقدمہ، ص ۳۴)

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی (مدیر ماھنامہ ,,الفرقان،، لکھنو و خادم تفسیر ,,ندوۃ العلماء،،) قصہ حسینؓ و یزید میں اعتدال و انصاف کی اہمیت کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:۔

,,برادر معظم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے اپنی کتاب ,,واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر،، کے مقدمے میں ,,مؤلف کی ذمہ داری،، کے زیر عنوان لکھا تھا:۔

> ,,یزید سے ہماری کوئی رشتہ داری نہیں۔ اور اگر ہے تو پہلے حضرت حسینؓ سے ہے۔ حضرت معاویہؓ سے ہماری کوئی رشتہ داری نہیں۔ اور اگر ہے تو پہلے حضرت علیؓ سے ہے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف یہ تمام رشتہ داریاں لوٹتی ہیں۔ اُن کی مبارک تعلیم نے ہمارا رشتہ سب سے پہلے حق اور صداقت کے ساتھ قائم کر دیا ہے، باقی تمام رشتہ داریوں کا درجہ اُس کے بعد رکھا ہے۔

یأیها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم أو الوالدین والأقربین.

(سورۃ نساء، آیت ۳۵)

اے ایمان والو! مضبوط کھڑے ہو انصاف کے ساتھ، گواہ بن کر اللہ کے۔ اگرچہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

یأیها الذین آمنو کونوا قوامین لله شهداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ألاتعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوی.

اے ایمان والو! کھڑے ہو مضبوط اللہ کے لیے، اللہ کے گواہ بن

کر۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں بے انصافی پر آمادہ نہ کردے۔
انصاف ہی کرو کہ یہ قرین تقویٰ ہے۔

اسلام کی اس واضح اور صریح تعلیم کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہمیں تو اس کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی کہ یزید کے لیے اور حضرت حسین کے لیے ہمارے پاس الگ الگ ترازو اور الگ الگ باٹ ہوں۔

العین تدمع والقلب یحزن ولانقول إلا ما یرضی به ربنا۔

آنکھوں میں نم ہے اور دل میں غم۔ مگر زبان سے بس وہی کہیں گے جو ہمارے رب کو پسند ہے۔،،

(خلیل الرحمٰن سجاد ندوی: ،،نگاہ اولین،، ماھنامہ ،،الفرقان،، لکھنو مئی جون ۱۹۹۲ء، ص۳۔۴۔)

یزید کے بارے میں غیر منصفانہ طرز عمل نے تسلسل میں بعض اکابر اہل سنت نے مختلف اموی النسب اور دیگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی سوء ظن یا مداھنت کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک مشہور و معروف مفکر و مؤلف کے حوالہ سے تجزیہ فرماتے ہوئے مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی رقمطراز ہیں:۔

،،ایک سوال بڑی شدت سے ہم لوگوں کے ذہنوں میں اُبھرا کہ آخر صحابہ کرامؓ کے ایک مخصوص گروہ کے بارے میں ایسے ناروا خیالات کے متعلق حضرت مولانا مدظلہ کی طرف سے ایسا ٹھنڈا ردعمل کیوں ظاہر ہو رہا ہے؟ کیوں ایسا ہے کہ جس مضمون میں کھل کر صحابہ کرامؓ کے ایک پورے گروہ کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کا دل کبھی صاف نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات کے بعد بھی (پورے زمانہ خلافت

راشدہ میں) ان کے دل کی معاذ اللہ یہی کیفیت رہی......، اس کے بارے میں ان کے دل پر وہ چوٹ کیوں نہیں لگی جو بالکل عامی مسلمانوں کے دل پر لگی ہے؟ اور اس گروہ صحابہؓ کے دفاع میں ان کا وہ زور قلم کہاں چلا گیا ہے جس پر اچھے اچھے اہل علم عش عش کر اُٹھتے ہیں؟

ان سوالوں کے جواب کی تلاش میں ایک طویل علمی سفر طے کرنا پڑا اور پھر ان کا جو جواب حضرت مولانا کی بے شمار نئی و پرانی تحریروں اور تقریروں کے از سر نو جائزہ سے ہمیں دریافت ہوا، اس کی طرف آپ بھائی صاحب کے مضمون میں اشارہ پڑھیں گے۔ یہاں اس کے بارے میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس تازہ دریافت نے ہم لوگوں کو حیرت و استعجاب کی منزل سے تو نکال دیا، البتہ سنی معاشرہ کے مختلف شعبوں مثلاً مطالعہ تاریخ، طرز فکر، عقائد اور تصور دین کو شیعیت کے نہایت گہرے اور بسا اوقات مخفی اثرات سے پاک کرنے کے اس کام کو مستقل مزاجی کے ساتھ جاری رکھنے کی شدید ترین ضرورت کا سگنل بھی دے دیا جو ادارہ ,,الفرقان،، نے بنام خدا چھیڑ رکھا ہے اور جس سلسلہ کی تازہ ترین کاوش ,,واقعہ کربلا،، نامی کتاب کی شکل میں ظاہر ہوئی تھی۔،،

(ماھنامہ ,,الفرقان،، لکھنو، مئی جونؔ ۱۹۹۲ء، ص ۹۔۱۰ ,,نگاہ اولین،، از خلیل الرحمٰن سجاد ندوی)

۳۸- ڈاکٹر اسرار احمد، امیر "تنظیم اسلامی" پاکستان

(سابق ناظم اعلیٰ، اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان)

ڈاکٹر اسرار احمد پاکستان و برصغیر کے ان جدید علمائے قرآن واسلام میں ممتاز و نمایاں ہیں جن کے افکار و تصانیف نے مشرق و مغرب میں خواص و عوام کو وسیع پیمانے پر متاثر کیا ہے۔ آپ نہ صرف سابق ناظم اعلیٰ "اسلامی جمعیت طلبہ" پاکستان اور ممتاز ارکان "جماعت اسلامی" میں شامل رہے ہیں بلکہ صدر مؤسس "انجمن خدام القرآن" و امیر "تنظیم اسلامی" پاکستان نیز داعی خلافت کی حیثیت سے منفرد و ممتاز مقام کے حامل ہیں۔

ان پانچ صحابہ کرامؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنھوں نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کے نامناسب ہونے کی دلیل کی بناء پر نہیں کی تھی۔ اور جن میں سے سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر، یزید کے خلیفہ بننے سے پہلے وفات پا گئے (۵۸ھ یا قبل ازیں)۔ نیز سیدنا عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس نے بیعت یزید کو بتقاضائے احوال درست قرار دیدیا اور سیدنا حسین بن علی نے آخری وقت یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی پیشکش فرما دی۔ البتہ سیدنا عبداللہ بن زبیر نے وفات یزید تک بیعت یزید نہیں کی اور مکہ میں مقیم رہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں:-

"یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ ان پانچ حضرات کو چھوڑ کر امت کی عظیم ترین اکثریت نے بیعت کرلی۔ جس میں کثیر تعداد میں صحابہؓ بھی شامل تھے۔ اب اس واقعہ کے بعد کوئی چاہے تو ان سب کو بے ضمیر قرار دیدے کسی کی زبان کو تو نہیں پکڑا جا سکتا۔ کہنے والے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے ایمان دولت کے ذریعہ خرید لئے تھے۔ لیکن ذرا توقف کرکے غور فرمالیجیے:- "ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں"۔ کے مصداق سب سے پہلے اس زد میں حضرت حسنؓ کی ذات گرامی آئے گی۔ گویا انہوں نے حضرت معاویہؓ کے حق میں دولت کے عوض

دستبرداری قبول کر کے اپنی خلافت فروخت کی تھی۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

لیکن ایسی بات کہنے والوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ اس طرح ہدف ملامت و اہانت کون کون سی لائق صد احترام ہستیاں بنتی ہیں۔ ہم ان سب کو نیک نیت سمجھتے ہیں۔ جو بھی صحابہ کرامؓ اس وقت موجود تھے۔ ان میں سے جنہوں نے ولی عہدی کی بیعت کی اور جنہوں نے انکار کیا وہ سب کے سب نیک نیت تھے۔ سب کے پیش نظر امت کی مصلحت تھی۔ حضرت حسنؓ نے جو ایثار فرمایا تھا وہ تو تا قیام قیامت امت پر ایک احسان عظیم شمار ہو گا"۔

(ڈاکٹر اسرار احمد، سانحہ کربلا، ص ۳۱-۳۲ مطبوعہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، بار ہفتم، مئی ۱۹۹۳ء)

سیدہ عائشہؓ کے مطالبہ قصاص عثمانؓ اور واقعہ کربلا کے حوالہ سے ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں:-

"کون انصاف پسند ایسا ہو گا جو نہ جانتا ہو کہ حضرت ذوالنورینؓ کی مظلومانہ شہادت سے لے کر کربلا کے سانحہ فاجعہ تک مسلمانوں کی آپس میں جو مسلح آویزش رہی ہے اس میں درپردہ ان سبائیوں کا ہاتھ تھا۔ مستند تواریخ اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ البتہ ان کو نگاہ حقیقت بین اور انصاف پسندی کے ساتھ پڑھنا ہو گا۔ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کو فتح ہوئی۔ آنجناب نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ بالکل وہی جو ایک بیٹے کو ماں کے ساتھ کرنا چاہیے۔ چالیس خواتین اور حضرت صدیقہؓ کے لشکر کے معتبر ترین لوگوں کے ہمراہ پورے ادب و احترام کے ساتھ ان کو مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ معلوم ہوا کہ نہ ذاتی دشمنی تھی نہ بغض و عناد۔

اور ادھر کیا ہوا؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کیا امیر یزید نے خاندان رسالت کی خواتین کو اپنی لونڈیاں بنایا؟ آخر وہ دمشق بھیجی گئی۔ تھیں لیکن وہاں کیا ہوا؟ ان کا پورا احترام کیا گیا ان کی دلجوئی کی گئی، ان کی خاطر و مدارات کی گئی۔ امیر یزید نے انتہائی تاسف کا اظہار کیا اور کہا کہ:- "ابن زیاد اس حد تک نہ بھی جاتا تو میں اس سے راضی رہ سکتا تھا۔ کاش وہ حسینؓ کو میرے پاس آنے دیتا ہم خود ہی باہم کوئی فیصلہ کر لیتے۔"

لیکن کربلا میں جو کچھ ہوا وہ اس فتنے کی وجہ سے ہوا جو کوفیوں نے بھڑکایا تھا۔ جو

اپنی دو عملی اور منافقت کی پردہ پوشی کے لئے نہیں چاہتے تھے کہ مصالحت و مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہو۔ ان کو جب محسوس ہوا کہ ہماری سازش کا بھانڈا پھوٹ جائے گا تو انہوں نے وہ صورتحال پیدا کر دی جو ایک نہایت دردناک اور الم انگیز انجام پر منتج ہوئی۔''

(ڈاکٹر اسرار احمد: سانحہ کربلا، ص ۳۹-۴۰، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، مئی ۱۹۹۳ء)۔

۳۹- مولانا ضیاء الرحمن فاروقی
(قائد سپاہ صحابہؓ، پاکستان)

پاکستان کے معروف عالم و محقق مولانا ضیاء الرحمن فاروقی، قائد ''سپاہ صحابہؓ، پاکستان سیدنا معاویہؓ کو چھٹا خلیفہ راشد قرار دیتے ہوئے قرآن و حدیث و تاریخ سے انتہائی اہم نصوص و شواھد کا حوالہ دیتے ہیں:-

''قرآن پاک میں صحابہؓ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ :- اولئک ھم الراشدون. تو اس آیت میں جملہ صحابہ کرامؓ کو ہدایت دینے والا یعنی راشد قرار دیا گیا ہے۔ اور حضرت امیر معاویہؓ تو آپ کے جلیل القدر صحابی بلکہ کاتب وحی ہیں۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات گرامی پر سب متفق ہیں کہ آپ نے فرمایا:-

اصحابی کا لنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم.

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ جس کے پیچھے چلو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

- جس کے پیچھے چلنے سے ہدایت ملے، اسی کو عربی میں راشد کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی گر دیکھا جائے تو تاریخ میں ان کی خلافت کے راشدہ ہونے کی گواہی میں صداقت موجود ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی بیعت حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کر رہے ہیں تو گویا وہ ایک خلیفہ راشد کی اطاعت کا عہد و پیمان باندھ رہے ہیں۔ اگر حضرت معاویہؓ خلیفہ ارشد نہ ہوتے تو حضرات حسنینؓ کبھی ان کی بیعت نہ کرتے۔ یہ خلافت بھی پچھلی خلافتوں کا تسلسل ہے۔ (انٹرویو ضیاء الرحمن فاروقی، منجانب سید سلمان گیلانی مطبوعہ خلافت راشدہ جنتری ۱۹۸۷ء بمطابق ۱۴۰۷-۱۴۰۸ بعنوان:- کیا حضرت امیر معاویہ خلیفہ راشد تھے؟، ص ۱۲۴، اشاعت المعارف. فیصل آباد)۔

علامہ فاروقی: "خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی۔" والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے خلفاء اربعہؓ کی خصوصی فضلیت و عظمت کی جانب اشارہ مقصود ہے، اختتام خلافت راشدہ مراد نہیں۔ جس کی ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ جو علماء مذکورہ حدیث کی رو سے تیس سال پر خلافت راشدہ کا اختتام مراد لیتے ہیں وہ بھی اختتام خلافت سیدنا علیؓ و حسنؓ (۴۰ و ۴۱ھ) کے نصف صدی بعد خلافت سنبھالنے والے غیر صحابی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی قرشی (۹۹-۱۰۱ھ) کو بالاتفاق خلیفہ راشد تسلیم کرکے خود ساختہ تشریح حدیث کی خود ہی نفی فرما دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں سیدنا معاویہ و یزید سمیت بارہ قریشی خلفاء والی حدیث نبوی سے قطع نظر علامہ فاروقی سیدنا معاویہؓ کی خلافت شرعیہ کے حق میں ایک اور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"ان لوگوں کو تیس سال والی حدیث نظر آتی ہے تو ان کو اس حدیث کا مضمون کیوں نظر نہیں آتا جس میں حضور ؐ نے فرمایا: میرے بعد ۳۶ سال تک۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: ۳۷ سال تک، خلافت کی چکی چلتی رہے گی۔"

حیرت ہے کہ ہمارے دوستوں کو صرف ۳۰ سال والی حدیث پر اصرار کیوں ہے جبکہ ۳۷ سال والی حدیث کے پہلے سات سال جو فتوحات کے عروج کا زمانہ ہے، بھی شامل ہے۔

اہل تشیع کے عقیدہ امامت منصوص و معصوم کی رو سے سیدنا علیؓ کے بعد اولاد علیؓ میں سے باپ کے بعد بیٹا ہی منصب امامت و خلافت پر فائز ہوتا چلا آیا ہے۔ مگر سیدنا معاویہؓ کے اپنے بیٹے یزید کو ولی خلافت بنانے پر نہ صرف اہل تشیع بلکہ بہت سے اہل سنت بھی معترض ہیں۔ اگرچہ "سپاہ صحابہ، پاکستان" دفاع و تعظیم جملہ صحابہ کرامؓ کی علمبردار ہے۔ اور (تابعی) یزید کی حمایت یا مخالفت من حیث الجماعت اس کے مشن کا حصہ نہیں، مگر علامہ فاروقی، شاعر اسلام سید سلمان گیلانی کے ایک سوال کے جواب میں یزید کو خلیفہ نامزد کرنے کے سلسلہ میں صحابی رسول و خلیفہ راشد سیدنا معاویہؓ کی پوزیشن واضح کرتے ہوئے بڑے اہم نقاط ارشاد فرماتے ہیں:-

سوال:- علامہ صاحب استخلاف یزید کے متعلق ارشاد فرمائیں۔ کیا کسی خلیفہ کا اپنی

کسی اولاد کو ولی عہد بنانا خلاف اسلام تو نہیں؟ بعض لوگ حضرت معاویہؓ کے اس اقدام کو غلط قرار دیکر ان پر بہتان تراشی کرتے ہیں۔

جواب:- اس سوال کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر یہ جرم ہے تو یہی جرم حضرت علیؓ نے نے بھی (نعوذ باللہ) کیا ہے۔ یعنی حضرت حسنؓ کا نام بھی خلافت کے لئے آپ نے تجویز کیا تھا۔ یہ بات حضرت شاہ عبدالعزیز کی کتاب "سرالجلیل" میں منقول ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ کسی کو ولی عہد بنانا اس کو خلیفہ بنانا نہیں ہوتا۔ ولی عہد کا مطلب حضرت معاویہؓ کی صرف تجویز تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ قسطنطینیہ کے دامن تک بڑی سلطنت میں مختلف اقوام شامل تھے۔ مختلف قبائل گروہ در گروہ موجود تھے۔ کہیں کل کو میری اس محنت پر پانی نہ پھر جائے۔ میں نے خون جگر سے اس اسلام کے کھیت کی آبیاری کی ہے۔ کہیں اناڑی کے ہاتھ میں آ کر یہ کھیت، خون جگر برباد و ویران نہ ہو جائے۔ اور خلافت کے لئے تلوار میان سے باہر نکل کر آپس میں نہ ٹکرا جائیں۔ کشت و خون کا بازار گرم نہ ہو۔ مسلمان آپس میں ایک بار پھر دست و گریبان نہ ہوں۔ آپ نے ہر صوبہ کے ہر قوم کے نمائندے سے یزید کے بارے میں رائے لی۔ سب نے یزید کے بارے میں اپنی مثبت رائے کا اظہار کیا۔ قسطنطینیہ پر لشکر کشی کا منظر ان کی نظر میں تھا۔ کبار صحابہؓ اس کی قیادت میں جہاد پر گئے۔ وہ تمام علوم و فنون سے آگاہ تھا، جو ایک قابل حکمران میں ہونے چاہئیں۔ اور پھر یزید کی بدنامی تو کربلا کے واقعہ کی وجہ سے ہوئی۔ اور وہ واقعہ ابھی پیش ہی نہیں آیا تھا۔ قسطنطینیہ کی لڑائی میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی شریک تھے۔ حضرت معاویہؓ پر الزام کہ حضرت معاویہؓ نے تلوار کی نوک پر یزید کے لئے بیعت لی یہ رفض کا پروپیگنڈہ ہے۔"

(خلافت راشدہ جنتری ۱۹۸۷ء، ص ۱۳۶، انٹرویو ضیاء فاروقی بعنوان کیا حضرت امیر معاویہؓ خلیفہ راشد تھے؟)

یزید پر فسق و فجور کے الزامات کے جواب میں واقعہ کربلا و حرہ کے بعد بھی دیگر اکابر قریش و بنی ہاشم کی طرح بیعت یزید برقرار رکھنے والے برادر حسنین سیدنا محمد بن علیؓ، ابن الحنفیہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"اگر اس میں کوئی شرعی عیب تھا تو اس پر ضرور کوئی گواہی ہوتی۔ اس کے برعکس شیعہ کی معروف کتاب "سر الجلیل" جلد دوم میں ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ جو کہ یزید کے بچپن کے دوست اور حضرت علیؓ کے صاحبزادے اور حضرت حسینؓ کے چھوٹے بھائی ہیں، ان کا بیان ملاحظہ ہو:- "واقمت عنده و وجدته ملازماً للسنة". میں یزید کے پاس کافی دیر ٹھہرا رہا۔ میں نے اس کو سنت رسول کا پابند پایا۔ اب دیکھو اگر یزید میں کوئی عیب بھی تھا، ان کے محسن کو، دوست کو تو نظر نہیں آتا، ان کے والد کو نظر کیسے آ گیا؟"

(خلافت راشدہ جنتری ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۷، سوالات سید سلمان گیلانی وجوابات ضیاء الرحمن فاروقی مطبوعہ بعنوان:- کیا حضرت امیر معاویہ خلیفہ راشد تھے؟)۔

(شہادت مولانا ضیاء الرحمن فاروقی۔ ۸ رمضان ۱۴۱۷ھ /۱۸ جنوری ۱۹۹۷ء، لاہور سیشن کورٹ بم دھماکہ)۔

۴۰- مولانا عطاء اللہ بندیالوی
(امیر تحریک دفاع صحابہؓ، پاکستان)

مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی، امیر تحریک دفاع صحابہؓ پاکستان و خطیب جامع مسجد معاویہؓ سرگودھا ان اصحاب دعوت عزیمت میں سے ہیں جنھوں نے جرأت فاروقی سے کام لیتے ہوئے اکابر امت کے علمی و عملی جہاد کے دفاع میں "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" نامی معرکتہ الاراء کتاب تصنیف فرمائی اور پاکستان کے مخدوش مذہبی ماحول میں ایسی تہلکہ خیز تصنیف کا خطرہ مول لیتے ہوئے احقاق حق و ابطال باطل کا علمی و تاریخی فریضہ سرانجام دیا۔ اس سلسلہ میں عوامی جذبات بھڑکانے والے کم فہم مخلصین نیز اشرار مفسدین کی وسیع تر احتجاجی کاوشیں بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کرسکیں اور چند ہی برسوں میں کتاب کے ہزاروں نسخے علماء امت اور شباب ملت میں پھیل چکے ہیں۔ اس حوالہ سے طبع دوم (جون ۱۹۹۲ء) میں "عرض مصنف" کے زیر عنوان رقم طراز ہیں:-

"جب میں نے "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کتاب تحریر کی تھی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مجھ جیسے کم علم اور کم فہم کی تصنیف کو اس قدر پذیرائی ملے گی۔ اور اتنی جلدی اس کے دوسرے ایڈیشن کی تیاری کرنا ہوگی۔
یہ محض خالق کائنات کا فضل و کرم ہے کہ میری تصنیف کو عوام الناس اور خواص نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ ملک کے دور دراز شہروں میں کتاب کی مانگ بڑھتی چلی گئی۔ علمائے کرام نے تقریظی خطوط لکھ کر ہمت افزائی کی۔ صاحبان فکر و نظر نے

سراہا۔ ارباب علم و فضل نے داد دی۔ مولانا علامہ سید عطاء المحسن بخاری ابن امیر شریعت کی سرپرستی میں شائع ہونے والے ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" نے تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا:۔

"محترم مولانا محمد عطاء اللہ بندیالوی کی زیر تبصرہ تالیف بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ اور اس موضوع پر موجود تحقیقی و علمی کتب میں ایک وقیع اضافہ ہے۔ مولانا کے بیان کا انداز سہل، دلنشین، مدلل اور باحوالہ ہے۔"

خصوصاً نوجوان ذہن نے میری اس تصنیف سے بھرپور استفادہ کیا۔ اور مدتوں سے جھوٹے پروپیگنڈے کی بناء پر دل و دماغ پر جمی ہوئی زنگ آہستہ آہستہ اترنے لگی۔ انہوں نے انتہائی آسان، عام فہم اور سادہ انداز تحریر کو دیکھا۔ دلائل کی قوت اور طرز استنباط سے مستفیض ہوئے۔ پھر اسے خدا داد عقل کی کسوٹی پر پرکھا تو صحیح حقائق ان پر واضح ہو گئے۔ اور جھوٹ کی قلعی کھل گئی۔ انہوں نے کتاب کے مطالعہ کے بعد محسوس کیا کہ کربلا کا مستند اور اصل واقعہ کیا تھا اور آج تک ہمارے واعظین اور نام نہاد مؤرخین اسے کس انداز میں عوام کے سامنے پیش کرتے آ رہے ہیں۔ وہ پیشہ ور واعظین کہ خانہ خدا میں یہ واقعہ بیان کر رہے ہوں تو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ کسی مسجد میں نہیں، غلطی سے امام باڑہ میں آ گئے ہوں۔ ایک ذاکر اور سنی واعظ میں فرق و امتیاز مشکل ہو گیا ہے۔ دونوں کا انداز گفتگو ایک جیسا، طرز استدلال میں مماثلت، قصے خوانی، جھوٹے افسانے اور شعر و شاعری میں یگانگت، دوہڑے اور ماہیے میں برابری، راگ اور سر یکساں، دونوں کے دلائل ایک جیسے، دونوں کا عقیدہ و نظریہ ملتا جلتا، صرف مصنوعی سا فرق جتنا س اور ش میں ہوتا ہے۔

یہی وہ واعظین اور مقررین ہیں جو جھوٹے قصے، افسانے، جھوٹی روایات اور بے سروپا واقعات سنا کر عوام کو امام باڑوں کے دروازوں تک پہنچاتے ہیں، اور پھر اندر کھڑے ذاکر سے کہتے ہیں کہ انہیں یہاں تک ہم لائے ہیں، آگے تم جانو اور تمہارا کام۔

(عطاء اللہ بندیالوی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، عرض مصنف، طبع دوم، ص ۱۹-۲۰؛ مطبوعہ المکتبۃ الحسینیہ، سرگودھا، جون ۱۹۹۲ء)۔

دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل اور بکثرت شیعی مصادر کے حوالہ سے بھی یزید و

کربلا کے بارے میں کوفی وسبائی سازشوں کو بے نقاب کرتی ہوئی اس منفرد تصنیف کا چند صفحات میں کماحقہ تعارف ممکن نہیں۔ لہذا اہل علم و تحقیق کے لئے اس کتاب کا مکمل اور تفصیلی مطالعہ ناگزیر ہے۔ تاہم مختصر تعارف کے لئے مولانا بندیالوی کے قلم سے "عرض مصنف" کے زیر عنوان طبع دوم میں انکے قدرے تفصیلی بیان کا ایک اہم اور نسبتاً طویل اقتباس کتاب کی قدر و قیمت کے سلسلہ میں بطور تعارف درج ذیل ہے:-

"ہم جانتے ہیں کہ کچھ نیک دل علماء نے اپنی تحریروں میں یزید کی طرف فسق کی جو نسبت کی ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ تاریخ کی مستند اور صحیح کتب ان تک نہ پہنچ سکیں اور مدت کے شیعی پروپیگنڈے نے اپنا کام دکھایا۔--- ان علماء نے تحقیق و جستجو کی ضرورت محسوس نہیں کی اور دوسرے علمی اور اہم مشاغل کی وجہ سے وہ اس طرف توجہ نہ دے سکے۔ آپ یہ پڑھ کر یقیناً حیران ہوں گے کہ ماضی قریب کے نامور مؤرخ اور "سیرت النبی" کے مؤلف علامہ شبلی نعمانی کو "البدایہ و النھایہ" اور

مستدرک حاکم دستیاب نہ ہو سکیں۔ (سیرت النبی، ص ۴، جلد اول)۔

ہاں جن مؤرخین اور علماء نے تحقیق و جستجو سے کام لیا اور روایات کو پرکھا، ان کی سب فن یزید کے عنوان سے خالی نظر آتی ہیں بلکہ انہوں نے یزید کا دفاع کیا، اس کی صفائی پیش کی۔--- اور تعریف و توصیف کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔----- اور وہ یزید کی مدح سرائی کیوں نہ کرتے کہ وہ تابعی تھا جس نے سینکڑوں اصحاب رسول ﷺ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کیں۔---- اسے صحابی رسول ؐ اور کاتب وحی (معاویہؓ) کے بیٹے ہونے کا شرف حاصل ہے۔---- اس کا دادا اور دادی دونوں آنحضرت ؐ کے فیض یافتہ صحابی اور منظور نظر تھے۔---- ہاں یزید کو رشتے میں حضور انور ؐ سے یہ قرب حاصل ہے کہ اس کی پھوپھی (ام حبیبہؓ) اُم المومنین کے مرتبے پر فائز ہیں اور اس لحاظ سے رحمت کائنات یزید کے پھوپھا لگتے ہیں۔

محققین علماء، یزید کی تعریف و توصیف پر اس لیے بھی مجبور تھے کہ وہ جانتے تھے کہ سینکڑوں اصحاب رسول ؐ نے یزید کے ولی عہد بنائے جانے کی تائید کی اور پھر اس کے ہاتھ پر بیعتِ ولی عہدی اور بیعت خلافت کی تھی۔ اور ان بیعت کرنے والوں

میں حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ارقم، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری، حضرت کعب بن عمرو انصاری، حضرت انس بن مالک، حضرت اسامہ بن زید، حضرت جابر بن تمسیک، حضرت مالک بن ربیعہ، حضرت ثابت بن ضحاک، حضرت ابو واقد لیثی، حضرت ابوقتادہ انصاری، حضرت رافع بن خدیج، حضرت قیس بن سعد، حضرت عثمان بن حنیف انصاری، حضرت براء بن عازب، حضرت ابوسعید خدری، حضرت زید بن ارقم، حضرت صفوان بن معطل، حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت معقل بن یسار، حضرت عوف بن مالک، حضرت حکیم بن حزام، حضرت عدی بن حاتم، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ولید بن عقبہ، حضرت سعد بن العاص، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت ضحاک بن قیس، حضرت معاویہ بن خدیج، حضت عبیداللہ بن عباس، حضرت مالک بن حویرث (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور ان کے علاوہ سینکڑوں مشہور و معروف صحابہؓ شامل تھے۔

جن علماء نے تحقیق و جستجو سے کام لیا، وہ دیکھ رہے تھے کہ ۵۱، ۵۲، ۵۳ھ میں مسلسل تین سال یزید کو امیر الحج بننے کا شرف حاصل ہوا۔ (البدایہ والنھایہ، ص ۲۲۹، جلد ۸)۔ اگر وہ اس منصب کے لائق نہیں تھا تو اس وقت کے ہزاروں مسلمانوں نے، جن میں صحابہ کرامؓ اور حضرت حسینؓ بھی شامل تھے، اسے بطور امیر الحج کیوں قبول کیا؟

جہادِ قسطنطنیہ کے موقع پر ہزاروں اصحابِ رسول اور دیگر مسلمانوں نے یزید کی قیادت اور سرداری کو قبول کیا اور شاملِ لشکر ہوئے۔ ان میں فاروقِ اعظمؓ کے فرزند حضرت عبداللہ، آنحضرت کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، میزبانِ رسول حضرت ابوایوب انصاری اور سید علی المرتضیٰ کے دونوں بہادر فرزند حسنین کریمین (رضی اللہ عنہم) بھی تھے۔ (البدایہ والنھایہ، ص ۱۵۱، جلد ۸)۔

اس لشکر کو رحمتِ کائنات ﷺ نے مغفرت و بخشش کی خوشخبری دی تھی۔ (بخاری)۔

اس سفر میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا انتقال ہوا۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ یزید بن معاویہؓ پڑھائے۔ چنانچہ یزید نے ان کے جنازے کی امامت کی اور حسنین کریمینؓ نے اس کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ (البدایہ والنھایہ، ص ۵۸، جلد ۸)۔

تحقیق و جستجو کرنے والے علماء جانتے تھے کہ حضرت حسینؓ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی بیٹی ام محمد کا نکاح یزید سے کیا تھا۔ (جمہرۃ الانساب، ص ۶۹)۔ اگر یزید قابل نفرت شخص تھا تو انہوں نے اپنی بیٹی اس کے نکاح میں کیوں دی۔ صرف بیٹی اس کے نکاح میں نہیں دی بلکہ واقعہ کربلا کے بعد ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن جعفرؓ یزید کے دربار میں آئے۔ یزید نے انہیں دو لاکھ وظیفہ دیا تو انہوں نے یزید کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ (انساب الاشراف، ص ۳، ج ۴)۔

حضرت حسینؓ نے بھی کسی موقع پر یزید کو فاسق و فاجر، اسلام کا دشمن، دین کا باغی نہیں کہا۔۔۔۔ اور نہ وہ یزید کی متفقہ قائم شدہ خلافت کا تختہ الٹ دینا چاہتے تھے بلکہ وہ تو شیعانِ کوفہ کے فریب میں آگئے تھے اور دورانِ سفر جب ان پر شیعانِ کوفہ کا مکر و فریب، عیاری اور جھوٹ ظاہر ہوا تو وہ یزید کی بیعت پر رضامند ہو کر عازم دمشق ہو گئے تھے۔ لیکن شیعان کوفہ نے محسوس کیا کہ اس طرح تو مکر و فریب سے بنا ہوا ہمارا جال تار تار ہو جائیگا اور مسلمانوں کا اتحاد ہماری موت کا سبب بن جائیگا، تو انہوں نے ایک گھناؤنی سازش کے مطابق یکبارگی حملہ کر کے قافلہ حسینی کو تہ تیغ کر دیا۔

مولانا ابوالکلامؒ فرماتے تھے کہ لوگ جُرم کا "ارتکاب" کرتے ہیں تو جیل کی ہوا کھاتے ہیں۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل اس لیے جانا پڑا کہ انہوں نے جرم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس طرح ہم کہتے ہیں کہ عام لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت حسینؓ کو شہید اس لیے کیا گیا کہ وہ یزید کی بیعت سے انکاری تھے۔ حالانکہ حقائق پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ سیدنا حسینؓ کو شہید اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ یزید کی بیعت کرنے پر راضی اور آمادہ ہو گئے تھے۔ لیکن شیعان کوفہ آڑے آگئے اور خانوادہ علیؓ کو انتہائی بے دردی اور سفاکی سے خاک و خون میں تڑپا دیا۔

قارئین کرام! میری تصنیف کا مرکزی عنوان یزید کی صفائی پیش کرنا یا اس کی تعریف و توصیف کرنا نہیں تھا۔ یہ تذکرہ تو ضمناً آگیا اور مخالفین نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ بلکہ میری تصنیف کا مقصد وحید واقعہ کربلا کی صحیح اور مستند تصویر پیش کرنا تھا۔ ایسی

تصویر جو افراط و تفریط سے مبرا ہو اور عوام کے دل و دماغ پر پڑے ہوئے دبیز پردے سرکا دے۔اور یہ حقیقت آشکار کرنی تھی کہ آج جو لوگ محرم الحرام کے مہینے میں غم اور سوگ کا اظہار کرنے کے لئے کپڑوں کو کالا کر لیتے ہیں، سینہ کوبی کرتے، انگاروں پر چلتے، زنجیروں سے بدن زخمی کرتے، گریبان چاک کر کے ماتم اور بین کا بازار گرم کرتے ہیں، جن کے گھروں کی چارپائیاں اُلٹی ہو جاتی ہیں، غم کی مجلس منعقد کرتے، ہائے حسین ہائے حسین کی درد ناک آوازیں نکالتے، خانوادہ علی المرتضیٰؓ کا نام لے کر روتے ہیں، دراصل یہی عیار اور مکار قافلہ حسینی کے قاتل ہیں۔ لیکن اپنے اس مکروہ جرم پر پردہ ڈالنے اور اہلسنت عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے انہوں نے حبِ حسینؓ کا لبادہ اوڑھ لیا ہے اور چہرے پر عشقِ اہلبیت کا ماسک پہن لیا ہے۔ میں نے اپنی اس تصنیف میں ان کی اپنی معتبر ترین کتب سے ان کو اصلی چہرہ دکھایا ہے، صرف آئینہ سامنے رکھا ہے کہ ظالمو! اپنے چہرے پر بدنما داغ، مکروہ دھبے، چیچک کے نشان دیکھ لو۔ لیکن :-

آئینہ ان کو دکھایا تو بُرا مان گئے

کربلا کے چشم دید گواہوں نے حضرت حسینؓ اور ان کے گھرانے کے قاتلوں کی نشان دہی کی تھی اور وہ صرف اور صرف شیعانِ کوفہ تھے۔ آپ تفصیل کتاب میں پڑھ لیں گے۔ انشاء اللہ۔

آج یزید کو مطعون کرنے کے لئے واقعہ حرہ کا رونا سب سے زیادہ رویا جاتا ہے۔ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر دنیا جہان کے جھوٹ کے پلندے منبر و محراب کی زینت بنتے ہیں۔ مسندِ نبوی کے وارث، موضوع من گھڑت اور شیعہ راویوں کی حکایات خوفِ خدا سے عاری ہو کر بے دھڑک عوام کے سامنے بیان کرتے ہیں اور اس واقعہ کا ذمہ دار یزید کو ٹھہرا کر تبرا اور نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لیکن آئیے دیکھتے ہیں کہ سیدنا حسینؓ کے فرزند ارجمند حضرت علی بن حسینؓ (زین العابدین) اور شیعہ کے پانچویں امام کا اس بارے میں کیا خیال ہے:-

"ایک شخص نے امام محمد باقرؒ سے واقعہ حرہ کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا ان کے گھرانے کا کوئی فرد یزید کی فوج سے لڑنے کے لیے نکلا تھا؟ انہوں نے فرمایا:-

نہ خاندان ابوطالب کا کوئی فرد لڑنے کے لیے نکلا اور نہ ہی خاندانِ عبدالمطلب میں سے کوئی شخص مقابلے میں آیا۔ سب کے سب اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ جب حضرت مسلم بن عقبہؓ (لشکر یزید کے سالار جو صحابی رسول تھے) بغاوت کچلنے میں کامیاب ہو گئے تو حضرت زین العابدین ان کے پاس آئے۔ مسلم بن عقبہؓ نے ان کی عزت و تکریم کی اور کہا کہ یزید نے مجھے حکم دیا تھا کہ آپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤں۔ یہ سن کر حضرت زین العابدین نے فرمایا:- "وصلی اللہ امیر المومنین یزید." اللہ تعالیٰ امیر المومنین یزید کو اپنی رحمت میں ڈھاپنے"۔ (طبقات ابن سعد، ص ۲۱۵)۔

قارئین گرامی قدر! اس حوالے کو ایک بار پھر پڑھیے اور ضد و عناد سے کنارہ کش ہو کر فیصلہ کیجئیے کہ اگر واقعہ حرہ کا ذمہ دار یزید اور اس کی فوج ہوتی تو سیدنا حسینؓ کے بہادر و شجاع فرزند لشکر یزید کے سالار سے ملنے کبھی نہ آتے۔ اور اگر ملنے آ ہی گئے تھے تو پھر یزید کے لیے رحمت کی دعا کبھی نہ کرتے اور اُسے امیر المومنین کے خوبصورت لقب سے یاد نہ فرماتے۔ سیدنا حسینؓ کے حق گو فرزند کی دعا نے ثابت کر دیا کہ واقعہ حرہ میں تمام تر قصور اور غلطی ان لوگوں کی تھی جو بغاوت پر آمادہ ہوئے۔ لشکر یزید (جس کی قیادت صحابی رسول کر رہے تھے) نے تو بغاوت کو کچلنے کے لئے کارروائی کی تھی۔ آواز دو انصاف کو۔ اور دست بستہ سوال کرو ارباب حل و عقد سے کہ مسلمانوں کی متفقہ حکومت کے خلاف چند لوگوں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے مناسب کارروائی کرے تو قصور کس کا ہو گا؟ باغیوں کا یا حکمران وقت کا؟

۱۹۸۰ء میں چند شرارتی لوگوں نے بیت اللہ پر قبضہ کر لیا تھا، طواف رک گیا، اذان بند ہو گئی تقریباً تیرہ دن جماعت نہ ہو سکی۔ پھر حکومت وقت نے کارروائی کی، ٹینک داخل ہوئے، گولیاں چلیں، بیت اللہ کو بھی ایک دو گولیاں لگیں۔ حکومت وقت نے بغاوت پر قابو پالیا۔ باغی گرفتار ہوئے، انہیں پھانسی کی سزا دی گئی۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر فیصلہ دیجئیے کہ قصور کس کا تھا؟ بیت اللہ کی بے حرمتی کا ذمہ دار کون ہے؟ باغی یا سعودی حکومت؟ ہر صاحب انصاف کا فیصلہ یہی ہو گا کہ جنہوں نے بغاوت کی وہی ذمہ دار ہیں اور جنہوں نے بغاوت کو کچلنے کے لیے کارروائی کی وہ بیت اللہ کی بے حرمتی کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اسی طرح واقعہ حرہ میں غلطی اور قصور باغیوں کا ہے۔ یزید کے لشکر نے تو اس بغاوت کو ختم کرنے کے لیے کارروائی کی تھی۔

آج ہر دو رکعت کا ملاں، پیشہ ور واعظ، منبر و محراب کے لیے بدنما داغ، خطیب سنی نما شیعہ، قاضی و نعمانی، کئی لال کالے شاہ اپنی تقریر و تحریر میں یزید کو کافر، کبھی فاسق و فاجر اور شراب نوش کہہ کر لعنت کی تسبیح پڑھنا کار ثواب سمجھتے ہیں۔ اور کوئی نام نہاد محقق کہتا ہے کہ کوئی اہلسنت یزید کی تعریف نہیں کرتا۔ جان کی امان پاؤں تو ہاتھ جوڑ کر ان محققین سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یزید کے دور میں جتنے اصحاب رسول زندہ تھے، ان میں سے کسی ایک نے بھی یزید کے خلاف خروج کیا؟ یا خروج کو جائز قرار دیا؟ ان میں سے کسی ایک نے بھی نہ یزید کو کافر کہا نہ فاسق و فاجر اور نہ اس پر لعنت کی نہ لعنت کا حکم دیا۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

اصحاب رسول کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا مقدس دور آیا۔ لیکن کسی ایک تابعی نے اور نہ تبع تابعین میں سے کسی ایک نے یزید کو کافر کہا نہ فاسق و فاجر، اور نہ اس پر لعنت کے جواز کے قائل ہوئے۔

اہل سنت کے چار مشہور و معروف آئمہ میں سے کسی ایک امام نے یزید کے کفر کا فتویٰ دیا؟ یا اسے فاسق و فاجر کہا؟ یا اس پر لعنت کے جواز کا قائل ہوا؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

(ہاں امام احمد سے ایک روایت جو اُن کے بیٹے سے قاضی ابویعلی نے نقل کی ہے وہ منقطع ہے اس لیے قابل قبول نہیں۔ بلکہ امام احمد کا صحیح مسلک وہ ہے جو قاضی ابوبکرؒ ابن العربی نے اپنی کتاب "العواصم من القواصم" ص ۲۳۳ میں ذکر کیا ہے کہ امام احمد نے "کتاب الزہد" میں امیر یزید کا تذکرہ زمرہ تابعین میں سب سے پہلے کیا ہے)۔

ائمہ اربعہ کے بعد اہل سنت کے مشہور محدثین، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام نسائی ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی ایک محدث نے بھی یزید پر کفر و فسق کا فتویٰ نہیں دیا اور نہ لعنت کی تسبیح پڑھی۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

ان مشہور محدثین کے بعد اہل سنت کے نامور مفسر اور فقیہ، بڑے بڑے عالم اور اسکالر، قرآن و حدیث میں مہارت تامہ رکھنے والے فضلاء نے یزید کو صحیح العقیدہ

مسلمان، کامل مومن، صلح عالم، خدمت اسلام میں پیش پیش اور نیکو کار انسان تسلیم کیا ہے اور اس پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے امت کے ان مشہور ترین معتمد علیہ علماء میں امام غزالیؒ، قاضی ابوبکر بن عربیؒ، امام لیث بن سعدؒ، ابن خلکان، امام ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ، حافظ ابن کثیرؒ، ابن حجر مکیؒ، ملا علی قاریؒ، سید سلیمان ندویؒ، حضرت سید حسین احمدؒ مدنی جیسے حضرات شامل ہیں۔

ان حضرات کی کتب سے چند حوالہ جات آپ کتاب میں پڑھ لیں گے۔ یہاں صرف ایک دو حوالے ملاحظہ فرمائیے:-

مشہور مؤرخ مولانا سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے عہد میں پوری ہوئی۔ اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سر زمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحرا خضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا کو عبور کرکے قسطنطنیہ کی چار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔" (سیرت النبی، ص ۶۰، ج ۳، مطبوعہ لاہور)۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:-

"یزید کو متعدد معارکِ جہاد میں بھیجنے اور جزائر بیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام، ص ۳۵۰، ج ۱)۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری، اسلام کے بارہ خلفاء کے نام گنتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:-

"چار خلفائے راشدین، معاویہ، یزید، عبدالملک بن مروان، ان کے چار لڑکے اور عمر بن عبدالعزیز"۔ (شرح فقہ اکبر)۔

ماضی قریب کے مشہور مؤرخ علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:-

"حافظ ابن حجر، ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنوامیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی اور ہشام"۔ (سیرت النبی، ص ۶۰۴، ج ۳)۔

قارئین کرام! آخری دو حوالوں کو ایک بار پھر پڑھئے۔ ملاں علی قاری اور سید سلیمان ندوی نے اسلام کے خلفاء شمار کیے تھے تو چھٹے نمبر پر یزید کو شمار کیا۔ لیکن ان دونوں حضرات نے حضرت سیدنا حسنؓ بن علی کا تذکرہ نہیں کیا جب کہ ہم حضرت سیدنا حسنؓ کو بھی اسی طرح خلیفۂ برحق مانتے ہیں جس طرح حضرت معاویہؓ کو خلیفۂ برحق تسلیم کرتے ہیں"۔

(عطاء اللہ بندیالوی، واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، عرض مصنف، طبع دوم، ص ۲۱-۳۰، - المکتبۃ السنیۃ، سرگودھا، بار سوئم، مئی ۱۹۹۵ء)۔

۱۴۱- مفتی سید محمد حسین نیلویؒ

(صدر مدرس جامعہ ضیاء العلوم، سرگودھا)

استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر مفتی سید محمد حسین نیلوی سابق مدرس، مدرسہ امینیہ دہلی و صدر مدرس جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا مولانا عطاء اللہ بندیالوی کی عظیم تالیف "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کی تائید و تحسین کرتے ہوئے یزید کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"یاد رہے کہ کسی شخص کے متعلق عدل، فسق، صدق، کذب وغیرہ امور کی مدار اطلاعات پر ہوتی ہے۔ علمائے ربانیین کو جیسے اطلاع ملتی تھی ویسے وہ اس شخص کے متعلق اپنے ریمارکس دیتے تھے۔ اور یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ ایک ہی راوی کو ایک محدث ثقہ کہتا ہے اور اسی راوی کو دوسرا محدث غیر ثقہ قرار دیتا ہے۔ اور یہی حال یزید کا ہے کہ یزید کے خلاف اس قدر منظم پروپیگنڈہ کیا گیا کہ جس سے بہت سے لوگوں کو دھوکہ لگا۔ اور بڑے بڑے علماء اس سے متاثر ہوئے۔ مگر جب حقیقت حال

کسی کو معلوم ہوئی تو وہ اصل بات سمجھ گئے۔ اور اس غلط پروپیگنڈہ کا رد کیا۔ ان علماء نے دیکھا کہ یزید تابعی تھا اور اس نے کئی صحابہؓ کی زیارت بھی کی اور شاگردی بھی۔ اور آنحضرت کا فرمان ہے کہ:- جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا، ان پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ (مشکوٰۃ، ص ۵۵۴ بحوالہ ترمذی)۔

اسی لئے علمائے تحقیق تحریر کرتے ہیں:-

"ولا يخفى ان ايمان يزيد محقق". (شرح فقہ اکبر، ص ۸۸)۔

(یہ بات مخفی نہیں کہ یزید کا ایمان ثابت شدہ ہے)۔

"ونسبة الكفرالى يزيد بن معاوية حرام". (نزہتہ النواظر، ص ۷/۵۱۴)۔

(اور یزید بن معاویہ کی طرف کفر منسوب کرنا حرام ہے)۔

اور ارشاد نبوی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کا بیٹا مومن ہی ہے۔ اور پھر تمام اصحاب رسول میں سے کسی ایک صحابی کا بیٹا دکھاؤ جو دین اسلام سے پھر گیا ہو۔ اگر نہیں دکھا سکتے تو تمام اصحاب رسول میں سے صرف سیدنا معاویہؓ کا فرزند یزید ہی تھا جو دین اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کر گیا ہے؟ بیت اللہ میں بت پھر سے نصب کر دیئے؟ توحید و رسالت سے منہ موڑ گیا؟ دین کا حلیہ بگاڑ دیا؟ مذہب اسلام کی بدنامی کا باعث بنا؟ اور صحابہ کرامؓ میں سے سوائے حضرت سیدنا حسینؓ کے کسی نے اس کے خلاف تحریک نہ چلائی؟ تو اس طرح شیعہ درپردہ ہماری زبان سے یہ نکلوانا چاہتے ہیں کہ صرف حضرت حسینؓ ہی تھے جو اپنے نانا کے دین کو بچانے کے لئے میدان میں آئے، قربانی دی، خود شہید ہوئے، کنبہ ذبح کرا دیا، مگر بڑے بڑے صحابہؓ جو شمع رسالت کے گردا گرد پروانوں کی طرح رہتے تھے۔ وہ سب اپنے وقت میں جب دین کے دشمنوں کی حکومت قائم ہو گئی تھی، چپ سادھے بیٹھے رہے؟ جن میں ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن جعفر طیارؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، ابو موسی اشعریؓ، جابر بن عبداللہؓ، محمد بن جعفرؓ، عون بن جعفرؓ، عقیل بن ابی طالبؓ، ابوسعید خدریؓ، سب کے سب بے دین ہو گئے اور آنحضرتؐ کی وہ حدیث بھول گئے کہ:-

جو شخص تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے۔ ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر زبان سے منع کرنے کی طاقت نہ رکھتا

ہو تو دل میں اسے برا سمجھے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

پھر یہ بھی تو دیکھو کہ مقابلہ اور مخالفت تو تھی یزید سے جو شام میں رہتا تھا لیکن حضرت حسینؓ اس سے لڑنے کوفہ پہنچ گئے۔ پھر کمال یہ ہے کہ حضرت حسینؓ نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور اثناء سفر کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ یزید کافر ہے، فاسق فاجر ہے، اس نے ارکان اسلام کا انکار کر دیا ہے، توحید باری تعالیٰ کو چھوڑ کر بت پرست بن گیا، رسالت محمدیہ کا منکر ہو گیا، اپنی مملکت میں حدود شرعیہ کا نفاذ ختم کر دیا۔ دین اسلام خطرات میں گھرا ہوا ہے اور تمام اصحاب رسول (معاذ اللہ) گونگے بن گئے ہیں۔ اور اپنے اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے ہیں۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ اٹھوں اور اس کفر کا منہ توڑ جواب دوں۔ اور نہ ہی حضرت حسینؓ نے اکابر صحابہؓ سے اس بارے میں مشورہ کر کے ان کو اپنے ساتھ ملایا۔ اور نہ ہی کوئی صحابی ان کے ساتھ جانے کو تیار ہوا۔ بلکہ شیر خوار بچوں اور عورتوں کو لے کر جا رہے ہیں۔ کہاں؟ کوفہ میں۔ کیوں؟ حکومت وقت سے لڑ لینے۔ بھلا شیر خوار بچے اور عورتیں کیا جہاد کریں گی۔ جبکہ حضور انور ؐ نے فرمایا:- عورتوں کا جہاد تلوار سے نہیں بلکہ حج کرنا جہاد ہے۔

میں کہتا ہوں یہ سب تاریخ کی غلط بیانیاں ہیں۔ جس تاریخ کی ہر بات آج کے عوام الناس، قرآن و سنت سے زیادہ سچی اور قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ ان کا ایمان، قرآن و حدیث کے بجائے مجوسیوں اور اہل تشیع کی جھوٹی، من گھڑت تاریخ پر ہے۔ جب کہ قرآن و سنت کا ماننا فرض اور انکار کفر ہے۔ اور تاریخ کا ماننا کرنا فرض و واجب نہیں۔ اور اس کا انکار کفر بھی نہیں۔ بلکہ ایسی تاریخ جس سے صحابہؓ اور صحابہؓ کی اولاد کے بارے میں بدظنی پیدا ہو، اس کا ماننا حرام ہے۔ کیونکہ قرآن بہانگ دہل صحابہ کرامؓ کی تعریفیں کر رہا ہے۔ اور احادیث میں صحابہ کرام کی اولاد کو جنتی کہا گیا ہے۔ لیکن جھوٹی اور من گھڑت تاریخ انہیں جہنمی قرار دیتی ہے۔ اسی لئے اہل تشیع کا دار و مدار تاریخ پر ہے۔ اور اس کے برعکس امت مسلمہ کا مایہ ناز ذخیرہ علم، قرآن و حدیث اور اجماع امت اور قیاس مجتہد ہے۔ اسی لئے "اہل سنت و جماعت" قرآن کی رو سے تمام صحابہ کو جنتی اور ان کی اولاد کو بھی بلاشک جنتی سمجھتے ہیں۔

حضرت مولانا علامہ عطاء اللہ بندیالوی نے اپنی کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس

منظر" میں جو کچھ لکھا ہے، وہ اصل میں تدریسی انداز ہے۔ جس میں تاریخ سے بھی صرف وہ حوالے لئے گئے ہیں جو قرآن و حدیث کی تائید میں ہیں۔ تاکہ لوگوں کے ذہن میں حق بات آہستہ آہستہ ڈالی جائے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ دوا ابھی حلق میں ہی تھی کہ عوام کالانعام نے اگلنا شروع کر دیا، کیونکہ معدہ بہت ہی زہر آلود تھا۔

اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا ہے کہ وہ مسموم ذہنوں کو شفاء عطاء فرمائے اور قرآن و سنت کے حقیقی علاج سے ان کو مستفید فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ علامہ صاحب کو استقامت اور ربط قلب عطا فرمائے کہ وہ اپنے مسلک حق پر آخر دم تک ڈٹے رہیں۔ اور لایخافون لومۃ لائم کا مصداق بنیں۔ اور لوگوں کا دل بھی مسلک حق کی طرف مائل فرمائے۔ تاکہ سعادت ابدیہ نصیب ہو۔"

:۔ محمد حسین غفرلہ۔ (جامعہ ضیاء العلوم، سرگودھا)"۔

(واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، مؤلفہ عطاء اللہ بندیالوی، تقریظ مفتی محمد حسین نیلوی، ص۹-۱۲،)

مطبوعہ المکتبۃ الحسینیہ، سرگودھا، بار سوئم مئی ۱۹۹۵ء)۔

۴۰۲- قاضی محمد یونس انور

(خطیب مسجد شہداء و ناظم اعلیٰ، جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنہ، لاہور)

قاضی محمد یونس انور، ناظم اعلیٰ، جمعیت اشاعت التوحید والسنہ (پاکستان) لاہور، و خطیب مسجد شہداء، شارع قائداعظم، لاہور، علامہ عطاء اللہ بندیالوی کی تصنیف "واقعہ کربلااور اس کا پس منظر" کی تائید و تحسین فرماتے ہوئے تاریخی روایات وامیر یزید کے حوالہ سے انتہائی قیمتی نقاط پیش کرتے ہیں:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم- نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم- اما بعد-

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تسخیر و فتوحات کے دور میں عرب فاتحین کو اتنی فرصت نہ مل سکی کہ اپنے تاریخ ساز عمل کی روئیداد خود مرتب کرسکتے- تاریخ سازی جیسی ہمہ گیر مصروفیت کیساتھ تاریخ نویسی کے لیے فرصت اور فکر و نظر کی یکسوئی کا حاصل ہونا بھی ممکن نہ تھا- اسلامی فتوحات میں حاصل شدہ عجم کے جنگی قیدیوں کی خاصی تعداد نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے غلامی اور نو مسلمی کی بدولت ملنے والی فرصت و سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روایات بنانے اور لکھنے کا آغاز کیا- محکومیت و مغلوبیت کے سبب قلبی بغض و نفرت ناگزیر ہے- ان حالات میں جو آتش انتقام ان کے سینوں میں سلگ رہی تھی اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے عرب فاتحین خصوصاً اصحابؓ رسول کے سنہرے کردار کو ان نام نہاد مؤرخین نے نہایت مکروہ صورت میں پیش کیا- منافقانہ ذہن و قلم کی مشترکہ کاوش کے نتیجہ میں فرضی و من گھڑت کہانیوں اور واہی تباہی روایات کی وہ بھرمار کی گئی جسے روایات کے انبار میں نمایاں حیثیت حاصل ہے-

روایات سازی کے اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان روایات میں "فاتحین صحابہؓ" کے ساتھ کیونکر انصاف کی امید رکھی جاسکتی ہے-

چونکہ عہد خلافت میں خاندان "بنوامیہ" کو مرکزی کردار کی حیثیت حاصل رہی ہے- اس لیے اس خاندان کے افراد کو ان عجمی "روایات سازوں" نے اپنی تبرائی گولہ

باری کا سب سے زیادہ نشانہ بنایا تا کہ وہ اپنے سینوں میں دہکتے ہوئے "انتقامی انگاروں" کو سرد کر سکیں۔

عجمی منافقین نے سوچے سمجھے "انتقامی پروگرام" کے پیش نظر روایات گھڑیں اور بعد کے سہل انگار مورخین نے پنساریوں کی طرح صحیح و سقیم اور ضعیف و من گھڑت کہانیاں اپنی سوئفات میں جمع کر دیں۔ ان تاریخ نویسوں میں ابن اسحق، واقدی، کلبی اور ابو مخنف جیسے وضاع و کذاب بھی ہیں اور طبری، دینوری، مسعودی و یعقوبی جیسے تقیہ باز رافضی بھی۔ مجلسی جیسے بد بخت جلے کٹے سبائی بھی ہیں۔ اور ابنِ سعد، ابنِ ہشام، بلاذری، ابنِ کثیر و سیوطی جیسے ناقل اور رطب و یابس جمع کرنے والے سنی بھی۔

ان لوگوں نے اپنے اپنے رجحان طبع اور نظریہ و پروگرام کے مطابق "تاریخی خدمات سر انجام دیں۔ ان سے حق بیانی کی اُمید عبث ہے۔ ان کی تالیفات پر نقد و جرح کے بغیر روایات کو جمع کرنے والوں کو صحابہؓ تو کجا انبیا علیہم السلام کا پاکیزہ کردار بھی صاف نظر نہیں آئے گا۔ ان پر تو کوئی تعجب نہیں۔

البتہ حیرت و تعجب ان اہلِ نقد و نظر پر ہے جو روزہ، نماز، حج، زکوۃ اور بیوع وغیرہ معاملات میں تو علم و فن کی کامل مہارت اور رد و قبول کی تمام اصولوں کو کام میں لا کر ضرورت سے زیادہ تنقیح و تنقید کر گزرتے ہیں۔

لیکن عہد صحابہؓ کے تاریخی واقعات کی تحقیق کے سلسلہ میں علم و فن بلکہ عقل و شعور کے تمام سوتے سوکھ جاتے ہیں۔ اس مرحلہ میں کتاب و سنت اور روایت و درایت کے تمام تر تقاضے فراموش کر کے ہر قسم کی واہی تباہی روایات و حکایات کو بے سوچے سمجھے اس طرح قبول کر لیا ہے گویا کہ یہ ایسی عقیدہ و ایمان ہے جس پر نہ کسی قسم کی گفتگو کی جا سکتی ہے نہ اس کے خلاف سننے کی کوئی گنجائش ہے۔

واقعہ کربلا بھی صدر اول کے ان واقعات میں سے ہے جسے سب سے زیادہ شہرت ملی۔ علامہ ابنِ خلدون کے بقول جو واقعہ دنیا میں جس قدر مقبول ہو گا اتنی ہی افسانہ سرائی اسے اپنے حصار تخیل میں لے لے گی۔ آج یہ واقعہ بھی ایک افسانہ کی صورت اختیار کر گیا۔ جسے در حقیقت "زیب داستاں" کے لیے بہت زیادہ بڑھایا چڑھایا گیا۔ یہ "خدمت" اپنوں بیگانوں سب نے یکساں انجام دی۔ سانحہ کربلا کا افسانہ سب

سے پہلے ایک کٹر رافضی، جسے آئمہ رجال حدیث نے "شیعی محترق" کٹر شیعہ دروغ گو کذاب کہا ہے، نے تقریباً ایک سو سال بعد گھڑا ہے۔ جسے بعد میں ابن جریر طبری نے "قال ابو مخنف" کی تکرار کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کیا اور طبری سے دوسرے مؤرخین نے نقل کیا۔ اس طرح اس موضوع و من گھڑت افسانے کو اعتبار کا درجہ حاصل ہو گیا۔ حادثہ کربلا کے وقت ابو مخنف کا دنیا میں وجود ہی نہ تھا۔ امام ذہبی نے اس کا سنِ وفات ۱۷۰ھ بتایا ہے۔ (میزان الاعتدال)۔

آج جو شخص بھی اس موضوع پر خامہ فرسائی کرتا ہے تو اس کا سہارا طبری، مسعودی، ابنِ اثیر، ابنِ کثیر وغیرہ کتب ہوتی ہیں۔ جب کہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان سب کے پاس جو مواد ہے وہ سارے کا سارا ابو مخنف، لوط بن یحیٰ ازدی متوفی ۱۷۰ھ کا ہے۔ اس بد قماش کٹر رافضی کذاب کے گھڑے افسانے کی بنیاد پر خیر القرون کے بے گناہ لوگوں کو مطعون کرنا کہاں کی دیانت ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ حادثۂ کربلا کے بعد کسی شخص نے بشمول خاندانِ حضرت حسینؓ اس ظلم کا ذمہ دار امیر یزید بن معاویہؓ کو نہیں ٹھہرایا۔ نہ کوئی تحریک برپا کی۔ کسی مخالف نے اپنی مخالفت کے اسباب میں اس حادثہ کو شامل نہیں کیا۔ یہ کارستانی سب سے پہلے ابو مخنف کذاب نے کی۔ بعد ازاں اس کی نوک پلک سنوار کر ابن جریر طبری نے اس افسانے کی تشہیر کی۔ پھر نام نہاد اندھے مؤرخین اس سے نقل کرتے چلے گئے۔ طبری کے بارے میں بلند پایہ محدث حافظ احمد سلیمانی کا یہ قول درست ہے:- کان یصنع للروافض- رافضیوں کے لیے روایتیں گھڑتا تھا۔ اپنی تاریخ میں حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر لعنت کا لفظ لکھنے والا کیسے سنی ہو سکتا ہے؟ اور شیعہ شعار کے مطابق مزعومہ اماموں کے ناموں کے ساتھ "علیہ السلام" کتاب میں جابجا موجود ہے۔ فاعتبروا یا اولی الأبصار-

سبائی گروہ کی بقا کا انحصار ہی تو اس واقعہ کی افسانوی رنگ آمیزی و تشہیر پر ہے۔ مگر حیرت یہ ہے کہ "اہلِ سنت" اور صحابہ کرام کی عظمت کے علمبردار بھی شعوری و لاشعوری طور پر سبائی گروہ کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔ محرم الحرام میں مسجد و امام باڑہ میں چنداں نمایاں فرق نہیں ہوتا۔ ایک ہی ٹون میں آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ سب

میں قدر مشترک یہ ہوتی ہے کہ یزید بن معاویہؓ اس سانحے کا ذمہ دار ہے۔ پھر روافض کے انداز میں نام نہاد سنی بھی یزید کا ہموزن جملہ پلید اس کے نام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اس وقت حضور اکرم کی بشارات صحابہؓ کرام و تابعینؒ کی مدح و تعریف کے مسلمہ حقائق سب نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سانحہ کربلا کے سلسلہ میں سیدنا حضرت حسینؓ، سیدنا علیؒ بن حسینؓ المعروف زین العابدینؒ، سیدہ فاطمہؒ بنت حسینؓ، سیدہ زینب بنت علیؓ تو کوفی سبائیوں کو ذمہ دار قرار دیں اور کوفیوں کے خلاف احتجاج کریں مگر متحرک و بے دماغ اجسام والے سنی یزید بن معاویہؓ کو موردِ الزام ٹھہرائیں۔ فوا اَسفا۔ کاش یہ مدعیان علم، اہل تشیع کی اپنی کتاب "احتجاج" طبرسی ہی دیکھ لیتے۔ مگر جو لوگ بغض و ضد میں اندھے ہو چکے ہوں، ان سے حق طلبی و حق بیانی کی امید کہاں۔ لیکن سچ سچ ہی ہوتا ہے، کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے۔ مخالفتوں کے طوفان میں بھی اپنا جائز مقام حاصل کر لیتا ہے۔

علم دشمنی اور جہل دوستی کے اس دور میں بھی اگرچہ قلیل مگر کچھ خوش نصیب لوگ موجود ہیں۔ زیر نظر کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" کے مؤلف علامہ عطاء اللہ بندیالوی ایسے ہی جرأت مند انسان ہیں جنہوں نے سانحہ کربلا، جسے سبائیوں اور ان کے ہم نواؤں نے مکذوبہ روایات کے تہ در تہ دبیز پردوں میں چھپا رکھا ہے، روایت و درایت کے مسلمہ اصولوں اور عقل و شعور کی روشنی میں لا کر ایک طرف تطہیرِ تاریخ کا اہم فریضہ سر انجام دینے کی سعادت حاصل کی تو دوسری جانب متلاشیانِ حق پر عظیم احسان کیا۔ اس عظیم کارنامہ کو سرانجام دینے پر لائق مصنف صدہا تحسین و تبریک کے مستحق ہیں۔

علامہ بندیالوی کو پروردگارِ عالم نے صرف پُرتاثیر زبان و بیان کی نعمتوں سے مالا مال نہیں کیا بلکہ انہیں خوبصورتِ قلم و تحریر کی بھرپور صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور فرمایا ہے۔ کتاب ہر انصاف پسند کے لیے دعوتِ فکر ہے۔ انصاف و دیانت سے بہرہ مند ہر شخص اس کے مندرجات سے اتفاق کرے گا۔ ضدی اور ہٹ دھرم کے لیے پیغمبر کی دعوت بھی مفید نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی محنت کو قبول فرما کر بھٹکے ہوئے انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

اللهم أرناالحق حقاً وارزقنا اتباعه،
وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه۔
آمین یا رب العالمین"۔

(تقریظ قاضی محمد یونس انور مؤرخہ ۷ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ/۱۱ مئی ۹۲ء، بر کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" مؤلفہ مولانا عطاء اللہ بندیالوی، ص ۱۳-۱۸، المکتبۃ الحسینیۃ، سرگودھا، طبع سوئم، مئی ۱۹۹۵ء)۔

۳۴- علامہ محمد الفاروقی النعمانی

(رفیق "دار المؤلفین"، کراچی)

عصر جدید کے ممتاز محقق و مؤلف علامہ محمد الفاروقی النعمانی، رفیق "دارالمؤلفین"، کراچی، یزید کی امامت و خلافت کو شرعاً درست قرار دیتے ہوئے سیرت یزید کو مسخ کرنیوالوں کی علمی تردید میں پیش پیش ہیں۔ آپ کی متعدد تصانیف میں "مقام یزید"، "کربلا کا سیاسی حادثہ"، "مختصر ترجمہ و تعارف شیعہ کتاب، فصل الخطاب"، بغیۃ الطالب فی بیعۃ علی بن ابی طالب" اور "جواہر الطالب فی صلاۃ علی بن ابی طالب" سر فہرست ہیں۔ آپ اسی (۸۰) صفحات پر مشتمل اپنے مختصر و جامع تحقیقی مقالہ بعنوان "مکہ سے کربلا تک۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالی عنہما کی تین شرطیں" میں مذکورہ تین شرطوں کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں سیدنا حسینؓ نے عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ سے ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی:-

"ملاقات کی پیشکش

ملاقات کی پیشکش بھی حضرت حسینؓ کی طرف سے ہوئی :۔

ان الحسين طلب من عمر بن سعد أن يجتمع له بين العسكرين.

(البدایہ والنہایہ، ص ۱۷۵، ج ۸)۔

حضرت حسینؓ نے عمر بن سعدؓ سے کہا کہ ہم آپس میں دونوں لشکروں کے درمیان ملاقات کرلیں۔

شیعہ مجتہد شیخ مفید

مجتہد موصوف لکھتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے:-

أنفذ الی عمر بن سعد انی أرید أن القاک-

(کتاب الارشاد مع شرح فارسی، ص ۴۳۷، طبع ۱۳۵۱ھ)-

عمر بن سعد کی طرف پیغام بھیجا کہ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں"-

(محمد الفاروقی النعمانی، مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، ص ۸، ناشر "مرکز تحقیق حزب الاسلام، لاہور ۱۹۹۳ء)-

اس کے بعد سیدنا حسینؓ بن علیؓ کی تین شرائط پر مبنی پیشکش کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

تین شرطیں

بالاخر ان ملاقاتوں کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ حضرت حسینؓ نے سابقہ موقف طلب امارت سے رجوع کا اعلان کر دیا- اور عمر بن سعد کو ایک درخواست پیش کر دی جس میں آپ نے یہ تین شرطیں درج کیں:-

۱- یا آپ مجھے واپس جانے دیں جہاں سے میں آیا ہوں-

۲- یا آپ مجھے مسلمانوں کی سرحدات میں سے کسی سرحد کی طرف جانے دیں الخ-

۳- یا پھر آپ مجھے یزید بن معاویہ کے پاس جانے دیں تاکہ:-

فاضع یدی فی یده فیحکم فی مارأی.

میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں- پھر میرے متعلق جو مناسب ہو گا وہ خود فیصلہ کریں گے-

(ابن جریر طبری- م ۳۱۰ھ)- تاریخ الامم والملوک - ص ۳۱۳، ج ۴ - طبع ۱۳۵۸ھ-

(ابن عساکر- م ۵۷۱ھ)- تہذیب تاریخ دمشق - ص ۳۳۵، ج ۴ - طبع ۱۳۳۲ھ-

(ابن الاثیر- م ۶۳۰ھ)- کامل فی التاریخ - ص ۲۴، ج ۴ - طبع ۱۳۴۸ھ-

(ابن تیمیہ- م ۷۲۸ھ)- راس الحسین - ص ۲۱ - طبع ۱۳۶۸ھ-

(ابن تیمیہ- م ۷۲۸ھ)- فتاوی کبری شیخ الاسلام - ص ۴۷۱، ج ۲۷ - طبع ۱۳۸۱ھ-

(البلاذری- م ۲۷۹ھ)- انساب الاشراف - ص ۱۸۲، ج ۳ - طبع ۱۳۹۷ھ-

(ابن کثیر۔ م ۷۷۴ ھ)۔ البدایہ والنھایہ۔ ص ۱۷۰، ج ۸۔ طبع ۱۳۹۸ھ۔
(ابن کثیر۔ م ۷۷۴ ھ)۔ البدایہ والنھایہ۔ ص ۲۳۲، ج ۶۔ ۱۳۹۸ھ۔
(ابن حجر عسقلانی۔ م ۸۵۲ ھ)۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔ ص ۲۳۳، ج ۱۔ طبع ۱۳۵۸ھ۔
(محمد رضا مصری)۔ رسالتہ الحسن والحسین۔ ص ۱۱۵۔ طبع ۱۳۹۰ھ۔
(محمد رضا مصری)۔ رسالتہ استشھا والحسین۔ طبع ۱۳۹۷ھ۔
(محمد بن علی صبان۔ م ۱۲۰۶ ھ)۔ اسعاف الراغبین۔ ص ۱۷۱۔ طبع ۱۳۳۳ھ۔
(علامہ فرھاروی۔ م ۱۲۳۹ ھ)۔ نبراس۔ ص ۵۴۱۔ طبع ۱۳۱۳ھ۔
(دیار بکری مالکی۔ ۹۶۶ ھ)۔ تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس۔
ص ۲۹۸، ج ۲۔ طبع بیروت بلا تاریخ۔
(سیوطی۔ م ۹۱۱ ھ)۔ تاریخ الخلفاء، عربی۔ ص ۱۴۴۔ طبع ۱۳۴۸ھ۔
(سیوطی۔ م ۹۱۱ھ)۔ تاریخ الخلفاء، ترجمہ اردو۔ ص ۲۳۸۔ طبع ۱۹۶۳ء۔
(شیخ عبدالحق محدث دھلوی م ۱۰۵۲ ھ)۔ ماثبت من السنہ، عربی۔ ص ۲۶۔ بلا تاریخ۔
(شیخ عبدالحق محدث دھلوی م ۱۰۵۲ ھ)۔ ماثبت من السنہ، ترجمہ اردو۔ ص ۴۰۔ طبع ۱۳۸۰ھ"۔

(محمد الفاروقی النعمانی، مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، ص ۹-۱۰۔ نیز قوسین میں مذکور اسمائے مؤلفین مع وفیات نفس مقالہ کی فہرست مراجع وماخذ، ص ۷۷ سے منقول ہیں)۔

علامہ فاروقی اسی سلسلہ میں شیعہ علماء و مجتھدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

"تین شرطیں اور شیعہ علماء

شیعہ علماء اور مجتھدین نے بھی صاف لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے جناب عمر بن سعد سے ملاقات کے وقت تین شرطیں پیش کی تھیں۔ اور تیسری شرط میں آپ نے عمر بن سعد سے فرمایا کہ:۔ أوتسیرنی الی یزید فاضع یدی فی یده فیحکم بما یرید.

یا پھر آپ مجھے یزید کے پاس جانے دیں تاکہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دوں۔ پھر وہ جس طرح چاہیں فیصلہ کرلیں۔

(مجہول الاسم)۔ الامامۃ والسیاسۃ - ص ۷، ج ۲ - طبع ۱۳۸۲ھ۔
(شیخ مفید۔ م ۴۱۳ھ)۔ کتاب الارشاد - ص ۲۱۰ - طبع ۱۳۶۴ھ۔
(شریف مرتضیٰ۔ م ۴۳۶ھ)۔ تنزیہ الانبیاء - ص ۱۷۷ - طبع ۱۳۵۰ھ۔
(ابو جعفر طوسی۔ م ۴۶۰ھ)۔ تلخیص الشافی - ص ۱۷۴ - طبع ۱۳۰۱ھ۔
(فضل بن حسن طبرسی۔ م ۵۴۸ھ)۔ اعلام الوری باعلام الھدی - ص ۲۳۳ - طبع ۱۳۳۸ھ۔
(باقر مجلسی۔ م ۱۱۱۱ھ)۔ بحار الانوار - ص ۴۳۶، ج ۱۰ - طبع ۱۳۵۵ھ۔
(محمد فتال نیشاپوری۔ م ۵۰۸ھ)۔ روضۃ الواعظین - ص ۸۲، ج ۱ - طبع ۱۳۸۵ھ۔
(باقر ساعدی خراسانی۔ م بعد ۱۳۸۲ھ)۔ شرح فارسی کتاب الارشاد مع متن عربی - ص ۴۳۷ - طبع ۱۳۵۱ھ"۔ (مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، ص ۳۳، نیز ان کتب کے مؤلفین کے اسماء، وفیات نفس مقالہ ص ۷۹ فہرست مراجع بعنوان "کتب شیعہ اثنا عشریہ" سے منقول ہیں۔ صاحب مقالہ نے کتاب "الامامہ والسیاسہ" کا مؤلف نامعلوم بتلایا ہے کیونکہ ابن قتیبہ سے منسوب ہونے کے باوجود بہت سے محققین اس نسبت کو غلط ثابت کرتے ہیں)۔

علامہ محمد الفاروقی النعمانی مزید لکھتے ہیں:-

"بیعت کی لازمی شرط

قدیم زمانہ سے ہمارے زمانہ تک بیعت کے متعلق جو اصول و طریقہ چلا آرہا ہے وہ یہی ہے کہ:- جس سے بیعت کی جاتی ہے، اس کے ہاتھ میں ہاتھ رکھا جاتا ہے۔

بیعت میں صرف زبانی قول و اقرار کافی نہیں ہوتا بلکہ ہاتھ میں ہاتھ رکھنا بیعت کی لازمی شرط ہے۔

اس لئے حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ:-

فاضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ۔

میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھتا ہوں یعنی بیعت کرتا ہوں۔

کیونکہ (فاضع یدی) کے الفاظ بیعت کا مفہوم ادا کرنے میں خود الفاظ بیعت سے بھی زیادہ بلیغ و صریح ہیں۔ فافھم ولا تکن من الجھلۃ الغافلین۔

(مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، ص ۱۱)۔

سیدنا حسنؓ کی بیعت سیدنا معاویہؓ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"آپ کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ نے بھی آپ کو خلافت نہیں دی بلکہ انہوں نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر کے خلافت ان کے سپرد کر دی اور اپنی بیعت کا مجمع عام میں اعلان کیا کہ:- وقد بايعته ورأيت أن حقن الدماء خير من سفكها.

(کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ص ۵۷۰، ج ۱، طبع ۱۳۸۱ھ)-

یہ تحقیق میں نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کر لی ہے اور حفظ خون کو خونریزی سے بہتر پایا ہے"-

(مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، ص ۴۱ اور کشف الغمۃ، شیعہ مؤلف علی بن عیسی اردبیلی م ۶۹۲ھ کی تصنیف ہے، راجع نفس المقال ص ۸۰)-

دست در دست یزید کی حسینی پیشکش کے حوالہ سے مزید فرماتے ہیں:-

بیعت کی عملی صورت

افسوس ہے کہ اس بیعت کی عملی صورت واقع نہ ہو سکی کیونکہ حضرت حسینؓ جب بیعت کرنے کے لئے یزید کے پاس شام جا رہے تھے تو راستہ میں کربلا کے مقام پر کوفی شیعوں نے آپ کو شہید کر دیا- (تعلیقات مقتل ابی مخنف، ترجمہ اردو ص ۲۱۷، طبع ۱۹۷۲ء)-

اصولاً اس بات میں شک نہیں کہ:-

"اقرار العقلاء على انفسهم حجة والمرء يؤخذ باقراره."

عقلمندوں کا اقرار کر لینا ہی اس پر حجت ہو جاتا ہے اور آدمی اپنے اقرار سے ہی پکڑا جاتا ہے- (کشف التلبیس، ص ۴۷/۸ جلد ۱، طبع ۱۳۲۶ھ)-

اس لئے جب حضرت حسینؓ نے بیعت کا اقرار کر لیا تو اصولاً آپ بیعت میں داخل ہو گئے- رہی بیعت کی عملی صورت تو اس کی رکاوٹ شیعان کوفہ بنے، جن بے حیاؤں نے حکومت قائمہ کے خلاف بغاوت کا پلان بنایا تھا"-

(مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، ص ۴۸ اور مذکورہ کشف التلبیس، مولانا سید ولایت حسین شاہ صاحب متوفی بعد ۱۳۲۶ھ کی تصنیف ہے، بحوالہ نفس مقالہ، ص ۸۷)-

علامہ محمد الفاروقی، سلطان المشائخ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (م ۶۳۳ھ)

سے منسوب رباعی کے حوالہ سے فرماتے ہیں:-

"ہندوستان میں کچھ عرصہ سے یہ رباعی حضرت خواجہ اجمیریؒ المتوفی ۶۳۳ھ سے منسوب کی گئی ہے:-

شاہ است حسین پاشادہ است حسین
دیں است حسین دیں پناہ است حسین
سرداد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

دراصل یہ رباعی خواجہ صاحب موصوف کی نہیں بلکہ شیعہ عالم معین کاشانی کی ہے۔ صرف نام کی مشابہت سے شیعوں نے خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی طرف منسوب کرکے جاہل قسم کے مولویوں کو دھوکا دیا ہے"۔

(محمد الفاروقی النعمانی، مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، ص ۴۰)۔

محمد الفاروقی مزید فرماتے ہیں:-

"نقل تو آخر شاگرد اور خلفاء کی ہی معتبر ہو سکتی ہے۔

کیونکہ ان حضرات کو خواجہ صاحب سے سماع حاصل ہے اور سالہا سال انہوں نے خواجہ صاحب کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا ہے۔

مگر خواجہ صاحب کے کسی شاگرد اور خلیفہ نے یہ نہیں کہا کہ یہ رباعی خواجہ صاحب کی ہے۔ (مکہ سے کربلا تک، حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں ص ۴۲)۔

اس سلسلہ میں مزید فرماتے ہیں:-

"اس رباعی میں پھر یہ جو کہا گیا ہے کہ:-

سرداد نداد دست در دست یزید

یہ تاریخ سے کھلی بغاوت ہے۔ کیونکہ تاریخی واقعات بیان کرنے والی چھوٹی کتابیں ہوں یا بڑی، اہل اسلام کی ہوں یا شیعہ روافض، کفار مشرکین کی، سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت حسینؓ نے عمر بن سعد سے فرمایا تھا کہ:- میں یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہوں۔

تاریخ کی اس کھلی شہادت کے باوجود پھر بھی یہ کہنا کہ: نہ داد دست در دست

یزید،

اگر بے شرمی اور بے حیائی اور بے غیرتی نہیں تو پھر اور کیا ہے"۔

(مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، ص ۴۳)۔

اسی سلسلہ میں علامہ فاروقی مزید فرماتے ہیں:۔

"معین الدین کا جعلی دیوان

فارسی زبان کا یہ دیوان جس کے تقریباً ۱۲۲۵ اشعار ہیں، کل مضمون اس دیوان کا ۱۶۴ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ خواجہ صاحب کی وفات کے تقریباً چھ سو سال کے بعد ۱۲۸۸ھ میں یہ دیوان پہلی مرتبہ لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ (مختصر مقالات شیرانی، ص ۲۱۰، طبع، لاہور بلا تاریخ)

اس دیوان میں بھی یہ رباعی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ دیوان جعلی ہے اور خواجہ صاحب کی تصنیف نہیں۔ جیسا کہ پروفیسر حافظ محمود شیرانی المتوفی ۱۳۶۶ھ نے دیوان کے طول و عرض پر تفصیلاً گفتگو کر کے اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ (مقالات شیرانی، ص ۵۸۸، ج ۲، طبع لاہور ۱۹۷۲ء)۔"

(محمد الفاروقی النعمانی، مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، ص ۴۴)

مذکورہ رباعی پر اہل علم کی تنقید اور فارسی دان محققین کی جانب سے اسے ایرانی شیعہ شاعر معین الدین کاشانی کی رباعی ثابت کر دینے کے بعد اس رباعی کو اکابر امت اور عامتہ المسلمین میں وہ تقدس و استناد حاصل نہیں رہا جو سلطان المشائخ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے نسبت کی بناء پر حاصل تھا۔ لہذا اب اس رباعی کو مسترد کرنے کے باوجود (اوزان سے قطع نظر) اس کی مختلف ترمیم شدہ مرویات بھی سامنے آ رہی ہیں جن میں سے بعض قارئین کی دلچسپی کے لئے بلا تبصرہ درج کی جا رہی ہیں اور ان سب میں بھی امامت و خلافت کے بجائے بادشاہت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

شاہ است عمر پادشاہ است عمر

دین است عمر دیں پناہ است عمر

سر داد نداد دست در دست مجوس

حقا کہ بنائے لاالہ است عمر

شاہ است غنی پادشاہ است غنی
دین است غنی دیں پناہ است غنی
سر داد نداد دست در دست مجوس
حقا کہ بنائے لاالہ است غنی

شاہ است حسین پادشاہ است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین
سر داد نداد دست در دست زیاد
حقا کہ بنائے لاالہ است حسین
(نوٹ: زیاد سے مراد ابن زیاد ہے، مضاف ضرورت شعری کے تحت محذوف ہے)
شاہ است یزید پادشاہ است یزید
دین است یزید دین پناہ است یزید
سر داد نداد دست در دست مجوس
حقا کہ بنائے لاالہ است یزید

۴۴- مولانا سید آل حسن نعمانی

(مہتمم جامعہ یزیدیہ، سادات نگر، قصور)

ممتاز عالم دین مولانا سید آل حسن نعمانی مہتمم جامعہ یزیدیہ، قصور نے یزید کی امامت وخلافت کی شرعی حیثیت اور دست درست یزید کی حسینی پیشکش وغیرہ مختلف امور کے حوالہ سے تحریر شدہ علامہ محمد الفاروقی کی تصنیف "مکہ سے کربلا تک" کی مکمل تائید وحمایت کرتے ہوئے درج ذیل عبارت فصیح عربی زبان میں تحریر فرمائی:-

"باسمه سبحانه و تعالى - امابعد:-

فقد رأيت هذه المقالة المباركة المحققة التى ألفها مولانا محمد الفاروقى النعمانى حرسه الله تعالىٰ مرة بعد مرة أخرى. والله انى وجدت جميع مافيها صحيحاً و صريحاً موافقاً لكتب اهل السنة والجماعة كثر الله تعالىٰ سوادهم و دمرالله تعالىٰ أعدائهم.

وايضاً موافقاً لكتب الشيعة الشنيعة خذلهم الله تعالىٰ آمين.

كتبه الفقير سيد آل حسن نعمانى

٣ جمادى الأولىٰ ١٤١٣ھ"-

(محمد الفاروقی النعمانی، مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، ص ۷۱، مطبوعہ مرکز تحقیق حزب الاسلام، لاہور، ۱۹۹۳ء، بعنوان "التوثیق للشیخ العلامہ الفہامہ مولانا سید آل حسن نعمانی زید مجدہ، بدون ترجمہ)۔

ترجمہ:- ابتداء اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نام سے - اما بعد:-

یہ با برکت و تحقیقی مقالہ جو مولانا محمد الفاروقی النعمانی، اللہ ان کی حفاظت فرمائے، نے لکھا ہے، میں نے اس کا بار بار مطالعہ کیا ہے اور بخدا میں نے اس کے جملہ مندرجات کو صحیح وصریح اور اہل سنت والجماعت، اللہ ان کی تعداد میں کثرت دے اور ان کے دشمنوں کو برباد فرمائے، کی کتابوں کے مطابق پایا ہے۔

نیز اس کے مندرجات کو شیعہ شنیعہ، اللہ تعالیٰ انہیں رسوا فرمائے، کی کتب کے بھی مطابق پایا ہے۔

تحریر کردہ الفقیر سید آل حسن نعمانی ۳، جمادی الاُولیٰ ۱۴۱۳ھ

۴۵- مولانا عبدالرسول نوری رضوی فریدی بریلوی

(خطیب اعظم جامع غوثیہ، رکن پور، ملتان)

ممتاز عالم دین حضرت مولانا عبدالرسول نوی رضوی، خطیب اعظم جامع غوثیہ، رکن پور (ملتان) نے بیعت یزید کی حسینی پیشکش اور یزید کی امامت و خلافت کی شرعی حیثیت سمیت متعلقہ امور پر مبنی مولانا محمد الفاروقی کے مقالہ "مکہ سے کربلا تک" کی توثیق فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم- اما بعد:-

حضرت مولانا فاروقی صاحب، سلمہ اللہ وابقاہ و أوصلہ الی ما یتمناہ، کی یہ کتاب دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا ہے کیونکہ یہ کتاب بے نظیر و بے مثال ہے اور لاجواب و باکمال ہے-

مالامزید علیہ کی جو مشہور مثال ہے
اس کی اصل مصداق صرف یہی کتاب ہے

بندہ عبدالرسول نوری رضوی فریدی بریلوی

۸، جمادی الاول ۱۴۱۳ھ"-

(بحوالہ محمد الفاروقی، مکہ سے کربلا تک، مطبوعہ مرکز تحقیق حزب الاسلام، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۶۷ بعنوان :- توثیق حضرت مولانا عبدالرسول صاحب فریدی رضوی دام ظلہ، خطیب اعظم جامع غوثیہ، رکن پور، ملتان)-

۴۶- پروفیسر سید علی احمد العباسی

(جہاں زیب کالج، سیدو شریف، سوات)

ممتاز عالم و استاد و طبیب مولانا سید علی احمد العباسی جو ایم ایس علیگ و فاضل آل انڈیا طبیہ کالج دہلی ہیں- نیز پروفیسر "جہاں زیب کالج" سیدو شریف سوات و نزیل "دارالسلام و التحقیق" کراچی ہیں- آپ یزید کی شرعی امامت و خلافت کے پرجوش مؤید ہیں اور مولانا محمد الفاروقی النعمانی کے مقالہ بعنوان "مکہ سے کربلا تک، حضرت حسین

بن علی کی تین شرطیں" کی تائید میں فرماتے ہیں:-

"باسمہ سبحانہ وتعالٰی-----امابعد:-

آپ کا مرسلہ رسالہ پہنچ گیا ہے۔ ہر اعتبار سے کافی وشافی ہے۔ سیدنا حسینؓ کی بابت سبائیوں نے اور سبائیت زدہ لوگوں نے جو کذب وافتراء کا جال پھیلایا ہے، وہ آپ کے اس رسالہ سے پوری طرح تار تار ہو گیا ہے۔ اور اسی سے ثابت ہو گیا ہے کہ سیدنا حسینؓ کی کوئی جنگ عسکر خلافت سے نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی۔

جب آپ نے دمشق جانے کے لئے شام کی راہ اختیار کر لی تو پہلے پڑاؤ طف (کربلا) کے مقام پر ڈالا جو نہایت سرسبز وشاداب خطۂ زمین تھا، جہاں آ کر قافلے ٹھہرا کرتے تھے۔

اسی جگہ پر شیعیان کوفہ کے ان ساٹھ سبائیوں نے جو آپ کے ساتھ آ رہے تھے یہ باتیں شروع کر دیں کہ دمشق جانے کی بجائے بنوطی کی طرف نکل چلیں اور وہاں جا کر مورچہ بنا لیں۔ مگر سیدنا حسینؓ اس عہد شکنی پر تیار نہ ہوئے اور سختی سے یہ تجویز رد کر دی۔ اس پر برافروختہ ہو کر ان سبائیوں نے اچانک حملہ کر کے انہیں اور ان کے چند اعزہ کو شہید کر دیا۔

حضرت امیر عمر بن سعدؓ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو ان سبائیوں پر حملہ کر کے انہیں کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ یوں ہی یہ سب سبائی مارے گئے اور متعدد ہاشمی سادات بچ گئے، ورنہ یہ سبائی سب کو ختم کر دیتے۔

اب کربلا کا جو افسانہ بیان کیا جاتا ہے تو قطعاً بے اصل ہے اور افتراء خالص۔ مگر کیا کہئے ان نام نہاد سنی مولویوں کو جنھوں نے تمام نصوص صریحہ وثابتہ ومواقف صحابہؓ سب پس پشت ڈال دیئے ہیں اور ٹھیٹھ رافضی بنے ہوئے ہیں۔

نعوذ باللہ من ذلک الخسران فی الدنیا والاخرۃ
وثبتنا علی الشریعۃ الحقۃ الصادقۃ-

علی احمد العباسی

۲۸، جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ"-

(بحوالہ محمد الفاروقی النعمانی. مکہ سے کربلا تک، مرکز تحقیق حزب الاسلام.. لاہور، ۱۹۹۳.. ص ۷۳-۷۴)-

۴۷- مولانا مفتی فضل اللہ شاہ کشمیری

(خطیب جامع امویہ، ہرن پور، سندھ)

ممتاز عالم و مفتی مولانا فضل اللہ شاہ کشمیری، یزید کی امامت و خلافت کی شرعی حیثیت کے اثبات اور در دست یزید کی حسینی پیشکش سمیت جملہ امور پر مبنی مولانا محمد الفاروقی کے مثبت موقف کی تائید کرتے ہوئے ان کے مقالہ "مکہ سے کربلا تک" کے بارے میں فصیح عربی زبان میں تحریر فرماتے ہیں:-

"باسمه سبحانه - امابعد:-

فقرأت هذا الكتاب من تصانيف الفاضل المحقق مولانا محمد الفاروقي النعماني انار الله برهانه، من اوله الى آخره ثلاث مرات. فرأيته أصح ماكتب في هذا الباب. ولهذا أصدق جميع مافيه حرفاً فحرفاً سطراً فسطراً صفحاً فصفحاً، والحمدلله على ذلك.

حرره الفقير: فضل الله شاه كشميرى

۱۲، جمادی الأولیٰ ۱۴۱۳ھ "-

(بحوالہ محمد الفاروقی النعمانی، مکہ سے کربلا تک، حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، مطبوعہ مرکز تحقیق حزب الاسلام، لاہور، ۱۹۹۳ھ، ص ۷۲، بعنوان "التوثیق للفاضل المحقق مولانا مفتی فضل اللہ شاہ کشمیری، دام مجدہ، خطیب جامع امویہ ہرن پور، سندھ، بدون ترجمہ)-

ترجمہ:- ابتداء اس پاک ذات کے نام سے - امابعد:-

میں نے فاضل محقق مولانا محمد الفاروقی النعمانی، اللہ ان کی برہان کی روشنی پھیلائے، کی تصانیف میں سے اس کتاب کو اول سے آخر تک تین مرتبہ پڑھا ہے- پس میں نے اسے اس موضوع پر تحریر شدہ صحیح ترین چیز پایا ہے- لہذا میں اس کے جملہ مندرجات کی حرف بحرف، سطر بسطر اور صفحہ بہ صفحہ تصدیق کرتا ہوں- والحمدللہ علی ذلک-

تحریر کردہ الفقیر فضل اللہ شاہ کشمیری

۱۲، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

۴۹- مولانا ابوریحان سیالکوٹی

پاکستان کے ممتاز عالم و مصنف مولانا ابوریحان سیالکوٹی نے اپنی تصانیف کے ذریعے شرکائے جمل و صفین و دیگر صحابہ کرامؓ کے مقام و عظمت کو واضح کیا ہے اور جماعت صحابہؓ کے بارے میں علمی و دینی حوالہ سے اہم تحقیقات پیش کی ہیں۔ اسی سلسلہ کی اہم ترین کڑی آپ کی دو جلدوں میں عظیم و ضخیم تصنیف "سبائی فتنہ" ہے جس میں دیگر صحابہ کرامؓ کے علاوہ ناقدین سیدنا معاویہؓ و خاندان معاویہؓ کے حوالہ سے قیمتی و علمی نقاط و دلائل قلمبند کئے ہیں۔ یزید و بنوامیہ کے خلاف غلط و بے بنیاد پروپیگنڈہ کے ازالہ میں آپ کی شخصیت و تحقیقات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

مولانا ابوریحان سیالکوٹی نے خلافت علویؓ میں سیدنا معاویہؓ کی شرعی حیثیت و حقانیت نیز انکی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ناقدین کے جواب میں جو علمی و تحقیقی انداز اختیار فرمایا ہے، اس کا اندازہ درج ذیل جامع و مفصل اقتباس سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اور اس سے سیدنا معاویہؓ و یزید و بنوامیہ کے خلاف سبائی پروپیگنڈہ اور ریشہ دوانیوں کا پس منظر بھی سامنے آجاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

"جو سبائی مفسد، اللہ کی دی ہوئی خلافت راشدہ کی عظیم امانت میں بدترین خیانت اور نقب زنی کے مرتکب ہوئے۔

جن سبائی مفسدوں نے قوم لوط کی تاریخ:- "ماسبقکم بہ احد من العالمین"- دہراتے ہوئے دنیا جہاں میں سب سے پہلے خلافت راشدہ کے تقدس کو بری طرح پامال کیا۔

جن سبائی درندوں نے اللہ کے مقرر کردہ اور قرآن کے موعودہ تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو درندگانہ بے دردی کے ساتھ بالکل بیگناہ خاک وخون میں تڑپایا۔

جن سبائی منافقوں نے اللہ کے مقرر کردہ اور قران کے موعودہ اور اپنے ہی منتخب کردہ اور پسندیدہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ کے بارے میں پہلے:- "الحقنا علیاً بعثمان"- جیسا شیطانی منصوبہ بنایا، پھر حد درجہ بے شرمی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے رودررو:- "نفعل بک ما فعلنا بابن عفان"- جیسے گستاخانہ الفاظ میں اپنے نفاق کا کھلم کھلا مظاہرہ کیا، اور آخر یہ اس پر عمل کرکے ہی دم لیا۔

جن سبائی بدقماشوں نے خلافت حضرت علیؓ کے استحکام و انتظام کے لئے نہیں بلکہ اسلامی خلافت راشدہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے اور اسلامی نظام خلافت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے درہم برہم کرنے کے لئے جمل و صفین جیسی قیامت خیزیاں بپا کرکے ہزاروں ہزار بیگناہ مسلمانوں کے خون کی ندیوں پر ندیاں بہائیں۔

جن مجسمہ شر و فساد سبائیوں کی فتنہ سامانیاں اسی پر ختم نہ ہوئیں بلکہ اس کے بعد پنجم خلیفہ راشد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درپے آزار ہوئے۔ انکو نہ صرف:- "یا عار المؤمنین!"- اور:- "یا مذل المؤمنین!"- جیسے ناپاک الفاظ سے یاد کیا

بلکہ آخر کار ان کو بھی زہر دیکر شہید کر دیا۔

ایسے بد طینت سبائیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اگر کوئی خطرہ نہ تھا تو:۔

جو معاویہؓ حلم و بردباری میں اپنی مثال آپ تھا۔

جو معاویہؓ جنگ کے مقابلہ میں صلح اور فتنہ ہی کے مقابلہ میں امن و امان کا سب سے زیادہ خواہاں تھا۔ کما مر من ابن تیمیہ۔

جس معاویہؓ نے جنگ جمل و نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی حصہ نہ لیا جبکہ یہ حصہ لینا اس کے حق میں بہت بہتر و مفید نتائج بر آمد کر سکتا تھا۔

وہ معاویہؓ کہ اس پر مسلط کی گئی جنگ صفین بند ہی اس کی تحریک و تدبیر سے ہوئی۔

وہ معاویہؓ جو جنگ کی ہلاکت خیزیاں دیکھ کر تڑپ گیا۔ اور۔ من للثغور؟ و من لجهاد المشركين و الكفار؟ کی دوہائی دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ (البدایہ، ج ۷، ص ۲۷۳)۔

وہ معاویہؓ جس نے عین جنگ میں شاہ روم کی شرارت پر اس کو وہ تاریخی جواب دیا جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے:۔" والله لئن لم تنتة و ترجع الى بلادك يا لعين لأصطلحن انا و ابن عمى عليك الخ"۔(البدایہ ج ۸، ص ۱۱۹)

وہ معاویہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لیاقت اور استحقاق خلافت کا نہ صرف یہ کہ اقراری تھا بلکہ اہل شام میں سب سے پہلے بیعت کرنے کا اعتراف اور اس کا برملا اظہار کر رہا تھا۔ (فتح الباری، ج ۱۳، ص ۸۶، والبدایہ، ج ۸، ص ۱۲۹ و ج ۷، ص ۲۶۰)۔

جس معاویہؓ نے اس شخص کو خوب ڈانٹا اور اس کا وظیفہ ہی بند کر دیا جس نے ایک مسئلہ، معاویہؓ کے کہنے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھنے کی بجائے حضرت معاویہؓ سے ہی پوچھنا زیادہ پسند کیا:۔

"بئسما قلت- لقد كرهت رجلاً كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعزه بالعلم عزا.... قم لا اقام الله رجليك. و محا اسمه من الديوان. الخ. (الناهية، ص ۲۷)۔

ومعاویہؓ جو خود بھی مسائل و نوازل میں "باب مدینۃ العلم" کی طرف ہی رجوع کیا

کرتا تھا۔ (استیعاب مع اصابہ، ص ۴۴، ج ۳، و موطا امام مالک ص ۶۴۰، باب القضاء فی من وجد مع امرأته رجلا)۔

وہ معاویہؓ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت پر رو دیا اور بیوی کے پوچھنے پر یوں گویا ہوئے فضائل و مناقب شیر خدا ہوا کہ:-

"ویحک انما أبکی لما فقد الناس من حلمه و علمه و فضله و سوابقه و خیره"- (البدایة، ص ۱۵۰، ۱۳۰، ج ۸)

"ذهب الفقه والعلم بموت ابن ابی طالب". (الاستیعاب مع الاصابة، ص ۴۵، ج ۳).

جو معاویہؓ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی کا سن کر غم امت میں بے چین و بے قرار ہو گیا اور پکار پکار اٹھا کہ:-

"من لی بأمور المسلمین؟ من لی بنسائهم؟ من لی بضیعتهم؟ (بخاری، ص ۳۷۳، ج ۱)- "من لذراری المسلمین"- (بخاری، ص ۱۰۵۳، ج ۱)

وہ معاویہؓ جس نے یہاں بھی صلح میں ابتداء کی:-

"ان المحفوظ أن معاویة هو الذی بدأ بطلب الصلح کما فی حدیث الباب"- نیز:- ان معاویة هو الراغب فی الصلح الخ- (فتح الباری، ص ۶۳-۶۲، ج ۱۳)-

وہ معاویہؓ جس کی تو سرشت ہی یہ تھی کہ:-

"انی والله لا أقاتل حتی لا أجد من القتال بداً. (فتح الباری ص ۶۲ ج ۱۳)-

وہ معاویہؓ جس نے حضرت حسن و حسین اور ابن عباس و عبداللہ بن جعفر، رضی اللہ عنہم کو بار بار لاکھوں کے عطیات دیکر اہل بیت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اپنی عقیدت و محبت کے انمٹ نقوش ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تاریخ میں ثبت کر دیئے۔ (البدایہ، ص ۴۱، ۱۳۷، ج ۸، الاص ۳۳۸، ۱۵۰، ج ۸- والاصابہ، ص ۳۳۰، ج ۱- وعمدۃ القاری، الجز ۱۳، ص ۲۸۳)۔

وہ معاویہؓ جو مرتے وقت بھی اپنے بیٹے کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کیساتھ صلہ رحمی اور نرمی کرنے کی وصیت کر کے اس دنیا سے رخصت ہوا۔ (البدایہ، ص ۱۶۲، ج ۸)۔

ایسے معاویہؓ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آخر کیا خطرات ہو سکتے تھے؟

اس لئے ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطرات تو کیا کوئی ایک خطرہ بھی نہ تھا۔ اور نہ ان کا صفینی اقدام ہی ایسے فرضی

خطرات پر مبنی تھا۔ ہاں سبائی مفسدوں کو بیخ اسلام دشمن کارستانیوں کی وجہ سے البتہ خطرات ضرور درپیش تھے۔ ان کی جانوں کے لالے بیشک پڑے ہوئے تھے۔ انکو حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح میں اپنے سر قلم ہوتے ضرور نظر آ رہے تھے۔ اس لئے جمل و صفین کی ہلاکت خیزیوں کے تمام تر ذمہ دار بھی تنہا یہی فتنہ انداز و فتنہ پرداز تھے۔ حضرت علی اور اصحاب جمل و صفین خصوصاً حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم) ان سے بالکل پاک تھے۔ اگر یہ سبائی منافقین آڑے نہ آئے ہوتے اور ان حضرات کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہوتا تو تاریخ عالم، جمل و صفین کے نام تک سے بھی شاید آشنا نہ ہوتی۔ لہذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی بنانے یا ان کی خود ساختہ بغاوت میں فرضی قوت پیدا کرنے کے شوق میں قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خطرات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطرات باور کرانا گویا شعوری یا غیر شعوری طور پر حضرت علی کو بھی قتل عثمانؓ میں ملوث بتانا ہے"۔

(مولانا ابوریحان سیالکوٹی، سبائی فتنہ، جلد اول، ص ۲۳۴-۲۳۹)، مطبوعہ بخاری اکیڈیمی. دار بنی ہاشم. مہربان کالونی، ملتان. بار اول، جنوری ۱۹۹۲ء)۔

اس طویل اقتباس سے سیدنا علیؓ و معاویہؓ کے مقام و عظمت و اختلاف باہم کی نوعیت کے سلسلہ میں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اور چوتھے خلیفہ راشد سیدنا علیؓ کی امامت و خلافت کی شرعی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے بیعت سے پہلے، مقتدر قاتلین عثمانؓ سے قصاص عثمانؓ کی شرط کے حوالہ سے آپ کا شرعی موقف بھی سامنے آ جاتا ہے۔ چنانچہ جلیل القدر صحابیؓ حضرت ابوالورداءؓ وابوامامہ باہلیؓ نے سیدنا معاویہؓ کی یہ شرط مصالحت و بیعت سیدنا علیؓ کے سامنے پیش کی تو جنگ صفین کے موقع پر لشکر علیؓ میں موجود بیس ہزار سپاہیوں نے نعرہ لگایا کہ:- "ہم سب قاتلین عثمان ہیں۔ یہ رنگ دیکھ کر دونوں بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا"۔ (شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام. نصف اول. ص ۲۶۸-۲۶۹. ناشران قرآن لمیٹڈ. لاہور. بحوالہ "الاخبار الطوال لأبی حنیفہ الدینوری، ص ۱۸۰، ۱۸۲)۔

مولانا ابوریحان سیالکوٹی نے دو جلدوں میں سینکڑوں صفحات پر مشتمل اپنی ضخیم تصنیف "سبائی فتنہ" میں سیدنا معاویہؓ کے بارے میں ناقدین کے اعتراضات کے

مسلک "اہل سنت والجماعت" کے دائرہ میں رہتے ہوئے علمی ومدلل ومعتدل انداز میں جوابات دیکر دفاع صحابہؓ کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور دیگر علمی و دینی خدمات کے ساتھ ساتھ سیدنا معاویہؓ و یزید و بنی امیہ کے خلاف سبائی پروپیگنڈہ کا ازالہ نیز ان کے شرعی مقام و عظمت و خلافت شرعیہ کا اثبات، آپ کی تحریر و تقریر کا طرہ امتیاز ہے۔ وللہ در المصنف۔

۵۰- مؤرخ اسلام ڈاکٹر حمید الدین
(ایم اے پنجاب و دھلی، پی ایچ ڈی ھارورڈ یونیورسٹی)

برصغیر کے نامور محقق و مؤرخ ڈاکٹر حمید الدین، اختصار و جامعیت کی حامل اپنی معروف و مقبول تصنیف "تاریخ اسلام" میں بنوامیہ کے حوالہ سے یوں رقمطراز ہیں:-

"بنوامیہ کا انتظام سلطنت

بنوامیہ کا عہد حکومت شاندار اسلامی فتوحات اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا دور ہے۔ افسوس ہے کہ اکثر مؤرخین نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کے محاسن کو بھی معائب کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بیشتر تاریخی کتب عہد عباسیہ میں لکھی گئی تھیں اور چونکہ بنی عباس امویوں کے بدترین دشمن تھے اس لئے مؤرخین نے انہیں خوش کرنے کے لیے خلفائے بنی امیہ کی بدعنوانیوں کے بیان میں مبالغہ آرائی سے کام لیا اور ان کے اوصاف کو بالکل نظر انداز کر دیا"۔

(ڈاکٹر حمید الدین، تاریخ اسلام، ص ۲۷۲، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، چھٹا ایڈیشن ۱۹۸۷ء)۔

ڈاکٹر حمید الدین سیدنا معاویہؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"امیر رضی اللہ عنہ بہت متحمل مزاج تھے اور جب تک مجبور نہ ہو جاتے سختی نہیں کرتے تھے۔ قیام عدل کا بہت اہتمام کرتے اور ہر روز مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کی شکایتیں سنتے۔ فیاضی میں مشہور تھے۔ امہات المومنینؓ اور صحابہ کرامؓ کی بہت خدمت کرتے تھے۔ مذہبی علوم میں کافی مہارت تھی۔ اسلامی تاریخ کی پہلی کتاب آپ ہی کے عہد میں لکھی گئی"۔

(ڈاکٹر حمید الدین، تاریخ اسلام، ص ۱۸۵، فیروز سنز، لاہور ۱۹۸۷ء)۔

ڈاکٹر حمید الدین، یزید کے تعارف میں لکھتے ہیں:-

"یزید بن معاویہ - ۶۰ تا ۶۴ ھ بمطابق ۶۸۰ تا ۶۸۳ء

تعارف:- یزید کی پرورش شاہانہ ماحول میں ہوئی تھی، ابتداء ہی سے اسے فرمانروائی اور جہانبانی کے قواعد سکھائے گئے۔ دو دفعہ امارت حج کے فرائض سپرد ہوئے۔ چند ایک معرکوں میں بھی شرکت کی۔ تعلیم و تربیت نہایت احسن طریق پر ہوئی تھی۔ اس لئے علم و ادب کا دلدادہ تھا۔ شعر گوئی میں تو اسے خاص مہارت حاصل تھی۔ سیر و شکار کا بہت شائق تھا۔ اور کئی قسم کے شکاری کتے پال رکھے تھے"۔

(ڈاکٹر حمید الدین، تاریخ اسلام، چھٹا ایڈیشن، ص ۱۸۶ فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء)۔

خلافت سیدنا معاویہؓ میں بیعت ولی عہدی یزید کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"زیاد بن ابی سفیان جیسا سخت گیر اور جابر شخص اگر چاہتا تو اھل بصرہ کو جمع کر کے فوراً بیعت لے لیتا مگر اس سلسلہ میں اس نے بھی بڑی احتیاط اور حکمت عملی سے کام لیا۔ اپنے مشیر خاص عبید بن کعب کو بلا کر کہا کہ یزید لاابالی قسم کا نوجوان ہے۔ لوگ بطیب خاطر اس کی جانشینی تسلیم نہیں کریں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ امیر اس ارادے کو فی الحال ملتوی کر دیں۔ تم جاؤ اور امیر کو یزید کے اطوار سے آگاہ کر کے اس کام سے باز رہنے کا مشورہ دو۔ مگر عبید نے جواب دیا کہ امیر کو یزید کی جانب سے بددل کرنا قرین مصلحت نہیں ہے۔ بہتر ہو گا کہ میں خود جا کر یزید کو سمجھاؤں کہ وہ قابل اعتراض حرکات سے احتراز کرے۔ زیاد کو یہ رائے بہت پسند آئی اور عبید کو فوراً دمشق بھیجا۔ یزید نے اس کے سمجھانے بجھانے سے بہت حد تک اصلاح کر لی۔ اور سیر و شکار اور لہو و لعب کے طریقے ترک کر دیئے"۔

(ڈاکٹر حمید الدین، تاریخ اسلام، ص ۱۸۰-۱۸۱، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء)۔

ڈاکٹر حمید الدین واقعہ کربلا کے حوالہ سے اس کی زیادہ تر ذمہ داری ابن زیاد پر عائد کرتے ہیں اور یزید کے ابن زیاد پر لعنت بھیجنے اور قافلہ حسینی سے عمدہ سلوک کا تذکرہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"کہتے ہیں کہ سر مبارک اور اہل بیت کی مستورات کا لٹا ہوا قافلہ یزید کے پاس پہنچا تو اس کے بھی آنسو نکل آئے اور عراقیوں سے کہا:-
(اگر تم نے حسین کو قتل نہ کیا ہوتا تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا- ابن زیاد پر خدا کی لعنت ہو- اگر میں موجود ہوتا تو خدا کی قسم حسین علیہ السلام کو معاف کر دیتا- خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے-)

یزید نے اہل بیت کے ستم رسیدہ قافلہ کو اپنے محل کی محرم سرائے میں اتارا- اور تین دن مہمان رکھنے کے بعد بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا- حادثہ کربلا میں ان کا جو مالی نقصان ہوا تھا اس کی دوگنی تلافی کر دی-

امام حسین علیہ السلام کے قتل سے اگرچہ یزید بری الذمہ نہیں ہے- مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سانحہ جانکاہ کی زیادہ تر ذمہ داری نابکار ابن زیاد پر عائد ہوتی ہے- یزید نے اسے صرف بیعت لینے کا حکم دیا تھا، نہ کہ قتل و غارت اور خونریزی کا"-

(ڈاکٹر حمید الدین، تاریخ اسلام، ص ۱۹۲-۱۹۳، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء)-

یزید کی بحیثیت خلیفہ و مجاہدِ اسلام خدمات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید الدین فرماتے ہیں:-

"یزید کی فتوحات

یزید نے عقبہ بن نافع کو افریقہ کی فتوحات پر مامور کیا جس نے رومیوں کو پے در پے شکستیں دے کر ان کے کئی مقبوضات چھین لئے- بربریوں نے رومیوں کا ساتھ دیا- مگر اسلامی لشکر فتح پر فتح حاصل کرتا ہوا بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ بحرظلمات کے کنارے پہنچ گیا- عقبہ نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا اور جب پانی سر تک آپہنچا تو لوٹ آیا اور کہا:-

"یا اللہ اگر سمندر راہ میں حائل نہ ہوتا تو جہاں تک زمین ملتی، تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا-"

(ڈاکٹر حمید الدین، تاریخ اسلام، ص ۱۹۴، فیروز سنز لاہور، چھٹا ایڈیشن ۱۹۸۷ء)-

فرزندِ یزید کے زہد و تقوی کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید الدین لکھتے ہیں:-

"معاویہ ثانی

یزید کی وفات پر شامیوں نے اس کے نوجوان بیٹے معاویہ کو تخت نشین کیا۔ لیکن وہ بڑا نیک فطرت اور دیندار انسان تھا۔ دنیاوی جاہ و جلال کی اسے خواہش نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے خلافت سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

"تم لوگوں نے مجھے اپنا خلیفہ منتخب کیا ہے۔ مگر مجھ میں اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہیں ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ صدیق اکبرؓ کی طرح اپنا جانشین نامزد کروں یا فاروق اعظمؓ کی طرح چھ آدمیوں کی کمیٹی بنا دوں جو باہمی مشورہ سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرے۔ لیکن نہ تو عمرؓ جیسا کوئی نظر آیا اور نہ ویسے چھ آدمی ملے۔ لہذا تم لوگ جسے چاہو خلیفہ انتخاب کر لو۔ میں اس منصب سے دستبردار ہوتا ہوں"۔

(ڈاکٹر حمید الدین، تاریخ اسلام، ص ۱۹۴۔۱۹۵، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۷ء)۔

۵۱ - شاہ بلیغ الدین - (کراچی)

(سابق رکن "قومی اسمبلی" پاکستان)

برصغیر کے منفرد و بے مثال خطیب و واعظ اور ممتاز عالم و مصنف، شاہ بلیغ الدین، سابق رکن "قومی اسمبلی" پاکستان مشہور و معروف شخصیت کے حامل ہیں۔ آپ کی تحریر و تقریر و نشریات نے بالخصوص "تجلی" کے عنوان سے پاک و ہند کے کروڑوں مسلمانوں میں تعلیمات قرآن و سنت اور افکار صحابہ کرامؓ کی وسیع پیمانے پر ترویج و اشاعت میں عظیم الشان کردار ادا کیا ہے۔ نیز آپ نے اپنی شہرہ آفاق "مجالس صحابہؓ" و محافل محرم" کے ذریعے امامت و خلافت صحابہؓ راشدین، نیز جناب یزید و کربلا کے حوالہ سے مستند تاریخی و شرعی معلومات فراہم کرنے کی مؤثر تحریک برپا فرمائی اور لاکھوں مسلمانوں کو براہ راست نیز اپنی تقاریر و مواعظ کی تسجیل (ریکارڈنگ) کے ذریعے بھی "حب اہل بیت" کے پردے میں غداران کوفہ کا کردار ادا کرنے والے عجمی و سبائی سازشیوں سے اہل اسلام کو وسیع پیمانے پر روشناس کرایا۔

آپ کی عظیم الشان علمی و دینی اور تحریری و تقریری خدمات کا ایک اہم باب سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت شرعیہ کے تسلسل میں "امامت خلافت یزید" کی شرعی حیثیت کا مؤثر و مدلل دفاع و تحفظ ہے۔ اس سلسلہ میں آپ مؤثر و دلنشین انداز میں طویل عرصہ سے اجتماعات عام میں بھی ببانگ دہل "امیر المؤمنین یزید" کی سیرت طیبہ اور "حقائق سانحہ کربلا" بیان فرماتے چلے آئے ہیں۔ اور غدار شیعان کوفہ کے فکری و تاریخی وارثان کے یزید و بنوامیہ دشمنی پر مبنی منفی و بے بنیاد پراپیگنڈہ کا مدلل و مفصل رد و ابطال کرتے ہوئے احقاق حق اور لاکھوں وابستگان "سنت و جماعت" کی اصلاح و تصحیح کا باعث بنے ہیں۔ اس حوالہ سے بھی آپ کی جرأتمند شخصیت:- لایخافون فی اللہ لومۃ لائم "- (وہ راہ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ (القرآن)۔ اور قل الحق ولو کان مرا۔ (حق بات کہو خواہ کڑوی ہو۔ الحدیث) کی روشن مثال ہے ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ، واللہ ذوالفضل العظیم۔

۵۲- پروفیسر ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق
(سابق صدر شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، لاہور)

عربی زبان و ادب کے معروف استاذ و محقق، پروفیسر ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق (سابق صدر شعبہ عربی "گورنمنٹ کالج، لاہور، واستاذ اورینٹل کالج) علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ برصغیر کے جلیل القدر عالم و مصنف نیز عربی و فارسی کے صاحب دیوان شاعر، مولانا اصغر علی روحی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ نے ابن خلکان کی "وفیات الاعیان" کی تحقیق و تصحیح و تحشیہ کا وقیع علمی کام، عمر عزیز کا گراں قدر حصہ صرف کرکے انجام دیا۔ نیز آپ کی دیگر تحریرات و تحقیقات کے علاوہ، آپ کا عربی، فارسی اور اردو شاعری پر مشتمل دیوان "کشکول ضیاء" کے نام سے مخطوط و موجود ہے۔ آپ ۱۹۱۱ء میں لاہور میں پیدا ہوئے اور ۱۴ جولائی ۱۹۸۹ء/۱۰ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ کو لاہور ہی میں وفات پا کر اپنے آبائی شہر کٹھالہ (ضلع گجرات) میں مدفون ہوئے۔

آپ کی عظیم الشان تدریسی و تحقیقی خدمات کا ایک اہم پہلو ایم اے اور پی ایچ ڈی کے مقالات کی نگرانی رہا ہے۔ اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ و یزید کے حوالہ سے ابن عبدربہ الاندلسی کی عظیم الشان تصنیف "العقد الفرید" کے بعض حصوں کے اردو ترجمہ پر مشتمل مقالہ جات کی نگرانی بھی آپ نے فرمائی۔ اور اس طرح سیدنا معاویہؓ و یزید کے فصیح و بلیغ عربی خطبات کے اسلوب و مضامین سے اردو دان طبقے کو روشناس کرانے کی سعی فرمائی۔ اس سلسلہ میں ایم اے عربی جامعہ پنجاب، لاہور کے دو مقالات کے عنوان درج ذیل ہیں:-

۱- خلافۃ معاویۃ و خطباتہ (من "العقد الفرید") اردو ترجمہ۔
نگران:- ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق، صدر شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، لاہور۔
طالب:- مشتاق احمد، رولنمبر ۱۱۲۸ (مقالہ ایم اے عربی ۶۹-۱۹۶۹ء)

۲- خلافت یزید بن معاویہ اور اس کے خطبات۔
(ترجمہ "العقد الفرید جلد دوم، ص ۲۱۶-۲۲۳، طبع مصر)۔

نگران :- ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق، صدر شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، لاہور-
طالب :- محمد صدیق- رولنمبر ۱۱۲۵ (مقالہ ایم اے عربی ۱۹۶۹ء)-

۵۳- شیخ الحدیث مولانا عبد الحق چوھان
(قائد "مجلس احرار اسلام" پاکستان)

ممتاز عالم دین مولانا عبد الحق چوہان، شیعہ مجتہد اعظم ملا باقر مجلسی کی "بحار الانوار" (ترجمہ جلد دہم، ص ۴۴۶) وغیرہ سے کربلا میں سیدنا حسینؓ کی جانب سے تین شرائط بشمول دست در دست یزید کی پیشکش نقل کر کے فرماتے ہیں :-
"حضرت حسینؓ کی پیش کردہ شرائط سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے موقف سے رجوع ہی کر لیا تھا- کیونکہ یہ امر حضرت حسینؓ کی دیانت سے بہت ہی بعید ہے کہ جس موقف کی بنیاد پر انہوں نے کوفہ کا سفر اختیار کیا تھا، اس

موقف پر برقرار رہتے ہوئے آپ کیسے فرما سکتے تھے کہ:- "میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتا ہوں"۔

یا کہ:- "جہاں سے میں آیا ہوں پھر واپس چلا جاؤں"۔

لیکن افسوس اور صد افسوس کہ عبید اللہ بن زیاد کی بد بختی اور شمر کے خبث باطن کے باعث حضرت حسینؓ کی شہادت کا الم ناک حادثہ امت کو پیش آیا۔ اور ساتھ ہی ان بد باطن لوگوں نے آپ کے خیمہ کو آگ لگا دی تا کہ ان کے خلاف وہ دستاویزی ثبوت جو خطوط کی صورت میں موجود تھا، تلف ہو جائے۔

حضرت حسینؓ کی شہادت کا حادثہ فاجعہ چونکہ یزید کے دور امارت میں ہوا تو بعض لوگوں نے اس حادثہ کی بناء پر اس پر لعنت کے جواز کا قول نقل کیا ہے۔ لیکن تحقیقی اعتبار سے یہ قول ساقط الاعتبار ہے۔" (مقالہ مولانا عبدالحق چوحان بعنوان "حضرت حسین شہید کربلا" مطبوعہ پندرہ روزہ "الاحرار" لاہور، سیدنا حسین نمبر، یکم تا ۱۵ جولائی ۱۹۹۳ء، ص ۱۱)۔

بعد ازاں امام غزالی نیز علامہ احمد بن مصطفی طاشکبری زادہ (مفتاح السعادۃ، ج ۲، ص ۲۹۰) کے حوالہ سے یزید پر لعن طعن کے جائز نہ ہونے کے اقوال نقل کر کے فسق یزید کی بھی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"حضرت حسینؓ کی ان پیش کردہ شرائط سے بھی "فسق یزید" کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت حسینؓ کا کوفہ کی طرف سفر کرنا اگر فسق یزید کی وجہ سے تھا تو آپ کے پاس یزید کا کونسا "توبہ نامہ" موصول ہوا تھا کہ جس کے باعث آپ نے یزید کی بیعت پر آمادگی ظاہر کی؟ بلکہ آپ کا یہ سفر اس بناء پر تھا کہ آپ نے یہ سمجھا کہ تاہنوز یزید کی امارت پر امت کا اتفاق نہیں ہوا۔ جب آپ میدان کربلا میں پہنچے اور اہل کوفہ کی کذب بیانی اور فریب کا مشاہدہ کیا تو آپ نے درج بالا شرائط کی پیشکش کی۔

ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مطلوب معیار تقویٰ اور پرہیزگاری یزید میں موجود نہ ہو اور وہ مسلمانوں کے تیسرے درجہ "ظالم لنفسہ" کا فرد ہو۔ لیکن پھر بھی وہ قبائح اور فواحش جو اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، ثابت نہیں۔ کیونکہ فطری اصول ہے کہ اس معاملہ میں اس کے معاصرین کی شہادت کو عام

مؤرخین کی روایات پر ترجیح دی جائیگی۔ حضرت محمد بن حنفیہ جو کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں اور علم کے اعتبار سے بھی ان کا درجہ بہت ہی فائق ہے، ان کے قول سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ یزید کی طرف ان قبائح کی نسبت صحیح نہیں"۔[1] (مولانا عبدالحق جوھان، حضرت حسین شہید کربلا، مطبوعہ الاحرار، لاہور یکم تا ۱۵ جولائی ۱۹۹۲ء، سیدنا حسین نمبر، ص ۱۲)۔

(وفات مولانا عبدالحق جوہانؒ، ۲۸ اپریل ۱۹۹۷ء بہاولپور و تدفین بستی مولویاں، رحیم یار خاں ناشر)

۵۴- مولانا عبدالرحمن جامی نقشبندی

ممتاز عالم و صوفی مولانا محمد عبدالرحمن جامی نقشبندی "دست در دست یزید" کی حسینی پیشکش نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"اس وقت میں کوفہ کا گورنر عبید اللہ بن زیاد تھا۔ اور امیرالمؤمنین قاضی امت سیدنا علیؓ المرتضیٰ کی ایک بیوی محترمہ ام البنینؓ رحمتہ اللہ علیہا کے بھائی اور کربلا میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علمبردار اور وفادار و فداکار، رماں سے سوتیلے بھائی جناب عباس کے حقیقی ماموں حضرت ذوالجوشن خبابی، صحابیؓ کا بیٹا شمر جو بدبختی سے سیدنا حسینؓ کا مخالف و دشمن اور ابن زیاد کا مشیر و معاون خصوصی بنا ہوا تھا۔ اور بعد میں سیدنا حسینؓ کے قاتلوں میں شامل ہو کر جہنم کا خریدار بن گیا تھا، اس شمر کے بھڑکانے سے ابن زیاد سیدنا حسینؓ کی تین بہترین شرائط ماننے سے منکر ہوا اور نفسانیت و شیطنت کی تکمیل اور اپنے حسد و بغض کی تسکین کیلئے یزید کے حقیقی منشاء اور حکم کے خلاف سیدنا حسینؓ سے اپنے ہاتھ پر غیر مشروط بیعت کے مطالبہ پر اڑ گیا۔ اس نے کہا کہ:- نہیں ہم امیر یزید کے نمائندہ ہیں۔ اس لئے بجائے دمشق جا کر معاملہ طے کرنے کے یہیں میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔ تو اس پر جواباً سیدنا حسینؓ نے فرمایا:- یہ نہیں ہو سکتا تیری یہ حیثیت نہیں ہے۔" (مولانا عبدالرحمن جامی نقشبندی، شہید کربلا سیدنا حسین، مطبوعہ الاحرار، لاہور، سیدنا حسین نمبر، یکم تا پندرہ جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۱۵، ۱۶)۔

۵۵- مولانا عبدالرحمن (کراچی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد بہت سے خلفاء کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔ جن میں وہ بارہ قریشی خلفاء بھی شامل ہیں جن کے ذریعے سے اسلام کی سربلندی سے متعلق آپ نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق ارشاد فرمایا:- (مسلم، بخاری و ابوداؤد) "اسلام ہمیشہ غالب و سربلند رہے گا، بارہ خلفاء تک جو سب قریش ہوں گے۔"

شارحین کرام نے مندرجہ بالا حدیث میں وارد بارہ خلفائے اسلام کی تفصیل بتلاتے ہوئے پانچویں خلیفہ کے طور پر سیدنا معاویہؓ اور چھٹے خلیفہ کی حیثیت سے یزید بن معاویہؒ کو شمار کیا ہے۔ ملا علی قاری حنفیؒ تحریر فرماتے ہیں:-

ارشاد نبوی میں ذکر کردہ بارہ خلفاء یہ ہیں:- چار خلفائے راشدینؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے بیٹے یزید، عبدالملک بن مروان اور ان کے چار لڑکے (ولید، سلیمان، ہشام، یزید) نیز انہی میں عمر بن عبدالعزیزؒ بھی ہیں۔" (شرح فقہ اکبر، ص ۸۴)۔

غیر صحابی خلفائے اسلام میں یزید ہی وہ خوش نصیب شخص ہے کہ جس کے زمانہ ولی عہدی ۵۰ ہجری بلکہ اس کے بعد اس کے عہد خلافت تک بڑی تعداد میں حضرات صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ نیز یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس کے دور خلافت میں نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تمام امت کا اجتماع رہا اور دین اسلام کو سربلندی و سرفرازی حاصل رہی۔ **ذلک فضل اللہ یوتیه من یشاء**- لہذا جو لوگ (بالخصوص "عاشقان رسول" اور سلسلہ تصوف کے علمبردار حضرات) مخالفت یزید کے جوش سے مغلوب ہو کر یا شیعی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یزید کو فاسق و فاجر اور ظالم و جابر گردانتے ہیں، وہ غیر شعوری طور پر مندرجہ بالا حدیث رسول کی تکذیب کر رہے ہیں۔ انہیں اس معصیت سے توبہ کرنا چاہئے۔ وماعلینا الاالبلاغ۔" (اسوی خلافت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ۔ شہ عبدالرحمن، اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن، کراچی، رمضان ۱۴۱۴ھ، ص ۶۴)۔

۵۶- رئیس المحققین پروفیسر عبدالقیوم

(سابق صدر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور)

استاذ الاساتذہ و رئیس المحققین پروفیسر عبدالقیوم (م ۸ ستمبر، ۱۹۸۹ء، لاہور) برصغیر کے نامور استاد و محقق تھے۔ جن کے زیر نگرانی "اردو دائرہ معارف اسلامیہ" کی تصنیف و تدوین کا کام طویل عرصہ تک سر انجام دیا جاتا رہا۔ اس سے پہلے گورنمنٹ کالج لاہور کے صدر شعبہ عربی نیز یونیورسٹی اور سنٹرل کالج میں تدریس عربی اور ہزاروں تلامذہ کے حوالہ سے ان کی وسیع الاثر شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ عربی و اسلامی علوم کے حوالہ سے متعدد کتب و مقالات کے مصنف ہیں۔ اور خلافت و شخصیت یزید کے سلسلہ میں امام ابن تیمیہ کے تحقیقی و مثبت نقطۂ نظر کے پرجوش حامی تھے۔ آپ کی رہنمائی میں "حجاج بن یوسف" پر ایم اے کا ایک مقالہ تحریر کیا گیا جو بہت سی غلط فہمیوں کے ازالہ کا باعث بنا۔ نیز ذاتی معلومات کی رو سے آپ "یزید" کی شخصیت و کردار کے حوالہ سے بھی حقائق پر مبنی ایک تحقیقی مقالہ تحریر کروانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر بعض مصروفیات و موانع کی بناء پر ایسا نہ ہوسکا۔

۵۷- مؤرخ اسلام پروفیسر محمد اسلم

(سابق صدر شعبہ تاریخ جامعہ پنجاب، لاہور)

عصر جدید کے محققین و ناقدین تاریخ میں پروفیسر محمد اسلم ممتاز و نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ آپ برصغیر کے نامور عالم و مصنف مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کے داماد اور متعدد اہم کتب کے مؤلف ہیں۔ جن میں "خفتگان خاک لاہور" اور "خفتگان خاک کراچی" جیسی سینکڑوں مشاہیر کی آخری آرام گاہوں سے متعارف کرانے والی معروف کتب بھی شامل ہیں۔ امیر یزید کی سیرت و شخصیت اور امامت و خلافت کے دفاع و حمایت اور ان کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ کے رد نیز کربلا و حرہ وغیرہ کے اصل حقائق منظر عام پر لانے میں بھی آپ کی خدمات عظیم الشان ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ علامہ

سید محمود احمد عباسی کی خدمات کے بھی کھلے دل سے معترف ہیں۔

۵۸- مولانا محمد احمد الہ آبادی

ممتاز عالم دین مولانا محمد احمد الہ آبادی اپنے تحقیقی مقالہ میں واقعہ کربلا کے حوالے سے تاریخی حقائق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"حضرت مسلم کوفہ پہنچے اور مختار بن ابی عبید ثقفی کے گھر ہی ٹھہرے۔ والی کوفہ حضرت سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ صحابی رسول تھے۔ انہوں نے خبر سنی کہ حضرت مسلم آئے ہیں اور یزید کے خلاف سازش کر رہے ہیں تو انہوں نے منبر پر جا کر صاف یہ اعلان کیا:-

مسلمانو! امت میں تفریق نہ ڈالو۔ یاد رکھو اس میں لوگ قتل کر دئیے جاتے ہیں۔ اور خونریزی ہوتی ہے۔ لیکن اگر تم یزید کی مخالفت کرو گے تو جب تک میرے ہاتھوں میں تلوار ہے میں تمہیں قتل کرتا رہوں گا۔" (خضری ج ۲، تاریخ ملت، سوم، ص ۶۰)۔

(محمد احمد الہ آبادی، جنگ کربلا مطبوعہ "الاحرار" لاہور، یکم تا پندرہ جولائی ۱۹۹۲ء، سیدنا حسین نمبر، ص ۳۳)۔

۲ محرم ۶۱ھ کو حر بن یزید کے سیدنا حسین کا راستہ روکنے پھر لشکر عمر ابن سعد کی آمد کا ذکر کر کے حضرت الہ آبادی فرماتے ہیں:-

"عمرو نے پڑاؤ ڈالنے کے بعد ایک آدمی بھیج کر سیدنا حسینؓ سے دریافت کرایا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔ یہاں بھی آپ نے نہ تو قصاص مسلم کا ذکر کیا اور نہ خواب میں زیارت رسول و حکم رسول کا ذکر کیا۔ نہ یزید کی شراب نوشی اور خدا کے حلال کو حرام کرنے کا ذکر کیا۔ بلکہ پھر وہی ایک بات شروع سے دہرا دی کہ:-

"مجھے اہل کوفہ نے خطوط بھیجے کہ ہمارا کوئی امام نہیں آپ آئیے تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ میں ان باتوں پر بھروسہ کر کے چل پڑا۔ اٹھارہ ہزار کوفیوں نے مسلم کے ہاتھ پر میرے لئے بیعت کی۔ پھر میری بیعت توڑ دی۔ یہ بات آتے ہوئے مجھے راستے میں معلوم ہوئی۔ تو میں نے واپس جانا چاہا مگر حر نے جانے نہ دیا۔ اب

تم سے کہتا ہوں چونکہ میرے رشتہ دار بھی ہو کہ مجھے مدینہ واپس جانے دو"۔

(محمد احمد الہ آبادی، جنگ کربلا، مطبوعہ الاحرار، سیدنا حسین نمبر، یکم تا پندرہ جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۳۶)

تین حسینی شرائط کے حوالہ سے مولانا محمد احمد الہ آبادی رقمطراز ہیں:-

"ابن سعد نے سیدنا حسینؓ سے کئی بار ملاقاتیں کیں اور آٹھ محرم کو یہ دونوں حضرات دونوں لشکروں کے بیچ میں تنہائی میں رات کے پردہ میں ملے اور دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ سیدنا حسینؓ نے اپنے عزائم بتائے ہوں گے۔ ابن سعد نے خیر خواہی میں انکو حکومت سے مقابلہ کرنے میں منع کیا ہو گا۔ بالاخر طبری کی روایت ہے کہ اس ملاقات میں تین باتیں سیدنا حسینؓ نے شرط کے طور پر پیش کیں جن کا ماحصل یہ ہے:-

(الف) یا تو مجھے مکہ واپس جانے دو۔

(ب) یا مجھے خود یزید کے پاس چلو کہ اس سے معاملہ طے ہو جائے اور ضرورت ہو گی تو میں یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔

(ج) یا مجھے کسی دور کی اسلامی سرحد پر چلا جانے دو تا کہ تم کو میری طرف سے کوئی خطرہ نہ رہ جائے۔ (سیر الصحابہ، ج ۶ بحوالہ طبری، ج ۷، ص ۳۱۴)"

(محمد الہ آبادی، جنگ کربلا، مطبوعہ الاحرار، سیدنا حسین نمبر جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۳۷)۔

ابن سعد نے یہ شرائط ابن زیاد کو اپنے تائیدی مشورہ کے ساتھ لکھ بھیجیں جنہیں ابن زیاد نے قبول کر لیا۔ مگر شمر نے اس کے برعکس مشورہ دیا۔ جس پر ابن زیاد نے نمائندہ خلیفہ یزید کی حیثیت سے پہلے اپنی بیعت کی شرط رکھ دی۔ جسے سیدنا حسینؓ نے غیرت و حمیت کے منافی جانتے ہوئے رد کر دیا۔ چنانچہ الہ آبادی لکھتے ہیں:-

"ابن سعد کا خط شرائط حسینی سے متعلق ابن زیاد نے پسند کیا۔ اس نے ان شرائط کو منظور کر لیا تھا اور اگر ایک سبائی خارجی شمر کی شرارت حائل نہ ہو جاتی تو آج یہ واقعہ ہی سرے سے تاریخ عالم سے نابید ہوتا"۔

(محمد احمد الہ آبادی، جنگ کربلا، مطبوعہ الاحرار، سیدنا حسینؓ نمبر، یکم تا پندرہ جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۳۹)۔

۵۹- پروفیسر قاضی محمد طاہر الھاشمی

(خطیب مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہؓ، حویلیاں، ہزارہ)

"تعارف سیدنا معاویہؓ" "تحقیق نکاح سیدہ" اور "اصلاح معاشرہ" جیسی متعدد معرکتہ الاراء تصانیف کے مؤلف و مصنف پروفیسر قاضی محمد طاہر الھاشمی ایک معروف علمی و دینی شخصیت ہیں۔ آپ انتہائی مشکل و صبر آزما حالات و مصائب میں دفاع صحابہؓ کا فریضہ حق طویل مدت سے ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی سیدنا معاویہؓ کی تجلیل و تعظیم اور ان کی خلافت کے خلافت راشدہ ہونے کے اثبات میں نیز تردید ناقدین معاویہؓ کے علمی دلائل و آراء پر مشتمل آپ کی عظیم الشان تصنیف "تذکرہ خلیفہ راشد امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ" ہے۔ تقریباً پانچ صد (۴۸۶) صفحات پر مشتمل اس کتاب میں امیر یزید کی عظمت و مغفرت کے حوالہ سے بھی آپ نے قیمتی دلائل قلمبند فرما کر ناقدین کو لاجواب کر دیا ہے۔ سیدنا معاویہؓ کی خلافت کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں ایک حدیث نبوی بروایت ابن مسعودؓ (مشکاۃ، کتاب الفتن) کے حوالہ سے دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ لکھتے ہیں کہ:-

اور حضرت معاویہؓ کی خلافت کا ثبوت ایک طریق سے آنحضرت کے ارشاد مبارک سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا:- اسلام کی چکی ۳۵، ۳۶، ۳۷ سال تک چلتی رہے گی۔ اس حدیث میں چکی سے مراد قوت اسلام ہے۔ اور تیس برس جو پانچ سات برس زائد کا بیان ہے، وہ حضرت معاویہؓ کا زمانہ ہے۔ (غنیتہ الطالبین، اردو، ص ۱۳۴)۔

(طاہر ہاشمی، تذکرہ سیدنا معاویہؓ، ص ۲۴۹، ناشر، قاضی چن پیر اکیڈیمی، حویلیاں، ہزارہ، ۱۹۹۵ء)۔

پروفیسر طاہر ہاشمی اثبات خلافت راشدہ سیدنا معاویہؓ کے سلسلہ میں ابن خلدونؒ، سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے حوالہ سے اقتباسات نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"علامہ عبدالرحمن بن خلدون لکھتے ہیں کہ:-

حدیث:- "الخلافة بعدی ثلاثون سنة" کی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس کی صحت پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ (تاریخ ابن خلدون، اردو، حصہ اول، ص ۵۵۵)۔

محدث جلیل حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ:-

"میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی، پھر بادشاہی ہو گی"۔ اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے، جیسا کہ ناقدین نے تصریح کی ہے، تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ:- "اسلام کی چکی میرے بعد پینتیس (۳۵) یا چھتیس (۳۶) یا سینتیس (۳۷) سال تک چلتی رہے گی"۔

اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ ۳۷ سال کے بعد حکومت اسلام ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ بس یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اتنی مدت تک رہے گا۔ تو اس میں سات سال خلافت معاویہؓ کے بھی شامل ہیں۔ پھر ان کو خلفاء سے الگ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ نیز مسلم شریف کی حدیث صحیح میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ:-

یہ دین اسلام معزز اور مضبوط رہے گا، بارہ خلفاء تک، جو سب قریش سے ہوں گے۔

ان بارہ میں حضرت معاویہؓ یقیناً داخل ہیں کہ وہ صحابی ہیں اور ان کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی تھا۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔ حدیث میں ان بارہ کو خلیفہ کہا گیا ہے "ملک" نہیں کہا گیا"۔ (براءة عثمانؓ، ص ۵۷)۔

" مفکر اسلام مولانا محمد اسحاق صدیقی ندوی سابق شیخ الحدیث و مہتمم "دارالعلوم ندوة العلماء"، لکھنؤ لکھتے ہیں کہ:-

خلافت صرف تیس سال باقی رہنے والی روایت ثابت ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض ثابت ہو تو علماء محققین کے نزدیک ظاہر محمول نہیں بلکہ مؤول ہے۔ بعض علماء نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ تیس سال جو خلافت رہے گی، وہ بہت اہم اور ممتاز درجہ کی ہو گی۔ یوں خلافت اس کے بعد بھی رہے گی۔ مقصد کلام دلوں میں اس زمانہ کی خلافت کی عظمت زیادہ کرنا ہے، نہ کہ تیس سال کے بعد نفس خلافت کی نفی کرنا۔ لیکن راقم کے نزدیک یہ حدیث ثابت ہی نہیں، اس لئے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔" (اظہار حقیقت،

ج ۳، ص ۳۴۴)۴۷ ؎

(طاہر ہاشمی، تذکرہ سیدنا معاویہؓ، ص ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، جن پیر اکیڈمی، حویلیاں ہزارہ، ۱۹۹۵ء)۔

اولین لشکر مجاہدین قسطنطینیہ کے مغفرت یافتہ ہونے والی حدیث نبوی (بخاری، کتاب الجہاد) کے حوالہ سے طاہر ہاشمی سپہ سالار لشکر، امیر یزیدؒ کے بدرجہ اولی مغفرت یافتہ ہونے کے حق میں تفصیلی دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ آنحضرت کی زبان مبارک سے جو خبر بھی نکلی، وہ اللہ کے دیئے ہوئے علم یقینی کی روشنی میں نکلی۔ لہذا آپ نے بحری جہاد اور قسطنطنیہ کے حوالے سے جو جنت کی مغفرت کی بشارت دی ہے، اس کا اطلاق تمام شرکاء پر ہو گا۔ اور اس کے عموم سے کسی ایک فرد کو بھی خارج نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وعدہ جنت و مغفرت، اللہ علام الغیوب اور علیم بذات الصدور کی طرف سے ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت نے نہ تو کوئی شرط لگائی اور نہ اس بشارت سے کسی کو مستثنیٰ کیا۔

اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ حدیث میں دی گئی جنت و مغفرت کی بشارت کو ان بشارتوں پر قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا، جن میں اللہ اور اس کے رسول نے بعض اعمال و افعال کے بارے میں اطلاع دی ہو کہ جس نے یہ کام کیا، وہ جنت کا، اور جس نے یہ کام کیا، وہ جہنم کا مستحق ہو گا۔ جو حضرات تاویلات بعیدہ کا سہارا لیکر ان بشارتوں سے شرکاء جنگ میں سے کسی کو خارج کرتے ہیں (اور وہ بھی قائدین لشکر کو)، وہ دراصل غیر شعوری طور پر اہل تشیع کی پیروی و اتباع میں ایسا کر رہے ہیں۔ کیونکہ شیعہ بھی اسی قسم کی تاویلات کرتا ہے۔ جیسے قرآن حکیم نے صحابہ کرامؓ کو "رضی اللہ عنھم و رضواعنہ" کا سرٹیفکیٹ دیا ہے، تو اہل تشیع اس آیت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ آنحضرت کی زندگی میں انہیں یہ سند دی گئی تھی۔ لیکن چونکہ وہ آپ کی وفات کے بعد (العیاذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے، اس لئے وہ اس اعزاز کے مستحق نہیں رہے۔

اسی طرح حضور نبی کریم نے دس افراد کے نام لیکر انہیں جنت کی بشارت دی۔ جنہیں "عشرہ مبشرہ" کہا جاتا ہے۔ جن میں حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمن اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنھم شامل ہیں۔ اہل تشیع کے اصول

کے نزدیک یہ بشارت صحیح ہے۔ لیکن آنحضرت کے وصال کے بعد خصوصاً خلفائے ثلاثہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ سے افعال قبیحہ صادر ہوئے۔ جیسے اہل بیت کا حق چھینا، ان پر ظلم کیا اور مال فدک غصب کیا۔ لہذا وہ اس بشارت سے خارج ہو گئے۔

کیا کوئی مسلمان ایسا تصور بھی کر سکتا ہے؟ اہل اسلام کے نزدیک ان حضرات کی مغفرت یقینی ہے۔ کیونکہ اللہ کے رسول، اللہ کے عطا کردہ علم صحیحہ و قطعیہ کی روشنی میں بشارت دیتے ہیں جو غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی طرح زیر بحث حدیث میں جنت و مغفرت کی بشارت کا اطلاق تمام شرکاء پر ہو گا اور قائدین اور سپہ سالار اس بشارت کے سب سے پہلے مصداق ہوں گے۔

صحیح بخاری کی اس زیر بحث حدیث میں آنحضرت نے اپنی امت کے دو لشکروں کے متعلق جنت و مغفرت کی بشارت دی۔ اول الذکر "جنت کے وجوب" کی بشارت سیدنا معاویہؓ کے دور امارت میں پوری ہوئی۔ جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ اور ثانی الذکر پیشین گوئی آپ کے دور خلافت راشدہ میں پوری ہوئی۔ اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

اسی غزوہ کے بارے میں آنحضرت کی طرف سے دی گئی بشارت "مغفور لھم" میں شامل ہونے کے لئے شوق شہادت اور جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر صحابہؓ و تابعین گوشے گوشے سے دمشق پہنچنے لگے۔ جن میں حضرات عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حسین بن علیؓ اور میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاریؓ وغیرہ ہم نے بھی مدینہ منورہ سے تشریف لا کر اس لشکر میں شمولیت اختیار فرمائی۔ جس کی امارت و سپہ سالاری سیدنا معاویہؓ نے اپنے جواں سال فرزند "فتی العرب" امیر یزید کے سپرد فرمائی۔"

(طاہر ہاشمی، تذکرہ سیدنا معاویہؓ، ص ۲۹۴-۲۹۶، چمن پیر اکیڈمی، حویلیاں ہزارہ، ۱۹۹۵ء)۔

۶۰- مولانا محمد عظیم الدین صدیقی

(فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی)

ممتاز عالم و مصنف مولانا ابوالحسنین محمد عظیم الدین صدیقی فاضل "جامعۃ العلوم الاسلامیہ" علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی (خطیب "مسجد اقصیٰ" کورنگی ۲ 1/2 ۵، کراچی ۳۱) کی معرکۃ الآراء کتاب "حیات سیدنا یزیدؒ" مشہور و معروف ہے۔ جس میں امیر یزید کے حالات زندگی، محاسن و کمالات کا مفصل تذکرہ، جہاد قسطنطنیہ میں شرکت، ہم عصر صحابہؓ و تابعینؒ میں آپ کی ہر دلعزیزی، اجماعی ولی عہدی و خلافت، اسلام میں ولی عہدی اور انتخاب خلیفہ کا تصور اور طریق کار، حادثہ کربلا پر شرعی، اخلاقی اور قانونی حیثیت سے گفتگو، واقعہ حرہ کی اصل حقیقت، یزید کے عہد کی فتوحات اور جہادی سرگرمیاں نیز دیگر انسانی و اسلامی خدمات کا علمی و تحقیقی جائزہ شامل ہے۔ اس جامع و مدلل کتاب میں مصنف نے امیر یزید کی شرعی امامت و خلافت اور سیرت طیبہ کے حق میں قیمتی دلائل فراہم کئے ہیں۔ اس کتاب پر جب بعض عناصر کی جانب سے پابندی لگوا کر مصنف کو پابند سلاسل کیا گیا تو بھی مصنف کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی اور بالآخر آپ نے مقدمہ و آزمائش میں سرخروئی پائی۔ اور ارباب عدل و انصاف نے کتاب کی ضبطی کا حکم منسوخ کرکے عدل گستری فرمائی۔ یہ اہم تصنیف "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کراچی کی شائع کردہ ہے۔ "حیات سیدنا یزیدؒ" کے علاوہ عظیم الدین صدیقی کی دیگر اہم تصانیف میں مجلس عثمان غنیؓ ہی کی شائع کردہ "حضرت علیؓ کی سیاسی زندگی" اور "امیر المؤمنین یزید رحمۃ اللہ علیہ ارشادات اکابرؒ کی روشنی میں" سرفہرست ہیں۔ موخرالذکر تقریباً ساٹھ صفحات پر مشتمل مختصر کتاب میں امیر یزید کے حق میں متعدد اکابرامت کے اقوال نقل کرنے کے بعد آخر میں رقمطراز ہیں:-

"سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا ابو سعید خدری، سیدنا ابو واقد لیثی، سیدنا جابر بن عبداللہ، سیدنا حسین بن علی، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا محمد بن علی ابن الحنفیہ،

سیدنا علی بن حسین زین العابدین، سیدنا عمر بن عبدالعزیز، امام احمد بن حنبل، حافظ عبدالغنی مقدسی، امام غزالی، قاضی ابوبکر ابن العربی، علامہ ابن کثیر، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ ملا علی قاری حنفی اور الشیخ نورالدین حنفی رامپوری علیہم الرحمتہ والرضوان، جیسے اکابر واعاظم امت کے ان ارشادات و فرامین سے امیر المؤمنین سیدنا یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہما کی شخصیت و کردار کے ان حقیقی نقوش کی طرف رہنمائی ہوتی ہے جنہیں عجمی منافقین نے من گھڑت روایتوں اور فرضی داستانوں کے ذریعہ دھندلانے بلکہ بدنما کر دکھانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا۔ اور پھر بعد میں آنے والے مؤرخین و مؤلفین اور دیگر فنکاروں، گلوکاروں نے علم و تحقیق کی آنکھیں بند کر کے انہی واہی تباہی روایات کے سہارے سیدھے سادے کم علم اور بزرگوں کے بھاری بھر کم اسمائے گرامی سے مرعوب ہو جانے والے مسلمانوں کے اذہان میں مسموم تصورات پیدا کرنے کی غرض سے ان ہی بے سروپا کہانیوں اور من گھڑت روایات میں بعض قابل احترام بزرگوں کے نام کی چاشنی شامل کر کے اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ امیر المؤمنین یزیدؒ کے خلاف اڑائی ہوئی اس دھند میں اصل حقیقت کا کھوج نہ لگایا جا سکے۔

اس سلسلہ میں جن بزرگان گرامی کے اسمائے گرامی لئے گئے یا آئندہ لئے جا سکتے ہیں، بلاشبہ ان کی بزرگی و عظمت مسلم۔ لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اب سے کچھ ہی قبل کے بزرگوں کی سنی سنائی باتوں کو ایمان و عقیدے کا درجہ دیکر ان صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے ارشادات و فرامین اور مشاہدات و ذاتی تجربات کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے، جنہوں نے نہ صرف امیر المؤمنین یزیدؒ کا زمانہ پایا، بلکہ ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور ان کے پاس رہ کر حالات و معمولات کا ذاتی طور پر مشاہدہ کیا۔ چنانچہ اسے حضرت یزیدؒ کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے کہ الزامات و افتراءات کے تمام تر طوفان کے باوجود صحابہ کرامؓ اور دیگر ہم عصر تابعین خصوصاً سیدنا حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہؒ کی یہ ناقابل انکار تاریخی شہادتیں بھی پائی جاتی ہیں، جن کے ہوتے ہوئے بعد والوں کی سنی سنائی اور ہوائی باتوں کی قطعاً کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔

بوئے گل قید و حراست میں نہیں رہ سکتی
باغبان لاکھ اٹھایا کریں دیوار چمن

حاصل کلام یہ کہ مذکورہ بالا "ارشادات اکابر" کی روشنی میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا یزیدؒ اپنے والد ماجد امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بعد پوری امت کے متفق علیہ خلیفہ، اور ایسے ہی متقی، پرہیزگار، پابند صوم و صلاۃ، خیر و صلاح کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے، جیسا کہ اس دور کے کسی اعلیٰ درجہ کے تابعی سے توقع رکھی جا سکتی ہے۔ آپ کو برا سمجھنا، فسق و فجور کے الزامات عائد کرنا، اور انہیں لعن طعن سے نوازنا، درحقیقت اس دور کے تمام صحابہؓ و تابعینؒ پر فسق نوازی و ظلم پسندی جیسے گھناؤنے الزامات لگانے کے مترادف اور بطور نمونہ نقل کردہ اکابر امت کے ارشادات کی تغلیط و انکار کے برابر ہے۔ اعاذنا اللہ من سوء الفھم فی جنابھمؒ۔

(ابو الحسنین محمد عظیم الدین صدیقی، امیر المؤمنین یزیدؒ ارشادات اکابر کی روشنی میں، ص ۵۷-۵۹، شائع کردہ مجلس حضرت عثمان غنیؓ، کراچی، طبع سوم، جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ)۔

۶۱-استاذ العلماء علامہ عطا محمد بندیالوی چشتی

استاذ العلماء علامہ عطاء محمد بندیالوی چشتی (ولادت ۱۹۱۶ء 'پدھراز' خوشاب) زمانہ طالبعلمی میں آفتاب گولڑہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے دست اقدس پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ آپ نے تحریک پاکستان میں بڑی تندہی سے حصہ لیا۔ اور بحیثیت استاذ سیال شریف نیز "جامعہ غوثیہ" گولڑہ شریف اور دیگر دینی مدارس و جامعات میں تدریس فرمائی۔ اور یہ سلسلہ نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔ ۱۹۷۶ء میں "سنی کانفرنس" ملتان کے موقع پر جمیعت العلماء پاکستان میں شامل ہوئے۔ اور نائب صدارت کے منصب پر فائز کیئے گئے۔ آپ کی نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط علمی و دینی و تدریسی خدمات کا اعتراف کرنے والے لاتعداد اکابر امت میں درج ذیل علماء و مشائخ اہل سنت سرفہرست ہیں :-

۱- محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمدؒ

۲- علامہ شاہ محمد عارف اللہ قادریؒ

۳- مفتی احمد یار نعیمیؒ

۴- پروفیسر قاضی عبدالنبی کوکبؒ

۵- علامہ غلام مہر علی گولڑوی

۶- مولانا سید شبیر احمد ہاشمی

۷- مولانا شاہ حسین گردیز

۸- صاحبزادہ سید نصیر الدین گیلانی گولڑوی

آپ کے نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط سینکڑوں نامور تلامذہ و مستفیدین میں درج ذیل عظیم المرتبت ہستیاں بھی شامل ہیں :-

۱- شارح البخاری علامہ غلام رسول سعیدی
۲- علامہ سید محمود احمد رضوی
۳- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری
۴- پیر سید شاہ عبدالحق گیلانی گولڑوی
۵- شیخ الحدیث مولانا عبدالحکیم شرف قادری
۶- صاحبزادہ غلام معین الدین نظامی (معظم آباد، سرگودھا)

آپ کی دس سے زائد علمی و دینی تصانیف و مقالات کے نام یہ ہیں :-

۱- رویت ہلال کی شرعی تحقیق (دو سو سے زائد صفحات)-
۲- قوالی کی شرعی حیثیت-
۳- عقیدہ اہل سنت- سنی کے جنازہ میں شیعہ شریک نہیں ہو سکتے-
۴- اسلام میں عورت کی حکمرانی-
۵- مغربی جمہوری پارلیمانی نظام اور اسلام (مقالہ)-
۶- دیت المرأة- عورت کی دیت نصف ہے-
۷- کون سا حکمران اسلامی نظام نافذ کر سکتا ہے-
۸- امامت کبری اور اس کی شرائط-
۹- درس نظامی کی ضرورت اور اہمیت (مقالہ)-
۱۰- صرف عطائی- فارسی منظوم-
۱۱- سیف العطاء علی أعناق من طغی وأعرض عن دین المصطفی-

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، "تعارف مصنف" بقلم مولانا عبدالحکیم شرف قادری مشمولہ تالیف علامہ عطا محمد بندیالوی، سیف العطاء، ص ۱-۷۳ بعد، عطاء بندیالوی اکیڈمی لاہور، سن ۱۹۹۴ء)۔

علامہ عطاء محمد بندیالوی کی تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل معرکۃ الاراء تصنیف "سیف العطا" (موضوع نکاح سیدہ با غیر سید کی شرعی حیثیت) ایک نادر و منفرد علمی شاہکار ہے۔ جس میں قرآن و سنت و اقوال فقہائے امت و اکابر احناف کے مطابق آپ نے نکاح سیدہ فاطمیہ با قریشی و عالم غیر سید (بلا اجازت ولی) نیز غیر کفو یعنی جملہ اہل اسلام کے ساتھ نکاح (باجازت ولی) کو شرعاً درست و ناقابل تنسیخ ثابت فرما کر دختران سادات و امت اسلام پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اور دلائل شرعیہ سے احقاق حق و ابطال باطل کر کے مخالفین نکاح سیدہ با غیر سید پر اتمام حجت فرما دیا ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

علامہ بندیالوی بنو ہاشم کی فضیلت نسبتی کے اعتراف کے باوجود واضح فرماتے ہیں کہ اجماع امت کی رو سے خلفاء راشدین (سیدنا ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ) کو پوری امت پر فضیلت حاصل ہے حالانکہ ان میں سے سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان غیر ہاشمی قریشی اور صرف خلیفہ چہارم سیدنا علیؓ ہاشمی قریشی ہیں۔ اسی سلسلہ کلام میں سیدہ فاطمہ زہراؓ کی نسبی فضیلت کے اعتراف کے باوجود واضح فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ (تیمیہ قرشیہ) کو سیدہ فاطمہؓ (ہاشمیہ قرشیہ) پر علمی فضیلت حاصل ہے:-

"خلاصہ عبارت متن اور شرح کا یہ ہے کہ عجمی عالم عربی جاہل کی کفو ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ عربی جاہل میں شرافت نسبی ہے، لیکن عجمی عالم میں شرافت علمی ہے، جو شرافت نسبی کا مقابلہ کرتی ہے اور عالم فقیر، جاہل غنی اور اولاد حضرت علیؓ کی کفو ہے اور اس کی دلیل بھی وہی ہے، جو ذکر ہو چکی ہے کہ شرافت علمی، شرافت نسبی کا مقابلہ کرتی ہے۔ اب شامیؒ نے اسی مسئلہ کے متعلق تصریح کی ہے:-

ولذاقیل ای لکون شرف العلم اقوی قیل ان عائشة افضل لکثرة علمها و ظاهره انه لایقال ان فاطمة افضل من جهة النسب لأنّ الکلام مسوق لبیان ان شرف العلم أقوی من شرف النسب فما نقل عن اکثر العلماء من تفضیل عائشة محمول علی بعض الجهات کالعلم و کونها فی الجنة مع النبی صلی الله علیه وسلم و فاطمة مع علی رضی الله تعالی

عنہما و لہذا قال فی بدأ الأمالی:-

ولصدیقة الرجحان فاعلم علی الزهراء فی بعض الخلال.

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ چونکہ شرافت علمی، نسبی سے اقوی ہے اور حضرت عائشہؓ کا علم زیادہ ہے۔ تو حضرت عائشہ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے افضل ہیں اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔ اس کی دو دلیلیں ہیں۔ اول: حضرت عائشہؓ کا علم زیادہ ہے۔ دوم: حضرت عائشہ کے بدن پاک کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر نے مساس کیا ہے، جبکہ حضرت فاطمہ زہرا کے ساتھ حضرت علیؓ کے بدن نے مساس کیا ہے اور آنحضرتؐ کا جسم اطہر، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے بدن مبارک سے افضل ہے۔ اس طرح حضرت عائشہؓ دو وجہ سے حضرت فاطمہ زہراؓ سے افضل ہیں اور "بدء الامالی" کے شعر میں اسی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضرت زہراؓ پر بعض وجہ سے فضیلت ہے اور ان بعض وجوہ سے مراد یہی دو وجوہات ہیں، جن کا ذکر اوپر شامی کی عبارت میں ہے۔ اب در مختار، علامہ شامی، قاضی خان، ابن ہمام اور دیگر مستند فقہاء کی مذکورہ بالا عبارات کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے:۔"

(علامہ عطاء بندیالوی، سیف العطاء ص ۱۷۵،۱۷۴، عطاء بندیالوی اکیڈیمی لاہور، مئی ۱۹۹۴ء)

اس کے بعد علامہ بندیالوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"قارئین! یہ خلاصہ امور پر مشتمل ہے۔

امر اول:- عجمی عالم بھی علویہ اور سادات کا کفو ہے اور ان کے درمیان نکاح جائز ہے، خواہ ولی راضی ہو یا نہ -----

امر دوم:- شرافت علمی، شرافت نسبی سے برتر ہے اور یہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ قولہ تعالی:- هل يستوى الذين يعلمون و الذين لا يعلمون)

امر سوم:- اکثر علماء کا یہ فتوی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالی عنہا سے افضل ہیں اور یہ امر دوم پر مبنی ہے۔

(علامہ عطا محمد بندیالوی، سیف العطا، ص ۱۷۵-۱۷۶، عطا بندیالوی اکیڈیمی، لاہور مئی ۱۹۹۴ء)۔

یہ بات بھی علماء و مورخین سے مخفی نہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی تاریخ وفات بروایت مشہورہ ۱۷ رمضان ۵۸ھ ہے (و بروایات آخری ۵۷ یا ۵۹ھ) اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی جانب سے بیعت ولایت یزید (۵۶ھ یا

ماقبل) کے وقت آپ اپنی تمام تر جلالت علمیہ و عظمت شرعیہ کے ساتھ بقید حیات و مرجع صحابہؓ و تابعینؒ تھیں۔ بہرحال اسی سلسلہ کلام میں علامہ بندیالوی، یزید پر لعن شخصی کو غلط قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علامہ تفتازانی کے جواز لعن یزید کا صاحب "نبراس" (علامہ عبدالعزیز فرہاروی حنفیؒ م ۱۲۳۹ھ) نے رد کیا ہے۔ اور لعن یزید سے منع کرنے والے ہر شخص پر خارجی ہونے کا الزام لگانا قواعد شریعت کے منافی قرار دیا ہے:۔

"امر چہارم:- بے خبر مفتی نے یزید کے متعلق کہا کہ یزید لعنتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مفتی نے یزید پر لعنت شخصی کی اور یہ بھی خلاف تحقیق ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں: شرح عقائد نسفی میں ہے:- وانما اختلفوا فی یزید بن معاویہ حتی ذکر فی الخلاصة کتاب معتمد فی الفقه الحنفی انه لا یجوز اللعن علیه لان النبی صلی الله علیه واله وسلم نهی عن لعن المصلین و من کان من اہل القبلة- محولہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید کی لعنت شخصی معتمد کتب احناف کے لحاظ سے ناجائز ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے والوں کی لعنت سے منع فرمایا اور جو لوگ کعبہ شریف کو اپنا قبلہ مانتے ہیں، ان کی لعنت سے منع فرمایا۔ علامہ تفتازانیؒ نے چونکہ یزید کی لعنت کا قول کیا، تو صاحب "نبراس" نے اس کا رد کیا ملاحظہ ہو:- ان الشارح بنی کلامه علی جواز لعن الفاسق وان لم یتحقق موته علی الکفر و هذا خلاف التحقیق والذی حققه المحققون ان اللعن ثلثة اقسام احد ها اللعن بالوصف العام نحولعن الله علی الکفار والیهود و هذا جائز۔ ثانیها اللعن علی الشخص المعین الذی صح موته علی الکفر باخبارالشارع کفرعون وابی جهل وابلیس وهو جائز۔ ثالثها علی شخص لم یعلم موته علی الکفر وهو بحسب الظاہر مؤمن اوکافر لجوازان یوفق الله سبحانه و تعالی الکافر الاسلام،و دلیلهم ان الشارع نهی عن اللعن و شدد علیه ففی الحدیث:لا یکون المؤمن لعاناً۔رواه التر مذی و قال من لعن شیئاً لیس له بأهل رجعت اللعنة علیه۔رواه التر مذی ثم قد صح عنه اللعن بالوصف العام وعلی الشخص الهالک علی الکفر فوجب الاقتصار علیهما۔ وبقی القسم الثالث محظورًا لا سیما اذا کان الشخص مؤمنا علی الظاہر لقوله علیه الصلوٰة والسلام:سباب المسلم فسوق۔رواه البخاری، فاحفظ

ولاتكن من الذين لا يراعون قوعد الشرع ويحكمون بأن من نهى عن لعن يزيد فهو من الخوارج نعم قبح افعاله مشهور وحب اهل البيت واجب ولكن النهى عن لعنه ليس للقصور فی جبهم بل لقواعد الشرع۔

اس طویل عربی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ تفتازانی نے جو یزید کی شخصی لعنت کا قول کیا ہے، یہ اس پر مبنی ہے کہ جس فاسق کی موت یقینی طور پر کفر پر نہیں ہے، اس فاسق پر شخصی لعنت جائز ہےاور یہ بات خلاف تحقیق ہے، تو یزید پر لعنت شخصی خلاف تحقیق ہے، اگرچہ وہ فاسق تھااور اس کی دلیل یہ ہے کہ محققین کے نزدیک لعنت کی تین قسمیں ہیں:۔قسم اول: لعنت وصف عام پر جو کہ شرع شریف میں وارد ہے، جیسے اللہ کی لعنت کفار،یہود پر۔ خلاصہ یہ کہ اس وصف عام پر لعنت جائز ہے اور جس وصف عام پر شرع میں لعنت نہیں کی گئی، ہم بھی اس وصف عام پر لعنت نہیں کرسکتے۔ بہر حال اس وصف عام پر لعنت جائز ہے، جو شریعت میں وارد ہے۔ دوم: اس شخص معین پر لعنت جس کے کفر پر موت کی خبر شارع نے دی ہے۔ شارع سے مراد اللہ جل شانہ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، جیسے فرعون، ابوجہل اور ابلیس کی موت۔ ان تینوں کی موت کفر پر قرآن پاک اور حدیث شریف سے ثابت ہے۔لعنت شخصی کی یہ قسم بھی جائز ہے۔ قسم سوم اس شخص پر لعنت جس کی موت کفر پر یقینی طور پر ثابت نہیں ہے یعنی نہ تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس شخص کی موت کفر پر ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت شخصی ناجائز ہے، خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ اور ظاہر کے لحاظ سے مومن ہو یا کافر اس لیے کہ ہو سکتا ہے، اس کافر کو موت سے پہلے اللہ تعالی نے اسلام کی توفیق عطا فرمادی ہو اور اس کی موت اسلام اور ایمان پر ہوئی ہو، تو جاہل مفتی نے یزید کی لعنت شخصی پر یہ دلیل دی کہ یزید شراب کو حلال جانتا تھا۔ یہ دلیل جہالت پر موقوف ہے، کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یزید شراب کو حلال جانتا تھا۔

تو زیادہ سے زیادہ کافر ہو گا، لیکن جس کافر کی موت کفر پر یقینی صورت میں معلوم نہیں ہے، اس پر لعنت شخصی منع اور ناجائز ہےاور یزید کی موت پر کفر کی خبر نہ اللہ تعالی سبحانہ نے فرمائی اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔قارئین!غور فرمائیے کہ

گاندھی اور نہرو یقینی طور پر کافر تھے، لیکن ان پر بھی لعنت شخصی جائز نہیں۔ اس لیے کہ ان کی موت کفر پر یقینی طور پر معلوم نہیں ہے۔ نہ تو شارع جل جلالہ اور نہ ہی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفر پر ان کی موت کی اطلاع ہمیں دی۔ مختصر یہ کہ قسم اول و دوم جائز اور صرف آخری ناجائز ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ لعنت سے منع فرمایا۔ ترمذی شریف میں ہے کہ مومن لعنت نہیں کرتا۔ تو نام نہاد مفتی نے جو یزید پر لعنت شخصی کی تو مذکورہ بالا حدیث ترمذی کے مطابق اپنے ایمان کا حکم معلوم کرے۔ نیز ترمذی شریف میں ہے کہ:-اگر کسی نے کسی شے پر لعنت شخصی کی، جب کہ وہ شے لعنت کی اہل اور مستحق نہ تھی، تو وہ لعنت لوٹ کر لعنت کنندہ پر پڑ جاتی ہے اور لعنت کنندہ ملعون ہو جاتا ہے۔ اب نادان مفتی غور کریں کہ انہوں نے یزید پر شخصی لعنت کی، جبکہ مفتی کو یقیناً معلوم نہیں کہ یزید کی موت کفر پر ہے، تو اب اگر یزید لعنت کا اہل نہ ہوا تو نادان مفتی خود ملعون ہو جائے گا اس سے نادان زیادہ کون ہو گا جو خود اپنے ملعون ہونے کی سعی کرے۔ اس کے بعد صاحب نبراس نے فرمایا: کہ جو آدمی یزید پر لعنت شخصی کرتا ہے وہ قواعد شرع کی رعایت نہیں کرتا اور جو آدمی اس کو لعنت یزید سے منع کرتا ہے اسے وہ خارجی کہتا ہے۔ اس کا یہ رویہ غلط ہے ہاں یزید کے برے اور قبیح افعال مشہور ہیں اور ہم اس کو فاجر کہتے ہیں۔ اہل بیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت واجب ہے اور یزید پر لعنت نہ کرنا قواعد شریعت کی رعایت ہے اور اس سے محبت اہلبیت میں قصور اور کوتاہی ثابت نہیں ہوتی۔ علامہ شامیؒ نے بھی یزید کی لعنت شخصی پر صاحب نبراس کی طرح بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو، شامی میں ہے:-

حقيقة اللعن المشهور هى الطرد عن الرحمة وهى لاتكون الا لكافر ولذا لم تجز على معين لم يعلم موته على الكفر بدليل وان كان فاسقاً مشهوراً كيزيد على المعتمد بخلاف نحوابليس وابى لهب وابى جهل فيجوز-

مقبولان حق کی خانقاہوں میں اللہ کی رحمت سے دوری کی باتیں نازیبا ہیں

قارئین! علامہ شامیؒ کی محولہ بالا عربی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ لعنت کا حقیقی معنی

کسی کو اللہ تعالی کی رحمت سے دور کرنا ہے اور رحمت الہی سے دور صرف وہ کافر ہے جس کی موت کفر پر دلیل سے ثابت ہے۔ دلیل سے مراد اللہ تعالی جل شانہ کا فرمان، یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد یعنی جس آدمی کا قرآن حکیم میں ذکر ہے کہ اس کی موت کفر پر ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو کہ اس کی موت کفر پر ہے، ایسے معین آدمی پر نام لے کر لعنت شخصی جائز ہے اور اگر کسی خاص شخص کی موت کفر پر دلیل سے ثابت نہیں ہے، تو اس پر لعنت شخصی جائز نہیں، خواہ وہ بڑا سرکش اور یزید کی طرح فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ بلاشبہ یزید بڑا سرکش اور فاسق تھا، لیکن چونکہ قرآن یا حدیث سے کفر پر اس کی موت ثابت نہیں، لہذا معتمد اور محقق یہ ہے کہ یزید پر لعنت شخصی جائز نہیں اور جن کی موت کفر پر کتاب و سنت سے ثابت ہے، ان پر لعنت جائز ہے، جیسے ابلیس، ابولہب اور ابوجہل۔ تو مفتی مذکور نے یزید پر لعنت شخصی کی ہے، یہ مذہب احناف اور قول معتمد اور تحقیق کے خلاف ہے۔ حیرت ہے کہ مشائخ کرام کے دربار، جہاں رحمت الہی نازل ہوتی ہے اور وہاں لعنت اور رحمت الہی سے دوری کی باتیں کی جاتی ہیں۔ اس لیے آج کل کے ایسے خطیبوں اور مقررین کو بندہ موضوعات کبیر کہتا ہے۔"

(علامہ عطاء بندیالوی، سیف العطا، ص ۱۷۶-۱۸۰، عطا بندیالوی اکیڈمی لاہور، مئی ۱۹۹۴ء)۔

"چنانچہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ سے جب بہ سلسلہ لعن یزید سوال کیا گیا تو آپؒ نے اقوال سلف بیان کرنے کے بعد اس سلسلہ میں اپنے نقطہ نظر کو اس طرح بیان فرمایا: بہتر ہے کہ بہ حکم عام فرمودہ حق تعالے فلعنۃ اللہ علی الظلمین پر کفایت کی جائے، بجائے لعن کرنے کے اللہ اللہ کرنا اولین و آخرین کے حق میں بہتر کام ہے۔ ملاحظہ ہو ملفوظات مہریہ ص ۱۲۴، طبع دوم مطبوعہ لاہور سن طباعت ۱۹۷۴ء آپ کے مندرجہ بالا ارشاد سے واضح ہے کہ آپ بھی لعن شخصی کے حق میں نہیں تھے۔" (سیف العطا، حاشیہ ص ۱۸۰)۔

۶۲-حضرت کاش البرنی (کراچی)

ماہر تقویم و روحانیات و عملیات و فلکیات حضرت کاش البرنی (مدیر "برنی تقویم" و ماھنامہ "روحانی ڈائجسٹ کراچی" کی متعدد تصانیف لاکھوں خواص و عوام میں مقبول و معروف ہیں-آپ کی بیس سے زائد محققانہ تصانیف میں درج ذیل کتب شامل ہیں:-

فہرست تصانیف حضرت کاش البرنیؒ

۱- روح قرآن (حصہ اول و دوم)-(قرآن سے عقائد کے سوال و جواب)-

۲- المختصر - تقویم خیر القرون-(عہد رسالت سے قرون اولی تک کی تاریخ)-

۳- تقویم المؤمنین -(شرعی نقطہ نظر سے تاریخوں کا نیک و بد)-

۴- حل المقاصد -(متحصلہ عربی اردو زبان میں سوال و جواب)-

۵- تسویۃ البیوت (دو جلدیں) -(زائچے بنانے اور گھروں کے درجات-سو شہروں پر مبنی)-

۶- اٹلس- (پاک و ہند کے شہروں پر مبنی طول بلد، عرض بلد اور تفاوت وقت)-

۷- برنی روزانہ کو اکبی گائیڈ-(سرمایہ کاری، قمر سے متعلقہ کام، نظرات، روزانہ کے کام کی اہم ڈائری)-

۸- عامل کامل (حصہ اول)- جفری قواعد کے سریع التاثیر عملیات، اسماء موکلات دعوات-

(ب) عامل کامل (حصہ دوم)-(علم النقوش اور علم الالواح، علم تکسیر،

علم الاعداد)۔

۹۔ الساعات (حصہ اول)۔ (روزانہ کام کرنے کی سعد اور نحس اثرات کا ساعتی نظام)۔

(ب) الساعات (حصہ دوم)۔ (ساعتی نظام کی تفصیل معہ اعمال، اسماء، عزیمتیں، طلسم)۔

۱۰۔ قواعد عملیات۔ (عملیات کرنے والوں کے لئے جملہ معلومات)۔

۱۱۔ رموز الجفر۔ (تسخیر، شرفات کواکب، اسمائے الٰہی، جفر کے حصہ آثار پر عظیم کتاب)۔

۱۲۔ عددوں کی حکومت (حصہ اول)۔ (علم الاعداد کے تجربات، نظریات، نام کے اعداد سے قسمت، غیبی نمبر)

(ب) عددوں کی حکومت (حصہ دوم) (کل امورہائے زندگی کے اعداد کی نسبت و زائچہ اعداد کی تشریح)۔

۱۳۔ اسباق النجوم۔ (نجوم کی ابتدائی معلومات، برجوں کی تفصیل مع زائچہ بنانا)۔

۱۴۔ آثار النجوم (حصہ اول)۔ (اصطلاحات و تشریحات، مکمل زائچے کی تفصیل)۔

(ب) آثار النجوم (حصہ دوم)۔ (زائچہ کے پڑھنے کا طریقہ، کردار، شادی، روپیہ، تعلیم، پیشہ)۔

۱۵۔ جذب القلوب۔ (اعداد متحابہ کا نظریہ و عملیات محبت، اور حاضری، مطلوب کے اعمال)۔

۱۶۔ رجوع ہمزاد۔ (ہمزاد کو قابو کرنے کے طریقے اور عملیات)۔

۱۷۔ تعلقات۔ (زن و شوہر کی مزاجی اور مقسومی کیفیت جاننا)۔

۱۸۔ بچے اور ستارے۔ (بچوں کی پرورش، تعلیم اور پیشہ کی رہنمائی)۔

۱۹۔ پتھروں کے سحری خواص۔ (حصول برکات کے لئے جواہرات

کا پہننا اور حقائق)-

۲۰- برنی تقویم (سالانہ) - (جاری سال کے ستاروں کی رفتاریں' ہر شخص کے حالات' گرہن ' سفر)-

حضرت کاش البرنی کی تصانیف میں آپ کی مختصر و جامع تصنیف "المختصر - تقویم خیر القرون" بطور خاص قابل ذکر ہے- ساٹھ سے زائد صفحات پر مشتمل اس مختصر کتاب میں جناب کاش البرنی نے ولادت نبویہ سے عصر اموی تک اہم واقعات کا ماہ و سال کے حوالہ سے بالترتیب تذکرہ فرمایا ہے- اور مختصر و جامع معلومات یکجا کر دی ہیں- جن میں خلافت علیؓ و حسنؓ و معاویہؓ و یزید نیز واقعہ کربلا و حرہ کے حوالہ سے بھی تواریخ و مختصر معلومات قلمبند فرمائی ہیں- کتاب کے ابتدائیہ میں دیگر توضیحات کے علاوہ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ اور فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ کے ہمراہ اونٹنی پر سوار اول نواسہ رسولؐ سیدنا علیؓ بن ابی العاصؓ اموی قریشی کے بارے میں برہنائے تحقیق فرماتے ہیں :-

"(۲) حضرت عائشہ صدیقہ کی شادی کے وقت عمر ۶ سال نہ تھی بلکہ اٹھارہ سال کی تھی-

(۳) حضرت علی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہتے تھے' زینب بنت رسول اللہ کے بیٹے تھے"-

(کاش البرنی' المختصر' تقویم خیر القرون' ص ۳' بعنوان : گزارش' اوراق پبلشرز کراچی' ۱۹۸۴ء)-

جناب کاش البرنی سن ۴۰ ھ کے واقعات کے ضمن میں صلح علیؓ و معاویہؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"۴۰ ھجری"-

حضرت علی اور امیر معاویہ نے صلح کرلی- اس صلح کی رو سے حجاز عراق اور

مشرق کا پورا علاقہ حضرت علی کے پاس رہا- اور شام اور مصر و مغرب کا علاقہ امیر معاویہ کے حصے میں آیا"-

(کاش البرنی' المختصر- تقویم خیر القرون'ص ۴۱'اوراق پبلشرز'کراچی ۱۹۸۴ء)-

"خلافت حضرت حسن بن علی

دور خلافت صرف ۶ ماہ ۳ دن

۲۲ رمضان ۴۰ ہجری :-

اپنے والد کی وفات کے دو دن بعد خلیفہ ہوئے- اور کوفہ کو مقام خلافت بنایا- اپنے آپ کو مخلوع قرار دے کر خلافت امیر معاویہ کے سپرد کر دی- تاکہ مسلمانوں میں مزید خون خرابا نہ ہو- سبائیوں نے اس لئے انہیں "مذلل المومنین" کہنا شروع کر دیا-

۱۵ رمضان ۴۹ ہجری

اسی سال وفات واقع ہوئی- بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے-

اختصار

آپ لوگوں میں بے حد مقبول تھے- متعدد شادیاں کیں- بعض نے ۱۵۰ سے ۲۰۰ تک تعداد بیان کی ہے- آپ کے آٹھ لڑکے تھے- جن کے نام یہ ہیں :-

حسن - زید- عمر- قاسم- ابوبکر- عبدالرحمٰن- طلحہ- عبیداللہ-

آپ نے یمن' خراسان اور عراق کے وسیع علاقے پر حکمرانی کی"-

(کاش البرنی' المختصر تقویم خیر القرون'ص ۴۳' اوراق پبلشرز'کراچی'۱۹۸۴ء)-

خلافت معاویہ کی تواریخ درج کرتے ہوئے کاش البرنی رقمطراز ہیں :-

"دور بنی امیہ

خلافت امیر معاویہ بن ابی سفیان

۲۰ برس گورنر رہے- اور ۱۹ برس تین ماہ خلیفہ رہے-

ربیع الاول ۴۱ ھجری - ۶۶۲ عیسوی

بیعت ہوئی- اس سال کا نام عربوں نے "عام الجماعۃ" رکھا یعنی بالاتفاق خلافت کا سال"-

(کاش البرنی، المختصر- تقویم خیر القرون، ص ۴۴، اوراق پبلشرز، کراچی ۱۹۸۴ء)

"۲۰ رجب ۶۰ ھجری - ۶۷۹ عیسوی

انتقال امیر معاویہ- دمشق میں دفن ہوئے"-

(کاش البرنی، المختصر- تقویم خیر القرون" ص ۴۴، اوراق پبلشرز، کراچی، ۱۹۸۴ء)

بیعت یزید و واقعہ کربلا کے حوالہ سے کاش البرنی تحریر فرماتے ہیں :-

"بیعت یزید بن معاویہ

۲۷ رجب ۶۰ ھجری

مدینہ میں امیر معاویہ کے انتقال کی خبر ملی- تو حاکم مدینہ نے حضرت حسین و حضرت عبداللہ ابن زبیر سے یزید کی بیعت لینا چاہی- تو یہ دونوں حضرات راتوں رات مکہ کی طرف روانہ ہوگئے- اور حاکم مدینہ کو بیعت کا جواب نہ دیا-

ذیقعد ۶۰ ھجری

شہادت عبداللہ بن زیاد و مسلم بن عقیل جو حضرت حسین کی بیعت کے سلسلے میں کوفہ گئے ہوئے تھے-

۸ ذی الحجہ ۶۰ ھجری

حضرت حسین کی کوفہ کو روانگی- کیونکہ اہل عراق کی طرف سے مسلسل خطوط و قاصد آرہے تھے- ستر کوفیوں کے ساتھ جو بیعت کے سلسلے میں ہمراہ لینے کو آئے

تھے' چلنے کو تیار ہو گئے- مکہ میں آپ کا قیام تقریباً چار ماہ رہا- راستے میں مسلم کی شہادت کی خبر ملی-

۱۰ محرم ۶۱ ہجری -- ۶۸۰ عیسوی (مطابق ۱۰ اکتوبر)

واقعہ کربلا

آپ نے مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر سنکر یزید کی طرف مراجعت کرلی- اور کوفہ جانے سے انکار کر دیا- تو ان پر ستر کوفیوں نے حملہ کر کے شہید کر دیا- کوفے کے گورنر نے احتیاطاً جو دستہ پیچھے روانہ کیا تھا' اس نے ان تمام کوفیوں کا صفایا کر ڈالا- اور حضرت حسین کے باقی ماندہ خاندان کو دمشق امیر یزید کے ہاں پہنچا دیا- یہ واقعہ یزید کی بیعت کے چھٹے ماہ ہوا"-

(کاش البرنی' المختصر' تقویم خیر القرون' ص ۴۵' اوراق پبلشرز' کراچی' بار اول ۱۹۸۴ء)

اہل مدینہ کے ایک طبقہ کی حامیان ابن زبیرؓ کے زیر قیادت یزید کے خلاف بغاوت (واقعہ حرہ- اواخر ۶۳ ھ) کا تذکرہ کرتے ہوئے کاش البرنی تحریر فرماتے ہیں :-

"جمادی الثانی ۶۳ ہجری- ۶۸۲ عیسوی

واقعہ حرہ

حضرت ابن زبیرؓ کی بیعت کے لئے مدینے میں کوشش- اور یزید کی منقصت' اور فسق و فجور کا انہوں نے پروپیگنڈا کیا- مکے سے یزید کے عامل کو نکال دیا- اور مدینے پر لشکر کشی کی"-

(کاش البرنی' المختصر' تقویم خیر القرون' ص ۴۵' اوراق پبلشرز کراچی' ۱۹۸۴ء)

وفات یزید (بروایت ۱۴ ربیع الاول ۶۴ ھ) کی تاریخ ۱۸ صفر ۶۴ ھ بتلاتے ہوئے

کاش ابرنی رقمطراز ہیں :-

۱۸ صفر ۶۴ ھجری - ۶۸۳ عیسوی

وفات حضرت یزیدؒ

تین برس سات ماہ' ۲۲ دن خلافت رہی-

(کاش البرنی' المختصر - تقویم خیر القرون' ص ۴۵' اوراق پبلشرز کراچی' بار اول' ۱۹۸۴ء)

"المختصر - تقویم خیر القرون" کے ان چند اقتباسات و اشارات سے منبع علم و روحانیت جناب کاش ابرنی اور خانوادہ برنی کی تقویمی و تاریخی تحقیقات کی روشنی میں خلافت یزید و واقعہ کربلا و حرہ کے حقائق کا فہم و ادراک بھی آسان تر ہو جاتا ہے- اور جملہ محققین و مؤرخین نیز خواص و عامۃ المسلمین کے لئے مکمل کتاب کا مطالعہ تقویم و تاریخ صدر اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کے ازالہ اور انکشاف حقائق کے لے ناگزیر ہے۔ وللہ در المصنف-

۶۳- شیخ الحدیث مولانا محمد علی (حنفی بریلوی)

(مہتمم جامعہ رسولیہ شیرازیہ' لاہور)

شیخ الحدیث مولانا محمد علی نقشبندی قادری (مہتمم "جامعہ رسولیہ شیرازیہ" بلال گنج' لاہور) علمائے اہل سنت والجماعت (حنفی' بریلوی) میں منفرد و ممتاز مقام کے حامل ہیں- آپ کی عظیم الشان علمی و دینی خدمات میں امام محمدؒ کے معروف مجموعہ احادیث "الموطا" کی چار جلدوں میں جامع شرح سرفہرست ہے- علاوہ ازیں (۲) نور العینین فی ایمان آباء سید الکونین (۳) شرح اصول شاشی اور (۴) قانونچہ رسولیہ (قواعد صرف) بھی آپ کی اہم تصانیف ہیں-

نیز متعدد اہم کتب پر قیمتی حواشی بھی آپ کے تبحر علمی اور علوم عربیہ و اسلامیہ میں مہارت تامہ پر دلالت کرتے ہیں- ان حواشی میں (۱) شرح البیضاوی للشیخ زادہ- (۲) الفوائد الضیائیہ للجامی- (۳) القول المسلم علی شرح السلم- (۴) الھدایہ- (۵) نور الانوار- (۶) شرح العقائد- اور (۷) السراجی کے حواشی شامل ہیں-

مولانا محمد علی کی ایک خصوصی وجہ شہرت و مقبولیت رد تشیع میں آپ کی کئی جلدوں پر مشتمل عظیم و ضخیم تصانیف "عقائد جعفریہ" اور "تحفہ جعفریہ" نیز "دشمنان امیر معاویہؓ کا علمی محاسبہ" ہیں- اس طرح آپ نے علماء و مشائخ نیز عامتہ المسلمین کے لئے رد تشیع اور دفاع صحابہؓ بالخصوص دفاع سیدنا معاویہؓ و دیگر اصحابؓ بنی امیہ کے سلسلہ میں قیمتی علمی و تحقیقی مباحث و دلائل کا خزینہ جمع فرما کر مدافعین تشیع و مخالفین سیدنا معاویہؓ کو عاجز و لاجواب کرنے کی مؤثر سعی فرمائی ہے- وللہ در المصنف-

اور اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی یزید و کربلا کے حوالہ سے یزید موافق و یزید مخالف لٹریچر کے جائزہ و نقد و تجزیہ پر مبنی آپ کی ایک اہم تصنیف بھی آپ کے مسودات میں شامل ہے- جس کی طباعت و اشاعت میں بعض موانع حائل ہیں - واللہ الموفق-

(وفات مولانا محمد علی :- لاہور- ۸ ۲ صفر ۱۴۱۷ھ / ۱۴ جولائی ۱۹۹۶ء- ناشر)

۶۴- استاذ المشائخ مولانا محمد نافع

(جامعہ محمدی شریف، جھنگ)

استاذ المشائخ مولانا محمد نافع اور ان کے خانوادہ و درسگاہ کی عظیم الشان علمی و دینی خدمات محتاج تعارف نہیں۔ انہوں نے اپنی گوناگوں علمی وروحانی مصروفیات میں ہمیشہ ترجیحی بنیادوں پر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت و ناموس کی حفاظت و مدافعت نیز ترویج و اشاعت مناقب صحابہؓ کے سلسلہ میں انتھک کاوشیں اور مساعی فرمائی ہیں۔ اور بالخصوص بنوامیہ سے تعلق رکھنے والے اقارب مصطفی، سادات قریش و اکابر صحابہؓ کی توہین و تنقیص کی تمام راہیں قرآن و سنت نیز مستند تاریخ امت کے دلائل کی رو سے مسدود فرما کر رافضی و نیم رافضی افراد و جماعات پر اتمام حجت فرما دیا ہے۔ اس سلسلہ میں سیدنا ابوسفیان و سیدہ ہند، اہل بیت رسول ام المومنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان و سیدنا یزید و معاویہ بن ابی سفیان و غیرھم، رضی اللہ عنہم اجمعین کی عظمت و خدمات پر مبنی افکار و تحریرات کے علاوہ اسی تسلسل میں یزید بن معاویہؓ کے مقام و کردار کے بارے میں بھی اظہار حقائق فرمایا ہے۔ مگر ان کے ان علمی و دینی افکار کی ترویج و اشاعت میں خود ان کے بعض معتقد و معترف ہم مسلک و مشرب حضرات بھی سد راہ ہیں۔ تاہم امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور متقدم سلف صالحین اصحاب دعوت و عزیمت کی طرح ان کے پایہ ثبات میں لغزش پیدا نہیں کی جا سکی۔ اور بنوامیہ سے تعلق رکھنے والے سادات قریش صحابہؓ و تابعینؒ کے حق میں ان کی علمی و تحقیقی مساعی کا دائرہ اثرات روز بروز وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی دو ضخیم جلدوں پر مشتمل آپ کی علمی و تحقیقی حوالوں سے مزین عظیم الشان تصنیف "سیرت حضرت امیر معاویہؓ" ہے۔ جسے علماء و مشائخ اور محققین و مثقفین میں وسیع پیمانے پر مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

مولانا محمد نافع مجاہدین اول لشکر قسطنطنیہ والی حدیث نبوی (بخاری، کتاب الجہاد،

باب ما قیل فی قتال الروم) کو علمی و شرعی دلائل سے مستند حدیث ثابت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-[۱]

"ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم.

یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- میری امت میں سے پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر غزا اور جہاد کرے گا، وہ مغفور ہے۔

اس روایت کی تشریح میں اکابر علماء نے ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں (علی اختلاف الاقوال) ۵۲ھ میں پیش آیا تھا، اور اس غزوہ کا امیر جیش یزید بن معاویہؓ تھا۔

نیز فرماتے ہیں کہ بعض اکابر صحابہ کرامؓ مذکورہ بشارت نبوی کے پیش نظر اس غزوہ میں شامل ہوئے تھے۔ مثلاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن الزبیرؓ اور ابو ایوب الانصاریؓ وغیرہ اور بعض علماء نے حضرت حسینؓ بن علی المرتضیؓ کی بھی اس غزوہ میں شرکت ذکر کی ہے۔"

(مولانا محمد نافع، سیرت حضرت امیر معاویہؓ، جلد اول، ص ۳۷۶-۳۷۷، ناشر تخلیقات لاہور، ستمبر ۱۹۹۵ء، حدیث بحوالہ بخاری، کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم، واسمائے صحابہؓ شرکائے غزوہ قسطنطنیہ بحوالہ البدایہ لابن کثیر، ج ۸، ص ۳۲، تحت سنہ ۴۹ھ، وص ۲۲۹، تحت ترجمہ یزید بن معاویہ، وص ۳۲، تحت سنہ ۴۹ھ، وص ۱۰۱، تحت تذکرۃ قصۃ حسین بن علی المرتضیؓ، ومختصر تاریخ ابن عساکر لابن بدران (ص ۳۱۱، جلد ۳) تحت تذکرہ امام حسین بن علیؓ)۔

"حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کی بیماری اور وفات" کے زیر عنوان مولانا نافع "المصنف" لابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، و دیگر حوالہ جات نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"علماء کرام فرماتے ہیں کہ غزوہ قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب الانصاریؓ بیمار ہو گئے اور انہوں نے وصیت فرمائی کہ اگر میں یہاں فوت ہو جاؤں تو مجھے باب قسطنطنیہ کے پاس جہاں نمازی لڑ رہے ہیں، ان کے قدموں میں دفن کیا جائے۔

چنانچہ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کا اسی غزوہ کے دوران انتقال ہو گیا۔ یزید بن معاویہؓ امیر جیش نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قلعہ قسطنطنیہ کے دامن میں دفن کیا

گیا"۔

(مولانا محمد نافع، سیرت حضرت امیر معاویہؓ، ص ۳۷۷-۳۷۸ جلد اول)۔

مذکورہ حدیث مغفرت جملہ مجاہدین اول لشکر قسطنطنیہ پر بعض معترضین کے اعتراضات کو علمی و شرعی دلائل سے مسترد کرتے ہوئے مولانا نافع یہ بھی فرماتے ہیں:۔

"نیز معترض لوگوں نے اس روایت کا انکار اس بناء پر کیا ہے کہ اس غزوہ میں امیر لشکر، یزید بن معاویہؓ تھا۔ اور معترض لوگ یزید کو مغفور لھم میں داخل قرار دینے میں بڑی مشکلات محسوس کرتے ہیں۔ فلہذا انہوں نے صحت روایت کا ہی انکار کر دیا ہے۔ مثل مشہور ہے:۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

معترض لوگوں کا روایت ہذا سے انکار کرنے کا یہ طریقہ غلط ہے۔ دیگر محدثین نے روایت ہذا کی صحت تسلیم کرتے ہوئے جو تشریحات ذکر کی ہیں، وہ درست ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس جیش کے غازیوں کے متعلق "مغفور لھم" کی جو بشارت دی گئی ہے، وہ اپنی جگہ صحیح ہے۔ اگر ان میں یزید بن معاویہؓ بھی داخل ہو تو وہ بھی اس بشارت کا مستحق ہے۔ مگر اس کے ساتھ محدثین کرام نے ایک وضاحت ذکر کر دی ہے، اسے کیوں نہیں پڑھتے؟؟

قوله صلى الله عليه وسلم مغفور لهم مشروط بأن يكونوا من اهل المغفرة حتى لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذلك لم يدخل فى ذلك العموم اتفاقاً. فدل على أن المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم۔

یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد "مغفور لھم" اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ اس غزوہ کے غازی اہل مغفرت میں سے ہوں (یعنی مغفرت کے لائق ہوں)۔ حتیٰ کہ بالفرض اگر کوئی شخصیت ان غازیوں میں سے ہو، اور اس کے بعد وہ اسلام سے پھر جائے تو وہ شخص اس عموم (مغفرت) میں داخل نہ ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ یزید بن معاویہؓ سے اس غزوہ کے بعد ایسے افعال اور امور سرزد ہوئے ہوں، جن کی وجہ سے وہ مستحق مغفرت نہ رہا تو وہ اس عموم (مغفرت) سے خارج ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو معافی دیدیں گے اور اگر چاہیں گے تو گرفت فرمائیں گے

جیسے کہ دیگر اہل معاصی کے حق میں قاعدہ ہے۔ پس اس حدیث شریف کی تشریح میں جو کچھ علماء نے نقل کیا ہے اور یزید بن معاویہؓ کے متعلق مغفور ہونے یا مغفور نہ ہونے کی تشریح ذکر کر دی ہے، وہ کافی ہے اور صحیح ہے۔ فلہذا انکار روایت کی راہ اختیار کرنا قطعاً درست نہیں۔"

(مولانا محمد نافع، سیرت حضرت امیر معاویہؓ، جلد اول، ص ۳۸۳-۳۸۴، نیز وضاحت مذکورہ بحوالہ فتح الباری لابن حجر و عمدۃ القاری للعینی تحت حاشیہ باب ما قیل فی قتال الروم)۔

مولانا نافع اسی حوالہ سے خلاصہ کلام کے طور پر مزید فرماتے ہیں:-

روایت ہذا کی مزید وضاحت کے لئے اہل علم حضرات مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع فرما کر تسلی کر سکتے ہیں:-

۱- شرح الابواب و التراجم للبخاری از شاہ ولی اللہؒ دہلوی۔ تحت الروایہ۔"

۲- حواشی لامع الدراری از شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ (صفحہ ۴۸۵-۴۸۶، جلد ثانی طبع ہند)

مختصر یہ ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ بلاد روم کے غزوات میں ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ جس کی تفصیلات تاریخی کتب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس غزوہ کا کچھ مختصر اور اجمالی حال ہم نے سطور بالا میں بیان کر دیا ہے۔ قابل توجہ یہاں یہ چیز ہے کہ سید دو عالم ﷺ کی "مدینہ قیصر" وغیرہ کے متعلق جو بشارتیں بیان فرمائی ہوئی تھیں، وہ حضرت معاویہؓ کی نگرانی میں اور ان کے عہد میں پوری ہوئیں ----- یہ ان کی بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔ ان کی خوش بختی کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟؟"

مولانا محمد نافع، سیرت حضرت امیر معاویہؓ، جلد اول، ۳۸۴-۳۸۵، ناشر تحلیقات، لاہور، ستمبر ۱۹۹۸ء)

مولانا محمد نافع " مسئلہ بیعت یزید " کے حوالے سے تفصیلی بحث کے بعد بطور خلاصہ بیان فرماتے ہیں :-

"مختصر یہ ہے کہ :-

مسئلہ بیعت یزید میں اگرچہ بعض حضرات نے اختلاف رائے کیا تھا لیکن بعد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ وغیرھم نے بیعت ہٰذا تسلیم کر لی تھی۔

اور سیدنا حسین بن علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اپنے نظریاتی اختلاف پر قائم رہے۔

لیکن اس دور کے باقی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین،اور دیگر لوگوں نے عموماً مسئلہ بیعت کو تسلیم کر لیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر کوئی تشدد اور ظلم و زیادتی نہیں کی بلکہ مسئلہ ہٰذا کو بہتر طریق سے انجام دیا۔

اس چیز کی تائید میں ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین شیعہ حضرات کا بیان پیش کرتے ہیں جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ :-

——— "ولم یکرہ هم علی البیعة –" (۱)

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیعت یزید پر مجبور نہیں کیا اور جبرو اکراہ سے کام نہیں لیا-"

---

(۱) تاریخ الیعقوبی الشیعی، صفحہ ۲۲۹، جلد ثانی' تحت وفاة الحسن بن علی، طبع بیروت.

(مولانا محمد نافع، سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ج۱، ص۵۹، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۵ء)-

۶۵- ماہر اقبالیات پروفیسر محمد منور (لاہور)

ماہر اقبالیات، پروفیسر محمد منور جو ماضی میں پروفیسر منور مرزا کے نام سے زیادہ معروف رہے ہیں، ممتاز دانشور و استاذ و محقق ہیں۔ آپ عربی، فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اردو اور انگریزی میں متعدد کتب و بکثرت مقالات کے مصنف ہیں۔ پنجاب کے مختلف کالجوں میں اردو کے مؤثر و ہردلعزیز استاذ کی حیثیت سے تدریس کے بعد "گورنمنٹ کالج لاہور" میں طویل عرصہ تک تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے اور بالاخر یہیں مدت ملازمت کے اختتام کو پہنچے۔ علاوہ ازیں کئی برس تک جامعہ پنجاب لاہور کے شعبہ اقبالیات کے سربراہ اور "اقبال اکیڈیمی" لاہور کے ڈائریکٹر رہے۔ اور "اقبال اکیڈیمی" کے اولین عربی مجلہ "اقبالیات" کی ادارت و نگرانی بھی آپ کی وسیع علمی و تحقیقی خدمات کا ایک اہم جزو رہا ہے۔

پروفیسر محمد منور نہ صرف قائد اعظم محمد علی جناح کے زیر قیادت "تحریک پاکستان" اور "مسلم لیگ" میں سرگرم عمل رہے، بلکہ اسلام، پاکستان، دو قومی نظریہ، اقبال اور قائد اعظم آپکی تحریر و تقریر کے اندرون و بیرون ملک خصوصی موضوعات رہے ہیں۔ جن کے ذریعے آپ نے ہزاروں انسانوں کو متاثر کیا ہے۔ آپ کی بعض اہم تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:۔

۱- دیوار برہمن (برصغیر میں ہندو مسلم روابط کی داستان)
۲- مشاہدہ حق کی گفتگو (شہید صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے بارے میں)
۳- ہندو ذہن کا اجمالی جائزہ۔
۴- نظریہ پاکستان کا ارتقاء۔
۵- دیوار برلن اور دیوار برہمن۔
۶- یہ رام کہانی بہمن کی اور بابری مسجد۔
۷- تحریک پاکستان اور خالصہ سیاست (اردو ترجمہ از پروفیسر محمد یوسف عرفان)
۸- Dimension of Pakistan Movment.

Hindu Mentality. -۹

Pakistan and Sikhs. -۱۰

سنی العقیدہ و صوفی المشرب پروفیسر محمد منور کی تمام تر علمی و دینی و ادبی و قومی خدمات کا ایک اہم پہلو اسلامی عقیدہ و تاریخ میں سبائیت و مجوسیت کی کارستانیوں کا وسیع ادراک اور عمیق تر مطالعہ ہے۔ اس سلسلہ میں آپ ابن کثیر کی "البدایہ والنھایہ"، فتوی امام غزالیؒ بسلسلہ ترحم یزید، امام ابن تیمیہؒ کی "منھاج السنہ" سے محمود احمد عباسی کی "خلافت معاویہ و یزید" تک نیز بعد ازاں تصنیف شدہ علمی و تاریخی لٹریچر کی وسیع معرفت کے حامل ہیں۔ اور اپنے مؤثر و متوازن انداز میں بنوامیہ و یزید و کربلا کے بارے میں منفی و مبالغہ آمیز پروپیگنڈہ کے ازالہ اور قرآن و سنت و نقد تاریخی کی روشنی میں احقاقِ حقؒ ابطال باطل کا فریضہ بڑی جرأت و عزیمت سے مسلسل سرانجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ اور اب تک لاتعداد خواص عوام کی اصلاح و تصحیح فکری کا باعث بنے ہیں۔

آپکے علمی و تاریخی موقف کا ایک اہم نقطہ یہ ہے کہ دینی و تاریخی حقائق کا کما حقہ علم نہ رکھتے ہوئے محض روایتی پروپیگنڈہ کے زیر اثر مذمت یزید، غدار شیعان کوفہ اور ان کے قدیم و جدید ہمنواؤں کی تقویت و حوصلہ افزائی کا باعث ہے لہذا اس سے سختی سے اجتناب کرتے ہوئے مستند دینی و تاریخی حقائق کی روشنی میں دفاع سیدنا عثمانؓ و معاویہؓ و جملہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ یزید و بنوامیہ کے بارے میں بھی معتدل و متوازن و منصفانہ طرز عمل اختیار کرنا اور سیدنا معاویہؓ و یزید سمیت پورے اموی دور خلافت اسلامیہ (۴۱ - ۱۳۲ھ) کی عظیم الشان علمی و دینی و عسکری خدمات کا ادراک و اعتراف لازم و ناگزیر ہے۔ نیز کہ حب حسینؓ کے لئے بغض یزید لازم نہیں۔

۴۶- حکیم محمود احمد ظفر

پاکستان کے معروف عالم و مصنف حکیم محمود احمد ظفر نے یزید و بنوامیہ کے حوالہ سے بہت سی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے انتہائی اہم علمی و تحقیقی خدمات سر انجام دی ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک انتہائی اہم کڑی ان کی مشہور تصنیف "سیدنا معاویہؓ (شخصیت و کردار) کے نام سے شائع شدہ ہے۔ جس کا حصہ دوم "سیدنا امیر معاویہؓ - مسئلہ ولی عہدی یزید" کے زیر عنوان شائع ہوا ہے۔ اور ناقدین یزید کے مسکت رد و ابطال کے لئے کافی و شافی ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی متعدد علمی تصانیف میں "صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کی رشتہ داریاں" بھی خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ وللہ درالمصنف۔

٦٧- السید منظور احمد عثمانی

(بانی صدر مجلس ناموس صحابہؓ، لاہور)

اعلیٰ علمی و دینی ذوق کے حامل السید منظور احمد عثمانی (م ۳۱، اکتوبر ۱۹۸۴ء، لاہور) سید محمود احمد عباسی کی "خلافت معاویہؓ و یزید" کے انتہائی قدر دان تھے اور سیدنا معاویہؓ اور امیر یزید کی سیرت طیبہ و خلافت شرعیہ کے اثبات میں بڑے پرجوش اور سرگرم تھے۔ اس سلسلہ میں عرصہ دراز تک لاہور میں "مجلس ناموس صحابہؓ" کے تحت جس کے وہ بانی صدر تھے، علمی و فکری مجالس بھی منعقد ہوتی رہیں۔ جن کے ذریعے علماء و مفکرین کو یزید و بنوامیہ اور کربلا و حرہ کے بارے میں سبائی پروپیگنڈہ کا گرد و غبار صاف کرکے حقائق کی تلاش میں بڑی مدد ملتی رہی۔ اور یہ سلسلہ لاہور میں انکی وفات تک ربع صدی سے زائد عرصہ جاری رہ کر ایک وسیع فکری تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ اس سلسلہ میں ہر قسم کی تنقید و مزاحمت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے آپ نے تاریخ دعوت و عزیمت کے تسلسل میں احقاق حق اور ابطال باطل کا سلسلہ بلاخوف لومۃ لائم جاری رکھا۔ آپ کے ایک فرزند، سلطان عالم عثمانی، شعبہ معاشریات، جامعہ پنجاب کے معروف استاذ ہیں اور آپ کے اہل خاندان و متوسلین کی علمی و دینی خدمات کا دائرہ بھی روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے۔

٦٨- ڈاکٹر انعام اللہ خان

٦٩- مولانا عبدالقدوس ہاشمی

(مؤتمر العالم الاسلامی -کراچی)

مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی اور دیگر اکابر امت کی قائم کردہ ''مؤتمر العالم الاسلامی'' (۱۳۴۴ھ /۱۹۲۶ء' مکہ) کے سابق سیکرٹری جنرل ڈاکٹر انعام اللہ خان اور مرکزی دفتر کراچی کے ڈائریکٹر مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی معروف و ممتاز مسلم دانشور ہیں-

مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی کی دو سو اسی (۲۸۰) صفحات پر مشتمل مختصر و جامع تصنیف '' مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ'' (ابوبکر صدیق ؓ تا سلطان عبدالحمید ثانی عثمانی ؒ ۱۱ ھ تا ۱۳۴۲ھ / ۶۳۲ء تا ۱۹۲۴ء) کا تعارف کرواتے ہوئے ڈاکٹر انعام اللہ خان رقمطراز ہیں :-

''حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک انتظامی سربراہ کی ضرورت تھی جو شیرازۂ امت کو بکھرنے سے بچائے اور اللہ و رسولؐ کے اوامر و نواہی کو نافذ کرے -اس کام کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین یعنی خلیفہ منتخب فرمایا- اور انہیں خلیفۃ رسول اللہ کہنے لگے-اس طرح ''.ادارہ خلافت اسلامیہ'' وجود میں آگیا- پھر ۱۳۳۱ سال تک یہ ادارۂ قائم رہا اور ملت اسلامیہ کے مرکز کا کام کرتا رہا- یہاں تک کہ سن ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء میں مشہور ترکی قائد اتاترک مصطفےٰ کمال پاشا نے ادارۂ خلافت کو ختم کر دیا-

یہ ادارہ جب تک قائم رہا' اپنی قوت و جلال کے زمانہ میں بھی' اور کمزوری و اضمحلال کے دور میں بھی' ملت اسلامیہ کا مرکز رہا- اتحاد اسلامی کے لئے یہ ایک نشان تھا- اور جب تک یہ نشان قائم رہا' اپنا کام کرتا رہا-

جب ادارۂ خلافت کو ختم کر دیا گیا تو امت اسلامیہ کے حساس بزرگوں نے جن

میں مولانا محمد علی جوہر' مفتی امین الحسینی' علامہ سید سلیمان ندوی' روس کے موسیٰ جار اللہ' مصر کے محمد علی علوبہ پاشا' انڈونیشیا کے سعد عمر شکرو منتو' اور مصر کے سید رشید رضا مدیر "المنار" وغیرہم جیسے بزرگ تھے' باہم صلاح و مشورہ کے بعد ایک مرکز امت کے طور پر ایک جمعیت بمقام مکہ مکرمہ سن ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء کے حج کے اجتماع میں قائم کی-اور اس کا نام "مؤتمر العالم الاسلامی" رکھا-الحمد اللہ کہ "مؤتمر العالم الاسلامی" اب بھی قائم اور فعال ہے-کراچی (پاکستان) میں اس کے مرکزی دفتر کے علاوہ دنیا کے ۶۲ ملکوں میں اس کی شاخیں یا ملحقہ ادارے موجود ہیں جو اتحاد اسلامی کے لئے "ادارۂ خلافت اسلامیہ" پھر سے قائم کرنے کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں-

میں نے مشہور محقق' مصنف اور "موتمر العالم الاسلامی" مرکزی دفتر کے ڈائرکٹر مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ ایک مختصر سی کتاب خلافت اسلامیہ کے تعارف اور تاریخ پر لکھی جائے جو اگرچہ ایک فہرست ہی کی حیثیت رکھتی ہو مگر اس میں خلفائے اسلام کے نام و نشان آجائیں-

شاید اس سے بعض وہ غلط فہمیاں بھی رفع ہو جائیں جو خاص خاص غرض سے تاریخ لکھنے والوں نے پھیلادی ہیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بڑی بڑی ضخیم کتابوں کے مطالعہ کے لئے وقت بہت ہی کم لوگوں کو ملتا ہے۔ پھر تفصیلات یاد بھی نہیں رہتی ہیں-اس لئے ایک ایسی مختصر سی کتاب' امید ہے کہ انشاء اللہ مفید ثابت ہو گی"-

(مولانا عبدالقدوس ہاشمی' مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ' ص ۱۱-۱۲' پیش لفظ از ڈاکٹر انعام اللہ خان سیکریٹری جنرل "مؤتمر العالم الاسلامی" مورخہ یکم ذی قعد ۱۴۰۱ھ / یکم ستمبر ۱۹۸۱ء' کراچی)-

مولانا عبدالقدوس ہاشمی "خلافت" کے زیر عنوان ۱۰۲ خلفائے اسلام کی فہرست اسماء و سنین خلافت درج کرتے ہوئے ابتدا میں فرماتے ہیں :-

"یہ فہرست اب تک خلیفہ کہے جانے والوں کی مختصر اور غیر مفصل فہرست ہے۔ اس میں ایک سلسلہ تو وہ ہے جو عام طور پر تسلیم شدہ خلفاء کا ہے۔ یہ سلسلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے شروع ہو کر سلطان عبدالمجید ثانی' آخری عثمانی خلیفہ پر ختم ہوتا

ہے۔اس میں جملہ ۱۰۲ خلفاء کے نام ہیں۔

خاندانی اعتبار سے ابتدائی تین خلفاء تین مختلف خانوادوں سے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بنی تیم سے ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ 'بنی عدی سے 'اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ 'بنی امیہ سے تھے۔اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ' اولاد ابی طالب' بنی ہاشم سے تھے۔ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید بن معاویہؒ' اولاد حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے' اور بنی امیہ سے تھے۔

اس کے بعد مروان بن حکم اور ان کی اولاد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔یہ لوگ بھی بنی امیہ سے تھے اور انہیں" مروانی خلفاء " کہا جاتا ہے۔

پھر عباسی خلفاء کا دور شروع ہوتا ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے تھے اور ہاشمی تھے۔ان کا پہلا خلیفہ ابو العباس السفاح تھا اور آخر المتوکل علی اللہ۔

اس سلسلہ کے بعد ترکی کے عثمانی خلفاء کا دور آتا ہے۔ یہ لوگ عثمان بن اُرخان' ترکی فرمانروا کی اولاد میں تھے۔ ان کا پہلا خلیفہ سلطان سلیم عثمانی تھا' اور آخری سلطان عبدالمجید ثانی۔

اس بڑے سلسلہ کا شمار یہ ہے :-

مختلف خاندانوں کے صحابہ کرام - -	۳
بنی طالب	۲
بنی سفیان	۲
بنی مروان ۱۲	۱۲
بنی عباس(بغداد)	۳۷
ایضاً (القاہرہ)	۱۷
بنی عثمان (استنبول' قسطنطنیہ)	۲۹

(عبدالقدوس ہاشمی ' مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ ' ص ۲۳-۲۴'

کراچی ۱۹۸۱ء)۔

مولانا عبدالقدوس ہاشمی' خلفائے اسلام میں سے صحابہ راشدین سیدنا ابوبکر وعمر و عثمان و علی و حسن و معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی خلافت کے حوالہ سے رقمطراز ہیں :-

"چھ بزرگ یعنی حضرت ابوبکر صدیق اکبر' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان ذی النورین' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت حسن بن علی اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان' رضوان اللہ علیہم اجمعین' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار تھے۔ انہیں خلفائے راشدین کہا جاتا ہے۔ اوران کی خلافت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ سن ۱۱ ھجری سے سن ۶۰ ھجری یعنی حضرت صدیق اکبر کی خلافت سے شروع ہو کر حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی وفات تک شمار ہوتا ہے۔

بنی عباس کے عہد میں بعض سیاسی وجوہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروان ثانی تک کے خلفاء کو "خلفائے بنوامیہ" کہا گیا۔ اور ان کے عہد خلافت کو "خلافت بنی امیہ" کا نام دیا گیا۔ اس طرح خلافت راشدہ کے عہد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تک محدود کر دیا گیا۔ بنوعباس کے عہد میں جو کتابیں لکھی گئیں' ان میں سے اکثر میں عہد خلافت کی تقسیم اسی طرح ہوئی۔ اور یہی اب تک رائج ہے"۔

(عبدالقدوس ہاشمی' مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ' ص ۲۴-۲۵)

مولانا عبدالقدوس ہاشمی خلافت علیؓ کے اواخر میں خوارج کی جانب سے حضرت علی و معاویہ و عمر و بن العاص رضی اللہ عنہم کو بیک وقت قتل کرنے کی سازش کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں :-

"سن ۴۰ھ میں خارجیوں نے طے کیا کہ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت نماز صبح کے قبل معاویہؓ ' عمرو بن العاصؓ اور حضرت علیؓ تینوں کو قتل کر دیا جائے' تاکہ افتراق کا خاتمہ ہو سکے ۔ اس کام کے لئے حسب ذیل تین اشخاص کا انتخاب ہوا۔

حضرت معاویہ کے قتل کرنے کو برک بن عبداللہ تمیمی، عمرو بن العاص کو قتل کرنے کے لئے عمرو بن ابی بکر تمیمی، اور حضرت علیؓ کے قتل کے لئے عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی۔ یہ تینوں دمشق، مصر اور کوفہ پہنچے ۔ انہوں نے ۱۷ رمضان سن ۴۰ھ کو تینوں پر نماز صبح کے وقت حملہ کیا۔ حضرت عمرو بن العاص اس دن بیمار تھے ، مسجد میں نماز کے لئے نہ آسکے۔ اور قاتل نے دھوکہ سے ایک دوسرے بزرگ کو شہید کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے کوفہ میں مسجد کے دروازہ پر حضرت علی کو زخمی کیا اور وہ چاردن زندہ رہ کر ۲۱رمضان کی صبح کو وفات پاگئے۔

حضرت علی کا دور خلافت سخت فتنوں اور فسادوں کا دور رہا۔ خارجیوں کے فتنے پیدا ہوتے رہے۔ مخلص صحابہ ان سے چھوٹتے رہے۔ علاقے ان کے قبضہ سے نکلتے رہے۔ مصر گیا، فلسطین گیا، لبنان گیا ۔ اور آخر میں تو صرف عراق کا بھی ایک حصہ ہی آپ کے قبضہ میں باقی رہ گیا تھا۔ اسی ذرا سے حصہ پر ان کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن بن علی کی خلافت قائم ہوئی"۔

(عبدالقدوس ہاشمی، مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ، ص۱۰۹-۱۱۰)۔

مولانا عبدالقدوس ہاشمی 'سیدہ زینبؓ و رقیہؓ کے بعد سیدہ فاطمہؓ کو سیدہ ام کلثومؓ سے بڑی یعنی تیسری بنت رسولؐ قرار دیتے ہوئے خلافت حسنؓ کے بارے میں رقمطراز ہیں :-

(۵) حضرت حسن بن علی السبط رضی اللہ عنہ

بی بی فاطمۃ الزہرا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی سے حضرت علی بن ابی طالب کے بڑے صاحبزادے تھے- سن ۳ھ میں بمقام مدینہ منورہ ولادت ہوئی اور سن ۴۹ھ میں بمقام مدینہ منورہ تپ محرقہ سے وفات پائی-

وفات کے وقت ان کی عمر ۴۶ سال تھی۔

رمضان سن ۴۰ھ میں جب حضرت علیؓ عبدالرحمن بن ملجم کی تلوار سے زخمی ہوئے تو تیسرے دن لوگوں کو حضرت علیؓ کے شفایاب ہونے سے ناامیدی ہو گئی۔ ۲۰ رمضان المبارک کو لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:۔ آپ کی وفات کے بعد ہم لوگ حضرت حسن کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرلیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا:۔ "میں تمہیں منع کرتا"۔ اس کے بعد لوگوں نے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ تاریخ اسلام میں وراثۃ خلافت کی منتقلی کا یہ اولین واقعہ تھا۔

حضرت حسن کی خلافت اگرچہ عراق ہی تک محدود تھی مگر ان کے اعوان و انصار وہی تھے جو ابھی تک حضرت معاویہ کے خلاف شدید نفرت اور غصہ سے مملوء تھے۔ اس لئے آپ نے حضرت سے جنگ کے لئے فوجیں جمع کیں اور ان کو ساتھ لے کر شام پر حملہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ دو تین منزلوں کے بعد ایک رات کو ان کے ساتھی خاموشی کے ساتھ انہیں چھوڑ کر واپس اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے۔ اور حضرت حسن کے ساتھ محض چند وفادار ساتھی رہ گئے۔ صبح کو اس صورتحال سے مایوس ہو کر آپ نے ایک خط کو حضرت معاویہ کے پاس بھیجا کہ خلافت سے میں آپ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔ حضرت معاویہ پہلے ہی ایک خط لے کر ان کی خدمت میں قاصد روانہ کر چکے تھے کہ خلافت کا کام آپ کے بس کی بات نہیں' آپ میرے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے اور یہ سادہ کاغذ ہے' جو جی چاہے شرائط لکھ دیں' مجھے سب منظور ہیں۔

ربیع الثانی سن ۴۱ھ میں حضرت معاویہ ان سے راستہ میں آکر ملے اور صلح ہو گئی۔ جمادی الاولی سن ۴۱ھ میں حصرت حسن' حضرت معاویہ کو ساتھ لیکر کوفہ میں آئے اور حضرت حسن نے مسجد میں سب کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور فرمایا:۔

خلافت حضرت معاویہ کا حق تھا تو انہیں مل گیا اور اگر میرا حق تھا تو میں نے انہیں بخوشی ورضامندی بخش دیا۔

حضرت حسینؓ اور چند لوگوں نے مخالفت کی مگر کسی کی کچھ نہ چل سکی اور حضرت معاویہ بالاتفاق خلیفہ ہو گئے۔ چونکہ قتل عثمان کے بعد سے جو تفرقہ قائم ہو گیا تھا'

وہ اب ختم ہو گیا اس لئے سن ۴۱ھ کو عام الجماعۃ (یعنی جماعت کا سال) کہا جاتا ہے-یہ اسی نام سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے-

حضرت حسنؓ کی خلافت میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے اور ان کی مدت خلافت چھ ماہ ہوئی- وہ اس کے بعد اپنے اہل وعیال کو لے کر مدینہ منورہ چلے آئے- اور یہیں سن ۴۹ھ میں بمرض تپ محرقہ وفات پائی"-

(مولانا عبدالقدوس ہاشمی ' مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ" ص ۱۱۰ - ۱۱۱' کراچی ' ۱۹۸۱ء)-

مولانا عبدالقدوس ہاشمی سیرت و خلافت معاویہؓ کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

(۶) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ابو عبدالرحمن معاویہ بن ابو سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی' خاندان بنی امیہ (قریش) کے عظیم المرتبت بزرگ' حضرت عثمان ذی النورین کے ہم جد' ام المومنین بی بی ام حبیبہؓ کے بھائی' جلیل القدر صحابی رسول اور رسول اللہ کے کاتب وحی اور سیکرٹری تھے-مکہ میں نزول وحی کے ایک سال بعد پیدا ہوئے تھے- ہجرت نبوی کے وقت ان کی عمر ۱۲ سال تھی- سن ۸ھ میں فتح مکہ سے چند روز قبل تقریباً ۲۰ سال کی عمر میں ایمان لائے اور غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ کر بہادری اور جان نثاری کے جوہر دکھائے-اور واپسی میں حضور کے ساتھ ہی مدینہ منورہ چلے آئے- یہاں آ کر انہوں نے کتابت وحی اور دیگر تحریری کام دربار نبوت میں انجام دیئے-

حضرت معاویہؓ حلیم' دانشمند' دین دار اور بڑے مدبر تھے-یہ اپنے وقت کے بڑے اچھے خوشنویس' بڑے اعلیٰ درجے کے منتظم اور باکمال حساب دان ہونے کے علاوہ

زبردست سپاہی بھی تھے۔انہوں نے بہت سے علاقے فتح کیے ہیں جن میں لبنان انطاکیہ اور موجودہ ملک افغانستان بھی داخل ہے۔ یہ مدینہ آنے کے بعد اکثر وقت خدمت رسول میں حاضر رہتے تھے۔ ۱۶۳ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ سن ۱۴ھ میں جب دمشق فتح ہوا تو فاتح افواج میں جلیل القدر مجاہد کی حیثیت سے یہ شریک تھے۔ پھر جب ان کے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو حضرت عمر نے حضرت معاویہ کو ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان کی جگہ پر دمشق کا والی مقرر فرمایا۔ پھر سن ۲۱ھ کے اوائل میں حضرت فاروق اعظم نے پورے صوبہ شام کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اس وقت سے وہ مسلسل صوبہ دار رہے۔ حضرت عثمان ذی النورین کے عہد میں صوبہ فلسطین بھی ان کی صوبہ داری میں شامل کر دیا گیا۔

سن ۳۵ھ میں حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے بہت سے صحابہ کرامؓ نے انکار کر دیا تھا۔اور بہت سے بزرگوں نے قاتلین عثمان کو سزا دینے کا شدت کے ساتھ مطالبہ کیا۔ ان میں سے ایک حضرت معاویہؓ بھی تھے۔ حضرت علی نے ان کے خلاف دوبار فوج کشی کی۔ پہلی بار مقام صفین میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی۔ اور دوسری بار حضرت علی کے ساتھیوں نے جنگ ہی سے انکار کر دیا۔اس طرح روز بہ روز حضرت معاویہ کی قوت اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ بالآخر سن ۴۰ھ میں شیعان علی میں سے باغی گروہ خارجیوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ پر قاتلانہ حملہ کر کے دونوں کو زخمی کر دیا۔ حضرت علی تین چار دن تک علاج کے بعد وفات پا گئے اور حضرت معاویہ تقریباً پانچ ماہ تک موت وحیات کی کشمکش سے گزر کر شفایاب ہو گئے۔جمادی الاولی سن ۴۱ھ میں حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت عامہ ہو گئی۔ ۲۲ رجب سن ۶۰ھ کو آپ نے بہ عمر ۷۲ سال دمشق میں وفات پائی۔

وہ تقریباً ۲۰ سال صوبہ شام کے صوبہ دار رہے۔اور تقریباً اتنے ہی دنوں تک وہ امام المسلمین اور امیر المومنین رہے۔ان کے عہد خلافت میں تمام مسلمانان عالم متفق و متحد رہے۔ نہ کوئی قابل ذکر بغاوت پیدا ہوئی اور نہ کوئی افتراق پیدا ہوا۔شیعان علی کی دونوں

جماعتیں' وفاداران علی' اور غیر وفاداران یعنی خوارج' حضرت معاویہ کے حسن تدبیر سے دبے رہے- فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور تمدنی و معاشی ترقی کی رفتار بہت تیز رہی- خود حضرت معاویہ کا ذہن بہت ہی غیر معمولی حد تک تمدن آفرین' علم پرور' خدا شناس اور نکتہ رس واقع ہوا تھا- اللہ تعالے نے انہیں کام کا طویل عرصہ بھی عطا کیا- اور ان کے کشوری و فوجی افسران بھی بڑے غیر معمولی انداز کے محنتی' مخلص اور ذہین لوگ تھے- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تمدن آفرین کارنامے اتنے ہیں کہ ایک ضخیم جلد میں بھی نہیں بیان کئے جاسکتے- جن میں سے یہ چند امور بھی ہیں-

۱- پہلا اقامتی ہسپتال دنیا میں سب سے پہلے حضرت معاویہؓ نے دمشق میں قائم کیا-

۲- پہلا اسلامی بحریہ بہ زمانہ صوبیداری حضرت معاویہ نے قائم کیا- اور دنیا کے سب سے زبردست رومن بحریہ کو شکست دی-

۳- آب پاشی اور آبنوشی کے لئے دور اسلامی میں پہلی نہر کھودوائی-

۴- ڈاکخانوں کی تنظیم کی اور ڈاک کا مضبوط نظام نافذ کیا-

۵- دفاتر میں استعمال کے لئے خط الدیوانی ایجاد کیا- رقوم کو الفاظ کی صورت میں لکھنے کا طریقہ پیدا کیا-

۶- حضرت معاویہ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے بلند و برتر بنادیا- اور انتظامیہ کو عدلیہ میں دخل انداز ہونے سے روک دیا-

۷- حضرت معاویہ نے دین' اخلاق اور قانون کی طرح طب اور علم الجراحت کی تعلیم کا بھی انتظام کیا-

۸- حضرت معاویہ نے بیت المال سے تجارتی قرضے بغیر اشتراکِ نفع یا ربو جاری کر کے تجارت و صنعت کو فروغ دیا-

۹- تجارت کے فروغ کے لئے بین الاقوامی معاہدے کئے-

۱۰- سرحدوں کی حفاظت کے لئے قدیم قلعات کی مرمت کر کے مستقل

فوجیں متعین کیں"۔

(مولانا عبدالقدوس ہاشمی، مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ، ص ۱۱۱-۱۱۴)

مولانا عبدالقدوس ہاشمی، خلیفۃ المسلمین یزید بن معاویہؓ کے تعارف میں رقمطراز ہیں :-

۷-امیر المومنین یزید بن معاویہؓ بن ابی سفیانؓ

ولادت :- سن ۲۶ ہجری

والدہ :-بی بی کلابیہ-جو حضرت حسین بن علیؓ کی رشتہ میں سالی تھیں-

نہایت فصیح اللسان مقرر، بہادر مجاہد، دین دار اور نیکو کار تھے-دوبار اپنے والد بزرگوار حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں امیر الحج مقرر ہو کر لوگوں کو حج کرایا-

سن ۴۸ھ میں جو اولین فوج نے قیصر کے دارالسلطنت شہر قسطنطنیہ پر حملہ اور محاصرہ کیا تھا، اس کے سپہ سالار یزید بن معاویہ تھے-اسی فوج میں میزبان رسول حضرت ابوایوب خالد انصاری بھی شامل تھے- یہ فوجی کیمپ ہی میں سن ۴۹ھ میں وفات پاگئے تھے-ان کا جنازہ لے کر یزید نے جہاد کیا اور قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کی بیرونی دیوار کے بالکل قریب دفن کیا تھا-ان کا مزار مقدس اب تک وہاں موجود ہے اور زیارت گاہ عوام ہے-

۵۱ ہجری میں حضرت معاویہ نے یزید کو ولی عہد مقرر کیا تھا-اور اس کے بموجب ۲۲ رجب سن ۶۰ھ کو ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی-ساری دنیائے اسلام میں صرف دو اشخاص نے ان کی خلافت کو قبول کرنے سے اختلاف کیا اور آخر دم تک اپنے اختلاف پر قائم رہے-ان دو حضرات میں سے ایک حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے سن ۶۱ھ میں عراق پر قبضہ کرنے کے لئے جدوجہد کی اور مقام "الطف" پر (کربلا میں) بتاریخ یکم محرم (مطابق ۱۰ اکتوبر سن ۶۸۰ء) اپنے ۱۶ ساتھیوں کے ساتھ

قتل کر دیئے گئے- دوسرے شخص حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ تھے- انہوں نے قتل حسینؓ کے بعد مکہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا- اور تیرہ سال کے بعد بہ زمانہ خلیفہ عبدالملک بن مروان طویل جنگ کے بعد قتل کئے گئے- تاریخ قتل' ۷ جمادی الاولی سن ۷۳ ہجری' منگل کے دن ہے۔

خلیفہ یزید بن معاویہ نے بتاریخ ۱۵ ربیع الاول' سن ۶۴ھ بمقام حوران درد قولنج سے وفات پائی-لوگوں نے ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادہ معاویہ بن یزید کو جن کی عمر صرف ۱۸ سال تھی' اور ان کی صحت بھی اچھی نہ تھی' خلیفہ بنانے کی کوشش کی- مگر انہوں نے انکار کر دیا اور گھر میں چھپ گئے- جہاں ایک ماہ اور کچھ دن تک بیمار رہ کر وفات پاگئے"-

(مولانا عبدالقدوس ہاشمی' مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ' ص ۱۱۴-۱۱۵)

ڈاکٹر انعام اللہ خان اور مولانا عبدالقدوس ہاشمیؒ جیسے عظیم المرتبت مسلم دانشوران کے حوالہ سے بیان کردہ ان چند اہم اقتباسات سے تیرہ صدیوں سے زائد عرصہ پر محیط خلافت اسلامیہ نیز سیرت و خلافت حسنؓ و معاویہؓ و یزید بن معاویہؒ کے بارے میں غلط فہمیوں کے ازالہ اور تلاش حقائق میں بڑی مدد لی جا سکتی ہے-اور بقول ڈاکٹر انعام اللہ خان :-

"اسکولوں' کالجوں' اخبار نویسوں اور عام شائقین کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب معلومات افزا اور کار آمد ہو گی"-

(پیش لفظ از ڈاکٹر انعام اللہ خان مشمولہ "مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ" ص ۱۲' مورخہ یکم ستمبر ۱۹۸۱ء کراچی)-

----

۷۰- ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)

پیکر جمال و کمال و علم و معرفت و عجز و نیاز، ڈاکٹر محمد حمید اللہ صدیقی اصلاً حیدر آباد دکن سے تعلق رکھتے ہیں- اور عمر کا بیشتر حصہ پیرس میں مقیم رہ کر دنیا بھر میں دعوت و تبلیغ، تحقیق و تصنیف نیز دیگر شعبہ ہای علم و عمل میں عظیم الشان خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ آپ کی تبلیغی مساعی سے فرانس اور دیگر ممالک کے غیر مسلموں کی کثیر تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی- نیز آپ کی تحریر و تقریر سے کروڑوں انسان حقانیت اسلام سے روشناس ہوئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ عربی، فارسی، اردو، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن وغیرہ مختلف زبانوں کے ماہر اور ان زبانوں میں سینکڑوں بیش قیمت علمی و تحقیقی مقالات کے مصنف ہیں- نیز مختلف زبانوں میں آپ کی متعدد معرکۃ الآراء تصانیف و تراجم بھی عالمی شہرت یافتہ ہیں- جن میں آپ کا فرانسیسی ترجمہ قرآن سر فہرست اور کروڑوں فرانسیسی دان افراد میں معروف و معتبر ہے۔ علاوہ ازیں "صحیفة همام بن منبه" (عربی: تحقیق و تدوین) "رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی" (اردو) "جنگ جمل و صفین میں یہودیوں کا کردار" (انگریزی) "Introduction to Islam" (فرانسیسی، انگریزی) چند ایسے عنوانات ہیں جو آپ کے تبحر علمی، وسعت معرفت اور کثرت تصانیف و مقالات کی نشاندہی کے لئے بطور مثال کفایت کرتے ہیں- آپ بحیثیت مفکر و محقق، مؤلف و مؤرخ اور معلم و مبلغ، عصر جدید کے عالمی شہرت یافتہ مشاہیر اسلام کی صف اوّل میں منفرد و ممتاز مقام کے حامل اور "شاہ فیصل ایوارڈ" یافتہ ہیں-

ڈاکٹر حمید اللہ، سیدنا معاویہؓ و حسینؓ کی تعظیم و تجلیل، خلافت یزید کی شرعی و تاریخی حیثیت، یزید کے فسق و فجور کی تردید اور اس کے قتل حسینؓ سے بری الذمہ ہونے، نیز شیعان کوفہ کی غداری و بیعت ابن زیاد کے بعد دست در دست یزید کی حسینی پیشکش سمیت متعدد اہم حقائق و انکشافات اور اس سلسلہ میں ناقابل تردید دلائل و شواہد پر مبنی مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (فرزند مولانا منظور نعمانی) کی نادر المثال تصنیف "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" (مطبوعہ "الفرقان" لکھنؤ ۱۹۹۲ء) کی تحسین کرتے ہوئے اپنے مکتوب بنام مولانا سنبھلی (۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ) میں رقمطراز ہیں :-

باسمہ تعالی حامداً و مصلیاً

4, Rinch Tournon,
Paris-6/ France.

۱۴جمادی الاولی
۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم مدظلکم !

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

چند دن ہوئے گراں قدر تحفہ "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" ملا- سر فراز کیا-
بعض دیگر مشغولیوں کے باعث جواب میں تاخیر ہوئی- معاف فرمائیں-

ماشاءاللہ کتاب معلومات سے پر ہے-

دو چیزیں عرض کرتا ہوں- ضروری نہیں کہ میری رائے بہتر ہو-

۱- کاش کتاب میں اشاریہ (انڈکس) بھی ہوتا، تاکہ تلاش میں سہولت ہو-

۲- حضرت عثمان کی شہادت کے سلسلے میں ابن سبا اور اس کے ساتھیوں کی کارروائیوں کا ذکر مناسب ہوتا کہ اس کے نتائج میں سے ایک واقعہ کربلا ہے- خاص کر حضرت عثمان کا خط والی مصر کے نام کہ محمد بن ابی بکرؓ وہاں پہنچیں تو ان کو قتل کر دیا جائے (وغیرہ) یہ ابن سبا کا کام تھا----- حفظکم اللہ و عافاکم -

خادم
محمد حمید اللہ

ڈاکٹر حمید اللہ اسی کتاب کے حوالے سے اپنے ایک اور مکتوب بنام مولانا سنبھلی (مؤرخہ ۱۶، اگست ۱۹۹۳ء) میں رقمطراز ہیں :-

"کیا آپ میرے رسالے "جنگ جمل و صفین میں یہودیوں کا کردار" سے واقف ہیں ؟ اگر ضرورت ہو تو اس کے انگریزی پاکستانی ایڈیشن کا فوٹو سٹاٹ روانہ خدمت کر سکوں گا۔

نیاز مند
محمد حمید اللہ

۱۷- "مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ واہل بیتؓ" پاکستان

مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ و اہل بیتؓ، پاکستان کی شائع کردہ سوا سو صفحات پر مشتمل مختصر و جامع و مدلل کتاب بعنوان "مسلم معاشرے پر شیعیت کے منفی اثرات" میں یزید کی سیرت طیبہ و شرعی امامت و خلافت کے اثبات اور منفی پروپیگنڈہ کے رد وابطال میں مستند و مدلل و مسکت حوالہ جات درج کئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:-

"کتنا حیران کن امر ہے کہ چھپن لاکھ مربع میل سے زیادہ وسیع و عریض سلطنت میں بسنے والے کروڑوں مسلمان یزید کی خلافت کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ ان میں سینکڑوں صحابہؓ اور ہزاروں بلکہ لاکھوں تابعین تھے۔ اڑھائی سو سے زیادہ جلیل القدر صحابہؓ کے نام اسماء تاریخ کی کتب میں موجود ہیں۔

ان میں سے کسی کو یزید کی کوئی بد کرداری نظر نہ آئی۔ اور اگر یزید واقعی بد کردار تھا تو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کیا سب کے سب بزدل تھے یا فاسق و فاجر تھے؟ اس تصور سے ہی جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج جو لوگ محراب و منبر سے بڑھ چڑھ کر یزید کی مفروضہ برائیاں بیان کرتے ہیں، وہ بالواسطہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو دین سے بے گانہ، بزدل، کتمان حق کے مجرم بلکہ فاسق وفاجر سمجھتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

کیا یزید کا فسق و فجور کسی شامی یا کسی حجازی کو نظر نہ آیا؟ صرف کوفیوں کو ہی "اسلام خطرے میں ہے" کی گھنٹی سنائی دی۔ دراصل کوفی وہی شرارتی گروہ تھا جس نے سیدنا علیؓ کی خلافت کو بھی ناکام بنایا۔ اب یہ بدامنی پھیلانے کے لئے سیدنا حسینؓ کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے آپ کو پے در پے خطوط لکھے۔ خود وفد کی صورت میں گئے اور ان کو لے آئے۔ دوران سفر آپ کو جب صحیح صورتحال کا انکشاف ہوا تو آپ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور بیعت یزید کی تجدید کے لئے دمشق کا راستہ اختیار کر لیا۔ "حتی اضع یدی فی ید یزید" کی متفقہ روایت آپ

کے رجوع کی روشن دلیل ہے جسے تاقیامت نہیں جھٹلایا جاسکتا۔" (مسلم معاشرے پر شیعیت کے منفی اثرات، ص ۸۴، مجلس تحفظ ناموس صحابہ واہل بیت، پاکستان، دوسرا ایڈیشن مع ترمیم واضافہ)۔

خلاصہ کلام کے طور پر درج ذیل بیان انتہائی اہم اور قابل تفکر و تدبر ہے:-

حضرات علمائے کرام کی خدمت میں

۱۔ اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا تو حضرت امیر معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابی مدبر اسلام حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی تحریک پر یزید کو خلافت جیسی مقدس امانت کے لئے نامزد نہ فرماتے۔ کیونکہ ایسے شخص کی نامزدگی تو آخرت کی بربادی کا موجب تھی۔

۲۔ اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا تو کم و بیش تین سو صحابہ کرامؓ (جن کے نام اسماء الرجال، سیرت اور تاریخ کی کتب میں موجود ہیں) جو اس وقت حیات تھے اس کی بیعت نہ کرتے۔

۳۔ اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس کے خلاف ضرور آواز اٹھاتیں۔

۴۔ اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا تو وہ بخاری شریف کی مشہور حدیث "مغفور لھم" کا مصداق نہ ٹھہرتا۔ جس میں زبان رسالت مآب سے یزید کو صاف طور پر مغفرت کی بشارت مل چکی ہے۔

۵۔ اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا تو جہاد قسطنطنیہ کے موقع پر معمر و معزز صحابی اور میزبان رسول سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کی نماز جنازہ پڑھانے کی جسارت نہ کرسکتا۔

۶۔ اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا تو مسلسل تین سال (۵۱- تا ۵۳ھ) تک امیر الحج نہ مقرر ہوتا۔ (ہزاروں صحابہؓ اور لاکھوں تابعین نے اس کی امارت میں حج کئے اور اس کے پیچھے نمازیں ادا کیں)۔

۷۔ اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا اور اس کی ذات سے اسلام کو خطرہ لاحق ہوتا تو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والے اکیلے حضرت حسینؓ نہ ہوتے۔ تمام صحابہؓ بلکہ پوری مسلم قوم اسلام کی حفاظت و سلامتی کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی اور پھر کفر و فسق کی

حکمرانی ایک دن بھی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ (واضح رہے کہ ہمیں تاریخ کی کسی بھی صحیح روایت سے یہ بات نہیں ملتی کہ آپ (سیدنا حسینؓ) نے اپنے بزرگوں یا عزیزوں میں سے کسی کے سامنے اس بات کا اظہار کیا ہو کہ یزید فاسق و فاجر ہے اس لئے میں اس کے خلاف جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں)۔

۸- یزید اگر فاسق و فاجر ہوتا تو سانحہ کربلا کے بعد حضرت حسینؓ کے صاحبزادے حضرت زین العابدینؒ یزید کے حق میں دعائے خیر نہ کرتے جس کے الفاظ یوں ہیں:-

"وصلی اللہ امیر المؤمنین و احسن جزائہ"-

(الامامہ والسیاستہ، ص ۲۱۸/ج ۱، طبقات ابن سعد، (اردو)، ص ۲۲۰/ج ۵، بلاذری، ص ۳۹/ج ۴)۔

اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین (یزید) کو اپنے رحم و کرم سے نوازے اور انہیں جزائے خیر دے۔

۹- اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا یا قتل حسینؓ میں ملوث ہوتا تو کیا حضرت حسینؓ کی بہن حضرت زینبؓ یا حضرت حسینؓ کے بیٹے زین العابدینؒ کی غیرت گوارا کرتی کہ وہ حضرت حسینؓ کے قاتل کے ہاں بطور مہمان کئی روز قیام کریں اور اس سے تحائف اور وظائف وصول کریں۔

۱۰- اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا تو حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہؒ، فتنہ حرہ کے موقع پر یزید کی صفائی بیان نہ کرتے"۔

۱۱- اگر یزید فسق و فاجر ہوتا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اسے "رحمتہ اللہ علیہ" نہ کہتے۔ بطور ثبوت ملاحظہ ہو ابن حجر عسقلانی کی ایک معتبر روایت جو "لسان المیزان" ج ۶، ص ۲۹۴ میں یوں درج ہے:-

وقال ابن شوزب سمعت ابراہیم بن ابی عبد یقول سمعت عمر بن عبدالعزیز یترحم علی یزید بن معاویۃ-

یعنی ابن شوزب نے کہا ہے کہ میں نے ابراہیم بن عبد سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن معاویہ کے لئے رحمت کی دعا کرتے سنا۔

۱۲- اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا تو لیث بن سعد اسے امیر المؤمنین نہ کہتے۔ (واضح

رہے کہ معتبر لوگ یزید کی عدالت کی شہادت دیتے ہیں)۔ چنانچہ یحییٰ بن بکیر نے لیث بن سعد سے روایت کیا ہے کہ لیث نے کہا:- ''امیر المؤمنین یزید فلاں تاریخ کو فوت ہوئے۔''

تو لیث نے یزید کو امیر المؤمنین اس وقت کہا جب کہ بنوامیہ کی سلطنت اور حکومت کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اور اگر یزید فی الواقع ان کے نزدیک ایسا نہ ہوتا تو سید ھے الفاظ میں کہتے:- ''یزید فوت ہوا۔'' (العواصم من القواصم، ترجمہ اردو، ص ۳۶۵)۔

۱۳۔ اگر یزید فاسق و فاجر ہوتا تو نامور صحابہؓ و تابعینؒ اور عالم اسلام کے جلیل القدر حضرات اس کا دفاع نہ کرتے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت محمد بن حنفیہؒ، ---

حضرت عاصم (یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے جنہوں نے اپنی دختر ام مسکینؒ کو یزید کے عقد میں دیا)۔

حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ۔ (یعنی حضرت حسینؓ کے چچازاد بھائی جنہوں نے اپنی لخت جگر ام محمدؒ کا نکاح یزید کے ساتھ کیا)۔

حضرت ابوزرعہ دمشقی۔ (جنہوں نے یزید کو طبقہ علیا میں شمار کیا اور اسکی مروی احادیث کا بھی اقرار کیا)۔

امام احمد بن حنبلؒ۔ (جنہوں نے یزید کا تذکرہ ''کتاب الزھد'' میں زھاد صحابہؓ کے بعد اور تابعینؒ سے پہلے کیا۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ کے نزدیک یزید تمام گھناؤنے الزامات سے پاک ایک متقی و پرہیزگار شخص تھا)۔

شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربی۔ (متوفی ۵۸۳ھ۔ جنہوں نے یزیدؒ کی فضلیت میں ایک مستقل کتاب ''فضائل یزید بن معاویہ'' تصنیف فرمائی)۔

علامہ ابن کثیرؒ، علامہ ابن قیمؒ، امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ، ابن العربیؒ، حافظ عبدالغنی مقدسیؒ، اور ملا علی قاریؒ، (جنہوں نے اپنی گرانقدر تصانیف میں فسق یزید کی تردید کی ہے)۔

ان عالی مرتبت شخصیات کا طرز عمل اور بیانات اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ یزید ان تمام الزامات سے پاک ہے جو موجودہ دور کے پروپیگنڈے کے ذریعے اس کی

طرف منسوب کئے جاتے ہیں"۔

(راجع مسلم معاشرے پر شیعیت کے منفی اثرات، ص ۱۰۰-۱۰۲، دوسرا ایڈیشن مع ترمیم و اضافہ، ناشر مجلس تحفظ ناموس صحابہ و اہل بیت پاکستان)۔

۴۸- ڈاکٹر مشتاق احمد سلفی

(خطیب بنگلہ نائی والا ضلع ساہیوال)

ممتاز عالم و دانشور ڈاکٹر مشتاق احمد سلفی، یزید کی امامت و خلافت کی شرعی حیثیت کے اثبات اور بیعت یزید کی حسینی پیشکش نیز دیگر متعلق امور کے حوالہ سے تحریر شدہ مولانا محمد الفاروقی کے مقالہ "مکہ سے کربلا تک" کی تائید و توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"بعونہ تعالیٰ اما بعد-

محترم المقام مولانا محمد الفاروقی النعمانی اطال اللہ بقائہ نے یہ عجیب و غریب تحقیقی اور علمی مقالہ لکھ کر اہل سنت پر ایک بڑا احسان کیا ہے۔ کیونکہ اس میں حادثہ کربلا کے سلسلہ میں شیعوں کی صدیوں سے کذب بیانی کا پردہ چاک کرکے حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اپنے موضوع کا یہ پہلا مقالہ ہے جو ایسے انداز میں لکھا گیا ہے کہ آج تک کسی عالم نے نہیں لکھا۔

اللہ تعالیٰ فاضل مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر مشتاق احمد سلفی

بنگلہ نائی والا

۱۴، جمادی الاول ۱۴۱۳ھ"۔

(راجع محمد الفاروقی النعمانی، مکہ سے کربلا تک حضرت حسین بن علی کی تین شرطیں، مطبوعہ، مرکز تحقیق حزب الاسلام، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۷۵، بعنوان توثیق مولانا، ڈاکٹر مشتاق احمد صاحب الحدیث سلفی مدظلہ، خطیب نائی والا، ضلع ساہیوال)۔

کلام آخر بسلسلہ "یزید کا مقدمہ"

اس کتاب میں مختصر احوال یزید، یزید پر الزامات و جواب الزامات، نیز ڈیڑھ سو سے زائد اقوال اکابر امت و اقوال اکابر اہل تشیع و غیر مسلم محققین بسلسلہ یزید کے حوالہ سے جو معلومات و تفصیلات درج کی گئی ہیں، ان کے مطالعہ سے علماء و مشائخ، محققین و مؤرخین اور دیگر قارئین محترمین پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور وہ کیا نتائج اخذ کرتے ہیں، اس کا فیصلہ ان کی آراء و تنقیدات سامنے آنے پر ہی کیا جاسکتا ہے۔ البتہ محتاط انداز اختیار کرتے ہوئے بھی کم از کم اتنی بات ضرور کہی جاسکتی ہے کہ یزید کے مقدمہ کے حوالہ سے ملزم کو صفائی کا پورا موقع اور شک کا فائدہ دیتے ہوئے نیز جدید اسلوب تحقیق کو حتی الامکان ملحوظ رکھتے ہوئے جس قدر علمی و تحقیقی مواد اس کتاب میں ترتیب زمانی کے ساتھ جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ اپنی تمام تر ممکنہ خامیوں کے باوجود اپنی نوعیت کی ایک منفرد کوشش ہے۔ جو مستقبل کے محققین و ناقدین، مؤرخین و مصنفین نیز دیگر مختلف النوع و الھدف قارئین کے لئے اس موضوع پر سابقہ تحقیقات کی نشاندہی اور آئندہ تحقیقات کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو سکتی ہے۔ اور عصر جدید کے علماء کرام، مشائخ عظام، مفتیان و قاضیان، دانشوران و خواص و عوام کو یزید کے بارے میں حقائق و شواہد پر مبنی ایک معتدل و متوازن موقف کی تلاش نیز افراط و تفریط پر مبنی مواقف کے رد و ابطال میں اس کتاب سے خواہ تنقید کتاب کے ہمراہ ہی سہی، کافی مدد حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اس سلسلے میں وہ اکابر امت کی مختلف و متنوع آراء سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ نیز کتاب میں مختلف مقامات پر درج بکثرت حوالہ جات اور آخر میں درج "فہرست المراجع" کے مطابق اصل مصادر و ماخذ کا حسب ضرورت مطالعہ کر کے تنقید یا تحقیق مزید اور شرح صدر کا سامان بھی فراہم کر سکتے ہیں۔ اور کیا عجب یہ کتاب اپنی تمام تر ممکنہ خامیوں اور سنجیدہ ناقدین کتاب کے تمام تر رد عمل کے باوجود عصر جدید کے اکابر امت کی غالب اکثریت کو اعتدال و توازن پر مبنی ایک مثبت و مشترک موقف پر متحد و متفق کرنے کا باعث بن جائے۔ اور چودہ صدیوں کے انتہا

پسندانہ یزید مخالف پروپیگنڈہ کی مسموم فضاء کو علمی و دینی اور تاریخی و تحقیقی حقائق و شواہد کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے عدل و احسان کے تقاضے ہمیشہ کے لئے پورے کر دیئے جائیں-

وقال تعالی: اعدلوا هو أقرب للتقوی-
وقال علیه السلام: قل الحق ولو کان مرا-
وبالله التوفیق وهوالمستعان وانه علی کل شئی قدیر-

فهرست المراجع (عربی)

١. الله جل جلاله- القرآن الكريم

٢. الالوسی، شهاب الدين- تفسير "روح المعانی"-

٣. ابن ابی الحديد- شرح نهج البلاغة

۴. ابن الاثير الجرزی- اسد الغابة فی معرفة الصحابة-

٥. ابن الاثيرالجرزی- الكامل فی التاريخ

٦. ابن تيمية- رأس لحسين.

٧. ابن تيمية- فتاوی ابن تيمية.

٨. ابن تيمية- منهاج السنة.

٩. ابن تيمية- الوصية الكبرى.

١٠. ابن جرير الطبری- تاريخ الامم و الملوك (تاريخ الطبری)

١١. ابن حجر العسقلانی- الاصابة فی تمييز الصحابة

١٢. ابن حجر العسقلانی- تهذيب التهذيب

١٣. ابن حجر العسقلانی- فتح الباری، شرح البخاری

١۴. ابن حجر العسقلانی- لسان الميزان

١٥. ابن حجر المكی- الصواعق المحرقة.

١٦. ابن حزم- جمهرة الأنساب.

١٧. ابن حزم- كتاب الفصل بين الملل والأ هواء والنحل

١٨. ابن خلدون- مقدمة "تاريخ العبر"

١٩. ابن خلكان- وفيات الأعيان

٢٠. ابن سعد- الطبقات الكبرى

٢١. ابن طولون- قيد الشريد من اخبار يزيد، تحقيق محمد زينهم، القاهرة، ١۴٠٧هـ، ١٩٨٧م

٢٢. ابن عبدالبر- الاستيعاب

٢٣. ابن عبدربه- العقد الفريد، مصر، ١٣٥٣هـ

٢۴. ابن العربی، القاضی ابوبكر- العواصم من القواصم (تحقيق محب الدين الخطيب) - مصر، لجنة الشباب المسلم.

٢٥. ابن العباسی اليزيدی، محمد- اخبار اليزيديين.

۲۶. ابن کثیر، الدمشقی- البدایة والنهایة

۲۷. ابن قتیبة، الدینوری- عیون الأخبار

۲۸. ابن قتیبة، الدینوری- کتاب المعارف، مصر ۱۳۰۳ھ

۲۹. ابن قتیبة- الامامة والسیاسة

۳۰. ابوجعفر الطوسی- تلخیص الشافی، ایران، ۱۳۰۱ھ

۳۱. ابوجعفر محمد- کتاب المجر

۳۲. ابو حنیفة الدینوری- الأخبار الطوال

۳۳. ابوداؤد، الامام- السنن (سنن ابی داؤد)

۳۴. ابوالفرج الاصفهانی- مقاتل الطالبین

۳۵. الأردبیلی، علی بن عیسی- کشف الغمة فی معرفة الأئمة، ۱۳۸۱ھ.

۳۶. ارسلان، امیر شکیب- حاضر العالم الاسلامی، طبع القسطنطنیة.

۳۷. الازراقی- تاریخ الکعبة المعظمة.

۳۸. البخاری، الامام محمد بن اسماعیل- الجامع الصحیح (صحیح البخاری).

۳۹. البرزنجی، محمد بن عبدالرسول الاشاعة فی أشراط الساعة

۴۰. البلاذری- انساب الأشراف، طبع یروشلم.

۴۱. البلاذری- فتوح البلدان.

۴۲. التبریزی، الخطیب، ولی الدین محمد بن عبدالله- مشکاة المصابیح.

۴۳. حاجی خلیفة، مصطفی بن عبدالله کاتب چلپی- کشف الظنون عن آسامی الکتب و الفنون، طبع القسطنطنیة ۱۳۸۰ھ.

۴۴.

۴۵. الحاکم، الامام ابوعبدالله المستدرک علی الصحیحین.

۴۶. الحنفی، القاضی بدر الدین- آکام المرجان فی غرائب الاخبار و أحکام الجان دهلی أصح المطابع

۴۷. الحموی، یاقوت- معجم البلدان

۴۸. الخضری- اتمام الوفاء فی سیرة الخلفاء

٤٩. الخفاجي- الكلام فی سیدنا معاویة وابنه یزید، القاهرة، دار الكتب القومية التيمورية رقم المخطوطة -(٩٤١)
٥٠. الخمینی، سید روح الله- الحكومة الاسلامية، طبع الحركة الاسلامية فی ایران. بیروت.
٥١. الدهلوي، الشيخ عبدالحق المحدث- ماثبت بالسنة فی أیام السنة
٥٢. الذهبی- تاريخ الاسلام و طبقات المشاهير والأعلام
٥٣. الذهبی- ميزان الاعتدال فی نقد الرجال
٥٤. الزبیری، معصب- كتاب نسب قريش .
٥٥. الزركلی، خیرالدین- الأعلام، بيروت مطبع کوستا تسوموس ١٩٥٦م / ٧٥ ١٣ه.
٥٦. الشاه ولی الله، الدهولی المسوى، شرح الموطا، طبع الهند-
٥٧. شبلی النعمانی- رسالة الانتقاد
٥٨. طاش کبری زاده- مفتاح السعادة و مصباح السيادة
٥٩. الطبرانی- المعجم الكبير
٦٠. الطبرسی- كتاب الاحتجاج
٦١. الطبرسی، فضل بن حسن- اعلام الورى بأعلام الهدى، ١٣٣٨ه
٦٢. العربنان، دكتور حمد محمد- اباحة المدينة و حريق الكعبة فی عهد یزید بن معاوية بين المصادر القديمة والحديثة، الكويت، مكتبة ابن تيمية، الطبعة الثانية، ١٤٠٨ه/١٩٨٨م
٦٣. علی القاری، الحنفی- شرح الفقه الأكبر، دهلی، طبع مجتبائی
٦٤. علی متقی، البرهانفوری- كنز العمال فی سنن الأقوال و الأعمال، الهند
٦٥. عمر، ابوالنصر- یزید بن معاوية
٦٦. عنبه، جمال الدين- عمدة الطالب فی انساب آل أبی طالب، لکهنئو، مطبع جعفری
٦٧. الفرهاروی، عبدالعزيز- النبراس شرح العقائد
٦٨. كرد علی، محمد- كنوز الاجداد
٦٩. القسطلانی- شرح البخاری، دهلی، اصح المطابع ١٣٥٧ه

70 اللکھنوی، الشیخ عبدالحئی- نزھة الخواطر، حیدرآباد الدکن، ۱۳۷۰ھ

71 مجلسی، ملاباقر- بحار الأنوار، طبع ایران

72 مرتضی، سید شریف- تنزیه الأنبیاء، ۱۳۵۰ھ

73 المسعودی- کتاب التنبیه والاشراف

74 مسلم، الامام- الجامع الصحیح (صحیح مسلم)

75 المفید، الشیخ- الإرشاد، ایران، انتشارات علمیة إسلامیة، ۱۳۸۷ھ-

76 المنجد، دکتور صلاح الدین- یزید بن معاویة (تحقیق)

77 المهری، محمد جواد (المترجم- مختارات من اقوال الامام الخمینی الجزء الثانی (۲) طهران، وزارة الارشاد الاسلامی، ۱۴۰۳ھ

78 النقوی، علی نقی- السبطان فی موقفیهما، لاهور، اظهار سنز

79 النیسابوری، محمد فتال- روضة الواعظین، ۱۳۸۵ھ

80 الهروی، ابن لازهر، محمد بن احمد الازهری- کتاب فی یزید بن معاویة

81 الیعقوبی، ابن واضح- تاریخ الیعقوبی

۸۲. جریدة "العلم" الیومیة، الرباط (المغرب) ۵ سیبتمبر ۱۹۶۶ م

83 مجلة "التوحید" طهران، ذوالقعدة- ذوالحجة، ۱۴۱۰ھ

فهرست المراجع (فارسی)

84 خمینی، سید روح الله- کشف اسرار، تهران، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ

85 دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث- ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء

86 دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث- تفهیمات الهیه

87 دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث- وصیت نامه، کانپور، مطبع مسیحی، ۱۲۷۳ھ

88 شریعتی، دکتر علی- تشیع علوی و تشیع صفوی، مطبوعه

دفتر تدوین و تنظیم مجموعه آثار معلم شهید دکتر علی شریعتی

89 شریعتی، دکتر علی- فاطمه فاطمه است، تهران، سازمان انتشارات حسینیه ارشاد، چاپ دوم، تیر ماه ۱۳۵۶

90 شریعتی، دکتر علی- قاسطین، مارقین، ناکثین، تهران، انتشارات قلم، آبانماه ۱۳۵۸، چاپ دوم.

91 کاشانی، میرزا محمد تقی سپهر- ناسخ التواریخ، طهران

92 قمی، شیخ عباس- منتهی الامال. ایران ۱۳۸۸ھ- سازمان چاپ و انتشارات جاویدان-

93 قنوجی، نواب صدیق حسن خان- جمع الکرامة-

94 قزوینی، ملاخلیل- صافی شرح اصول کافی

95 مجدد الف ثانی، شیخ احمد سر ہندی- مکتوبات امام ربانی، لاهور، نور کمپنی، ۱۹۶۵ء

96 مجلسی، ملا باقر- جلاء العیون، طبع ایران

97 مجلسی، ملا باقر- حق الیقین، طبع ایران

98 مجلسی، ملا باقر- حیات القلوب

فہرست المراجع (اردو)

99 آزاد، مولانا ابوالکلام- مسئلہ خلافت، لاہور، داتا پبلشرز، ۱۹۷۸ء

100 اسرار احمد، ڈاکٹر- سانحہ کربلا، لاہور، مرکزی انجمن خدام القرآن، بار ہفتم، مئی ۱۹۹۳ء

101 اقبال، علامہ محمد- کلیات اقبال (اردو) لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۳ء

102 امیر علی، جسٹس سید- سپرٹ آف اسلام، اردو ترجمہ بنام "روح اسلام" از محمد ہادی حسین، دہلی، اسلامک بک سنٹر-

103 البرنی ' کاش - المختصر- تقویم خیر القرون ' کراچی ' اوراق پبلشرز ۱۹۸۴ء-

104 بریلوی، مولانا احمد رضا خان- احکام شریعت، مطبوعہ ہند

105 بریلوی، مولانا احمد رضا خان- رد الرفضہ (تقدیم و ترتیب، محمد فاروق کلیمی، بعنوان "مجموعہ رسائل رد روافض) کراچی، ادارہ معارف اعلیحضرت

106 بندیالوی، عطاء اللہ- واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، سرگودھا، المکتبہ الحسینیہ، مئی ۱۹۹۵ء-

107- بندیالوی، علامہ عطا محمد، سیف العطا، لاہور، عطا بندیالوی اکیڈیمی، مئی ۱۹۹۴ء-

108 تھانوی، مولانا محمد اشرف علی- امداد الفتاوی، جلد خامس، طبع الھند

109 تھانوی، مولانا محمد اشرف علی- بہشتی زیور، تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور، کراچی،

110 تبریزی، خطیب- اکمال فی اسماء الرجال (اردو ترجمہ) مطبوعہ مع مشکاۃ المصابیح، لاہور، مکتبہ رحمانیہ-

111 جامعہ پنجاب، لاہور- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، جلد اول، طبع اول ۱۹۶۴ء (ودیگر مجلدات)

112 جامعہ پنجاب، لاہور- تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، لاہور، جلد دوم، عربی ادب، فروری ۱۹۷۲ء، (ودیگر مجلدات)

113 جعفر حسین، مفتی نہج البلاغہ، اردو ترجمہ و حواشی، لاہور، امامیہ پبلی کیشنز، اکتوبر ۱۹۸۸ء

114 حامدی، خلیل احمد جادہ و منزل (اردو ترجمہ "معالم فی الطریق" از سید قطب) لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۹۸۱ء

115 حمید الدین، ڈاکٹر- تاریخ اسلام، لاہور، فیروز سنز لمٹیڈ

116 خانہ فرہنگ- اتحاد و یک جہتی امام خمینی کی نظر میں، ملتان خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران-

117 دہلوی، شیخ عبدالحق محدث- ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ ۱۳۸۰ھ

118 دہلوی، میرزا حیرت- چراغ دہلی، اردو اکادمی، دھلی، مارچ ۱۹۸۷ء

119 دہلوی، میرزا حیرت- کتاب شہادت، دہلی، کرزن پریس، ۱۹۱۳ء، وطبع ثانی، جلد اول، کراچی، مکتبہ جاء الحق، ۱۹۷۴ء

120 رضوی، علامہ سید محمود احمد- شان صحابہؓ، مطبوعہ، لاہور

121 زاہد علی، ڈاکٹر- تاریخ فاطمیین مصر

122 سنبھلی، مولانا عتیق الرحمن- واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، (دوسرا ایڈیشن، اہم اضافوں کے ساتھ) ملتان، بیسون پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء

123 سیالوی، علامہ محمد قمر الدین- مذہب شیعہ، لاہور، اردو پریس، ۱۳۷۷ھ

124 شیرانی، ڈاکٹر حافظ محمود- مقالات شیرانی، جلد ششم، لاہور، ۱۹۷۲ء

125 صدیقی، نعیم- محسن انسانیت، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمٹیڈ (اشاعت چہارم) ۱۹۷۲ء-

126 صدیقی، ابوالحسین محمد عظیم الدین۔ امیر المومنین یزید ارشادات اکابر کی روشنی میں۔ کراچی، مجلس حضرت عثمان غنیؓ، تسع سوم جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ

127 ضیاء الحق، قاری محمد۔ یزید، اکابر اہل سنت دیوبند کی نظر میں، کراچی، مکتبہ اہل سنت وجماعت، جولائی ۱۹۹۳ء۔

128 طیب، مولانا قاری۔ شہید کربلا اور یزید۔ طبع الھند۔

129 عباسی، علامہ سید محمود احمد۔ خلافت معاویہؓ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۲ء

130 عباسی، علامہ سید محمود احمد۔ تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہؓ و یزید، کراچی، جون ۱۹۶۱ء

131 عبدالستار شاہ، علامہ۔ ایک استفسار کا جواب، مجلس تحقیق و نشریات اسلام پاکستان

132 العریبنان، ڈاکٹر حمد محمد، (مترجم) محمد سعید الرحمن علوی۔ (اباحتہ المدینہ و حریق الکعبہ فی عہد یزید بن معاویہ) امیر یزید بن معاویہؓ کے خلاف دو سنگین الزامات کا جائزہ مدینہ کی بیحرمتی۔ خانہ کعبہ کے تقدس کی پامالی۔ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

133 عطاء المنعم بخاری، مولانا سید ابو معاویہ ابوذر۔ سیرت سیدنا معاویہؓ

134 غلام احمد، قاری۔ انوار قمریہ، لاہور، اپریل ۱۹۹۱ء

135 فاروقی، پیرزادہ اقبال احمد۔ صحابہ کرامؓ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے آئینے میں، لاہور، مکتبہ نبویہ، ۱۹۹۱ء

136 فاروقی، مولانا ضیاء الرحمن۔ خلافت راشدہ جنتری، ۱۹۸۷ء (مطابق ۸-۱۴۰۷ھ) فیصل آباد، اشاعتہ المعارف

137 فاروقی، مولانا عبدالعلی۔ تاریخ کی مظلوم شخصیتیں، مطبوعہ ہند

138 الفاروقی، محمد النعمانی۔ مکہ سے کربلا تک، حضرت حسینؓ بن علیؓ کی تین شرطیں، لاہور، مرکز تحقیق حزب الاسلام، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء

139 فیض احمد۔ مقالات مرضیہ (ملفوظات مہریہ) لاہور، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور ۱۹۷۴ء

140 کاشمیری، شورش (آغا عبدالکریم) تحریک ختم نبوت، ۱۸۹۱ء سے ۱۹۷۴ء تک، لاہور، چٹان پرنٹنگ پریس، ۱۹۸۰ء

141 کاندھلوی، مولانا حبیب الرحمن۔ مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، مطبوعہ کراچی

142 گنگوہی، مولانا رشید احمد۔ فتاوی رشیدیہ (کتاب ایمان اور کفر کے مسائل) طبع الہند

143 قادری، مفتی غلام سرور- افضلیت سیدنا صدیق اکبرؓ، ساہیوال، مکتبہ فریدیہ

144 مالک رام- ماہ و سال، مطبوعہ دہلی

145 مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ و اہل بیتؓ، پاکستان- مسلم معاشرے پر شیعیت کے مخفی اثرات، (دوسرا ایڈیشن مع ترمیم و اضافہ) مطبوعہ پاکستان

146 محمد دین بٹ، ابو یزید- خلافت رشید ابن رشید، سیدنا یزید، مطبوعہ لاہور

147 محمد علی، مولانا- دشمنان امیر معاویہؓ کا علمی محاسبہ، مطبوعہ لاہور

148 مدنی، مولانا سید حسین احمد- مکتوبات شیخ الاسلام، جلد اول

149 مطہری، سید مرتضیٰ- (نہضت ہای اسلامی در صد سالہ اخیر) بیسویں صدی کی اسلامی تحریکیں، اردو ترجمہ از ڈاکٹر ناصر حسین نقوی، راولپنڈی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، نومبر ۱۹۸۰ء

150 مودودی، مولانا سید ابوالاعلی- خلافت و ملوکیت، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۸۰ء

151 موسوی، ڈاکٹر موسی- (الشیعہ والتصحیح) اصلاح شیعہ، اردو ترجمہ از ابو مسعود آل امام، مطبوعہ پاکستان، فروری ۱۹۹۰ء

152 نافع، مولانا محمد- سیرت حضرت امیر معاویہؓ، ناشر، "تخلیقات"، لاہور ۱۹۹۵ء-

153 ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی- المرتضی، اردو ترجمہ از ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، ایڈیشن سوم، مطبوعہ لکھنو

154 ندوی، مولانا سید سلیمان- سیرت النبی، جلد سوم

155 ندوی، مولانا سید سلیمان- حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر پر تحقیقی نظر، لاہور، المکتبہ السلفیہ، ۱۹۷۸ء

156 ندوی، مولانا محمد اسحاق صدیقی- اظہار حقیقت، مطبوعہ کراچی

157 ندوی، مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی- اموی خلافت کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ، (ماخوذ از "اظہار حقیقت" حصہ سوئم)، ناشر مولانا عبدالرحمن، کراچی، اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن، رمضان ۱۴۱۴ھ

158 ندوی شاہ معین الدین احمد- تاریخ اسلام، لاہور، ناشران قرآن لمٹیڈ

159 نعمانی، مولانا محمد منظور- ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت، لاہور، مکتبہ مدنیہ

160 نعمانی، مولانا محمد منظور- خمینی اور شیعہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ

فیصلہ، حصہ اول و دوم مع ضمیمہ جات، مطبوعہ پاکستان، (ماخوذ از ماہنامہ "الفرقان" لکھنو، اشاعت خاص، دسمبر ۱۹۸۷ تا جولائی ۱۹۸۸ء)

161 نقوی، سید شاکر حسین امروہوی- مجاہد اعظم، طبع ہند

162 نقوی، مولانا سید علی نقی- شہید انسانیت

163 نیاز احمد، حکیم- کشف الغمہ عن عمر اُم الأمہ، یعنی تحقیق عمر عائشہ صدیقہؓ، کراچی، مشکور اکیڈیمی

164 ہاشمی، پروفیسر قاضی محمد طاہر علی- تذکرہ خلیفہ راشد، امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ، ناشر، قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈیمی، مرکزی جامع مسجد حویلیاں، ہزارہ ۱۹۹۵ء

165 ھاشمی، مولانا عبدالقدوس، مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ، کراچی ۱۹۸۱ء-

اردو مجلات و جرائد

166 پندرہ روزہ "الاحرار" لاہور، یکم تا پندرہ جولائی ۱۹۹۲ء (سیدنا حسینؓ نمبر)-

167 ہفت روزہ "الاسلام" لاہور-

168 ماہنامہ "البدر" کاکوری، ہند، اپریل مئی ۱۹۹۲ء-

169 ماہنامہ "تجلی" دیوبند، ہند، جون، جولائی، اگست ۱۹۶۰ء-

170 ماہنامہ "تدبر" لاہور، مئی و اگست ۱۹۹۲ء-

171 ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور، اگست ۱۹۹۴ء، و ستمبر ۱۹۹۵ء-

172 پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنو، ۱۰ مارچ، ۱۹۹۲ء-

173 ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند"، ہند، ستمبر ۱۹۹۲ء-

174 ماہنامہ "الرشاد" اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۹۲ء-

175 ماہنامہ "فاران" کراچی، جون ۱۹۷۵ء-

176 ماہنامہ "الفرقان" لکھنو، ہند، (اشاعت خاص دسمبر ۱۹۸۷ء تا جولائی ۱۹۸۸ء) مئی و جون، اگست، نومبر و دسمبر ۱۹۹۲ء-

177 ماہنامہ "میثاق" لاہور، مئی ۱۹۹۲ء-

178 مجلہ "وحدت اسلامی" اسلام آباد، محرم، ۱۴۱۶/۱۹۹۵ء، سفارت جمہوری اسلامی ایران-

179 "الہلال" کلکتہ، ہند، ۱۲، اگست ۱۹۲۷ء-

180 . " صدق جدید " لکھنو۔

181 روزنامہ "نوائے وقت" لاہور۔

فہرست المراجع (انگریزی)

182 - Byzantine Empire

183 Continuatica Byzantina Arabica

184 Encyclopedia Britanica

185 Encyclopedia of Islam (Leyden)

186 The Great Umayyad (Muhammad A. Haris) Karachi

187 The History of Muslim Dynasties in Spain (R.Dozy)

Translated by Francis Graffen, Landon, 1913

188 The Monthly "Universal Message. Karachi. (July, 1992)

189 The Daily "Star". Alahabad. India. March 12, 1934